

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

فتاوى قاسميه

منتخب فتاوى

حضرت مولانا مفتي شبير احمد القاسمي

خادم الافتاء و الحديث جامعه قاسميه
مدرسه شاهي مرادآباد، الهند

(جلد ۵)

المجلد الخامس

الطهارة بتمام ابوابها الصلوة
من اوقات الصلوة إلى صفة الصلوة

۱۳۱۶ ————— ۱۹۳۵

ناشر

مكتبه اشرفيه، ديوبند، الهند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ
حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بجٹ صاحب فتاویٰ شبیر احمد القاسمی 094 12552294

بجٹ مالک مکتبہ اشرفیہ دیوبند 09358001571

08810383186 01336-223082

محرم الحرام ۱۴۳۷ھ پہلا ایڈیشن

نائر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571-08810383186

مكمل اجمالى فهرست ايك نظر مين

رقم المسأله	عنوانات	المجلد
١٧٢ ١	مقدمة التحقيق، الإيمان والعقائد إلى باب ما يتعلق بالارواح.	المجلد الأول
٥٥٧ ١٧٣	بقية الإيمان والعقائد من باب الحشر إلى باب ما يتعلق بأهل الكتاب، التاريخ والسير، البدعات والرسوم.	المجلد الثاني
١٠٠٥ ٥٥٨	بقية البدعات والرسوم من باب رسومات جنائز إلى رسومات نكاح، كتاب العلم إلي باب ما يتعلق بالكتابة.	المجلد الثالث
١٤١٥ ١٠٠٦	بقية كتاب العلم من كتابة القرآن إلي باب الوعظ والنصيحة، الدعوة والتبليغ، السلوك والاحسان، الأذعية والأذكار.	المجلد الرابع
١٩٣٥ ١٤١٦	الطهارة بتمام أبوابها، الصلوة من أوقات الصلوة إلى صفة الصلوة.	المجلد الخامس
٢٤٥٧ ١٩٣٦	الجماعة، المساجد، الإمامة.	المجلد السادس
٢٩٦٤ ٢٤٥٨	بقية الصلوة من تسوية الصفوف إلي سجود التلاوة.	المجلد السابع
٣٤٢٣ ٢٩٦٥	بقية الصلوة من الذكر والدعاء بعد الصلوة، الوتر، ادراك الفريضة، السنن والنوافل، التراويح، صلوة المسافر.	المجلد الثامن

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بقية الجنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر.
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتاب الحج بتمام أبوابها، النكاح إلي باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الفسخ والتفريق، الظهار، الإيلاء، الخلع، الطلاق على المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضنة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، اللقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بقية الوقف من الفصل الثالث، المسجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

المجلد التاسع عشر	٨٤٠٩	٨٨٥٦	بقية الوقف، باب المدارس، كتاب اليوع، البيع الصحيح، الفاسد، المرايحة، الصرف، السلم، الوفاء، الشفعة، المزارعة.
المجلد العشرون	٨٨٥٧	٩٣٥٠	الشركة، المضاربة، الربوا بتمام أنواعها.
المجلد الحادي والعشرون	٩٣٥١	٩٧٣٥	الديون، الوديعة، الأمانة، الضمان، الهبة، الإجارة.
المجلد الثاني والعشرون	٩٧٣٦	١٠٢٤٥	الغصب، الرهن، الصيد، الذبائح بتمام أنواعها، الأضحية بتمام أنواعها، العقيقة، الحقوق، بأكثر أبوابها إلي باب حقوق الأقارب.
المجلد الثالث والعشرون	١٠٢٤٦	١٠٧٠٥	بقية الحقوق، الرؤيا، الطب والرقي بتمام أنواعها، كتاب الحظر والإباحة إلي باب السابع، ما يتعلق باللحية.
المجلد الرابع والعشرون	١٠٧٠٦	١١٢٠٥	بقية الحظر والإباحة، باب الأكل والشرب، الانتفاع بالحيوانات، الخمر، الدخان، الهدايا، الموالاة مع الكفار، المال الحرام، الأدب، اللهو، استعمال الذهب والفضة، كسب الحلال، الغناء، التصاوير.
المجلد الخامس والعشرون	١١٢٠٦	١١٦٠٠	الوصية، الفرائض بتمام أبوابها.
المجلد السادس والعشرون	١	١١٦٠٠	فهارس المسائل





فہرست مضامین

۸ / کتاب الطہارۃ

صفحہ نمبر	باب ما يتعلق بالوضوء	مسئلہ نمبر
۳۳	۱ / باب ما يتعلق بالوضوء	□
۳۳	وضو کی فضیلت	۱۴۱۶
۳۵	وضو کا حکم کب نازل ہوا؟	۱۴۱۷
۳۶	وضو کے بعد کی دعا	۱۴۱۸
۳۷	مسواک صرف مردوں کے لئے سنت ہے یا عورتوں کے لئے بھی؟	۱۴۱۹
۳۸	مسواک کی موٹائی و لمبائی کیا ہونی چاہئے؟	۱۴۲۰
۴۰	مسواک نہ ہونے کی صورت میں کیا کریں؟	۱۴۲۱
۴۱	وضو سے کون سے گناہ جھڑتے ہیں؟	۱۴۲۲
۴۲	سر کا مسح بھولنے کا حکم	۱۴۲۳
۴۴	مسح کا مسنون طریقہ	۱۴۲۴
۴۶	کیا مسح علی الراس کے لئے ماء جدید لینا ضروری ہے؟	۱۴۲۵
۴۷	وضو میں دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک کتنی دفعہ دھونا سنت ہے؟	۱۴۲۶
۴۸	وضو میں تثلیث کی سنت کب ادا ہوتی ہے؟	۱۴۲۷
۴۹	نماز جنازہ یا کسی اور عبادت کے لئے کئے گئے وضو سے فرض نماز پڑھنا	۱۴۲۸
۵۱	جنازہ کے لئے کئے گئے وضو یا یتیم سے نماز پنجگانہ پڑھنے کا حکم	۱۴۲۹

- ۱۴۳۰ وضو میں قبلہ کی طرف پشت کرنا ۵۲
- ۱۴۳۱ وضو سے پہلے پیر تر کرنے کا حکم ۵۳
- ۱۴۳۲ وضو کے لئے دوسرے سے پانی منگانے کا حکم ۵۴
- ۱۴۳۳ کیا استنجاء میں استعمال شدہ لوٹے سے وضو کرنا جائز ہے؟ ۵۵
- ۱۴۳۴ درمیان وضو سلام اور اس کا جواب ۵۷
- ۱۴۳۵ دوران وضو مینی یاد نیادی باتیں کرنے کا حکم ۵۹
- ۱۴۳۶ دوران وضو چار یا پانچ مرتبہ منہ دھلنے کا حکم ۶۰
- ۱۴۳۷ بہت دیر تک وضو کرنے کا حکم ۶۱
- ۱۴۳۸ وضو کے بعد کھڑے ہو کر چلو سے ٹنکی کا پانی پینا ۶۲
- ۱۴۳۹ نل یا حوض وغیرہ سے وضو کرنے کے بعد بقیہ پانی کس طرح چپے؟ ۶۳
- ۱۴۴۰ کیا وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا مسنون ہے؟ ۶۴
- ۱۴۴۱ گرم پانی کی حصول یا پانی کے لئے ٹھنڈا پانی بہانے کا حکم ۶۵
- ۱۴۴۲ ووٹ کی روشنائی ناخن پر جم جائے تو وضو کا حکم ۶۶
- ۱۴۴۳ اعضائے وضو میں لگی ہوئی روشنائی و سفیدہ کا حکم ۶۷
- ۱۴۴۴ چوری کی بجلی سے کئے گئے وضو کا حکم ۶۸
- ۱۴۴۵ خروج ریح پر ہاتھ منہ دھونے کا حکم تعبدی ہے؟ ۷۰
- ۱۴۴۶ کیا ٹخنوں سے نیچے پانچا منہ پہننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ ۷۰
- ۱۴۴۷ کیا عمدہ آستر کھولنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ ۷۱
- ۱۴۴۸ محض کشف عورت سے وضو نہیں ٹوٹتا ۷۲
- ۱۴۴۹ کیا دودھ پلانا ناقض وضو ہے؟ ۷۳
- ۱۴۵۰ پستان سے دودھ نکلنا ناقض وضو ہے یا نہیں؟ ۷۴
- ۱۴۵۱ سجدہ میں کون سی ہیئت نوم ناقض وضو ہے؟ ۷۵

- ۱۴۵۲ ایسی کون سی ٹیک ہے جس کو ہٹانا ممکن نہیں؟ ۷۶
- ۱۴۵۳ انجکشن سے خون نکالنے یا بڑے مچھر، چچڑی کے کاٹنے سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ ۷۷
- ۱۴۵۴ کیا شراب پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ ۷۸
- ۱۴۵۵ مذی ناقض وضو ہے موجب غسل نہیں؟ ۸۰

□	۲ / باب ما يتعلق بالاستنجاء	۸۱
---	-----------------------------	----

- ۱۴۵۶ کیا استنجاء میں پانی استعمال کرنا ضروری ہے؟ ۸۱
- ۱۴۵۷ ٹیشو پیپر سے استنجاء کا حکم ۸۲
- ۱۴۵۸ ہندوستان میں قدمچہ کس سمت میں رکھنا چاہئے؟ ۸۳
- ۱۴۵۹ کیا سر ڈھک کر استنجاء کرنا مسنون ہے؟ ۸۷
- ۱۴۶۰ دوران استنجاء بائیں ہاتھ پیٹ پر اور دایاں ہاتھ سر پر رکھنے کا حکم ۸۷
- ۱۴۶۱ شبہ کی بنا پر درمیانی حصہ میں پانی پہنچانا ضروری نہیں ۸۹
- ۱۴۶۲ بیت الخلاء میں تھوکنے کا شرعی حکم ۹۰

□	۳ / باب ما يتعلق بالغسل	۹۱
---	-------------------------	----

- ۱۴۶۳ بلوغت کی عمر ۹۱
- ۱۴۶۴ لڑکا اور لڑکی شرعاً کب بالغ شمار ہوتے ہیں؟ ۹۲
- ۱۴۶۵ لیس دار پانی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ۹۳
- ۱۴۶۶ بغیر انزال کے جماع کرنے سے غسل کا حکم ۹۴
- ۱۴۶۷ بلا انزال محض غیوبت حشفہ موجب غسل ہے؟ ۹۵
- ۱۴۶۸ بلا انزال خواب میں جماع کرنے سے غسل کا حکم ۹۶
- ۱۴۶۹ غسل جنابت کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھنے کا حکم ۹۷
- ۱۴۷۰ کیا غسل کے وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۹۸

- ۱۴۷۱ غسل خانہ میں برہنہ نہانا اور حضرت ایوب اور موسیٰ علیہما السلام کا برہنہ نہانا ۹۸
- ۱۴۷۲ کیا غسل خانہ میں برہنہ کرنا جائز ہے؟ ۱۰۰
- ۱۴۷۳ غسل خانہ میں ننگے نہانے کی شرعی حیثیت ۱۰۱
- ۱۴۷۴ برہنہ غسل کرنے والے کا اسی غسل سے نماز پڑھنے کا حکم ۱۰۲
- ۱۴۷۵ جنبی شخص ٹب سے پانی کیسے نکالے؟ ۱۰۳
- ۱۴۷۶ داڑھ میں مسالہ بھرے ہونے کی صورت میں غسل کا حکم ۱۰۴
- ۱۴۷۷ کیا بیوی سے صحبت کے لئے غسل کرنا ضروری ہے؟ ۱۰۵
- ۱۴۷۸ دانتوں کا کیپ صحت غسل کے لئے مانع نہیں؟ ۱۰۶

۱۰۸	۴ / باب ما يتعلق بالمیاء والآبار	□
-----	----------------------------------	---

- ۱۴۷۹ حوض شرعی کی مقدار ۱۰۸
- ۱۴۸۰ ستون اور فوارہ دہ دہ دردہ کی مقدار میں مانع ہیں؟ ۱۰۹
- ۱۴۸۱ پانی کب ناپاک ہوتا ہے؟ ۱۱۰
- ۱۴۸۲ ٹنکیوں کو پاک کرنے کا طریقہ ۱۱۱
- ۱۴۸۳ کنویں میں آدمی کے داخل ہونے سے کنویں کی ناپاکی کا حکم ۱۱۳
- ۱۴۸۴ کنویں کا سارا پانی نکالنے کا مسئلہ خاص ہے یا عام؟ ۱۱۴
- ۱۴۸۵ ناپاک کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ ۱۱۵
- ۱۴۸۶ جس کنویں میں بکرے نے پیشاب کر دیا، اس کی پاکی کا طریقہ ۱۱۶
- ۱۴۸۷ آب خورہ سے استنجاء کرنے کا حکم ۱۱۷
- ۱۴۸۸ آب زمزم سے وضو و غسل کی شرعی حیثیت ۱۱۹
- ۱۴۸۹ کنویں کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو نمازوں کا اعادہ کب سے کریں؟ ۱۲۰
- ۱۴۹۰ پھولا ہوا کتا کنویں میں پایا گیا تو کتنی نمازیں لوٹائیں؟ ۱۲۱

- ۱۴۹۱ ٹنکی کے اندر پرندہ پھول پھٹ جائے تو کیا حکم ہے؟ ۱۴۳
- ۱۴۹۲ ٹنکی میں میڈک مرنے کے بعد پھول کر پھٹ جائے ۱۴۴
- ۱۴۹۳ کنویں میں چپل گر جائے تو کتنا پانی نکالیں؟ ۱۴۶
- ۱۴۹۴ وہ دردہ کنویں میں پیشاب کرنے کا حکم ۱۴۷
- ۱۴۹۵ جس بورنگ کو ۶۰ رنفٹ پر چھوڑ دیا جائے، اس کے پانی کا حکم ۱۴۸
- ۱۴۹۶ (الف) بیت الخلاء کے گڑھے سے کنویں کی دوری کتنی ہو؟ ۱۴۹
- ۱۴۹۶ (ب) کیا گنداپانی فلٹر کرنے سے پاک ہو جائے گا؟ ۱۳۰
- ۱۴۹۷ ہینڈ پائپ کے قریب بیت الخلاء بنوانا ۱۳۵
- ۱۴۹۸ کیا چوری کی بجلی سے بھرے گئے پانی سے وضو ہو جائے گا؟ ۱۳۹
- ۱۵۹۹ چوری کی بجلی سے ٹنکی میں پانی بھرنے اور اس سے کئے گئے وضو و غسل کا حکم ۱۴۰
- ۱۵۰۰ سرکاری ٹنکی کا پانی بغیر اجازت استعمال کرنا ۱۴۱
- ۱۵۰۱ کیا چوری کی بجلی سے حاصل شدہ پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۱۴۲
- ۱۵۰۲ حرام کمائی سے لگائے گئے کنویں یا حوض سے نکلنے والے پانی کا حکم ۱۴۳
- ۱۵۰۳ مسجد میں چوری کی بجلی سے پانی گرم کرنے اور وضو و نماز کا حکم ۱۴۴
- ۱۵۰۴ غیر قانونی طور پر ہیٹر سے گرم کئے ہوئے پانی سے وضو و نماز کا حکم ۱۴۵
- ۱۵۰۵ دائمی شراب پینے والے کے پسینہ اور جھوٹے کا حکم ۱۴۶
- ۱۵۰۶ کیا ناپاک پانی سے استنجا کرنے کی وجہ سے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟ ۱۴۸
- ۱۵۰۷ ناپاک ٹنکی کے پانی سے دھوئے ہوئے گوشت اور کپڑوں کا حکم ۱۴۹
- ۱۵۰۸ کیا ٹنکی میں پانی آنے والے اور پانی نکلنے والے نل کو کھولنے سے ۱۵۰
- ۱۵۰۹ ٹنکی میں گلہری مر کر پھول کر پھٹ گئی ۱۵۱
- ۱۵۱۰ شامی کی ایک عبارت کی وضاحت ۱۵۲

۱۵۵	۵/ باب ما يتعلق بالتيمم	□
-----	-------------------------	---

۱۵۵ کیا مريض تیمم کر سکتا ہے؟	۱۵۱۱
۱۵۶ کیا بیماری کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہے؟	۱۵۱۲
۱۵۷ ڈاکٹر چہرہ پر پانی لگانے سے منع کرے تو وضو کا حکم	۱۵۱۳
۱۵۸ ٹرین میں حالت جنابت میں تیمم کرنے کا حکم	۱۵۱۴
۱۵۸ جنابت کا تیمم کرنے والا وضو کے بقدر پانی پر قادر ہو تو کیا حکم ہے؟	۱۵۱۵
۱۶۰ جنابت سے تیمم کر کے امامت کرنا	۱۵۱۶
۱۶۱ تیمم کے پیچھے متوضیٰ کی نماز کا حکم	۱۵۱۷
۱۶۳ جنابت کے تیمم سے نماز پڑھنا درست ہے، الگ سے وضو کی ضرورت نہیں	۱۵۱۸
۱۶۴ تیمم سے پڑھی گئی نمازوں کے اعادہ کا حکم	۱۵۱۹
۱۶۶ نماز کے لئے کئے گئے تیمم سے نماز جنازہ پڑھنے کا حکم	۱۵۲۰
۱۶۷ پینٹ والی دیوار پر تیمم کا حکم	۱۵۲۱
۱۶۸ مسجد کی دیوار پر تیمم کرنا درست ہے؟	۱۵۲۲

۱۶۹	۶/ باب المسح علی الخفین	□
-----	-------------------------	---

۱۶۹ موزے پر مسح کی شرائط کیا ہیں؟	۱۵۲۳
۱۷۰ وضو کے کچھ دیر کے بعد موزہ پر مسح کرنے کا حکم	۱۵۲۴
۱۷۱ خفین پر مسح کا جواز، مسح کی مدت اور اس کی مقدار	۱۵۲۵
۱۷۳ صحت مند شخص کا خفین پر مسح کرنا جائز ہے؟	۱۵۲۶
۱۷۵ مقیم نے ایک دن ایک رات سے قبل سفر شروع کیا اور مسافر نے تین دن	۱۵۲۷
۱۷۶ خفین کے اوپر سوتی موزہ پہن کر مسح کرنے کا حکم	۱۵۲۸
۱۷۷ دبیز موٹے اونٹنی موزہ پر مسح کا حکم	۱۵۲۹

- ۱۵۳۰ سوتی موزہ پر خضین پہن کر مسح کرنے کا حکم ۱۷۹
- ۱۵۳۱ کیا موزے پر مسح کرنا جائز ہے؟ ۱۸۰
- ۱۵۳۲ موزے کی چین ٹخنوں سے نیچے تلوے تک کھلنے کا حکم ۱۸۱
- ۱۵۳۳ موزے پر مسح سے متعلق ”ایضاح المسائل“ کے ایک مسئلہ کی وضاحت ۱۸۳

□	۷ / باب في النجاسات وأحكامها	۱۸۵
---	------------------------------	-----

- ۱۵۳۴ انسان کے آنسو، پسینہ اور لعاب کا حکم ۱۸۵
- ۱۵۳۵ منی ائمہ اربعہ میں سے کس کے نزدیک پاک ہے؟ ۱۸۶
- ۱۵۳۶ کپڑے میں لگی ہوئی منی کو پاک کرنے کا طریقہ ۱۸۷
- ۱۵۳۷ بدن سے نجاست غیر مرئی کی تطہیر کا طریقہ ۱۸۸
- ۱۵۳۸ روٹی پر لگی ہوئی گوبر کی راکھ کا حکم ۱۸۹
- ۱۵۳۹ با وضو گیلے پیرنا پاک فرش پر رکھنے سے پیر پاک ہے یا ناپاک؟ ۱۹۰
- ۱۵۴۰ چاول کی دیگ میں چوہا گر جائے تو کیا کریں؟ ۱۹۱
- ۱۵۴۱ دودھ پیتی بچی اور بچے کے پیشاب کا حکم ۱۹۲
- ۱۵۴۲ جانور کے پیشاب کی چھینٹوں کا حکم ۱۹۳
- ۱۵۴۳ نگلی ہوئی چھالی پیچھے کے راستہ سے نکل آئے ۱۹۴
- ۱۵۴۴ تقاطر سے کیا مراد ہے؟ ۱۹۵
- ۱۵۴۵ مرغ کو ذبح کر کے گرم پانی میں ڈال دیں تو کیا حکم؟ ۱۹۶
- ۱۵۴۶ (الف) مذبوہ مرغی کو آگ پر تپانا ۱۹۸
- ۱۵۴۶ (ب) ناپاک گرم پانی میں ڈالنے کی وجہ سے ذبح شدہ مرغ پاک رہے گا یا ناپاک؟ ۱۹۹
- ۱۵۴۷ کتے اور خنزیر کا بدن پاک ہے یا ناپاک؟ ۲۰۰
- ۱۵۴۸ دھوبی کے یہاں دھلے کپڑوں کا حکم ۲۰۲

۲۰۳ دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے کا حکم	۱۵۴۹
۲۰۵ ڈرائی کلیں سے دھلے ہوئے ناپاک کپڑے کا حکم	۱۵۵۰
۲۰۸ ڈرائی کلیں میں دھلے ہوئے کپڑے کا حکم	۱۵۵۱
۲۱۰ نومولود بچہ کی رطوبت اور سر کے بال پاک ہیں یا ناپاک؟	۱۵۵۲

۲۱۲	۸ / باب أحكام المعذورین	□
-----	-------------------------	---

۲۱۲ معذور شرعی کون؟	۱۵۵۳
۲۱۳ عذر شرعی کا تحقق کب ہوتا ہے؟	۱۵۵۴
۲۱۴ قطرات کے مریض کی طہارت کا طریقہ	۱۵۵۵
۲۱۵ سلسل البول کے وضو و نماز کا حکم	۱۵۵۶
۲۱۷ قطرہ آنے کا شبہ ہونے کے بعد نماز کس طرح پڑھے؟	۱۵۵۷
۲۱۸ قطرہ آنے والے مریض کی نماز	۱۵۵۸
۲۱۹ کیا فالج زدہ شخص کو تیمم کرنے کی اجازت ہے؟	۱۵۵۹
۲۲۰ کیا نابینا شخص ناپاکی کی حالت میں نماز اور قرآن پڑھ سکتا ہے؟	۱۵۶۰
۲۲۲ نابینا جنابت کی حالت میں نماز، روزہ اور تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟	۱۵۶۱
۲۲۳ والدہ کا اپنے مست لڑکے کو نہلانے کا شرعی حکم	۱۵۶۲
۲۲۴ مریضہ عورت کا شوہر نہ ہو تو استنجاء معاف	۱۵۶۳
۲۲۵ پائیر یا کامریض کس طرح وضو کرے؟	۱۵۶۴

۲۲۷	۹ / باب الحيض	□
-----	---------------	---

۲۲۷ لڑکی کب بالغ ہوتی ہے؟	۱۵۶۵
۲۲۸ لڑکی کے بلوغ کی عمر اور علامت	۱۵۶۶

۲۲۹ شریعت اسلامیہ کی نظر میں لڑکی کب بالغ ہوتی ہے؟	۱۵۶۷
۲۳۱ جس کو تین دن سے کم خون آئے وہ حائضہ ہوگی یا نہیں؟	۱۵۶۸
۲۳۳ کیا حالت حیض میں بیوی سے مکمل علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے؟	۱۵۶۹
۲۳۴ حالت حیض میں زینت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟	۱۵۷۰
۲۳۴ حائضہ عورت کا غسل اور اس سے صحبت کا حکم	۱۵۷۱
۲۳۶ حالت حیض میں قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟	۱۵۷۲
۲۳۷ حائضہ عورت فضائل اعمال کو ہاتھ میں لے کر تعلیم کر سکتی ہے؟	۱۵۷۳
۲۳۸ کیا عادت مکمل ہونے کے بعد غسل سے قبل جماع کرنا جائز ہے؟	۱۵۷۴
۲۳۹ حیض سے متعلق چند سوالات و جوابات	۱۵۷۵
۲۴۱ رحم میں کوپر پٹی رکھنے کی حالت میں غسل حیض کا حکم	۱۵۷۶
۲۴۲ طہر متخلل سے متعلق تفصیلی فتویٰ	۱۵۷۷
۲۴۷ حائضہ و نفساء کے لئے قرآن کی تلاوت کا حکم	۱۵۷۸
۲۴۸ حیض و نفاس کی حالت میں تلاوت اور ذکر اللہ کی شرعی حیثیت	۱۵۷۹
۲۴۹ حائضہ نفساء کا قرآن شریف، درود شریف وغیرہ کا پڑھنا	۱۵۸۰
۲۵۰ پندرہ دن میں نفاس ختم ہو گیا تو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم	۱۵۸۱
۲۵۱ اسقاط حمل کے بعد خون جاری رہتے ہوئے نماز و جماع کا حکم	۱۵۸۲
۲۵۲ مستحاضہ عورت کا مسئلہ	۱۵۸۳

۹ / کتاب الصلوٰۃ

۲۵۴ فرائض پنج گانہ ادا کرنے کی فضیلت	۱۵۸۴
۲۵۶ نماز ہجرت سے قبل فرض ہوئی یا بعد میں؟	۱۵۸۵

۲۵۸	نماز پڑھنے کا مقصد	۱۵۸۶
۲۵۹	نماز پڑھنے کا فائدہ	۱۵۸۷
۲۶۰	غاصب و ظالم کی نماز کا حکم	۱۵۸۸
۲۶۲	شرابی کی نماز کا حکم	۱۵۸۹
۲۶۳	نمازی کی پیشانی پر سیاہ نشان کی شرعی حیثیت	۱۵۹۰

۲۶۵	۱ / باب أوقات الصلاة	□
-----	----------------------	---

۲۶۵	مساجد کے متعینہ اوقات کی شرعی حیثیت	۱۵۹۱
۲۶۶	نماز کے اوقات گھٹانے بڑھانے کا حقدار کون؟	۱۵۹۲
۲۶۷	اختلافات مطالع کی وجہ سے ایک ہی نماز کے مکرر فرض ہونے کی صورت ..	۱۵۹۳
۲۶۸	۱۵ رڈ گری پر صبح صادق ہوتی ہے یا ۱۸ رڈ گری پر؟	۱۵۹۴
۲۶۹	فجر کی نماز کا افضل وقت	۱۵۹۵
۲۷۲	نماز فجر غلَس میں پڑھنے کا حکم	۱۵۹۶
۲۷۴	رمضان میں نماز فجر اول وقت میں پڑھنا	۱۵۹۷
۲۷۵	رمضان میں نماز فجر غلَس میں پڑھیں یا اسفار میں؟	۱۵۹۸
۲۷۷	رمضان میں فجر کی نماز کس وقت ادا کی جائے؟	۱۵۹۹
۲۷۹	نماز فجر طلوع شمس سے کتنی دیر پہلے پڑھی جائے؟	۱۶۰۰
۲۸۱	طلوع شمس سے پندرہ منٹ قبل نماز فجر پڑھنا	۱۶۰۱
۲۸۳	تین منٹ قبل نماز فجر شروع کرنا	۱۶۰۲
۲۸۴	فجر کا وقت تنگ ہونے کی صورت میں پہلے فرض پڑھیں یا سنت؟	۱۶۰۳
۲۸۵	طلوع شمس کے وقت پڑھی گئی نماز کا حکم	۱۶۰۴

- ۱۶۰۵ نماز فجر میں آفتاب نکل آئے تو کیا حکم ہے؟ ۲۸۶
- ۱۶۰۶ صبح صادق کے بعد سنت فجر کے علاوہ دوسری نفل نماز پڑھنا ۲۸۸
- ۱۶۰۷ نماز فجر کے بعد سنت فجر، نیز عصر و فجر کے بعد ”تحیۃ الوضوء“ پڑھنے کا حکم ۲۸۹
- ۱۶۰۸ فجر کے وقت میں سنت و فرض کے علاوہ دیگر نماز پڑھنا ۲۹۰
- ۱۶۰۹ طلوع شمس اور نماز فجر کے درمیان سنن و نوافل پڑھنا ۲۹۲
- ۱۶۱۰ فجر کی سنتوں کا وقت کب تک رہتا ہے؟ ۲۹۳
- ۱۶۱۱ وقت زوال کی تحقیق ۲۹۴
- ۱۶۱۲ استواء شمس کی مقدار ۲۹۶
- ۱۶۱۳ زوال کی ابتدا و انتہا ۲۹۷
- ۱۶۱۴ نصف النہار، وقت زوال اور ضحوة الکبریٰ کی تشریح ۲۹۸
- ۱۶۱۵ ظہر کی نماز کس وقت پڑھی جائے؟ ۳۰۱
- ۱۶۱۶ جمعہ کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ ۳۰۲
- ۱۶۱۷ نصف النہار کے وقت تلاوت قرآن، نماز جنازہ اور نکاح پڑھانے کا حکم ۳۰۳
- ۱۶۱۸ مثل اول معلوم کرنے کا طریقہ ۳۰۴
- ۱۶۱۹ عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ ۳۰۵
- ۱۶۲۰ حنفیہ کے نزدیک بھی ایک مثل پر عصر پڑھنا جائز ہے؟ ۳۰۸
- ۱۶۲۱ حجاز مقدس میں عصر کی نماز مثل اول پر پڑھیں یا مثلین پر؟ ۳۱۰
- ۱۶۲۲ حرم میں حنفی شخص کے عصر میں اقتدا پر شبہ کا جواب ۳۱۲
- ۱۶۲۳ شافعی وقت میں نماز پڑھنا ۳۱۴
- ۱۶۲۴ عصر کی نماز سے فراغت کے بعد سورج غروب ہو گیا ۳۱۵
- ۱۶۲۵ غروب آفتاب اور مغرب کا وقت ایک ہے یا الگ الگ؟ ۳۱۵

۱۶۲۶	مغرب کی اذان و نماز کے درمیان فاصلہ کی مقدار	۳۱۶
۱۶۲۷	مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان کا فصل	۳۱۸
۱۶۲۸	رمضان میں مغرب میں اذان اور جماعت میں دس منٹ کا وقفہ کرنا ..	۳۲۰
۱۶۲۹	عصر و فجر کے ممنوع اوقات کی انتہا	۳۲۱
۱۶۳۰	غروب پر عصر جائز اور طلوع پر فجر ناجائز کیوں؟	۳۲۲
۱۶۳۱	نورالایضاح کی عبارت کا صحیح محمل	۳۲۳
۱۶۳۲	اوقات مکروہہ میں فرض نماز پڑھنا	۳۲۴
۱۶۳۳	عصر اور فجر کے بعد قضا نماز پڑھنا	۳۲۵
۱۶۳۴	طلوع شمس سے قبل فجر کی سنت کی قضا	۳۲۶
۱۶۳۵	طلوع شمس سے قبل فجر کی سنت کی قضا	۳۲۸
۱۶۳۶	بعد نماز عصر نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کرنا	۳۲۸
۱۶۳۷	نماز فجر و عصر کے بعد قضا عمری پڑھنا	۳۲۹
۱۶۳۸	بعد نماز عصر سنن کی قضا کا حکم	۳۳۱
۱۶۳۹	طلوع شمس کے وقت اعلان کا التزام	۳۳۲
۱۶۴۰	فجر کے بعد طلوع آفتاب کا اعلان کرنا	۳۳۳
۱۶۴۱	طلوع شمس کا اعلان کرنا	۳۳۴
۱۶۴۲	نماز فجر کی قضا اور طلوع شمس کا اعلان	۳۳۵
۱۶۴۳	مسجد کے مانک سے نماز فجر کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنا	۳۳۶
۱۶۴۴	مسجد میں طلوع شمس کا اعلان کرنا	۳۳۷
۱۶۴۴	کیا طلوع آفتاب کا اعلان کرنا کار ثواب ہے؟	۳۳۹
۱۶۴۶	مساجد میں فجر کی نماز کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنا	۳۴۰

۳۴۱	طلوع آفتاب کا اعلان کرنا	۱۶۴۷
۳۴۲	طلوع شمس کا مانتک سے اعلان کرنا	۱۶۴۸
۳۴۳	طلوع شمس کا مانتک سے اعلان کرنا	۱۶۴۹
۳۴۴	اختتام فجر کے وقت طلوع شمس کے اعلان کا التزام	۱۶۵۰

۳۴۶	۲ / باب الأذان	□
-----	----------------	---

۳۴۶	اذان دینے کی فضیلت	۱۶۵۱
۳۴۷	اذان کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟	۱۶۵۲
۳۴۹	کیا حضور ﷺ نے اذان دی ہے؟	۱۶۵۳
۳۵۰	اذان کے بعد دعا کی فضیلت	۱۶۵۴
۳۵۲	کیا شہر کی ایک مسجد کی اذان کی آواز ریڈیو کے ذریعہ دوسری	۱۶۵۵
۳۵۴	مؤذن تنبیح شریعت ہو	۱۶۵۶
۳۵۵	مؤذن کسے بنایا جائے؟	۱۶۵۷
۳۵۶	اذان دینے کا مستحق کون؟	۱۶۵۸
۳۵۸	کیا بے وقت اذان دینے والے ضعیف مؤذن کو معزول کر سکتے ہیں؟	۱۶۵۹
۳۵۹	فرد واحد کا اذان و اقامت اور نماز پڑھانا	۱۶۶۰
۳۶۰	کیا مؤذن کو اذان سن کر نماز پڑھنے والوں کے بقدر ثواب ملتا ہے؟	۱۶۶۱
۳۶۰	کیا اذان کے لئے مسجد ہونا شرط ہے؟	۱۶۶۲
۳۶۲	کیا اذان کے بغیر نماز صحیح ہو جائے گی؟	۱۶۶۳
۳۶۳	بغیر اذان و تکبیر کے تنہا تنہا نماز ادا کرنا	۱۶۶۴
۳۶۴	اذان پنجگانہ اندرون مسجد دی جائے یا باہر؟	۱۶۶۵

۱۶۶۶	حدود مسجد میں اذان دینا کیسا ہے؟	۳۶۵
۱۶۶۷	مسجد کے اندر محراب کے پاس اذان دینا	۳۶۷
۱۶۶۸	مسجد کے اندر اذان دینا	۳۶۸
۱۶۶۹	مسجد کے اندر اذان دینا	۳۶۹
۱۶۷۰	مسجد کے اندر اذان دینا	۳۷۱
۱۶۷۱	مسجد میں اذان دینا	۳۷۲
۱۶۷۲	مسجد کے اندر بغیر مانک کے اذان دینا	۳۷۳
۱۶۷۳	مانک میں اذان کی شرعی حیثیت	۳۷۴
۱۶۷۴	لاؤڈ اسپیکر پر اذان کا شرعی حکم	۳۷۵
۱۶۷۵	لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دینا کیسا ہے؟	۳۷۶
۱۶۷۶	مسجد کے اندر مانک میں اذان پختگانہ دینا	۳۷۷
۱۶۷۷	حیچلہ کہاں سے شروع کرے؟	۳۷۸
۱۶۷۸	فجر کی اذان میں ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ کا اضافہ کس نے کیا؟	۳۷۹
۱۶۷۹	کانوں میں انگلی ڈال کر اذان دینا	۳۸۱
۱۶۸۰	اذان میں ”مد“ کی مقدار	۳۸۲
۱۶۸۱	اذان میں آواز میں لچک پیدا کرنا	۳۸۳
۱۶۸۲	اذان میں راگ پیدا کرنا	۳۸۵
۱۶۸۳	اذان میں تجوید کی رعایت مقصود نہیں	۳۸۶
۱۶۸۴	غلط خواں کی اذان	۳۸۷
۱۶۸۵	لا علمی میں پورب کی طرف رخ کر کے اذان دینا	۳۸۹
۱۶۸۶	اذان کے بعد مسجد سے نکل کر بلا عذر دوسری مسجد میں جانا	۳۹۰

۱۶۸۷	اذان و تکبیر کہہ کر جماعت سے الگ ہو جانا	۳۹۰
۱۶۸۸	ایک مسجد میں فرض پڑھ کر دوسری میں اذان و اقامت کہنا	۳۹۱
۱۶۸۹	کیا با وضو اذان دینا ضروری ہے؟	۳۹۳
۱۶۹۰	بلا وضو اذان دینا کیسا ہے؟	۳۹۴
۱۶۹۱	بغیر وضو کے اذان دینے کا شرعی حکم	۳۹۵
۱۶۹۲	مؤذن کا دوسرے شخص کو اذان کی اجازت دینا	۳۹۶
۱۶۹۳	مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کا اذان دینا	۳۹۶
۱۶۹۴	کیا دس سالہ بچہ اذان و اقامت کہہ سکتا ہے؟	۳۹۷
۱۶۹۵	ناپید شخص کی اذان و اقامت	۳۹۸
۱۶۹۶	عورتوں کی اذان و اقامت	۳۹۹
۱۶۹۷	بیٹھ کر اذان و اقامت کہنا	۴۰۰
۱۶۹۸	اذان میں صرف ”علی الصلوٰۃ“ یا ”الصلوٰۃ“ کہنا	۴۰۱
۱۶۹۹	الفاظ چبانے والے کی اذان و اقامت	۴۰۲
۱۷۰۰	تاش کھیلنے والے کی اذان و اقامت	۴۰۳
۱۷۰۱	ٹخنوں سے نیچے پاؤں پہننے والے کی اذان و اقامت	۴۰۴
۱۷۰۲	فاسق کی اذان	۴۰۵
۱۷۰۳	بغیر دارٹھی والے کی اذان و اقامت	۴۰۶
۱۷۰۴	دارٹھی کٹانے والے کا اذان دینا	۴۰۷
۱۷۰۵	دارٹھی منڈانے والے کی اذان و اقامت	۴۰۹
۱۷۰۶	دارٹھی منڈے کی اذان	۴۱۰
۱۷۱۱	دارٹھی کو حد شرع سے کم کرنے والے کی اذان و اقامت	۴۱۴

- ۱۷۱۲ مدعی نبوت کی اذان و اقامت ۴۱۵
- ۱۷۱۳ صبح صادق کے بعد فوراً اذان دینے کا حکم ۴۱۶
- ۱۷۱۴ ظہر کی اذان کا وقت ۴۱۸
- ۱۷۱۵ تہجد کی نماز کے لئے اذان دینا ۴۱۹
- ۱۷۱۶ تیز آندھی کے وقت اذان دینا ۴۲۰
- ۱۷۱۷ قبر پر اذان ۴۲۱
- ۱۷۱۸ ٹرین میں اذان و اقامت کہنے میں جنگل کی اذان و اقامت کا ثواب ۴۲۲
- ۱۷۱۹ گاؤں کی اذان تین بیگدوری پر واقع مدرسہ کے لئے کافی ہے؟ ۴۲۳
- ۱۷۲۰ ایک مسجد کی اذان سب مسجدوں کے لئے کافی نہیں ۴۲۴
- ۱۷۲۱ فرم میں اذان دینا ۴۲۵
- ۱۷۲۲ اذان سے قبل فریض و نوافل پڑھنا ۴۲۷
- ۱۷۲۳ شافعی مسجد میں حنفی کی اذان کا حکم ۴۲۸
- ۱۷۲۴ غم اور برے اخلاق کو دور کرنے کے لئے کان میں اذان دینا ۴۲۹
- ۱۷۲۵ ”الصلوة خیر من النوم“ کہنا بھول گیا تو اذان کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟ ۴۳۰
- ۱۷۲۶ اذان کے کلمات چھوٹ جانے پر اعادہ کا حکم ۴۳۱
- ۱۷۲۷ دوران اذان بجلی کا چلا جانا ۴۳۳
- ۱۷۲۸ دوران اذان بجلی چلی جائے تو اذان کا حکم ۴۳۳
- ۱۷۲۹ دوران اذان بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ ۴۳۵
- ۱۷۳۰ دوران اذان لاؤڈ اسپیکر خراب ہونے پر تکمیل کا طریقہ ۴۳۶
- ۱۷۳۱ بجلی جانے پر ازسرنو اذان دینا ۴۳۷
- ۱۷۳۳ اذان کا جواب دینا واجب ہے یا سنت؟ ۴۳۹

۱۷۳۴	اذان کے جواب کی شرعی حیثیت	۴۴۰
۱۷۳۵	اذان کے جواب کا مسنون طریقہ	۴۴۱
۱۷۳۶	”لا حول ولا قوۃ“، کس حدیث سے ثابت ہے؟	۴۴۳
۱۷۳۷	حیصلتین میں ”لا حول“ کیوں پڑھا جاتا ہے؟	۴۴۵
۱۷۳۸	”الصلاة خیر من النوم“ کا جواب کس جملہ سے دیا جائے؟	۴۴۶
۱۷۳۹	کیا تالی پر اذان کا جواب دینا واجب ہے؟	۴۴۷
۱۷۴۰	کیا حائضہ و نفساء پر اذان کا جواب دینا واجب ہے؟	۴۴۸
۱۷۴۱	جنسی کا اذان و سلام کا جواب دینا	۴۴۹
۱۷۴۲	دوران اذان بیت الخلاء میں داخل ہونا	۴۵۰
۱۷۴۳	اذان میں تشہد پر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھنا	۴۵۱
۱۷۴۵	”أشہد أن“ کے جواب میں صرف درود پڑھے یا ”أشہد أن“ بھی کہے؟	۴۵۳
۱۷۴۶	مؤذن کے تشہد پڑھنے پر سماع کا ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا	۴۵۴
۱۷۴۷	تلاوت کے دوران اذان شروع ہونے کا حکم	۴۵۶
۱۷۴۸	اذان کے وقت دنیاوی باتیں کرنا	۴۵۷
۱۷۴۹	اذان کے بعد دعا کا مسنون طریقہ	۴۵۸
۱۷۵۰	اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۴۵۹
۱۷۵۱	مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان دعا مانگنا	۴۶۱
۱۷۵۲	اذان میں شہادت کے وقت انگلی اٹھانا	۴۶۳

۴۶۴	۳ / باب الإقامة و التثویب	□
-----	---------------------------	---

۱۷۵۳	اذان و اقامت کے لئے کوئی جہت متعین نہیں	۴۶۴
۱۷۵۴	تیسری صف میں کھڑے شخص کا تکبیر کہنا	۴۶۵

۱۷۵۵	کیا امام کے دائیں جانب ہی کھڑے ہو کر تکبیر پڑھنا ضروری ہے؟ ..	۴۶۶
۱۷۵۶	تکبیر اقامت کے لئے مسجد میں کوئی جگہ متعین نہیں.....	۴۶۷
۱۷۵۷	امام کے بائیں طرف کھڑے ہونے والے کی اقامت کہنا.....	۴۶۷
۱۷۵۸	منفرد کے لئے اقامت کا شرعی حکم.....	۴۶۸
۱۷۵۹	تنہا فرض پڑھتے وقت اقامت کہنا.....	۴۶۹
۱۷۶۰	اقامت کا مسنون طریقہ.....	۴۷۰
۱۷۶۱	بحالت وصل اقامت کے کلمات کہنے کا مسنون طریقہ.....	۴۷۲
۱۷۶۲	اقامت میں حیعلینین پر چہرہ دائیں بائیں گھمانا.....	۴۷۳
۱۷۶۳	اقامت میں حیعلینین پر چہرہ گھمانا.....	۴۷۹
۱۷۶۵	اقامت میں دائیں بائیں گردن پھیرنا.....	۴۸۰
۱۷۶۶	امام صاحب کا اقامت کہنا.....	۴۸۱
۱۷۶۷	داڑھی منڈے کی اقامت.....	۴۸۲
۱۷۶۸	مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا تکبیر کہنا.....	۴۸۳
۱۷۶۹	مؤذن کے علاوہ دوسرے پر تکبیر کہنے کی پابندی لگانا.....	۴۸۴
۱۷۷۰	مؤذن کی اجازت کے بغیر کسی اور کا تکبیر کہنا.....	۴۸۶
۱۷۷۱	تکبیر کہنے کا زیادہ حقدار کون؟.....	۴۸۶
۱۷۷۲	مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا.....	۴۸۸
۱۷۷۳	مؤذن کے علاوہ دوسرے شخص کا ہمیشہ تکبیر کہنا.....	۴۸۹
۱۷۷۴	مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا.....	۴۹۱
۱۷۷۵	داڑھی منڈے کا تکبیر پڑھنا.....	۴۹۲
۱۷۷۶	اقامت کے جواب کا مسنون طریقہ.....	۴۹۳

- ۱۷۷۷ اقامت کا جواب دینا مستحب ہے ۴۹۴
- ۱۷۷۸ دو مرتبہ تکبیر کہنے کا حکم ۴۹۵
- ۱۷۷۹ کیا حضور ﷺ ”حی علی الفلاح“ پر مصلے پر جایا کرتے تھے؟ ... ۴۹۷
- ۱۷۸۰ اقامت میں حضور ﷺ مصلیٰ پر کب تشریف لے جاتے تھے؟ ۴۹۷
- ۱۷۸۱ اقامت کے وقت مقتدی صف سیدھی کب کریں؟ ۵۰۱
- ۱۷۸۲ اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں (جامع فتویٰ) ۵۰۲
- ۱۷۸۳ اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟ ۵۱۱
- ۱۷۸۴ مقتدی حضرات نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟ ۵۲۰
- ۱۷۸۵ نماز میں کس وقت کھڑے ہوں؟ ۵۲۱
- ۱۷۸۶ مقتدی کب کھڑے ہوں؟ ۵۲۲
- ۱۷۸۹ امام اور مقتدی تکبیر میں کس وقت کھڑے ہوں؟ ۵۲۵
- ۱۷۹۰ اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے یا کھڑے ہو کر؟ ۵۲۷
- ۱۷۹۱ امام تکبیر سے قبل کھڑا ہوگا یا ”حی علی الفلاح“ پر؟ ۵۲۸
- ۱۷۹۲ مقتدی تکبیر کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوں یا ”حی علی الصلوٰۃ“ پر؟ ۵۳۰
- ۱۷۹۳ تکبیر کے شروع ہونے کے وقت مقتدی کھڑے ہوں یا بیٹھے رہیں؟ ۵۳۱
- ۱۷۹۴ امام کے مصلے پر آنے سے قبل تکبیر کہنا ۵۳۳
- ۱۷۹۵ تکبیر کھڑے ہو کر سننا افضل ہے یا بیٹھے کر؟ ۵۳۴
- ۱۷۹۶ قیام جماعت کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟ ۵۳۶
- ۱۷۹۷ ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑا ہونا ۵۳۸
- ۱۷۹۸ ”حی علی الصلوٰۃ“ تک بیٹھے رہنا ۵۴۰
- ۱۸۰۰ کیا تکبیر کے وقت کبوتر کے علاوہ مقتدی ان کا کھڑا ہونا ممنوع ہے؟ ۵۴۲

- ۱۸۰۱ تکبیر ہوتے ہی مصلیوں کے کھڑے ہونے کی دلیل ۵۴۴
- ۱۸۰۲ تکبیر کے وقت مقتدی کو کب کھڑا ہونا چاہئے ۵۴۵
- ۱۸۰۳ اقامت میں حیعلین پر دائیں بائیں جانب منہ پھیرنا ۵۴۶
- ۱۸۰۴ تکبیر کے شروع ہی میں کھڑے ہو جانا ۵۴۷
- ۱۸۰۵ تکبیر کہتے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟ ۵۴۸
- ۱۸۰۶ شروع تکبیر میں کھڑا ہونا مسنون ہے ۵۵۰
- ۱۸۰۷ اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں؟ ۵۵۱
- ۱۸۰۸ امام ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر کہے گا تو مقتدی صف سیدھی کر کے ۵۵۲
- ۱۸۰۹ اوقات نماز میں سونے والے کو جگانا ۵۵۴
- ۱۸۱۰ اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا ۵۵۵
- ۱۸۱۱ اذان کے بعد بے نمازیوں کو بلا بلا کر مسجد لے جانا ۵۵۶
- ۱۸۱۲ نماز فجر سے قبل لوگوں کو ”اٹھو نماز پڑھو“ کی صدا لگا کر بیدار کرنا ۵۵۷
- ۱۸۱۳ نماز فجر کے بعد لوگوں کے گھر گھر جا کر ان کو جگانا ۵۵۸
- ۱۸۱۴ فجر کی اذان کے بعد محلے والوں کو نام لے کر جگانا ۵۵۹
- ۱۸۱۵ اذان فجر کے بعد محلہ میں نماز پڑھنے کا اعلان کرنا ۵۶۰
- ۱۸۱۶ اذان کے بعد اقامت سے پہلے ”صلاۃ و سلام“ پڑھنا ۵۶۱
- ۱۸۱۷ نماز سے قبل ”صلوٰۃ“ پڑھنا ۵۶۳
- ۱۸۱۸ اذان کے بعد ”صلوٰۃ“ پڑھنا ۵۶۴
- ۱۸۱۹ اذان کے بعد پابندی سے ”صلوٰۃ و سلام“ پڑھنا ۵۶۴

۱۸۲۰	حامل نجاست کی نماز	۵۶۶
۱۸۲۱	جیب میں گلاسز اور بدبودار اٹھا ہونے کی حالت میں نماز	۵۶۷
۱۸۲۲	جیب میں نکسیر صاف کی گئی دستی ہونے کی حالت میں نماز	۵۶۸
۱۸۲۳	جیب میں بوتل میں پیشاب ہونے کی حالت میں نماز	۵۶۹
۱۸۲۴	نابالغ فجر کے وقت تری دیکھے تو عشاء فرض ہوگی یا نفل	۵۷۰
۱۸۲۵	نشہ کی حالت میں نماز کا حکم	۵۷۲
۱۸۲۶	ناپاک کپڑے کے ساتھ بچہ نمازی عورت کی پیٹھ پر چڑھ گیا	۵۷۳
۱۸۲۷	نابینا شخص کا احتلام والے کپڑے میں نماز پڑھنا	۵۷۴
۱۸۲۸	وقت نکل جانے کے خوف سے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا	۵۷۵
۱۸۲۹	گوبر کے فرش پر نماز پڑھنا	۵۷۷
۱۸۳۰	ناپاک جگہ پر چادر بچھا کر نماز پڑھنا	۵۷۸
۱۸۳۱	گندے نالے کے اوپر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا	۵۷۹
۱۸۳۲	بدن جھلکنے والے کپڑے میں عورت کا نماز پڑھنا	۵۸۰
۱۸۳۳	نئے کپڑے کو دھو کر نماز پڑھنے کا حکم	۵۸۱
۱۸۳۴	بلا استنجاء نماز پڑھنا	۵۸۲
۱۸۳۵	بیت الخلاء کی ٹٹنکی پر نماز پڑھنا	۵۸۳
۱۸۳۶	میت کو نہلائے جانے والے پٹلہ پر نماز	۵۸۳
۱۸۳۷	ناپاک چڑی پہن کر نماز پڑھنا	۵۸۴
۱۸۳۸	ہندوستانی مسلمان صرف مغرب کی سمت میں کیوں نماز پڑھتے ہیں؟	۵۸۵
۱۸۳۹	تحویل قبلہ کی نوعیت	۵۸۶
۱۸۴۰	متعین ستارے سے مسجد کا رخ متعین کرنے کا شرعی حکم	۵۹۰
۱۸۴۱	استقبال قبلہ پر غیر مسلم کے اعتراض کا جواب	۵۹۱

۱۸۴۲	مسجد کے قبلہ کا رخ کتنی ڈگری کے اندر ہو؟	۵۹۴
۱۸۴۳	عین قبلہ کا رخ شرط نہیں ہے	۵۹۵
۱۸۴۴	استقبال قبلہ میں عین قبلہ ہے یا جہت قبلہ بھی کافی ہے؟	۵۹۷
۱۸۴۵	مسجد کی دیوار قبلہ کعبہ کے رخ سے منحرف ہو تو کیا حکم ہے؟	۶۰۰
۱۸۴۶	قبلہ کے متعلق چند سوالات	۶۰۱
۱۸۴۷	قبلہ اور وقت کا تعین نہ ہو تو نماز کا حکم	۶۰۳
۱۸۴۸	کیا مریض پر استقبال قبلہ لازم ہے؟	۶۰۵
۱۸۴۹	اسپین پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا ہو گا یا نہیں؟	۶۰۷
۱۸۵۰	نیت کا طریقہ	۶۰۷
۱۸۵۱	نیت کیا ہے؟	۶۰۸
۱۸۵۲	نیت دل کے ارادہ کا نام ہے؟	۶۰۹
۱۸۵۳	کیا زبان سے نیت کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟	۶۱۰
۱۸۵۴	امام کے لئے امامت کی نیت لازم نہیں	۶۱۱
۱۸۵۵	امام کن الفاظ سے نیت کرے؟	۶۱۲
۱۸۵۶	فرائض و سنن سے قبل نیت کرنے کا طریقہ	۶۱۳
۱۸۵۷	جمعہ کی سنن قبلہ کی نیت کس طرح کریں؟	۶۱۴
۱۸۵۸	جمعہ کی سنن قبلہ و بعدیہ کی نیت کا طریقہ	۶۱۵
۱۸۵۹	کیا سنتوں کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا ضروری ہے؟	۶۱۷

۶۱۸	۵/ باب صفة الصلوة	□
-----	-------------------	---

۱۸۶۰	بحالت قیام پیروں کی انگلیوں کا رخ	۶۱۸
۱۸۶۱	تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کا مسنون طریقہ	۶۱۸

۶۱۹ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟	۱۸۶۲
۶۲۱ کیا کان کی لو کو چھونا ضروری ہے؟	۱۸۶۳
۶۲۲ تکبیر تحریمہ سے قبل تسمیہ پڑھنا	۱۸۶۳
۶۲۳ صرف لفظ ”اللہ“ سے تکبیر تحریمہ	۱۸۶۴
۶۲۴ تکبیر تحریمہ میں لفظ ”اکبر“ کو بہت آہستہ سے کہنا	۱۸۶۵
۶۲۵ امام کا تکبیر میں ”اللہ“ کہنا	۱۸۶۶
۶۲۶ تکبیر تحریمہ میں لفظ ”اللہ“ کے بعد لفظ ”اکبر“ کو چھوڑ دینا	۱۸۶۷
۶۲۷ تکبیرات انتقالیہ کا مسنون طریقہ	۱۸۶۸
۶۲۸ تکبیرات انتقالیہ کہنے کا مسنون طریقہ	۱۸۶۹
۶۳۰ تکبیرات انتقالیہ کو زیادہ کھینچنا	۱۸۷۰
۶۳۱ الفاظ تکبیر کو کھینچنا	۱۸۷۱
۶۳۲ کیا حضور ﷺ سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت ہے؟	۱۸۷۲
۶۳۳ زیناف ہاتھ باندھنے کا تحقیقی جائزہ	○
۶۳۴ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات	○
۶۳۷ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات	○
۶۴۰ غیر مقلدین کے پیشوا کا فتویٰ	○
۶۴۱ سری نماز میں قراءت شروع ہونے کے بعد ثناء پڑھنا	۱۸۷۳
۶۴۱ نماز میں ثناء درود شریف اور دعا کا ترک کرنا	۱۸۷۴
۶۴۲ نماز میں سورہ فاتحہ سے قبل ”بسم اللہ“ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟	۱۸۷۵
۶۴۳ سورت اور ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا	۱۸۷۶
۶۴۵ نماز میں سورہ فاتحہ اور سورت سے قبل تسمیہ پڑھنا	۱۸۷۷

۶۴۶	سورت ملانے سے پہلے ’بسم اللہ‘ پڑھنا	۱۸۷۸
۶۴۷	مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے؟	۱۸۷۹
۶۴۹	فاتحہ خلف الامام کا حکم	۱۸۸۰
۶۵۰	قراءت خلف الامام کا مسئلہ	۱۸۸۱
۶۵۲	قراءت خلف الامام کا حکم	۱۸۸۲
۶۵۳	کیا فاتحہ اور ضم سورت کے درمیان مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے	۱۸۸۳
۶۵۶	قرأت خلف الامام کا تحقیقی جائزہ	○
۶۵۷	سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق چار صحابہ کی روایات	○
۶۶۱	مقتدی کے لئے مطلق قراءت کی ممانعت	○
۶۶۱	جہری نماز میں قراءت کی ممانعت	○
۶۶۶	سری نماز میں قراءت کی ممانعت	○
۶۷۱	جہری اور سری دونوں نمازوں میں ممانعت	○
۶۷۳	خلفاء راشدین کا فتویٰ	○
۶۷۳	روایات کا تحقیقی جائزہ	○
۶۷۶	امام کو رکوع میں پانے والا رکعت پالیتا ہے	○
۶۷۷	رکعت کے معتبر ہونے کی روایات	○
۶۸۱	روایات کا تحقیقی جائزہ	○
۶۸۴	قراءت خلف الامام اور آمین بالجہر کا حکم	۱۸۸۴
۶۸۵	مکبر کا بلند آواز سے آمین کہنا	۱۸۸۵
۶۸۶	آمین بالجہر کا حکم	۱۸۸۶
۶۸۸	نماز میں آمین بالجہر یا آمین بالسر	۱۸۸۷
۶۸۹	سری نماز میں مقتدی کا آمین کہنا	۱۸۸۸

- مسئلہ آمین بالترک کا تحقیقی جائزہ ۶۹۰
- نماز میں آمین کہنے کی فضیلت ۶۹۱
- آمین بالجہر کی روایت ۶۹۲
- آمین بالسر کی روایت ۶۹۳
- دونوں قسم کی روایات کا جائزہ ۶۹۳
- راوی کے ضعف کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا ۶۹۴
- مزید پانچ حدیثیں ۶۹۵
- حضرت وائل بن حجرؓ کی مزید روایت ۶۹۵
- خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کا اثر ۶۹۶
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر ۶۹۶
- حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا مشترکہ اثر ۶۹۷
- حضرت عمر فاروقؓ و حضرت علیؓ کا مشترکہ اثر ۶۹۷
- ضم سورت کے وقت ”بسم اللہ“ پڑھنا ۶۹۸ ۱۸۸۹
- دوران نماز ہر سورت کے شروع میں ”بسم اللہ“ جہر اُپڑھنا ۶۹۹ ۱۸۹۰
- ضم سورت کے وقت ”بسم اللہ“ سر اُپڑھنا ۷۰۰ ۱۸۹۱
- کیا آپ ﷺ رفع یدین کیا کرتے تھے؟ ۷۰۱ ۱۸۹۲
- کیا خلفائے اربعہ رفع یدین نہیں کرتے تھے؟ ۷۰۳ ۱۸۹۳
- نماز کا صحیح طریقہ ۷۰۴ ۱۸۹۴
- رفع یدین ۷۰۵ ۱۸۹۵
- عدم رفع یدین کی حدیث صحیح ۷۰۸ ۱۸۹۶
- کیا آستینوں میں بت چھپائے رکھنے کی وجہ سے رفع یدین کا حکم تھا؟ ۷۰۹ ۱۸۹۷

- مسئلہ رفع یدین کا تحقیقی جائزہ ۷۱۰
- رفع یدین کی منسوخ روایات ۷۱۱
- عدم رفع یدین کی روایات ۷۱۳
- روایات کا جائزہ ۷۱۷
- ۱۸۹۸ رفع یدین، آمین بالجہر، سینہ پر ہاتھ رکھنا اور نماز میں پیروں کو کشادہ رکھنا ۷۱۸
- ۱۸۹۹ رکوع، سجود کی تکبیرات سنت ہیں یا واجب؟ ۷۲۶
- ۱۹۰۰ کیا قومہ کی دعا مرد عورت دونوں پڑھیں گے؟ ۷۲۶
- ۱۹۰۱ قومہ و جلسہ میں کتنی دیر بیٹھے اور کیا پڑھے؟ ۷۲۷
- ۱۹۰۲ فرائض میں قومہ اور جلسہ استراحت کی دعا پڑھنا ۷۲۹
- ۱۹۰۳ کیا نماز کی ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں؟ ۷۳۱
- ۱۹۰۴ سجدہ میں جاتے وقت کی تکبیر کب پوری کی جائے؟ ۷۳۲
- ۱۹۰۵ سجدہ میں کہنیوں کی حالت کا حکم ۷۳۳
- ۱۹۰۶ سجدہ میں پیروں کی انگلیاں کیسے رکھیں؟ ۷۳۴
- ۱۹۰۷ سجدہ میں ”سبحان ربی الکریم“ کہنا ۷۳۶
- ۱۹۰۸ سجدہ ثانیہ سے کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ ۷۳۷
- ۱۹۰۹ قعدہ میں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے کی کیفیت ۷۳۸
- ۱۹۱۰ تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسنون طریقہ ۷۳۹
- ۱۹۱۱ تشہد میں حلقہ بنا کر آخر تک اسی طرح رکھنا ۷۴۱
- ۱۹۱۲ تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کے بعد حلقہ کھولنا بہتر ہے یا نہیں؟ .. ۷۴۲
- ۱۹۱۳ تشہد میں کلمہ شہادت کی انگلی کب تک اٹھائیں؟ ۷۴۳
- ۱۹۱۴ تشہد میں انگلی کب اٹھائی جائے؟ ۷۴۵

۱۹۱۵	نماز میں اشارہ بالسبابہ کی کیفیت اور اس کا شرعی حکم	۷۴۶
۱۹۱۶	تشہد میں انگلی اٹھانے اور حلقہ کھولنے کا مستحب طریقہ	۷۴۷
۱۹۱۷	رفع سبابہ کی شرعی حیثیت	۷۴۸
۱۹۱۸	قعہ میں اپنی انگلیوں کو اپنی ہیئت پر رکھنا	۷۵۱
۱۹۱۹	عذر کی بنا پر صرف التحیات پڑھ کر سلام پھیرنا	۷۵۱
۱۹۲۰	مقتدی کا التحیات پڑھ کر امام سے قبل سلام پھیرنا	۷۵۲
۱۹۲۱	لفظ 'سلام' واجب ہے یا سنت؟	۷۵۴
۱۹۲۲	ایک سلام پھیرنے کے بعد حدث لاحق ہو گیا	۷۵۵
۱۹۲۳	لفظ 'سلام' کے علاوہ کسی دوسرے فعل سے نماز سے نکلنا	۷۵۶
۱۹۲۴	سلام پھیرتے وقت نگاہ کہاں رکھیں؟	۷۵۷
۱۹۲۵	نماز میں دوسرے سلام کی مقدار	۷۵۸
۱۹۲۶	سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ	۷۵۹
۱۹۲۷	نماز میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ	۷۶۰
۱۹۲۸	سلام پھیرنے کا طریقہ	۷۶۲
۱۹۲۹	بحالت مجبوری ٹرین یا بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا	۷۶۴
۱۹۳۰	بس میں نماز کا طریقہ	۷۶۵
۱۹۳۱	بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ	۷۶۶
۱۹۳۲	شیخ فانی اشارہ سے نماز پڑھے	۷۶۷
۱۹۳۳	بیٹھ کر نماز پڑھنے میں سرین کو اٹھانا کیسا ہے؟	۷۶۸
۱۹۳۴	بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع میں کتنا جھکا جائے؟	۷۶۹
۱۹۳۵	بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں سرین کو اٹھانا	۷۷۰





۸ / کتاب الطہارۃ

۱ / باب ما يتعلق بالوضوء

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ.

وضو کی فضیلت

سوال [۱۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا قرآن و حدیث میں وضو سے متعلق کوئی فضیلت وارد ہوئی ہے؟ اگر وارد ہوئی ہے تو نصوص کی روشنی میں واضح فرمادیں۔

المستفتی: نبیر الدین دینا چپوری، استاذ دارالعلوم بالا پارہ
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کتب احادیث میں وضو کی فضیلت کے سلسلے میں مختلف قسم کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی مسلمان یا مومن شخص وضو میں اپنے چہرے کو دھوتا ہے، تو اس کے چہرے سے ٹپکنے والے آخری قطرہ کے ساتھ وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں، جو اس کی آنکھوں کے ذریعہ ہوئے، اسی طرح جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ٹپکنے والے پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ سب گناہ نکل جاتے ہیں جو اس کے ہاتھوں کے ذریعہ ہوئے، اسی طرح جب وہ پیروں کو دھوتا ہے تو اس کے پیروں کے پانی کے ساتھ وہ گناہ بھی نکل جاتے ہیں جو اس کے پیروں سے ہوئے،

یہاں تک کہ ظاہری طہارت کے ساتھ گناہ سے بھی پاکی حاصل ہو جاتی ہے، ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”میری امت کل قیامت میں وضو کی وجہ سے چمک دار اعضاء وضو کے ذریعہ پہچانی جائے گی؛ لہذا جو دنیا ہی میں اعضاء وضو کی چمک کو بڑھانا چاہے بڑھالے“۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ”جو شخص اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت تحیۃ الوضوء بھی پڑھ لے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے کہ وہ نو مولود بچہ جو آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ قال: إذا توضأ العبد المسلم أو المؤمن، فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر إليها بعينيه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء، فإذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة كان بطشتها يداه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء، فإذا غسل رجليه خرجت كل خطيئة مشتها رجلاه مع الماء، أو مع آخر قطر الماء، حتى يخرج نقياً من الذنوب. (مسلم شريف، كتاب الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء، النسخة الهندية ۱/۱۲۵، بيت الأفكار، رقم: ۲۴۴، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/۴۷، رقم: ۴)

عن نعيم المجرم، قال: رقيت مع أبي هريرة على ظهر المسجد، فتوضأ، فقال: إني سمعت النبي ﷺ يقول: إن أمتي يدعون يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء، فمن استطاع منكم أن يطيل غرته فليفعل. (بخاري شريف، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، والغر المحجلون من آثار الوضوء، النسخة الهندية ۱/۲۵، رقم: ۱۳۶، صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة، والتحجيل في الوضوء، النسخة الهندية ۱/۱۲۶، بيت الأفكار، رقم: ۲۴۶)

عن عقبة بن عامر - رضي الله عنه - عن النبي ﷺ قال: ما من مسلم يتوضأ فيسبغ الوضوء، ثم يقوم في صلاته، فيعلم ما يقول: إلا انفتل كيوم ولدته أمه منه الخطايا ليس عليه ذنب. (مستدرک حاکم، مکتبہ نزار مصطفی الباز، جدید ۴/۱۳۱۶، رقم: ۳۵۰۸، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/

۵۶۹، رقم: ۱۱۰۱، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۷/ ۳۳۹، رقم:

۹۳۷، مسند الدارمي، دارالمغني ۱/ ۵۵۸، رقم: ۷۴۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۴۴/۴۱)

وضو کا حکم کب نازل ہوا؟

سوال [۱۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آیت وضو ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ“ [المائدة: ۶] یہ مدنی آیت ہے اور حضور ﷺ مکہ میں بھی نماز پڑھتے تھے؟ تو آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں نماز کے لئے وضو کرتے تھے یا نہیں؟ اگر کرتے تھے تو کس طرح کرتے تھے؟

المستفتی: نعیم اللہ بستوی ٹٹولا، ضلع تھانہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضو کا حکم شروع اسلام سے تھا اور مذکورہ آیت کریمہ کے ذریعہ سے وضو کا نیا حکم نازل نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ اس کے نزول سے قبل آپ ﷺ قضاے حاجت کے بعد بغیر وضو کے کسی سے بات چیت اور سلام کا جواب وغیرہ بھی نہیں دیا کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ سے یہ حکم نازل فرمایا کہ وضو جواب سلام اور لوگوں سے بات چیت کرنے کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ جب بحالت حدث نماز کا ارادہ ہو تو نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے؛ لیکن سلام کا جواب اور لوگوں سے بات چیت کے لئے وضو کی ضرورت نہیں ہے۔

عن عبد اللہ بن علقمة بن الفغواء، عن أبيه قال: كان رسول الله ﷺ

إذا هراق الماء إنما نكلمه فلا يكلمنا، ونسلم عليه فلا يرد علينا، حتى
 نزلت: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ
 إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ“ [المائدة: ۶]
 (طحاوی شریف ۱/ ۵۳، دارالکتب العلمیة ۱/ ۱۱۵، رقم: ۵۴۸، المعجم الكبير

للطبرانی، دار إحياء التراث العربي ۱۸/ ۶، رقم: ۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۱۲/۱۵ھ

۱۴۱۵/۱۲/۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۵۶)

وضو کے بعد کی دعا

سوال [۱۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
 میں: کیا وضو کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دعا منقول ہے؟ اگر منقول ہے تو اس کی کیا
 فضیلت ہے؟ مع حوالہ تحریر فرما کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبید اللہ بھگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں حضور ﷺ سے وضو کے بعد دعا منقول ہے اور
 اس دعا کے پڑھنے کی فضیلت بھی آئی ہے، چنانچہ روایت میں ہے: ”جو شخص اچھی طرح وضو
 کرے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے: ”أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمد
 عبده ورسوله“ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دئے جائیں گے اور
 اسے اختیار ہوگا جس سے چاہے داخل ہو جائے۔ روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: من

توضأ، فأحسن الوضوء، ثم قال: ”أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً

عبده ورسوله“ فتحت له ثمانية أبواب الجنة، يدخل من أيها شاء. (سنن نسائي، الطهارة، باب القول بعد الفراغ من الوضوء، النسخة الهندية ۱/ ۱۹، دارالسلام، رقم: ۱۴۸، مسلم شريف، الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۲، بيت الأفكار، رقم: ۲۳۴-۲۳۵)

اور ”ترمذی شریف“ کی روایت میں مذکورہ کلمات کے ساتھ: ”اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين“ کا بھی اضافہ ہے۔ روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: من توضأ، فأحسن الوضوء، ثم قال: ”أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين“، فتحت له ثمانية أبواب الجنة، يدخل من أيها شاء. (سنن الترمذی، كتاب الطهارة، باب ما يقال بعد الوضوء، النسخة الهندية ۱/ ۱۸، دارالسلام، رقم: ۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۴۶/۱۱)

مسواک صرف مردوں کے لئے سنت ہے یا عورتوں کے لئے بھی؟

سوال [۱۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس طرح مردوں کے لئے مسواک کرنا سنت ہے، کیا اسی طرح عورتوں کے لئے بھی مسواک کرنا سنت ہے، یا دونوں کا حکم الگ الگ ہے؟

المستفتی: میونہ بیگم چک فاضل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مردوں اور عورتوں کے درمیان مسواک کے حکم میں

انتیازی فرق یہ ہے کہ مردوں کے لئے علی الدوام مسواک کرنا مسنون ہے اور عورتوں کے چونکہ مسوڑے بہت کمزور ہوتے ہیں، جس کی بنا پر اگر وہ علی الدوام مسواک کرے گی تو مسوڑے اور زیادہ کمزور ہو جائیں گے؛ اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لئے بھی مسواک کرنا مستحب ہے؛ لیکن کبھی کبھار ترک کر دیا کریں؛ البتہ ایسا منجن میسر ہو جو مسوڑوں پر اثر انداز نہ ہوتا ہو، تو اس کو علی الدوام استعمال کرنے میں سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا؛ لیکن جس عورت کے مسوڑے مردوں کے مسوڑوں سے کمزور نہ ہوں، تو اس کے لئے مردوں کی طرح علی الدوام مسواک کرنا مسنون ہے۔ (مستفاد: بذل الجہود، کتاب الطہارۃ، باب السواک، دار البیضاء الاسلامیہ بیروت/۱، ۳۱۴، قدیم/۱۱۳)

كما يقوم العلك مقامه للمرأة مع القدرة عليه (تحتہ فی الشامیہ):
أي في الثوب إذا وجدت النية، وذلك أن المواظبة عليه تضعف أسنانها،
فيستحب لها فعله. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في منافع السواك، زكريا ۱/ ۲۳۶،
کراچی ۱/ ۱۱۵)

والعلك يقوم مقامه للمرأة لكون المواظبة عليه تضعف أسنانها،
فيستحب لها فعله. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مكنه زكريا ۱/ ۴۳،
کوئٹہ ۱/ ۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۰۲/۲۴)

مسواک کی موٹائی و لمبائی کیا ہونی چاہئے؟

سوال [۱۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسواک کا ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے بقدر موٹی اور ایک بالشت کے برابر لمبی ہونا لازم و ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسواک ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے بقدر موٹی اور ابتداء میں ایک بالشت کے بقدر لمبی رکھنا مستحب ہے، لازم و ضروری نہیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۱۵۸، فتاویٰ محمودیہ ڈائجیل ۵/ ۴۷، میرٹھ ۸/ ۱۱۸-۱۱۹)

و ندب إمساكہ بیمنہا و كونه لینا، مستویا بلا عقد في غلط الخنصر، و طول شبر، الظاهر أنه في ابتداء استعماله فلا يضر نقصه بعد ذلك بالقطع منه لتسويته. (شامی، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في منافع السواك، زكريا ۱/ ۲۳۴، كراچی ۱/ ۱۱۴)

و أفضله الأراك ثم الزيتون وأن يكون طول شبر في غلط الخنصر. (غنية المستملي، و من الآداب أن يستاك، ص: ۳۳)

وينبغي أن يكون لینا في غلط الإصبع طول شبر مستویا قليل العقد من الأراك. (مراقی الفلاح، ص: ۲۷-۲۸، حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، مكتبة دارالكتاب ديوبند، ص: ۶۷)

وينبغي أن يكون السواك من أشجار مرة، ولكن رطبا في غلط الخنصر، و طول الشبر. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء ۱/ ۲۲۱، رقم: ۱۰۱)

وينبغي أن يكون السواك من أشجار مرة؛ لأنه يطيب نكهة الفم، ويشد الأسنان، ويقوى المعدة، وليكن رطبا في غلط الخنصر، و طول الشبر. (هنديّة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الثاني في سنن الوضوء، زكريا قديم ۱/ ۷، جديد ۱/ ۵۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳/۶/۱۳۳۵ھ

(رجسٹر خاص)

مسواک نہ ہونے کی صورت میں کیا کریں؟

سوال [۱۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب کسی کے پاس مسواک نہ ہو اور وضو کرے، تو ہاتھ کی انگلی سے مسواک کرنی چاہئے یا نہیں؟ اور کس ہاتھ کی کون سی انگلی سے کرنی چاہئے؟

المستفتی: نظر الاسلام تریپورہ، ممبئی ۵

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مسواک نہ ہونے کی صورت میں انگلی کو مسواک کی جگہ پر استعمال کرنا مشروع ہے اور اس میں کسی بھی انگلی سے مسواک کرنا درست ہے؛ لیکن افضل یہی ہے کہ انگشت شہادت سے مسواک کی جائے، دائیں انگشت شہادت سے بائیں طرف اور بائیں انگشت سے دائیں جانب کی جائے۔

ثم بأي إصبع استاك لا بأس به، والأفضل أن يستاك بالسبابتين، يبدأ بالسبابة اليسرى ثم باليمنى، وإن شاء استاك بإبهامه اليمنى والسبابة اليمنى يبدأ بالإبهام من الجانب الأيمن فوق وتحت، ثم بالسبابة من الأيسر كذلك. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في منافع السواك، زكريا ۱/۲۳۶، كراچی ۱/۱۱۵، الموسوعة الفقهية ۴/۱۴۲)

ويستاك بأصابعه عند عدمه أو عدم أسنانه لقوله عليه السلام: يجزئ من السواك الأصابع. رواه البيهقي عن أنس بألفاظ مختلفة، وروى الطبراني عن عائشة رضي الله عنها قالت: قلت: يا رسول الله! الرجل يذهب فوه يستاك، قال: نعم، قلت: كيف يصنع؟ قال: يدخل إصبعه في فيه.

(شرح النقاية، مكتبه إعزازية ديوبند ۱/ ۴)

عن أنس - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تجزئ

من السواک الأصابع. (السنن الكبرى للبيهقي، باب الاستاك بالأصابع، دارلنكر ۱/ ۶۹، رقم: ۱۷۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲۲۲/۱/۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۹۶/۳۵)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲۲۲/۱/۵ھ

وضو سے کون سے گناہ جھڑتے ہیں؟

سوال [۱۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سنا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس کر لیا کرتے تھے کہ کون سا گناہ اس میں دھل رہا ہے، جبکہ وضو سے صرف صغیرہ گناہ کے جھڑنے کا حکم آیا ہے؟

المستفتی: شفیق احمد سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضو کے ذریعہ جس طرح صغیرہ گناہ جھڑتے ہیں، اسی طرح کبیرہ گناہ بھی جھڑتے ہیں، وضو کی وجہ سے مؤمن صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، مگر وضو کی وجہ سے وضو کے وقت کبیرہ گناہ کے آثار تو دیکھنے والے کو نظر آجاتے ہیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے دیکھا، مگر وضو کی وجہ سے کبیرہ گناہ سے کلی طور پر پاک نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کے لئے توبہ لازم ہے۔

عن أبي الوليد قال: حدثني أبو الوليد، قال: حدثنا إسحاق بن سعيد بن عمرو بن سعيد بن العاص، قال: حدثني أبي عن أبيه، قال: كنت عند عثمان، فدعا بطهور، فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما من امرئ مسلم تحضره صلوة مكتوبة، فيحسن وضوءها وخشوعها، وركوعها، إلا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة، وذلك

الدھر کلہ. (مسلم شریف، باب فضل الوضوء والصلاة عقبه، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۱،

بيت الأفكار، رقم: ۲۲۸، صحيح ابن حبان، دارالفکر ۲/ ۱۴۷، رقم: ۱۰۴۱)

قال العلماء: إن هذا الحديث وما أشبه صالح للتكفير، فإن وجد

ما يكفره من الصغائر كفره، وإن صادف كبيرة، ولم يصادف صغيرة، يعني

غيره مكفرة رجونا أن يخفف من الكبائر، وإلا كتب له به حسنات، ورفع به

درجات. كذا ذكره الطيبي. (مرقاة، تخفيف الكبائر الحسنات، مكتبه إمداديه ملتان

۱/ ۳۲۵، عمدة القاري، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، مكتبه دار إحياء التراث العربي، بيروت

۳/ ۱۳، زكريا ۲/ ۲۵۰، قوت المغتذي ۱/ ۱۲۸، رقم: ۲۱۴، إمداديه، ملتان ۱/ ۳۲۵،

شرح مسلم للنووي، باب فضل الوضوء ۱/ ۱۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ صفر ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۲۸)

سرکامسح بھونے کا حکم

سوال [۱۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: وضو کا تیسرا فرض مسح بھول کر چھوٹ گیا یا جان کر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ پورا دن گذر گیا،

اب یاد آیا کہ مسح چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا تھا اور کوئی حدت بھی نہیں ہوا، نماز کا وقت آگیا

صرف چوتھائی سرکامسح کر کے نماز پڑھے یا ازسرنو وضو کر کے نماز پڑھے؟

المستفتی: انوار الحق امام بڑی مسجد ہنومان گڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مجلس وضو باقی ہے، تو صرف مسح کرنا کافی ہو جائے گا،

اسی طرح اگر مجلس بدل گئی مگر اعضاء مغسولہ سوکھے نہیں؛ بلکہ وضو کے پانی کے آثار موجود ہیں،

تو جا کر مسح کر لے تب بھی طریقہ سے وضو ہو جائے گا۔ اور اگر کافی دیر ہوگئی اور اعضاء وضو بھی سوکھ گئے اس کے بعد یاد آیا یا احساس پیدا ہوا، تو حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک ازسرنو وضو کرنا فرض اور لازم ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک ازسرنو وضو کرنا مستنون ہے۔

وإنما یکره التفریق فی الوضوء إذا کان بغير عذر. (ہندیہ، الباب الأول فی الوضوء، الفصل الثانی فی سنن الوضوء، زکریا قدیم ۸/۱، جدید ۵۸/۱، الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الطہارۃ، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ۸/۱، إمدادیہ ملتان ۷/۱)

ومن السنۃ الموالاة عندنا، وعند الشافعی ومالک فرض. وفي التحفة: الموالاة أن لا یشتغل بین أفعال الوضوء بعمل لیس منه. (التاتاریخانیہ، کتاب الطہارۃ، الفصل الأول فی الوضوء، زکریا ۱/۲۲۱، رقم: ۱۰۰)

ومنها الموالاة: وهي أن لا یشتغل المتوضی بین أفعال الوضوء بعمل لیس منه؛ لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم هكذا کان یفعل، وقیل فی تفسیر الموالاة: أن لا یمکث فی أثناء الوضوء مقدار ما یجف فیہ العضو الممسول، فإن مکث تنقطع الموالاة، وعند مالک: هي فرض. (بدائع، کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء، زکریا ۱/۱۱۲، بیروت ۱/۲۱۱، کراچی ۱/۲۲)

مگر سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل میں مسح کا فاصلہ پورے دن کا ہے، جس میں بعض نماز کے اوقات بھی گزر گئے ہوں گے، اتنا لمبا فاصلہ اور انقطاع کی شکل میں وضو کے اعضاء کے دھونے کا اعتبار نہیں ہوگا؛ بلکہ ازسرنو وضو کرنا لازم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/۱۱/۱۴۲۵ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکم ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۸)

مسح کا مسنون طریقہ

سوال [۱۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو میں مسح کا سنت اور احسن طریقہ کیا ہے؟ براہ کرم دلائل کی روشنی میں واضح فرمائیں، جب کہ علامہ شامیؒ نے لوگوں میں رائج اور مشہور طریقہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سنت طریقہ نہیں۔ اور حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں، جو یہ ہے کہ شہادت اور انگوٹھے کو چھوڑ کر باقی تین انگلی سر پر رکھے اور دونوں ہتھیلیوں کو سر سے علیحدہ رکھتے ہوئے آگے کی طرف لے آئے اور شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے کانوں کا مسح کرے۔ ذیل میں وہ طریقہ مذکور ہے، جو علامہ شامیؒ نے بتلایا اور جس کو ترجیح دی ہے۔

وتكلموا فى كيفية المسح، والأظهر: أن يضع كفيه وأصابعه على مقدم رأسه ويمدّهما إلى القفا على وجه يستوعب جميع الرأس، ثم يمسح أذنيه بإصبعيه، وما قيل: من أنه يجافى المسبحتين والإبهامين ليمسح بهما الأذنين، والكفين ليمسح بهما جانبي الرأس خشية الاستعمال فقال في الفتح: لا أصل له في السنة؛ لأن الاستعمال لا يثبت قبل الانفصال، والأذنان من الرأس. (شامی، زکریا ۱/۲۴۳، کراچی ۱/۱۲۱)

المستفتی: ندیم احمد بجنوری، مقیم ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسح علی الرأس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ: ہتھیلی اور تمام انگلیوں کو سر کے اگلے حصہ پر رکھ کر پورے سر کو مسح کرتے ہوئے پیچھے تک لے جائے، پھر اس کے بعد انگشت شہادت کے ذریعہ سے کان کے اگلے حصہ پر مسح کیا جائے اور دونوں انگوٹھوں کے ذریعہ سے کان کے باہری حصہ کی طرف مسح کیا جائے، یہی مسنون طریقہ ہے۔ اور یہی فقہاء نے لکھا ہے۔ اور انگشت شہادت اور دونوں انگوٹھوں اور ہتھیلیوں کو سر کے مسح کرتے

وقت الگ رکھنے کی بات بے اصل اور بلا دلیل ہے، اسی لئے اکثر فقہاء نے اس کی تردید فرمائی ہے، نیز جن لوگوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ تھیلی، انگشت شہادت اور انگوٹھے کو سر کے مسح کے وقت الگ رکھا جائے، یہ مسنون طریقہ کے خلاف ہے۔

عن عبد الله بن زيد أن رسول الله ﷺ مسح رأسه بيديه، أقبل بهما وأدبر، بدأ بمقدم رأسه، ثم ذهب بهما إلى قفاه، ثم ردهما حتى رجع إلى المكان الذي بدأ منه، ثم غسل رجليه. (ترمذي شريف، باب ما جاء في مسح الرأس، النسخته الهندية ۱/ ۱۵، دارالسلام، رقم: ۳۲، سنن أبي داؤد، باب صفة وضوء النبي ﷺ، النسخته الهندية ۱/ ۱۴، دارالسلام، رقم: ۱۱۸)

والأظهر: أن يضع كفيه وأصابعه على مقدم رأسه، ويمدّهما إلى قفاه على وجه مستوعب جميع الرأس، ثم يمسح أذنيه بإصبعيه، واختاره قاضيخان، وقال الزاهدي: هكذا روي عن أبي حنيفة ومحمد - إلى قوله - وما في الخلاصة وغيرها من أنه يضع على مقدم رأسه من كل يد ثلاثة أصابع - إلى قوله - ففيه تكلف ومشقة، كما في الخانية: بل قال الكمال: لا أصل له في السنة. (حاشية الطحطاوي على المراقي، أشرفي، ص: ۷۲، عالمگیری، زكريا قديم ۷/ ۱، جديد ۸۵/ ۱)

وما قيل: من أنه يجافى المسبحتين والإبهامين ليمسح بهما الأذنين والكفين ليمسح بهما جانبي الرأس خشية الاستعمال، فقال في الفتح: لا أصل له في السنة؛ لأن الاستعمال لا يثبت قبل الانفصال، والأذنان من الرأس. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في تصريف قولهم، زكريا ۱/ ۴۳، ۲، كراچی ۱/ ۱۲۱) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۷/۶/۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷/۶/۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۲۶)

کیا مسح علی الراس کے لئے ماء جدید لینا ضروری ہے؟

سوال [۱۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو میں سر کے مسح کے لئے ماء جدید لینا کیا ہے، واجب یا مستحب؟

المستفتی: سیف اللہ قاسمی، مدرسہ دارالسلام برق پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سر کے مسح کے لئے ماء جدید لینا لازم ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں: حاکم شہید ماء جدید کو لازم قرار دیتے ہیں اور جمہور ماء جدید کو لازم قرار نہیں دیتے؛ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ سر کے مسح کے لئے ماء جدید لیا جائے۔ اور اگر ماء جدید کے بغیر ہاتھوں کی تری سے مسح کر لیا جائے تو جمہور کے نزدیک یہ بھی جائز ہے، مگر یہ احتیاط کے خلاف ہے۔

فقال: إنه إذا مسح رأسه بفضل غسل ذراعیه لم یجز إلا بماء جدید؛ لأنه قد تطهر به مرة. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الطہارۃ، فصل فی احکام الوضوء، مکتبہ دارالکتاب ص: ۶۰، قدیم: ۳۴)

ولو كان في كفه بلل، فمسح به رأسه أجزأه. (تاتارخانیة، كوئٹہ ۱/۹۳،

جدید، زکریا ۱/۲۰۳، رقم: ۳۴)

ولو كان في كفه بلل، فمسح به رأسه أجزأه. قال الحاكم الشهيد: هذا إذا لم يستعمله في عضو من أعضائه، بأن أدخل يده في إناء حتى ابتل، فأما إذا استعمله في عضو من أعضائه، بأن غسل بعض أعضائه، وبقي على كفه بلل لا يجوز، وأكثرهم على أن ما قاله الحاكم الشهيد خطأ. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء، المجلس العلمي ۱/۱۶۶، رقم: ۲۳،

شامی، کتاب الطہارۃ، زکریا ۱/ ۲۱۳، کراچی ۱/ ۹۹، البناء، کتاب الطہارۃ، مکتبہ
أشرفیہ دیوبند ۱/ ۲۱۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۶ھ/۷/۷

(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۹۲/۳۸)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶ھ/۷/۷

وضو میں دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک کتنی دفعہ دھونا سنت ہے؟

سوال [۱۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کا سنت طریقہ بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلے تین دفعہ گٹوں تک ہاتھ دھوے، (بہشتی زیور، اختر، ص: ۲۵) اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب امام اہل سنت تحریر فرماتے ہیں وضو کی سنتوں کے بیان میں: ”منہ دھونے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا مع گٹوں کے ایک بار دھونا اور جب ہاتھوں کی کہنیوں تک دھوئے تو ہاتھوں کو پھر یہیں سے دھونا چاہئے۔“ (علم الفقہ ۱/ ۵۷، طبع مکتبہ صدیقیہ لکھنؤ)

دریافت طلب بات یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں کی عبارت میں تعارض ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو حضرت امام اہل سنت کی عبارت کی تشریح فرمادیں، مسئلہ واضح نہیں ہو پارہا ہے، نیز در صورت تعارض بہشتی زیور کی عبارت کو ترجیح ہوگی؟۔

المستفتی: اعجاز احمد، چلہ امر وہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دراصل حدیث میں ایک مرتبہ اور تین مرتبہ دونوں کی روایتیں آئی ہیں، شاید امام اہل سنت نے ایک مرتبہ والی روایت کو پیش نظر رکھ کر تحریر فرمایا ہوگا۔ اور حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور میں تین مرتبہ والی روایت کے مطابق تحریر فرمایا ہوگا، جس کو تمام فقہاء بھی نقل فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس - رضي الله عنه - أن النبي صلى الله عليه وسلم توضأ مرة مرة. (ترمذي، كتاب الطهارة، باب ماجاء في الوضوء مرة مرة، النسخة الهندية ۱/ ۶، دارالسلام، رقم: ۴۲)

عن علي - رضي الله عنه - أن النبي صلى الله عليه وسلم توضأ ثلاثاً ثلاثاً. (ترمذي، باب ماجاء في الوضوء ثلاثاً ثلاثاً، النسخة الهندية ۱/ ۱۷، دارالسلام، رقم: ۴۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۲۲/۱۴۱۵ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۲۷)

وضو میں تثلیث کی سنت کب ادا ہوتی ہے؟

سوال [۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو میں تثلیث کی سنت کب ادا ہوتی ہے؟ جب کہ فتاویٰ شامی زکریا میں ہے:

وتثلیث الغسل المستوعب قوله: المستوعب، فلو غسل في المرة الأولى، وبقی موضع یابس، ثم في المرة الثانية أصاب الماء بعضه، ثم في الثالثة أصاب الجميع لا یكون غسلاً للأعضاء ثلاثاً، حلیة عن فتاویٰ الحجّة. (شامی ۱/ ۲۳۹، بحر ۱/ ۵۳)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضو میں تثلیث کی سنت اسی وقت ادا ہوتی ہے، جب کہ تینوں مرتبہ میں سے ہر مرتبہ پورے عضو کا استیعاب کیا جائے اور جو عبارت آپ نے پیش کی ہے اس میں تینوں مرتبہ استیعاب نہیں پایا گیا ہے، صرف ایک مرتبہ استیعاب پایا گیا ہے۔ اور کتب فقہ کے ان جزئیات میں اور سوال نامہ کی نقل کردہ جزئیہ میں کوئی تعارض نہیں ہے، دونوں طرح کے جزئیات غور کر کے سمجھنے کی کوشش کریں، نیز خود سوال نامہ میں سائل نے جو

جزئیہ پیش کیا ہے، اس کے اندر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اور سائل نے جزئیہ پر غور کئے بغیر اور سمجھے بغیر سوال کر رکھا ہے۔

لكن ذكر في الحلية عند ذكره استيعاب الأعضاء بالغسل في كل مرة الخ. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في منافع السواك، زكريا ۱/ ۲۳۸، كراچی ۱/ ۱۱۷)

ومنها: تكرار الغسل ثلاثاً - إلى قوله - وفي فتاوى الحجة: وينبغي أن يغسل الأعضاء كل مرة غسلًا يصل الماء إلى جميع ما يجب غسله في الوضوء. (عالمگیری، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في سنن الوضوء زكريا قديم ۱/ ۷، جدید ۱/ ۵۷)

ويسن تثلث الغسل أي المستوعب، وفي البحر: السنة تكرار الغسلات المستوعبات لا العرفات. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، أشرفي، ص: ۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۲۶)

نماز جنازہ یا کسی اور عبادت کے لئے کئے گئے وضو سے فرض نماز پڑھنا

سوال [۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے جنازہ حاضر دیکھ کر وضو کیا اور نیت صرف جنازہ پڑھنے کی کی یا غیر نماز کے وقت صرف اس نیت سے وضو کیا کہ اس وضو سے تلاوت کر لوں گا، تو کیا ان دونوں وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں یا دوسرا وضو ضروری ہے؟ جب کہ تیمم کے اندر یہ بات نہیں ہے۔ اور تیمم کا درجہ وضو سے کم ہے؛ لیکن ایسے تیمم سے نماز پڑھنا درست ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: پانی نہ ملنے یا مرض کی وجہ سے نماز جنازہ کے

لئے تیمم کیا، تو بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس سے بھی دوسری نماز پڑھنا جائز ہے۔
(اغلاط العوام کلاں/۳۵)

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی، بھگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو وضو نماز جنازہ یا کسی اور عبادت کے لئے کیا جائے، خواہ وہ مقصودہ ہو یا غیر مقصودہ، بہر دو صورت اس وضو سے ہر قسم کی عبادت مقصودہ وغیر مقصودہ ادا کرنا درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۱۸)

بخلاف الوضوء؛ فإنه طهارة أصلية، والأقرب أن يقال: إن كل وضوء تستباح به الصلاة - إلى قوله: - ويكفي الوضوء المطلق. (شامي، باب التيمم، مطلب في الفرق بين الظن وغلبة الظن، زكريا ۱/ ۱۶۴، كراچی ۱/ ۲۴۷، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب التيمم، دارالكتاب، ص: ۲۹۵) لیکن جو تیمم عبادت غیر مقصودہ، مثلاً تلاوت قرآن، مس قرآن یا ذکر واذکار وغیرہ کے لئے کیا جائے، تو اس سے عبادت مقصودہ یعنی نماز وغیرہ ادا کرنا درست نہیں۔

لو تیمم لدخول المسجد، أو القراءة، ولو من مصحف، أو مسه لم تجزه الصلاة به. (درمختار، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ۱/ ۱۶۲، كراچی ۱/ ۲۴۵، تبیین الحقائق، إمدادیه ملتان ۱/ ۳۹، زكريا ۱/ ۱۲۴، البحر الرائق كوئٹہ ۱/ ۱۵۷، زكريا ۱/ ۲۶۲، الأشباه/ ۷۰)

سوال نامہ میں آپ نے نماز جنازہ کے لئے تیمم کا تذکرہ کیا ہے، تو یاد رہے کہ نماز جنازہ عبادت مقصودہ میں سے ہے؛ لہذا پانی نہ ہونے یا مرض وغیرہ کے عذر کی وجہ سے اگر نماز جنازہ کے لئے تیمم کیا تو اس سے دوسری عبادت مقصودہ وغیر مقصودہ ادا کرنا درست ہے۔ اور حضرت تھانویؒ نے ”اغلاط العوام“ میں اسی کا ذکر فرمایا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۱۸)

بخلاف صلاة جنازة، أي فإن تيممها تجوز به سائر الصلوات، لكن

عند فقد الماء. (شامی، باب التیمم قبیل مطلب: فی تقدیر الغلوة، زکریا ۱/ ۴۱۳، کراچی ۱/ ۲۴۵)

اور اگر نماز جنازہ فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمم کیا، تو یہ جنازہ پڑھتے ہی ختم ہو جائے گا، اس سے دوسری عبادت ادا کرنا درست نہیں۔

أما عند وجوده إذا خاف فوتها؛ فإنها تجوز به الصلوة عن جنازة أخرى إذا لم يكن بينهما فاصل، كما مر، ولا يجوز به غيرها من الصلاة. (شامی، باب التیمم قبیل مطلب فی تقدیر الغلوة، زکریا ۱/ ۴۱۳، کراچی ۱/ ۲۴۵)

أما إذا تیمم لها مع وجوده لخوف الفوت، فإن تیممها بیطل بفراغه. (البحر الرائق، باب لتیمم، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۱/ ۱۵۱، زکریا ۱/ ۲۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۵)

جنازہ کے لئے کئے گئے وضو یا تیمم سے نماز پختہ نہ ہونے کا حکم

سوال [۱۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس وضو سے نماز جنازہ ادا کی گئی ہو یا جس تیمم سے، تو کیا اس وضو یا تیمم سے دیگر نمازیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ کے لئے جو وضو کیا ہے، اس سے نماز پختہ نہ وغیرہ پڑھنا درست ہے، مگر جو تیمم صرف نماز جنازہ کے فوت ہونے کے خطرہ سے کیا ہے، اس سے وقتی نماز پڑھنا جائز نہیں، ہاں البتہ اگر معذور شخص جو پانی کے استعمال پر قادر نہیں اس نے تیمم کیا ہے یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے وقتی نماز کے لئے تیمم کیا ہے، تو اس تیمم سے وقتی نماز اور نماز جنازہ دونوں پڑھنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳۳/ ۱۵۰، فتاویٰ دارالعلوم ۱۵۰/ ۱)

کفایت المفتی زکریا/۲۲۳۳/۲، زکریا مطول/۳۳۴/۳، احسن الفتاویٰ/۱۸/۲)

أن كل وضوء تصح به الصلاة. (شامی، کتاب الطهارة، مطلب الفرق بین

الطاعة والقربة والعبادة، زکریا ۱/۲۲۴، کوئٹہ ۱۸/۷۹، کراچی ۱/۱۰۷)

وقوله: وبيانه: أن الصلوة تصح عندنا بالوضوء ولو لم يكن منويًا.

(شامی، زکریا ۱/۲۲۳، کوئٹہ ۱/۷۸، کراچی ۱/۱۰۶)

فإن تيممها تجوز به سائر الصلوات، لكن عند فقد الماء، وأما عند

وجوده -إلى قوله- ولا يجوز به غيرها من الصلوات. (شامی، باب التيمم

کوئٹہ ۱/۱۸۰، زکریا ۱/۴۱۳، کراچی ۱/۲۴۵)

يجوز الصلاة بالتيمم لصلاة الجنابة محول على ما إذا لم يكن واجد

الماء- إلى قوله- إذا تيمم لها مع وجوده لخوف الفوات، فإن تيمم يبطل

بفراغه منها. (البحر الرائق، باب التيمم، مكتبه رشديه، کوئٹہ ۱/۱۵۱، زکریا ۱/۲۶۲،

شامی زکریا ۱/۴۱۶، کراچی ۱/۲۴۷)

بخلاف الوضوء، فإنه طهارة أصلية، والأقرب أن يقال: أن كل

وضوء تستباح به الصلاة..... ويكفي الوضوء المطلق. (شامی، باب التيمم،

مطلب في الفرق بين الظنه وغلبة الظن، زکریا ۱/۴۱۶، کراچی ۱/۲۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۵/۲۳)

وضو میں قبلہ کی طرف پشت کرنا

سوال [۱۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: وضو کے وقت قبلہ کی طرف پشت کرنا آیا مکروہ ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر آسانی سے ہو سکے تو بوقت وضو استقبال قبلہ مستحب ہے۔ اور اگر استقبال قبلہ میں دشواری ہو تو استدبار قبلہ خلاف مسنون بھی نہیں ہے۔

وأن يستقبل القبلة عند الوضوء. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الأول، في

الوضوء، الفصل الثالث في المستحبات، زكريا قديم ۸/۱، جديد ۱/۵۹)

ومن الأدب: أن يستقبل القبلة عند الوضوء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب

الطهارة، الفصل الأول ۱/۲۲۸، رقم: ۱۲۶، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل

الأول في الوضوء، المجلس العلمي ۱/۱۷۹، رقم: ۷۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/صفر ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۹)

وضو سے پہلے پیر تر کرنے کا حکم

سوال [۱۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

”فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۷۷“ پر حضرت تھانویؒ کے مواعظ علم و عمل صفحہ: ۳۳۰ کے حوالہ سے لکھا ہے

کہ وضو سے پہلے پیر تر کر لیا جائے اور آخر میں دھویا جائے، فقہاء نے مندوب کہا ہے، اگر آں

محترم کے علم میں فقہاء کی وہ عبارت ہو جس میں مندوب لکھا ہے تو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: نسیم احمد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: فقہاء کرام نے سردیوں کے زمانے میں اس عمل کو

آداب وضو اور مستحب لکھا ہے کہ وضو سے پہلے پیروں کو تر کر لیا جائے اور پھر آخر میں باضابطہ

دھولیا جائے۔

قال في الدرالمختار: ومن الآداب: تعاهد موقيه وكعبيه وعرقوبيه وأخمصيه وأطالة غرته وتحجيله، وغسل رجله بيساره، وبأبهامه عند ابتداء الوضوء في الشتاء. (درمختار مع الشامی، کتاب الطهارة، مطلب في الغرة والتحجيل، زكريا ۱/ ۲۵۶، كراچی ۱/ ۱۳۱، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الطهارة، كونه ۱/ ۷۶)

ينبغي للمتوضي في الشتاء أن يبيل أعضاء ه شبه الدهن، ثم يسيل الماء عليها، لأن الماء يتجافى عن الأعضاء في الشتاء. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، بيان أركان الوضوء، مطبع زكريا ۱/ ۶۶، كراچی ۱/ ۳، البحر الرائق، كتاب الطهارة، أركان الوضوء، زكريا ۱/ ۲۶، كونه ۱/ ۱۱، هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الثالث في المستحبات، زكريا قديم ۱/ ۹، جديد ۱/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۹/۲/۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۴۵)

وضو کے لئے دوسرے سے پانی منگانے کا حکم

سوال [۱۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا میں اپنے وضو کے لئے دوسرے سے پانی منگوا سکتا ہوں؟ اور اسی طرح کیا میں خدمت کے طور پر لوٹے میں پانی بھر کر دے سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: لیتیق احمد تمباکو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضو کے لئے دوسرے سے پانی منگوانا بلا کراہت درست ہے اور دوسرے کو وضو کا پانی لا کر دینا نہ صرف جائز؛ بلکہ باعث ثواب ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کو وضو کرایا ہے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ: میں پانی ڈال رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے۔ اور علامہ عینی ”عمدة القاری“ ۳/۶۱ میں لکھتے ہیں: کہ حضرات سلف سے وضو میں دوسرے سے مدد لینا ثابت ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوسرا آدمی وضو کر رہا تھا۔

عن أسامة بن زيد - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ لما أفاض من عرفة عدل إلى الشعب، ففضى حاجته، قال أسامة: فجعلت أصب عليه ويتوضأ. (بخاري، باب الرجل يوضئ صاحبه، النسخة الهندية ۱/۳۰، رقم: ۱۸۱)

عن المغيرة بن شعبة، عن رسول الله ﷺ أنه خرج لحاجته، فأتبعه المغيرة بإداوة، فيها ماء، فصب عليه حين فرغ من حاجته، فتوضأ. (بخاري شريف، باب المسح على الخفين، النسخة الهندية ۱/۳۳، رقم: ۲۰۳)

وحاصله: أن الاستعانة في الوضوء إن كانت بصب الماء أو استقائه، أو إحضاره، فلا كراهة بها أصلاً، ولو بطلبه. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في مباحث الاستعانة في الوضوء بالغير، كراچی ۱/۱۲۷، زکریا ۱/۲۵۱)

ومع هذا لو استعان بغيره جاز بعد أن لا يكون الغاسل غيره، بل يغسل بنفسه، وقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعان بالمغيرة، وكان المغيرة يفيض الماء ورسول الله كان يغسل. (الفتاوى التاتارخانية زكريا ۱/۲۲۷، رقم: ۱۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۳/۵۹۵۶)

کیا استنجاء میں استعمال شدہ لوٹے سے وضو کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید کہتا ہے کہ پانچخانہ کا لوٹا الگ نہ ہونا چاہئے اور پانچخانہ لے جانے والے لوٹے سے پانی پینے یا وضو کرنے میں کراہت نہ کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ لوٹے کو ناپاک سمجھ کر وضو یا دوسرے کام میں استعمال نہیں کیا جاسکتا، بوجہ نفاس طبع نہ کر سکے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) پانچخانہ سے فارغ ہو کر باہر آ کر ہاتھ مٹی وغیرہ سے دھونا سنت ہے، ان دونوں صورتوں میں لے سے اشکال پیدا ہوتا ہے کس صورت سے تطہیق ہو، واضح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد تحسین سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر پانچخانہ کا لوٹا دھو کر پاک رکھا جاتا ہے، تو بلا کراہت اس سے وضو کرنا اور پانی پینا سب جائز ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص دھوئے ہوئے لوٹے سے وضو کرے اور اس سے پانی پینے میں شک کرے، تو اس کے شک کا کوئی اثر عبادت پر نہیں پڑے گا، ہاں البتہ اگر لوٹے میں نجاست لگی ہوئی ہے، یا پیشاب وغیرہ لگنے کا یقین ہے اور پھر بلا دھوئے استعمال کرتا ہے، تو ناجائز ہے، ورنہ جواز میں کوئی شک نہیں۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: كان النبي ﷺ إذا أتى الخلاء أتيت به ماء في تور، أو ركوة، فاستنحى، ثم مسح يده على الأرض. الحديث. وفي البذل: إناء صغير من صفر أو حجارة يشرب منه، وقد يتوضأ منه، ويؤكل منه الطعام. (أبو داؤد، النسخة الهندية ۱/ ۷، دار السلام، رقم: ۴۵، بذر المجهود، باب الرجل يذ لك يده بالأرض إذا استنحى، مطبوعه لکهنو، مکتبه يحيى

سہارنپور ۱/ ۲۹، دار البشائر الإسلامية ۱/ ۳۱۰)

لأن شك الطاري لا يرفع حكم اليقين السابق على ما حقق من أنه

هو المراد من قولهم اليقين لا يرفع بالشك. (الأشباه والنظائر، قديم: ۱۰۱)

(۲) حدیث شریف میں حضور ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے؛ لیکن نظافت کے طور پر تھا۔

كان النبي ﷺ إذا أتى الخلاء أتيته بماء في تور - إلى قوله - ثم مسح يده على الأرض، الحديث. تحته في البذل: ثم مسح يده على الأرض للتنظيف، لينهب ما يحتمل أن يبقى من رائحة خفية، وإن كانت الطهارة حصلت بالغسل فقط. (أبو داؤد، النسخة الهندية ۱/ ۷، دارالسلام، رقم: ۴۵، بذل المجهود، باب الرجل يدللك يده بالأرض إذا استنجى، مطبوعه لكهنو، مكتبه

يحيى سهارنپور ۱/ ۲۹، دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۲۰/۲۴)

درمیان وضو سلام اور اس کا جواب

سوال [۱۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ درمیان وضو سلام کرنا یا اسلام کا جواب دینا یا مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: انوار الحق، امام بڑی مسجد، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: وضو کے درمیان سلام کرنے یا اسلام کا جواب دینے یا مصافحہ کرنے کی ممانعت کسی حدیث یا فقہ کی جزیئہ میں احقر کے نظر سے نہیں گذری، حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ نے سلام کرنے کو درست لکھا ہے؛ لیکن ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ دعا نہ پڑھ رہا ہو، اگر وضو کے ساتھ ساتھ دعا بھی پڑھ رہا ہو تو مکروہ لکھا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، میرٹھ ۲۸/۱۹۰، ڈبھیل ۱۹/۴۴-۴۵)

اور مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری علیہ الرحمہ نے ممنوع اور مکروہ لکھا ہے، مگر اس پر کوئی دلیل اور جزیئہ نہیں لکھا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ، زکریا ۱۰/۱۳۰)

بہر حال دوران وضو سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور شامی و بذل میں سلام کے عدم جواز کے جو مواقع نقل فرمائے ہیں، ان میں وضو شامل نہیں ہے؛ اس لئے ہم جائز سمجھتے ہیں، وہ مواضع حسب ذیل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

وقد صرح علماء الحنفية وغيرهم بکراهة السلام في مثل هذه الحالة، قال في الدر المختار نظما:

- | | | | |
|---|----------------------------|---|--------------------------------|
| ☆ | سلامک مکروہ علی من ستسمع | ☆ | ومن بعد ما أبدی یسن ویشرع |
| ☆ | مصل وتال ذاکر ومحدث | ☆ | خطیب ومن یصغی إلیهم ویسمع |
| ☆ | مکر رفقه جالس لقضائه | ☆ | ومن بحثوا فی الفقه دعهم لینفعا |
| ☆ | مؤذن أيضا أو مقيم مدرس | ☆ | کذا الأجنبیات الفتيات أمنع |
| ☆ | ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم | ☆ | ومن هو مع أهل له یتمتع |
| ☆ | ودع کافرا أيضا ومکشوف عورة | ☆ | ومن هو فی حال التغوط أشنع |

(بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فی الرجل یرد السلام، وهو یبول، دارالبشائر

الإسلامیہ ۱/ ۲۲۰، تحت رقم الحدیث: ۱۶، سہارنپور، قدیم ۱/ ۱۲)

وفي الدر المختار أيضا:

- | | | | |
|---|--|---|------------------------|
| ☆ | ودع آکلا إلا إذا كنت جائعا | ☆ | وتعلم منه أنه ليس یمنع |
| ☆ | وقد زدت علیه: المتفقه علی أستاذہ کما فی القنیة، والمغنی، ومطیر | | |

الحمام، وألحقته، فقلت:

- | | | | |
|---|---------------------|---|-------------------------|
| ☆ | کذلک أستاذ مغن مطیر | ☆ | فهذا ختام والزیادة تنفع |
|---|---------------------|---|-------------------------|

(الدر مع الرد، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها؟ مطلب لمواضع التي

یکره فیها السلام، زکریا ۲/ ۳۷۳-۳۷۵، کراچی ۱/ ۶۱۶-۶۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/۱۱/۱۴۲۵ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ارزلیقعدہ ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۷/ ۸۵۸۷)

دورانِ وضو دینی یا دنیاوی باتیں کرنے کا حکم

سوال [۱۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کرتے وقت دین و دنیا کی باتیں کرنا درست ہے یا نہیں؟ دین کی باتیں کرنا اگر درست ہو تو مع الدلائل جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اکرام باری، باری سنس تحصیل اسکول، مراد آباد
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے، ہاں البتہ اگر کوئی ایسی صورت درپیش ہو کہ اگر اسی وقت باتیں نہ کرے تو ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے، تو بقدر ضرورت دنیاوی باتیں کرنے کی گنجائش ہے اور ضرورت سے زائد ممنوع ہوگی۔ اور اگر مسائل کی باتیں کی جائیں تو جائز ہے، مکروہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ دنیاوی باتیں ممنوع ہیں دین کی نہیں۔

وبكره التكلم بكلام الناس؛ لأنه يشغله عن الأدعية. وفي الطحطاوي: وبكره التكلم بكلام الناس ما لم يكن لحاجة تفوته بتركه.

(طحطاوي على المراقي، دارالكتاب ديوبند ۸۱، الدر المختار، آداب الوضوء، کراچی ۱/۱۲۶، زکریا ۱/۲۵۰، البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، کوئٹہ ۱/۲۹، زکریا ۱/۵۸)

ومن الأدب أن لا يتكلم بكلام الناس -إلى- التكلم في حال التوضي مكروه. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الطہارۃ، الفصل الأول، زکریا ۱/۲۳۰، رقم: ۱۳۳، المحيط البرہانی، کتاب الطہارۃ، الفصل الأول في الوضوء، المجلس العلمي ۱/۱۷۸، رقم: ۶۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۶۱/۲۳)

دوران وضو چار یا پانچ مرتبہ منہ دھلنے کا حکم

سوال [۱۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب وضو کر رہے تھے، وضو کرنے میں تین دفعہ منہ دھونے کے بجائے چار پانچ دفعہ دھولیا، زید کا کہنا ہے کہ وضو حرام ہو گیا، کیا قول زید صحیح ہے؟

المستفتی: عبدالودود، امام مسجد اسماعیل بیگ والی مغل پورہ اول، مراد آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اعضائے وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ سنت یا باعث ثواب سمجھ کر دھونا مکروہ ہے۔ اور اگر ایسا نہیں سمجھ رہا ہے، بلکہ صرف ازالہ شک اور اطمینان دل کی خاطر تین مرتبہ سے زیادہ دھورہا ہے، تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

والإسراف ومنه الزيادة على الثلاث، (تحتہ فی الشامیة): أي فی الغسلات مع اعتقاد أن ذلك هو السنة لما قدمناه من أن الصحيح أن النهي محمول على ذلك، فإذا لم يعتقد ذلك وقصد الطمأنينة عند الشك، أو قصد الوضوء على الوضوء بعد الفراغ منه فلا كراهية. (شامی، الإسراف فی الوضوء، زکریا ۱/ ۲۵۸، کراچی ۱/ ۱۳۲، حاشیة الطحطاوی علی المراقی، فصل فی مکروہات، مکتبہ دارالکتاب دیوبند، ص: ۸۰، حلبی کبیر، آداب الوضوء، مکتبہ اشرفیہ دیوبند، ص: ۳۴)

عن عبد اللہ بن عمرو - رضی اللہ عنہ - أن رسول اللہ ﷺ مر بسعد، وهو يتوضأ، فقال: ما هذا السرف؟ فقال: أفي الوضوء إسراف؟ قال: نعم، وإن كنت على نهر جار. (ابن ماجة، باب ماجاء في القصد في الوضوء و كراهية التعدى فيه، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دار السلام، رقم: ۴۲۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۰/۶/۲۵ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۲۶/۳۴)

بہت دیر تک وضو کرنے کا حکم

سوال [۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بھائی حامد علی جو کہ جماعتی اور نمازی ہیں، اس وقت ان کی حالت بہت خراب ہے، جب وہ مسواک کرتے ہیں، تو خون نکال دیتے ہیں اور بہت دیر تک کرتے ہیں اور دونوں طرف سے کرتے ہیں، وضو کرتے وقت ان کی کیفیت تبدیل ہو جاتی ہے، وضو بہت دیر تک کرتے ہیں اور نماز پڑھتے وقت اوپر کی طرف دیکھتے ہیں، گردن پیچھے ڈال دیتے ہیں، سجدے بہت طویل کرتے ہیں، یہاں تک کہ لیٹ جاتے ہیں، ان کو محسوس ہوتا ہے کہ ان کے جسم میں کوئی چیز گھس رہی ہے اور سر میں جا رہی ہے، ان کو اس وقت دیکھ کر ڈر لگتا ہے، ہم سب لوگ بہت پریشان ہیں، یہی ایک کاروبار کرنے والے تھے، اب یہ کام بھی نہیں کر رہے ہیں؛ لہذا آپ سے رائے ہے کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے اور کس کو دکھانا چاہئے؟ ان پر کوئی شیء وغیرہ بھی معلوم ہوتی ہے۔

المستفتیۃ: صالحہ عمر احسنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: تحریر پڑھ کر دیکھ لیا ہے، مذکورہ شخص کے حالات سے متعلق احقر کسی قسم کی رائے دینے سے قاصر ہے؛ اس لئے کہ اس قسم کی بیماریوں سے متعلق احقر کوئی تجربہ نہیں رکھتا کہ اس کا کیا علاج کر سکے، ہاں البتہ وضو میں دیر لگانا اور پانی زیادہ گرانا شرعاً جائز نہیں ہے، اس کو حدیث میں شیطانی وسوسہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے گریز کرنا ضروری ہے۔

عن أبي بن كعب عن النبي ﷺ قال: إن للوضوء شيطاناً يقال له:

الولهان، فاتقوا وسواس الماء. (ترمذی شریف، باب كراهية الإسراف في الماء، النسخة

الهندية ۱/ ۱۹، دارالسلام، رقم: ۵۷، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۶،

رقم: ۵۴۹، مستدرک حاکم، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۱/ ۲۴۲، رقم: ۵۷۸، ابن ماجہ شریف،

باب ماجاء في القصد في الوضوء و كراهية، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دارالسلام رقم: (۴۲۱)

ويحترز من وسوسة الشيطان في الوضوء؛ لأن للشيطان في الوضوء

وساوس. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱/ ۲۳۰، رقم: ۱۳۳) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۳۸)

وضو کے بعد کھڑے ہو کر چلو سے ٹنکی کا پانی پینا

سوال [۱۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہم لوٹے میں وضو کرتے ہیں اور وضو کا پانی پچتا ہے، اس کو کھڑے ہو کر پینا سنت ہے اور

اس سے گناہ چھڑتے ہیں؛ لیکن اب ٹنکی سے وضو کرنے والے کیا کریں، وہ تو اس سنت سے

محروم ہیں؛ کیوں کہ ٹنکی اوپر اٹھانہیں سکتے، تو اب کیا شکل اختیار کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹنکی یا تالاب وغیرہ سے وضو کرنے کے بعد چلو میں پانی

لے کر کھڑے ہو کر پی لیا کریں، امید ہے کہ فضیلت پانے والے شمار ہوں گے۔

عن علي - رضي الله عنه - توضأ ثلاثاً ثلاثاً، ثم قام فشرِبَ فضل

وضوئه، وقال: صنع رسول الله ﷺ كما صنعت. (نسائي شريف، باب الانتفاع

بفضل الوضوء، النسخة الهندية ۱/ ۱۷، دارالسلام، رقم: ۱۳۶)

عن علي مثل حديث أبي حية قال: كان إذا فرغ من طهوره أخذ من

فضل طهوره بكفه فشربه. (ترمذي، باب في وضوء النبي صلى الله عليه وسلم كيف

كان، النسخة الهندية ۱/ ۱۷، دارالسلام، رقم: ۴۹)

وأن يشرب بعده من فضل وضوءه كماء زمزم مستقبل القبلة قائماً

أو قاعدا، و فيما عداهما يكره قائما تنزيها، وتحتة في الشامية: لا يستحب الشرب قائما إلا في هذين الموضوعين. (شامي، مطلب في مباحث الشرب قائما، كراچی ۱/ ۱۲۹، زکریا ۱/ ۲۵۴، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء، المجلس العلمي ۱/ ۱۷۹، رقم: ۷۴، مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۰، الفتاوى التاتارخانية، زکریا ۱/ ۲۲۸، رقم: ۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۹۴۰)

نل یا حوض وغیرہ سے وضو کرنے کے بعد بقیہ پانی کس طرح پئے؟

سوال [۱۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کا بقیہ پانی پینا مسنون ہے یا نہیں؟ اگر مسنون ہے تو اگر کوئی نل یا حوض یا تالاب میں وضو کرے تو پانی پینے کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چلتی ہوئی ٹنکی سے وضو کیا جائے یا حوض یا تالاب سے وضو کیا جائے یا نہر سے وضو کیا جائے، تو وضو کے بعد ایک چلو پانی کھڑے ہو کر پینا اسی طرح مستحب ہے جس طرح لوٹے سے وضو کرنے کے بعد بچے ہوئے پانے میں سے ایک چلو پانی پینا مستحب ہے۔ اور اس بات کے لئے صاف جزئیہ نہیں مل سکا کہ نہر یا تالاب میں سے یا چلتی ہوئی ٹنکی سے وضو کا بچا ہو پانی پیا جائے؛ لیکن جن روایات میں وضو کے بچے ہوئے پانی پینے کا ذکر ہے، ان سے یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ وضو کے بعد بچا ہو پانی پی لیا جائے، جیسا کہ حدیث کی کتابوں میں صراحت ہے کہ وضو کے بعد بچے ہوئے پانی میں سے ایک چلو پی لیا

جائے۔ حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

عن علي مثل حديث أبي حية قال: كان إذا فرغ من طهوره أخذ من فضل طهوره بكفه فشربه. (ترمذي، باب في وضوء النبي ﷺ كيف كان، النسخة الهندية ۱/ ۱۷، دارالسلام، رقم: ۴۹)

اور بعض روایات میں اس طرح کے الفاظ ہیں: ثم قام فأخذ فضل طهوره بكفه فشربه وهو قائم. (ترمذي، باب في وضوء النبي ﷺ كيف كان، النسخة الهندية ۱/ ۱۷، دارالسلام، رقم: ۴۸)

اور بخاری شریف میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں:

فشرب فضله وهو قائم. (بخاري، باب الشرب قائما، النسخة الهندية ۲/ ۸۴۰، رقم: ۵۳۹۹، ف: ۱۶۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۱۴/۳۹)

کیا وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا مسنون ہے؟

سوال [۱۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا وضو کے بعد رفع بصر الی السماء مسنون ہے؟ اور کیا انگلی سے اشارہ کرنا بھی ثابت ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضو کے بعد آسمان کی طرف آنکھوں کو اٹھا کر دیکھنا دعائے

شہادت پڑھنے کے ساتھ علامہ شامیؒ نے مستحب لکھا ہے۔ (شامی زکریا/ ۲۵۳، کراچی/ ۱/ ۱۲۸) اور انگلی سے اشارہ کرنے کی بات علامہ طحاوی نے غزنوی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈائجیسٹ ۵/ ۵۵، میرٹھ ۱۲۲/۸)

عن عقبہ بن عامر الجہنی - رضی اللہ عنہ - عن النبی ﷺ قال: عند قوله: فأحسن الوضوء، ثم رفع نظره إلى السماء. (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا توضأ، النسخة الهندية ۱/۲۲، دارالسلام، رقم: ۱۷۰، مسند أحمد ۱/۱۹، ۴/۱۵۱، رقم: ۱۲۱، ۱۷۴۹۷، مسند الدارمي، دارالمغني ۱/۵۵۸، رقم: ۷۴۳)

وزاد في المنية أيضا: وأن يقول بعد فراغه: سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت. ناظرا إلى السماء. (شامي كراچی، كتاب الطهارة، باب الوضوء، كراچی ۱/۱۲۸، زكريا ۱/۲۵۳)

وذكر الغزنوي: أنه يشير بسبابته حين النظر إلى السماء. (طحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، دارالكتاب ديوبند/ ۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۹)

گرم پانی کی حصول یابی کے لئے ٹھنڈا پانی بہانے کا حکم

سوال [۱۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں عموماً طہر کے وقت ٹینکی کا ٹھنڈا پانی ٹونٹیوں کے ذریعہ نکال کرتا زہ پانی بھر کر اس سے وضو کیا جاتا ہے، کیا یہ ٹھنڈا پانی نکالنا اسراف میں تو داخل نہیں ہے؟
المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی ٹینکی کا ٹھنڈا پانی ٹونٹیوں کے ذریعہ نکال کر تازہ پانی بھرنا اسراف میں داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ یہاں مقصد پانی کا ضیاع نہیں ہے؛ بلکہ سردی کی وجہ سے یہ پانی ناقابل استعمال ہو چکا ہے؛ البتہ اس پانی کو ضائع نہ کر کے غسل خانہ اور

بیت الخلاء وغیرہ کی صفائی میں استعمال کریں تو بہتر ہے۔

الأمور بمقاصدها. (الأشباه والنظائر، قدیم / ۱۰۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/۱۱۴۷۰)

ووٹ کی روشنائی ناخن پر جم جائے تو وضو کا حکم

سوال [۱۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: الیکشن کے موقع پر ووٹ دینے کے بعد انگلی پر بطور نشان کے رنگ لگاتے ہیں، اس کے لگے رہنے پر وضو ہوگا یا نہیں؟ جب کہ بندہ کو کئی بار کا تجربہ ہے کہ اس رنگ کو اجاڑنے پر پرت کی طرح ذی جرم اجڑتا ہے، اس مرتبہ بھی میں نے اجاڑ کر اس کے اجزاء کو محفوظ رکھا ہے، جو باریک پیپڑی کی طرح معلوم ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رنگ سوکھنے پر ذی جرم ایک باریک سی پرت کی شکل میں ناخنوں وغیرہ پر جم جاتا ہے، جو پانی کے پہنچنے سے مانع ہوتی ہے۔ اور اگر وضو وغیرہ درست نہیں ہے، تو کیا شکل اختیار ہو، جب کہ وہ رنگ آسانی سے نہیں چھوٹتا ہے اور لوگ اس کی طرف توجہ بھی کم کرتے ہیں؛ لہذا عوام کو اطلاع کی کوئی شکل اختیار کی جائے، تاکہ لوگ اس کی طرف توجہ کریں اور کسی قدر تفصیل ترارشاد فرمائیں۔

المستفتی: محمد شاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر حتی الامکان اس کے ازالہ کے لئے مل کر کے دھویا جائے، پھر بھی نہیں جاتا ہے، تو وہ معاف ہے۔ اور بہت سے لوگوں کا یہ تجربہ ہے کہ اسے دھو کر صاف کرنے کی کوشش کی گئی، مگر ہفتوں کے بعد بھی وہ رنگ زائل نہیں ہوا ہے؛ اس لئے روشنائی اور پکارنگ کے درجہ میں قرار دیا جائے گا۔ اور الیکشن کو آج ایک مہینہ سے زائد ہو گئے

باوجود کوشش کے خود میرے ناخن سے وہ رنگ زائل نہیں ہو پایا، اب تک وہ رنگ میرے ناخن میں موجود ہے، جب کہ اس کے ازالہ کے لئے بڑی کوشش کی گئی؛ البتہ ناخن سے ہٹ کر گوشت و چمڑا کے حصہ پر جو لگا تھا وہ زائل ہو چکا ہے؛ اس لئے الیکشن کے موقع پر جو رنگ لگایا جاتا ہے، وہ تیز اثر روشنائی کے حکم میں ہے، اسے ذی جرم کہہ کر ناخن پالش کے درجہ میں قرار نہیں دیا جائے گا؛ لہذا اس کی وجہ سے مسلمانوں کے وضو اور غسل میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولا یمنع ما علی ظفر صباغ، ولا طعام بین أسنانه أو فی سنه المجفوف .
(شامی، کتاب الطہارۃ، مطلب فی أبحاث الغسل، زکریا ۱ / ۲۸۹، کراچی ۱ / ۱۵۴،
ہندیۃ، الفصل الأول فی فرائض الوضوء، زکریا قدیم ۱ / ۴، جدید ۱ / ۵۴، مراقی الفلاح
مع حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الطہارۃ، فصل فی تمام أحكام الوضوء، دارالکتاب، ص: ۶۳)
ولا یضر بقاء أثر کلون وریح لازم فلا یکلف فی إزالته إلی ماء حار،
أو صابون ونحوه . (شامی، باب الأنجاس، قبیل مطلب فی حکم الصبغ، کراچی
۱ / ۳۲۹، زکریا ۱ / ۵۳۷)

ويعفى أثر شق زواله بأن يحتاج في إخراجہ إلی نحو الصابون .
(مجمع الأنهر، باب الأنجاس، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱ / ۹۰، مصری قدیم ۱ / ۶۰)
والسمراد بالآثر اللون والریح، فإن شق إزالتهما سقطت . (البحر الرائق،
باب الأنجاس، کوئٹہ ۱ / ۲۳۷، زکریا ۱ / ۴۱۰) فقط والله سبحانه وتعالیٰ اعلم
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۷ / ۸۳۵۷)
الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷ / ۱۴۲۵ھ

اعضائے وضو میں لگی ہوئی روشنائی و سفیدہ کا حکم

سوال [۱۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: اگر اعضائے وضو میں روشنائی اور سفیدہ لگ جائے تو ازالہ کئے بغیر وضو صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقادر دیوبندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سفیدہ اور سفید بیٹ بظاہر ذی جرم اور تہہ دار ہوتا ہے؛ لہذا اصل حکم ان کو چھڑانے کا ہے؛ لیکن حسب گنجائش اپنی کوشش سے جتنا چھوٹ جائے اتنا کافی ہے، اس کے بعد جتنا باقی رہ جاتا ہے، تو اس کو چھڑائے بغیر وضو درست ہو جائے گا۔

ولا يمنع الطهارة ونیم وحناء ولو جرمه، به یفتی ودرن ووسخ.
(قال الشامی تحتہ) صرح به فی السمنیة عن الذخیرة فی مسألة الحناء والطين والدرن معللا بالضرورة - إلى قوله - والظاهر أن هذه الأشياء تمنع الإسالة، فالأظهر التعلیل بالضرورة. (شامی، مطلب فی أبحاث الغسل، زکریا ۱/ ۲۸۸، کراچی ۱/ ۱۵۴، ہندیہ، الفصل الأول فی فرائض الوضوء، زکریا قدیم ۱/ ۴، جدید ۱/ ۵۴، حاشیة الطحطاوی، فصل فی تمام أحكام الوضوء، مکتبہ دارالکتاب، ص: ۶۳)
وإذا كان فی أظفاره درن أو طین أو عجین، أو المرأة تضع الحناء جاز فی القروی والمدنی، وهو صحیح، وعلیه الفتوی. (البحر الرائق، کتاب الطهارة، زکریا ۱/ ۲۹، کوئٹہ ۱/ ۱۳، فتح القدیر، کتاب الطهارة، زکریا ۱/ ۱۲، دارالفکر ۱/ ۱۶، کوئٹہ ۱/ ۱۳، البناء، کتاب الطهارة، مکتبہ أشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۵۱)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۳۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۴۹)

چوری کی بجلی سے کئے گئے وضو کا حکم

سوال [۱۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک شخص کے گھر میں بجلی کا کنکشن حکومت سے منظور شدہ نہیں ہے، محض پڑوس کے کھبے سے تار ڈال کر بجلی گھر میں چلا رہا ہے، یہ کام اگرچہ شرعاً درست نہیں، لیکن کیا ایسی لائٹ کی روشنی میں نماز، قرآن وغیرہ پڑھنا درست ہے؟

المستفتی: عبدالرشید، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: چوری کی بجلی شرعاً حلال نہیں ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ لوگ آخرت کے مواخذہ دار اور گنہگار ہیں، تاہم چوری کی بجلی سے نماز یا قرآن پڑھنے کا ثواب اپنی جگہ پر ملے گا؛ لیکن جب تک چوری کی بجلی استعمال ہوتی رہے گی جس نے چوری کی ہے، سارا گناہ اس کے سر پر رہے گا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ. [سورة النجم: ۳۸]

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا. [سورة الفرقان: ۴۹]

الماء خلق طهوراً في الأصل، فلا تتوقف طهوريته على صنع العبد.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۸ / ۸۹)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (شامی، کتاب الحظر والإباحة،

فصل في البيع، کراچی ۶ / ۳۹۲، زکریا دیوبند ۹ / ۵۶۲، تبیین الحقائق، کتاب الکراہیة،

فصل في البيع، إمدادیہ ملتان ۶ / ۲۹، زکریا ۷ / ۶۴)

لأن المطلوب من التوضي هو الطهارة..... لأن الماء خلق طهوراً في

الأصل، فلا تقف طهوريته على صنع العبد. (بدائع الصنائع، کتاب الطهارة، سنن

الوضوء، زکریا ۱ / ۱۰۷، کراچی ۱ / ۲۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۰۱ / ۲۱)

خروجِ ریح پر ہاتھ منہ دھونے کا حکم تعبیری ہے؟

سوال [۱۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جاہل آدمی نے بندہ سے سوال کیا کہ جب کسی شخص کو ریح خارج ہو جائے تو وہ ہاتھ اور منہ دھوتا ہے۔ اور اس مقام کو نہیں دھوتا، یعنی اسے سرین چوڑھی بھی تو دھونا چاہیے۔

المستفتی: ظریف احمد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ امر تعبیری ہے، عقلی چیز نہیں ہے۔

لأن غسل غیر موضع الإصابة أمر تعبدي. (هدایة، مکتبہ اشرفی دیوبند

فصل في نواقض الوضوء ۱/ ۲۳)

نیز یہ ایسا ہے کہ اگر کسی کو دست آئے تو دو او اس راستہ سے داخل نہیں کیا جاتا؛ بلکہ منہ کے راستہ سے داخل کیا جاتا ہے۔

لأن غسل غیر موضع الإصابة أمر تعبدي، أي أمر تعبداً به: أي كلفنا الله به من غير معني يعقل؛ إذ العقل إنما يقتضي وجوب غسل موضع أصابته النجاسة، فيقتصر على مورد الشرع. (عناية مع فتح القدير، كتاب الطهارة،

نواقض الوضوء، زکریا ۱/ ۴۲، دارالفکر ۱/ ۳۹، کوئٹہ ۱/ ۳۴، البنایة، کتاب الطهارة،

فصل في نواقض الوضوء، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۲۶۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۰۸)

کیا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال [۱۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص کا پانچامہ ٹخنوں سے نیچے رہتا ہے، دوسرے نے کہا: پانچامہ ٹخنوں سے نیچے رہنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، شرعی مسئلہ کیا ہے؟

المستفتی: احمد نبی بیر پورتھان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹخنہ سے نیچے پانچامہ پہننے سے وضو نہیں ٹوٹتا؛ کیوں کہ وضو جسم سے کسی ناپاک چیز کے نکلنے سے ٹوٹتا ہے؛ البتہ اس طریقہ سے پانچامہ پہننا ناجائز و حرام ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ينظر الله يوم القيامة إلى من جر إزاره بطرا. (بخاري شريف، باب من جر ثوبه من الخيلاء، النسخة الهندية ۲ / ۸۶۱، رقم: ۵۵۶۰، ف: ۵۷۸۸)

وينقضه خروج كل خارج نجس منه إلى ما يطهر. (تنوير الأبصار على الشامي، مطلب في نواقض الوضوء، کراچی ۱ / ۱۳۴، زکریا ۱ / ۲۶۰ - ۲۶۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۵/۵/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۰۱۹)

کیا عمداً ستر کھولنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال [۱۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ستر کو قصداً کھولنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلمان مقبرہ درگاہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قصد استرکھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا؛ کیوں کہ وضو جسم کے کسی حصہ سے ناپاک چیز کے نکلنے سے ٹوٹتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم/۱۳۵)

وينقضه خروج كل خارج نجس منه إلى ما يطهر. (تنوير الأبصار على الشامی، مطلب في نواقض الوضوء، کراچی ۱/ ۱۳۴، زکریا ۱/ ۲۶۰-۲۶۱، البحر الرائق، کتاب الطهارة، کوئٹہ ۱/ ۲۹، زکریا ۱/ ۶۲)

المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السيلين: والدم، والقبح، والقئ ملء الفم، والنوم مضطجعا، أو متكئا، والغلبة على العقل بالإغماء، والجنون، والقهقهة في صلوات ذات ركوع وسجود. (هدايه، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، مطبع ياسر ندیم، ۱/ ۲۲-۲۶)

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۷ھ

محض کشف عورت سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال [۱۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زاہد نے چھوٹا استنجاء کیا اور ڈھیلے سے عضو تناسل کو سکھایا، پانی سے صاف نہیں کیا، اسی حالت میں وضو بنا لیا بعد وضو خیال ہوا کہ استنجاء پانی سے نہیں کیا ہے، پھر پانی سے استنجاء کیا، تو اس حالت میں وضو باقی رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلمان مقبرہ درگاہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سبیلین سے بوقت استنجاء کوئی چیز نہیں نکلی ہے، بس

صرف طہارت کی ہے، تو وضو پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ اس لئے کہ کشف عورت ناقض وضو نہیں ہو کرتا ہے؛ لہذا وضو بدستور باقی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم/۱۳۵)

وينقضه خروج كل خارج نجس منه إلى ما يطهر. (تنوير الأبصار على الشامي، مطلب في نواقض الوضوء، كراچی ۱/۱۳۴، زکریا ۱/۲۶۰-۲۶۱، البحر الرائق، كتاب الطهارة، کوئٹہ ۱/۲۹، زکریا ۱/۶۲)

المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السيلين: والدم، والقبح، والقئ ملء الفم، والنوم مضطجعا، أو متكئا، والغلبة على العقل بالإغماء، والجنون، والفقهية في صلوات ذات ركوع وسجود. (هدايه، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، مطبع ياسر ندیم، ۱/۲۲-۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۷۶/۲۸)

کیا دودھ پلانا ناقض وضو ہے؟

سوال [۱۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی عورت کا اپنے بچہ کو دودھ پلانا ناقض وضو ہے یا نہیں؟

المستفتی: احقر عزیز الحق دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دودھ پلانا ناقض وضو نہیں؛ اس لئے کہ دودھ پلانے سے کسی نجاست کا خروج نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ/۱/۴۱)

وينقضه خروج كل خارج نجس منه، أي المتوضي - إلى - كما لا ينقض لو خرج من أذنه ونحوها كعينه وثديه. (شامي، كتاب الطهارة، نواقض

الوضوء، زکریا ۱ / ۲۶۰-۲۶۱، کراچی ۱ / ۱۳۴، زکریا ۱ / ۲۷۹، کراچی ۱ / ۱۴۷،
حاشیة الطحطاوي على الدر، کتاب الطهارة، کوئٹہ ۱ / ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ / رجب ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶ / ۳۳۸-۷)

پستان سے دودھ نکلنا ناقض وضو ہے یا نہیں؟

سوال [۱۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض عورتوں کو بچہ کی خوارک پوری ہو جانے کے باوجود ان کے پستانوں میں دودھ کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے بلا کسی ارادہ یا حرکت کے اپنے مخرج سے نکل جاتا ہے، یا نکلتا رہتا ہے، دودھ کا اپنے مخرج سے نکلنا خواہ وجہ کچھ بھی ہو ناقض وضو میں سے ہے؟ اگر ہاں تو پھر عورتوں کے وضو اور ان کی نمازوں کا مسئلہ کیا بنے گا؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: ابو حارث عثمانی، محلہ انصاریان علی گنج ضلع ایفہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورت کے پستان سے دودھ نکلنا ناقض وضو نہیں ہے۔

(مستفاد: امداد المفتیین ۱/۱۶۲، امداد الاحکام ۱/۳۵۷)

لا ینقض لو خرج من أذنه ونحوها كعینه وثدیہ. (درمختار، کتاب الطهارة،

نواقض الوضوء، زکریا ۱ / ۲۷۹، کراچی ۱ / ۱۴۷، حاشیة الطحطاوي على الدر، کتاب الطهارة، کوئٹہ ۱ / ۸۵)

وينقضه خروج كل خارج نجس منه إلى ما يطهر. (تنوير الأبصار على

الشماسي، مطلب في نواقض الوضوء، کراچی ۱ / ۱۳۴، زکریا ۱ / ۲۶۰-۲۶۱، البحر الرائق، کتاب الطهارة، کوئٹہ ۱ / ۲۹، زکریا ۱ / ۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ / صفر ۱۴۲۶ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۸ / ۲ / ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷ / ۸۷۱۸)

سجدہ میں کون سی ہیئت نوم ناقض وضو ہے؟

سوال [۱۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ نے آج مجھ سے یہ سوال کیا کہ ”بہشتی زیور“ حصہ اول ص: ۴۵ پر ہے کہ نماز کے اندر سجدہ میں اگر نیند آئی تو وضو ٹوٹ جائے گا، جب کہ ”تعلیم الاسلام“ تیسرا حصہ ص: ۳۱ پر اس صورت میں وضو نہ ٹوٹنے کی بات لکھی ہے، تو کون سی بات صحیح ہے؟ اور کس کی بات غلط ہے؟ دونوں ہی ہمارے اکابر ہیں، پھر ان میں آپس میں تعارض کیوں ہے؟ اس مسئلہ کے حل کے لئے میں نے ”ہدایہ“ اور ”نور الایضاح“ کا سہارا لیا؛ لیکن اس میں ”تعلیم الاسلام“ کی موافقت میں عدم نقض وضو کی بات لکھی ہے؛ لہذا کوئی جواب میرے سمجھ میں نہیں آیا؛ بلکہ میں خود خجانبان میں مبتلا ہو گیا کہ آخر اس کا کیا جواب ہوگا۔

آنجناب سے درخواست ہے کہ اس کا جواب مرحمت فرما کر ہم لوگوں کو مطمئن فرمائیں، نوازش ہوگی۔ فقط والسلام

المستفتی: عبداللہ فیض آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”تعلیم الاسلام“ اور ”ہدایہ، نور الایضاح“ وغیرہ کا مسئلہ اپنی جگہ صحیح ہے۔ اور ”بہشتی زیور“ کا مسئلہ بھی اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، فرق یہ ہے کہ نماز میں عورتوں کو ہاتھوں کو زمین پر بچھا کر زمین سے چپک کر سجدہ کرنے کا حکم ہے۔ اور اس حالت میں سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ”تعلیم الاسلام“ اور ”ہدایہ“ وغیرہ میں مردوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اور مرد کلانی کہینوں وغیرہ کو زمین سے دور رکھ کر سجدہ کرتا ہے اور اس حالت میں سو جانے سے زیادہ سہارا نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ اختری بہشتی زیور کا حاشیہ دیکھ لیں۔

عن ابن عباس - رضی اللہ عنہ - قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا یجب

الوضوء علی من نام جالساً، أو قائماً، أو ساجداً حتى يضع جنبه؛ فإنه إذا وضع جنبه استرخت مفاصله. (السنن الكبرى للبيهقي، باب ما ورد في نوم الساجد، دارالفکر ۱/ ۲۱۲، رقم: ۶۰۱)

إنما لا ينقص نوم الساجد إذا كان رافعا بطنه عن فخذيه جافيا عضديه عن جنبيه، وإن ملتصقا بفخذه معتمدا على ذراعيه، فعليه الوضوء. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵، مصري قديم ۱/ ۲۱، شامي، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، زكريا ۱/ ۲۷۱، كراچی ۱/ ۴۱، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني، ما يوجب الوضوء، زكريا ۱/ ۲۵۳، رقم: ۲۴۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶/ رمضان ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۳۷)

ایسی کون سی ٹیک ہے جس کو ہٹانا ممکن نہیں؟

سوال [۱۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فقہ کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ ایسی ٹیک لگا کر سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا کہ جس کو ہٹانے سے ناٹم گر جائے، تو اب سوال یہ ہے کہ ایسی کون سی ٹیک ہے جس کو ہٹانا ممکن نہیں ہے؟ مثلاً دیوار ہے، اس کو بھی ہٹانا ممکن ہے؟۔

المستفتی: حسیب الرحمن گوری نوادا، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہٹانا تو ممکن ہے؛ لیکن اگر ہلکا ٹیک لگایا جائے تو جس پر ٹیک لگایا گیا ہے، اس کو ہٹا دینے سے ٹیک لگانے والا گرے گا نہیں؛ لیکن اگر اچھی طرح ٹیک لگایا ہے تو ہٹانے سے ٹیک لگانے والا اپنی جگہ قائم نہیں رہتا کہ بے خبری میں ہٹانے سے

گر جائے گا، تو اگر کوئی شخص وضو کے بعد کسی شئی پر اچھی طرح ٹیک لگا کر سو جاتا ہے کہ اس کو ہٹانے سے بے خبری کی وجہ سے گر سکتا ہے، تو اس طرح غالب نوم ناقض وضو ہو جاتا ہے۔

وینقضه حکما نوم یزیل مسکنه، أي قوته الماسکة بحیث تزول مقعدته من الأرض، وهو النوم علی أحد جنبيه، أو ورکيه، أو قفاه، أو وجهه.

(الدرمع الرد، کتاب الطہارۃ، مطلب نوم من بہ انفلات ریح غیر نقض، زکریا دیوبند ۱/ ۲۷۰،

۲۷۱، کراچی ۱/ ۱۴۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۸/۱/۱۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۳۶)

انجکشن سے خون نکالنے یا بڑے مچھر، چیچڑی کے کاٹنے سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

سوال [۱۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: انجکشن کے ذریعہ بدن سے خون نکالنے سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟ پہلے سوال پر اگر آپ لکھتے ہیں کہ وضو ٹوٹ جائے گا، تو مچھر کے خون چوسنے کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟ اور مچھر بڑا ہے، اس نے اتنا خون پی لیا ہے کہ وہ بہتا ہوا خون ہو سکتا ہے، ایسے مچھر کے کاٹنے کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خون اگر اتنی مقدار میں باہر آجائے کہ وہ بہنے کے درجہ میں نہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹتا، جیسے کہ زخم سے باہر یا چھڑا چھل جانے سے خون ظاہر ہو۔ اور اگر خون اتنی مقدار میں ہو کہ اپنے محل سے بہہ پڑے تو وضو ٹوٹ جائے گا، چنانچہ ”دارقطنی“ نے تمیم داری سے اور ابن عدی نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بہتا خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، فقہاء نے انجکشن سے قریب تر صورت ذکر کی ہے کہ مچھر، مکھی یا چیچڑی کسی آدمی کا خون چوسے اور خون سے بھر جائے، تو اگر مچھر وغیرہ بڑے ہیں، تو وضو

ٹوٹ جائے گا اور چھوٹے ہوں تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (مستفاد: کتاب الفتاویٰ ۵۰/۲، فتاویٰ محمودیہ ڈائجیل ۵/۵، میرٹھ ۸/۱۳۷)

عن عمر بن عبدالعزیز قال: قال تمیم الداری: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الوضوء من كل دم سائل. (دارقطني، باب في الوضوء من الخارج من البدن.....، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۶۳، رقم: ۵۷۱، معرفة السنن والآثار ۱/۴۲۷، رقم: ۱۱۹۹)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن رسول الله ﷺ قال: ليس في القطرة والقطرتين من الدم وضوء، حتى يكون دما سائلا. (دارقطني، باب في الوضوء من الخارج من البدن.....، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۶۴، برقم: ۵۷۳)

القراد إذا مص عضو إنسان فامتلاً دماً إن كان صغيراً لا ينقض وضوءه؛ لأن الدم فيه ليس بسائل، كما إذا مص الذباب والبعوض وإن كان كبيراً ينتقض؛ لأن الدم فيه سائل. (الولولجية، مكتبه دار الأيمان سهران پور ۱/۴۷، فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، زكريا ۱/۴۰، كوئٹہ ۱/۳۴، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني ما يوجب الوضوء؟ ۱/۲۴۵، رقم: ۲۰۹، هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، زكريا قديم ۱/۱۱، جديد ۱/۶۲) والمراد أن تتجاوزهُ ولو بالعصر، وما شأنه أن يتجاوز لو لا المانع، كما لو مصت علقة فامتلات بحيث لو شقت لسال منها الدم. (حاشية الطحطاوي، فصل فيما ينقض الوضوء، أشرفيه، ص: ۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ھ ۱۴۳۴/۱۱/۲۸

کیا شراب پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال [۱۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شراب کا پینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، کیا یہ شراب پانچ خانہ پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے؟ کیا شراب پینے سے جب کہ نشہ نہ ہو وضو ٹوٹ جائے گا؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شراب پیشاب و پانچ خانہ سے بھی غلیظ ترین نجاست ہے۔ اور شراب پینے کے بعد جب نشہ آجائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر بالکل نشہ نہ آئے تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ
مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. [سورة المائدة، آیت: ۹۰]

فالغليظة كالخمر هي غليظة باتفاق الروايات؛ لأن حرمتها قطعية،
وسماها الله تعالى رجسا. (حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الأنجاس والطهارة
عنها، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۵۳، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل
السابع معرفة النجاسات وأحكامها ۱/ ۴۴۲، رقم: ۱۱۲۹)

وكذا السكر ناقض أيضا، وحد السكر، أي علامته أن لا يعرف
السكران الرجل من المرأة هذا حده عند أبي حنيفة في إيجاب الحد لا في
نقض الوضوء، والصحيح في حده في النقص ما قال في المحيط: أنه إذا
دخل في مشيته تحرك، فهو سكران بالاتفاق يحكم بنقض وضوئه لزوال
المسكة به. (كبيرى، فصل في نواقض الوضوء، مكتبه أشرفيه ديوبند، ص: ۱۴۱، شامي،
كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، زكريا ۱/ ۲۷۴، كراچی ۱/ ۱۴۴، هندية، الفصل الخامس في
نواقض الوضوء، زكريا قديم ۱/ ۱۲، جديد ۱/ ۶۳، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني ما يوجب
الوضوء، زكريا ۱/ ۲۵۸، رقم: ۲۸۳، حاشية چلپی، إمداديه ملتان ۱/ ۱۰، زكريا ۱/ ۵۴،
الموسوعة الفقهية ۴۳/ ۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۶/۱۴۲۸ھ

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۵۰)

مذی ناقض وضو ہے موجب غسل نہیں؟

سوال [۱۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص جن کا ایک لڑکی سے رشتہ چل رہا ہے، وہ اس سے محبت بھی کرتے ہیں، اگر وہ اس لڑکی سے فون پر بات کرتے ہیں، تو بات کرنے کے بعد عضو متاسل سے سفید پانی کی طرح کچھ نکلتا ہے، تو کیا وہ ناپاک ہو گیا؟ کیا اس پر غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے؟ اگر وہ ناپاک ہو گیا، تو اس کا تسبیحات نماز، قرآن وغیرہ پڑھنا یا اذان کا جواب دینا یا کوئی بھی نیک عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں قابل قبول ہوگا یا نہیں؟ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز اگر یہ کپڑوں میں لگ جائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل میں اس کا صرف وضو ٹوٹ جاتا ہے، نماز وغیرہ کے لئے وضو کرنا کافی ہے، غسل اس کے اوپر لازم نہیں۔ اور اگر کپڑے میں لگ جائے تو جہاں لگ جائے وہاں سے دھو دینا کافی ہے، جس طرح پیشاب کے بعد بغیر وضو کے زبانی قرآن پاک پڑھنا اور اذان کا جواب دینا اور ہر نیک کام کرنا جائز ہے، ویسے ہی اس کے لئے بھی جائز ہے۔

عن أبي عبد الرحمن، عن علي، قال: كنت رجلاً مذاءً، فأمرت رجلاً يسأل النبي صلى الله عليه وسلم لمكان ابنته، فسأل، فقال: توضأ واغسل ذكرك. (بخاري شريف، باب غسل المذي والوضوء منه، النسخة الهندية ۱/ ۴۱، رقم: ۲۶۹)

وأما الحدث الأصغر فلا يمنع عن تلاوة القرآن وغيرها من الأذكار. (بذل المجهود، باب في الرجل يذكر الله تعالى على غير طهر، قديم ۱/ ۱۳، دار البشائر الإسلامية ۱/ ۲۲۷)

يجب تطهير ما أصابته النجاسة من بدن، أو ثوب، أو مكان لقوله تعالى: "وثيابك فطهر". (الفقه الإسلامي وأدلته، شروط وجوب الطهارة، مكتبة هدى، ۱/ ۲۰۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۱/۱/۲۴ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۶۰/۳۸)

۲ / باب ما يتعلق بالاستنجاء

کیا استنجاء میں پانی استعمال کرنا ضروری ہے؟

سوال [۱۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیشاب کرنے کے بعد مٹی کے ڈھیلہ سے خشک کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ جب کہ پانی آسانی کے ساتھ دستیاب بھی ہے۔ اور کسی شخص نے پیشاب کرنے کے بعد مٹی کے ڈھیلہ سے خشک کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کئے بغیر نماز پڑھا دی ہو، تو ایسی صورت میں مقتدی صاحبان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نماز نہیں ہوئی، تو کیا کرنا چاہئے

المستفتی: محمد قاسم محلہ کنگھڑ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مقام استنجاء سے نجاست ایک درہم سے زائد تجاوز کر جائے، تو پانی سے پاک کرنا واجب اور ضروری ہے، ورنہ ڈھیلہ پر اکتفاء کرنا اور اس سے نماز پڑھنا اور امامت کرنا سب جائز ہے، نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ اور مقدار درہم سے تجاوز نہ کرنے کی صورت میں ڈھیلہ کے بعد پانی کا استعمال افضل اور مستحب ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: نزلت هذه الآية في أهل قباء: " قال: كانوا يستنجون بالماء، فنزلت فيهم هذه الآية. (أبو داؤد، باب في الاستنجاء بالماء، النسخة الهندية ۱/ ۷، دار السلام، رقم:

۴۴، ابن ماجه، باب الاستنجاء بالماء، النسخة الهندية ۱/ ۳۰، دار السلام، رقم: ۳۵)

عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: إن رسول الله ﷺ قال: إذا ذهب أحدكم إلى الغائط، فليذهب معه بثلاثة أحجار، يستطيب بهن، فإنها

تجزیٰ عنہ۔ (أبو داؤد، باب الاستنجاء بالحجارة، النسخة الهندية ۱/ ۶، دارالسلام، رقم: ۴۰، طحاوی شریف ۱/ ۱۵۶، رقم: ۷۰۸، مسند الدارمی، دارالمغنی ۱/ ۵۳۰، رقم: ۶۹۷) والأفضل أن يجمع بينهما كذا في التبيين، قيل: هو سنة في زماننا. (هندية، الباب السابع، الفصل الثالث، زكريا قديم ۱/ ۴۸، جديد ۱/ ۱۰۴، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء ۱/ ۲۱۲، رقم: ۶۴)

و غسل نجاسة المخرج إذا تجاوزت مخرجها يجب عند محمد رحمة الله عليه قل أو أكثر، وهو الأحوط، وعندهما يجب إذا تجاوز قدر الدرهم. (عالمگیری، الباب السابع، الفصل الثالث في الاستنجاء، زكريا قديم ۱/ ۵۰، جديد ۱/ ۱۰۵، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الأول في الوضوء ۱/ ۲۱۱، رقم: ۶۲، حلي كبير، آداب الوضوء، ص: ۲۹) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۲۴۲۳/۲)

ٹیشو پیپر سے استنجاء کا حکم

سوال [۱۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کاغذ ہوتا ہے، جو اب اسٹیشن اور ایئر پورٹ وغیرہ پر پایا جاتا ہے، وہ کاغذ بہت ملائم اور جاذب کرنے والا ہوتا ہے، وہ استنجاء کے لئے رکھا جاتا ہے، تو ایسے کاغذ سے استنجاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فضل الرحمن نواب پورہ رجو والا کنواں، مراد آباد
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بحالت عذر ایسے کاغذ سے استنجاء درست اور جائز ہے۔ اور مستثنیٰ کی امامت درست اور جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱/ ۹۱ ص ۳۷)

و کذا ورق الكتابة لصقالته وتقومه، وله احترام أيضا لكونه آلة لكتابة العلم، ولذا علله في التاتارخانية: بأن تعظيمه من أدب الدين -إلى- ومفاده الحرمة بالمكتوب مطلقا، وإذا كانت العلة في الأبيض كونه آلة لكتابة كما ذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها ”إذا كان قالعا للنجاسة غير متقوم كما قدمناه“. (شامي، باب الأنجاس، فصل في الاستنجاء، مطلب إذا دخل المستنجى في ماء قليل، زكريا ۱/ ۵۵۲، کراچی ۱/ ۳۴۰)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۳۰)

ہندوستان میں قدمچہ کس سمت میں رکھنا چاہئے؟

سوال [۱۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہندوستان میں بیت الخلاء کی شیٹ (قدمچہ) کس سمت میں رکھنا چاہئے؟ (۲) ”لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا“ کا مطلب کیا ہے؟ (۳) بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ پورب پچھم کا قدمچہ ہو سکتا ہے، ممنوع سمت قبلہ ہے۔ کیا صحیح ہے؟ (۴) سمت قبلہ سے کیا وہ رخ مراد ہے، جس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یا مطلقاً ہندوستان جیسے ملک میں پچھم کی سمت مراد ہے؟ (۵) کیا ہندوستان کے لحاظ سے پوری پچھم سمت قبلہ ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی دلائل کے ساتھ مسئلہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حبیب الرحمن قاسمی کاٹھدر ورازہ
کیپٹل سینماروڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ پانچوں سوالات کا مرکز مضمون ایک ہے؛ اس لئے اولاً پانچوں سوالوں کے جواب کا مرکز مضمون پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد سوالات کے جوابات دئے جائیں گے۔ حدیث پاک میں قضائے حاجت کے وقت استقبال قبلہ یا استدبار قبلہ کی جو ممانعت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، اس کا سارا مدارجہت قبلہ اور سمت قبلہ پر ہے۔ اور جہت قبلہ اور سمت قبلہ کی حدود ۲۵/۴ ڈگری کے اندر اندر رہتی ہے۔ اور ۲۵/۴ ڈگری والی تفصیل کسی کو دیکھنا ہو، تو وہ حضرت مفتی شفیع صاحب کا وہ رسالہ دیکھے جو عنایت اللہ مشرقی کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اور جس وقت آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے جہت قبلہ اور سمت قبلہ کی ممانعت کے ساتھ ساتھ ”ولکن شرفوا أو غربوا“ فرمایا تھا، اس وقت آپ کا قیام قبلہ سے جانب شمال میں تھا۔ اور جب قبلہ سے جانب شمال میں کسی کا قیام ہوگا، تو اس کے لئے جہت قبلہ سے بچنے کے لئے صرف یہی شکل ہے کہ وہ جانب شرق یا جانب غرب یعنی پورب یا پچھم کی طرف رخ کرے۔ جانب جنوب اور جانب شمال کی طرف رخ کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا؛ لہذا ہندوستان والوں کے لئے جانب غرب اور جانب شرق یعنی پچھم یا پورب کی سمت میں بیت الخلاء کا قدمچہ رکھنا ناجائز اور ممنوع ہوگا اور اس میں معمولی سا رخ بدلنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ ۲۵/۴ ڈگری سے باہر ہونا ضروری ہے۔ اور ۲۵/۴ ڈگری سے باہر ہونے کے لئے جانب جنوب یا جانب شمال میں قدمچہ ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ عین قبلہ کا رخ منع ہے، جہت قبلہ کا نہیں؛ اس لئے کہ عین قبلہ کا حکم صرف مکہ والوں کے ساتھ خاص ہے اور آفاق کے لوگوں کے لئے عین قبلہ کا حکم نہیں ہے؛ بلکہ صرف جہت قبلہ اور سمت قبلہ کا حکم ہے، اب حدیث شریف کا مطلب محدثین اور فقہاء کے الفاظ میں سنئے۔ عمدۃ القاری کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

شرفوا أو غربوا: خطاب لأهل المدينة، ولمن كانت قبلته على

ذلک السمّت، وأما من كانت قبلته إلى جهة المشرق أو المغرب؛ فإنه لا

یشرق ولا یغرب. (عمدة القاري، شرح بخاري، باب لا تستقبل القبلة بغائط أو بول إلا عند البناء.....، داراحیاء التراث العربی ۲/۲۷۷، زکریا ۲/۳۹۳)

”بذل الجہود“ کی عبارت اس سے بھی وضاحت کے ساتھ مروی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

ولكن شرقوا أو غربوا: أي توجهوا إلى جهة المشرق والمغرب،
لئلا يقع استقبالكم واستدباركم إلى القبلة، وهذا خطاب مختص لأهل
المدينة، ومن في حكمهم من الساكنين في جهة الشمال والجنوب من
الكعبة، فأما من كانت قبلته إلى جهة الغرب أو الشرق، فإنه ينحرف إلى
الجنوب أو الشمال. (بذل المجهود، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة،
دارالبشائر الإسلامية ۱/۱۹۶-۱۹۷، سهارن پور قدیم ۱/۷)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی عبارت بھی بذل کی طرح کافی وضاحت کے ساتھ مروی ہے:
ولكن شرقوا أو غربوا: هذا خطاب لأهل المدينة، ولمن كانت قبلته على
ذلك سمت، فأما من كانت قبلته إلى جهة الغرب أو الشرق، فإنه
ينحرف إلى الجنوب أو الشمال. (مرقاۃ، شرح مشکوٰۃ، باب آداب الخلاء،
مطبع بمبئی ۱/۲۸۳، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۳۴۷)

اور مکہ والوں کے لئے عین قبلہ کا اعتبار ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

فللمكي فرضها إصابة عينها، أي عين القبلة. (البحر الرائق، باب شروط
الصلوة، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ ۱/۲۸۴، زکریا ۱/۴۹۵)

قولہ: فانحرف عنها: أي بجملته أو بقبله حتى خرج عن جهتها،
والكلام مع الإمكان، فليس في الحديث دلالة على أن المنهى استقبال
العين كما لا يخفى. (شامی، باب الأنجاس، مطلب القول مرجح على الفعل، زکریا
۱/۵۵۴، کراچی ۱/۳۴۲)

ان تمام جزئیات سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل مکہ کے علاوہ دنیا کے تمام اماکن کے لئے
جہت قبلہ اور سمت قبلہ کا اعتبار ہے، عین قبلہ کا اعتبار نہیں ہے؛ لہذا ہندوستان والوں کے لئے

نماز میں جہت قبلہ کا استقبال لازم ہے، جو ۴۵ ڈگری کے اندر اندر ہوتا ہے۔ اور قضائے حاجت میں ۴۵ ڈگری سے باہر جہت قبلہ سے منحرف ہو کر بیٹھنا لازم ہے، اب اس تفصیل سے اصل مسئلہ کا خلاصہ سامنے آگیا، اب سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ہندوستان میں بیت الخلاء کی شیٹ قدمچہ جانب جنوب یا جانب شمال میں ہونا ضروری ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔

(۲) اس کی وضاحت بھی اوپر آچکی ہے۔

(۳) بعض اہل علم کا یہ کہنا کہ پورب پچھم کا قدمچہ ہو سکتا ہے، ممنوع سمت قبلہ ہے، سوال کی یہ عبارت ایک معمہ ہے؛ اس لئے کہ پورب پچھم کا قدمچہ ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو قبلہ سے جانب شمال یا جانب جنوب میں رہتے ہیں، اگر بعض اہل علم کا مطلب یہی ہے کہ قبلہ کی جانب جنوب اور جانب شمال والوں کے پورب پچھم کا قدمچہ جائز ہے، تو کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر اس سے قبلہ کی جانب شرق یا غرب کے لوگوں کے لئے جائز کہنا چاہتے ہیں اور پھر سمت قبلہ سے عین قبلہ اور عین کعبہ مراد لیتے ہیں، تو یہ ان کی طرف سے مغالطہ ہے؛ اس لئے کہ سمت قبلہ اور جہت قبلہ میں ۴۵ ڈگری کے اندر اندر کی حدود داخل ہیں، جس بنا پر ہندوستان والوں کے لئے پورب پچھم کے اعتبار سے جہت قبلہ آجاتی ہے۔ اور ۴۵ ڈگری ہے، باہر ہونے کی صورت میں پورب پچھم کی جہت باقی نہیں رہتی ہے۔ اور اس کی تفصیل مفتی محمد شفیع صاحب کے رسالہ ”سمت قبلہ“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(۴) ہندوستان والوں کے لئے صرف پچھم کی سمت میں نماز پڑھنا جائز ہے؛ اس لئے کہ پچھم کی سمت مکمل ۴۵ ڈگری میں داخل ہے؛ لہذا مطلقاً پچھم یا پورب کی طرف بیت الخلاء کی شیٹ رکھنا ممنوع ہے، جیسا کہ ماقبل کی عربی عبارات سے واضح ہے۔

(۵) ہندوستان والوں کے لئے پچھم سمت قبلہ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۱/۲۵۶، جدید زکریا ۲/۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۳/۶/۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکہ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۳۰۷۸)

کیا سر ڈھک کر استنجاء کرنا مسنون ہے؟

سوال [۱۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب استنجاء کرنے جاتے ہیں، تو ٹوپی اوڑھ کر جاتے ہیں، ٹوپی نہ ہونے کی صورت میں سر پر رومال یا کوئی کپڑا رکھ لیتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ٹوپی اوڑھ کر استنجاء کرنا سنت ہے؟

المستفتی: محمد یونس، نیوسلیم پور، دہلی ۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سر ڈھک کر پیشاب پاخانہ کرنا یا اس کے لئے بیت الخلاء میں داخل ہونا فقہاء نے مستحب لکھا ہے۔

قال في البحر: إذا أراد الإنسان دخول الخلاء، وهو بيت التغوط يستحب له أن يدخل بثوب غير ثوبه الذي يصلي فيه - إلى قوله - ويدخل مستور الرأس. (البحر الرائق، قبيل كتاب الصلاة، زكريا ۱ / ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳ / ۱ / ۲۴۳)

إذا أراد دخول الخلاء يستحب له أن يدخل بثوب غير ثوبه الذي

يصلي فيه. (هندية، قبيل كتاب الصلاة، زكريا قديم ۱ / ۵۰، جديد ۱ / ۱۰۶، شامي، فصل في الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء، زكريا ۱ / ۵۵۹، كراچی ۱ / ۳۴۵، حاشية الطحطاوي، فصل في ما يجوز به الاستنجاء، دار الكتاب، ص: ۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۰/۱/۳۰ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۰/۶۰۰۷)

دوران استنجاء بایاں ہاتھ پیٹ پر اور دایاں ہاتھ سر پر رکھنے کا حکم

سوال [۱۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: سنتے ہیں کہ استنجاء کے وقت بائیں پیر پر زور دیا جائے اور بائیں ہاتھ پیٹ پر اور دایاں ہاتھ سر پر رکھا جائے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے اور کیا اس کا ثبوت ہے؟

المستفتی: زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: استنجاء کے آداب میں سے یہ ہے کہ استنجاء کے وقت بائیں پیر پر زور دیا جائے، یہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اور استنجاء میں سہولت پیدا کرتا ہے؛ لیکن استنجاء کے وقت بائیں ہاتھ پیٹ پر اور دایاں ہاتھ سر پر رکھنے کی بات کہیں نظر سے نہیں گذری۔

عن رجل من بني مدلج قال: سمعت أبي يقول: جاء سراقه بن مالك بن جعشم من عند النبي ﷺ، فقال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا، فقال رجل كالمستهزي: أما علمكم كيف تخرون؟ قال: بلى، والذي بعثه بالحق أمرنا أن نتوكل على اليسرى وأن نصب اليمنى. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۷/ ۱۳۶، رقم: ۶۶۰۵، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۰۶)

وتحتنه في إعلاء السنن: قلت: هكذا ذكر أصحابنا في كيفية

الجلوس للحاجة. (إعلاء السنن، كراچی ۱/ ۳۱۶)

وفي البحر: من آداب الاستنجاء يوسع بين رجله ويميل على اليسرى.

(البحر الرائق، قبيل كتاب الصلوة، كوئٹہ ۱/ ۲۴۳، زکریا ۱/ ۴۲۱، ہندیہ، قبیل کتاب الصلوة، زکریا قدیم ۱/ ۵۰، جدید ۱/ ۱۰۶، شامی، باب الأنجاس، فصل في الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء، زکریا ۱/ ۵۵۹، کراچی ۱/ ۳۴۵، عمدۃ القاری، باب وضع الماء عند الخلاء، مکتبہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۲/ ۲۷۹، زکریا ۲/ ۳۸۹، غنیۃ الطالبین مع ترجمہ، ص: ۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/رجب ۱۴۲۸ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۹۳۹۶/۳۸)

شبہ کی بنا پر درمیانی حصہ میں پانی پہنچانا ضروری نہیں

سوال [۱۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک سن رسیدہ اور دائم المریض خاتون ہوں، بوقت فراغت پیشاب کے بارے میں مجھے شبہ ہوتا ہے کہ درمیانی حصہ میں (حیض و نفاس والا) پیشاب نہ پہنچ گیا ہو، اس وجہ سے میں درمیانی حصہ میں پانی پہنچاتی ہوں۔ اور تین تین مرتبہ پاک کرتی ہوں، اس کی وجہ سے دوران استنجاء پیشاب پھر نکل جاتا ہے، پھر دوبارہ استنجاء کرنا پڑتا ہے، اس وجہ سے پیشاب کی آمد بھی بڑھ گئی اور بار بار آنے لگا ہے۔ اور انگلی داخل کر کے پاکی کرنے کی وجہ سے اجابت بھی نکل جاتی ہے، ویسے میں حیض و نفاس اور غسل جنابت سے بری ہوں؛ لہذا صورت مسئلہ میں بعد از پیشاب اس طریقہ سے استنجاء کرنا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محض شبہ کی وجہ سے بار بار درمیانی حصہ میں پانی پہنچانے کی ضرورت نہیں اور نہ انگلی داخل کر کے پاک کرنے کی ضرورت ہے؛ البتہ پیشاب سے فراغت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر اطمینان حاصل کر کے پاکی حاصل کر لی جائے، اتنا کافی ہے۔

فإنه لا استبراء عليها بل كما فرغت تصبر ساعة لطيفة، ثم تستنجي.

(شامی، باب الأنحاس، فصل في الاستنجاء، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء،

زکریا ۱/ ۵۵۸، کراچی ۱/ ۳۴۴، حاشیة الطحطاوي على المراقي، کتاب الطہارۃ، فصل

في الاستنجاء، دارالکتاب دیوبند ص: ۴۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۹۷)

بیت الخلاء میں تھوکنے کا شرعی حکم

سوال [۱۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیت الخلاء میں تھوکنے کا ممنوع تو نہیں ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں بیت الخلاء میں بلاوجہ تھوکنے کا مکروہ ہے؛ لہذا اس کی عادت نہ بنائے۔

ولا یبصق، ولا یتمخط، ولا یتنحیح، ولا یکثر الالتفات. (حاشیۃ الطحاوی، فصل فیما یجوز بہ الاستحجاء، مکتبہ دارالکتاب، ص: ۵۵)

ولا یبذق، ولا یمتخط، ولا یتنحیح، ولا یکثر الالتفات. (ہندیۃ، قبیل کتاب الصلوۃ، زکریا قدیم ۱/۵۰، جدید ۱/۱۰۶)

وینبغی أن لا یلقى البزاق فی البول؛ لأنه یورث کثرة وسوسة. (الفتاویٰ التاتاریخانیۃ، الفصل الأول فی الوضوء ۱/۲۱۶، رقم: ۷۶، البحر الرائق، قبیل کتاب الصلوۃ، زکریا ۱/۴۲۲، کوئٹہ ۱/۲۴۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷ صفر ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۹)



۳/ باب ما يتعلق بالغسل

بلوغت کی عمر

سوال [۱۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مرد کتنے سالوں (دنوں) میں بالغ ہو جاتا ہے؟

المستفتی: محمد اسعد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: لڑکا بارہ سال میں اور لڑکی نو سال میں بالغ ہو سکتی ہے۔ اور بلوغت کی علامت یہ ہے کہ لڑکے کو احتلام ہو جائے یا اس کی وطی سے بیوی حاملہ ہو جائے یا اس سے منی کا خروج ہو جائے۔ اور لڑکی کو احتلام ہو جائے، یا حیض آجائے، یا استقرار حمل ہو جائے، ان علامتوں میں سے کوئی بھی پائی جائے تو بلوغت کا حکم لاگو ہو جائے گا۔ اور ان میں سے کوئی بھی نہ پائی جائے تو دونوں کی عمر پندرہ سال مکمل ہونے پر بلوغت کا حکم لگ جائے گا۔

عن ابن عمر - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ عرض له يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت علي عمر بن عبد العزيز، وهو خليفة فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا الحد بين الصغير والكبير، وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس عشرة. (بخاري شريف، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم، النسخة الهندية ۱/ ۳۶۶، رقم: ۲۵۹۰، ف: ۲۶۶۴، مسلم شريف، باب بيان سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۸۶۸)

بلوغ الغلام بالاحتلام، والإحبال، والإنزال، والأصل هو الإنزال،

والجارية بالا احتلام والحیض والحبل، وقوله: فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة، به يفتي، لقصر أعمار أهل زماننا وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين. (درمختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالا احتلام، كراچی ۶/۱۵۳، زكريا ۹/۲۲۵، ہندیہ، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا قديم ۵/۶۱، جديد ۵/۷۳، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني، بيان أنواع الحجر، زكريا ۱۶/۲۸۰، رقم: ۲۴۹۰۹، مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل سن الاغتسال لأربعة أشياء، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۷۱)

لڑکا اور لڑکی شرعاً کب بالغ شمار ہوتے ہیں؟

سوال [۱۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا لڑکی شرعاً کتنی کتنی عمر میں بالغ شمار کئے جاتے ہیں، شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: اشتیاق گلکھر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر لڑکے کو احتلام یا انزال وغیرہ کے ذریعہ سے بلوغیت کے آثار ظاہر نہ ہوں، تو پندرہ سال عمر پوری ہونے پر بالغ شمار ہوتا ہے۔ اور لڑکی کو جب حیض شروع ہو جائے، تو بالغ شمار ہوتی ہے۔ اور اگر حیض وغیرہ کے آثار ظاہر نہ ہوں، تو پندرہ سال پورے ہو جانے پر شرعی طور پر بالغ شمار ہوتی ہے۔

عن ابن عمر - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ عرضة يوم أحد

وہو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدت على عمر بن عبد العزيز، وهو خليفة فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير، وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس عشرة. (بخاري شريف، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم، النسخة الهندية ۱/ ۳۶۶، رقم: ۲۵۹۰، ف: ۲۶۶۴، مسلم شريف، باب بيان سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۸۶۸)

بلوغ الغلام بالاحتلام، والإحبال، والإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة، به يفتي. (تنوير الأبصار مع الدر، كراچی ۶/ ۱۵۳، زكريا ۹/ ۲۲۵، ہندیہ، كتاب الحجر، الباب الثاني، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، مكتبه زكريا قديم ۵/ ۶۱، جديد ۵/ ۷۳، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني، بيان أنواع الحجر ۱۶/ ۲۸۰، رقم: ۲۴۹۰۹، مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل سن الاغتسال لأربعة أشياء، مكتبه دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۰۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ شوال ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۱۸)

لیس دارپانی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا

سوال [۱۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) فرض کیجئے ایک لڑکے کو مستقل طور پر یہ بیماری ہے کہ جب وہ رات کو سو جاتا ہے، تو کسی بھی حصہ میں رات کے اس کے عضو تناسل میں سختی اور جوش پیدا ہو جاتا ہے اور بیدار ہونے پر جب وہ اس کو دبا کر دیکھتا ہے تو منی طاہر ہوتی ہے۔

(۲) جب وہی لڑکا بازار یا کسی اور جگہ جاتا ہے اور کسی لڑکی کو دیکھتا ہے، جو دیکھنے میں اچھی

لگے یا اس کے بارے میں تصور کرے یا اس کے قریب سے گزرے یا اس سے مس ہو یا بات کرے اور عضو تناسل میں سختی پیدا نہ ہو؛ لیکن عضو کو دبانے پر چپ چپا سامادہ غالباً منی ظاہر ہوتی ہے، کیا غسل واجب ہے؟ اور صورت (۱) اور (۲) میں جو نمازیں بغیر غسل کے پڑھی ہیں، کیا ان کا اعادہ ضروری ہے؟

المستفتی: محمد رفیع کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لیس دار پانی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، صرف عضو کو دھو کر وضو کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، گاڑھا مادہ جس کو منی کہتے ہیں، وہ اگر جوش کے ساتھ نکلے گا تو غسل واجب ہوتا ہے۔

عن علي - رضي الله عنه - قال: سألت النبي ﷺ عن المذي، فقال:

من المذي الوضوء، ومن المني الغسل. (ترمذي، باب ماجاء في المني والمذي،

النسخة الهندية ۱/ ۳۱، دارالسلام، رقم: ۱۱۴، السنن الكبرى للبيهقي، باب الوضوء من

المذي والودي، دارالفکر ۱/ ۲۰۳، رقم: ۵۶۶، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي

۱/ ۱۵۹، رقم: ۶۱۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۱۰/۱۴ھ

۱۴۱۷/۱۰/۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۹۸)

بغیر انزال کے جماع کرنے سے غسل کا حکم

سوال [۱۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص ہے، اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور عضو تناسل کو مقام خاص میں داخل کر دیا، کچھ دیر بعد باہر کیا اور منی نہیں خارج ہوئی، تو اس صورت میں غسل کرے گا یا صرف عضو تناسل دھولے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں بہر حال غسل دونوں پر واجب ہو جاتا ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي ﷺ قال: إذا التقى الختان
الختان وجب الغسل، أنزل أو لم ينزل. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالفکر ۱/۲۷۵،
رقم: ۷۸۸، مسلم شریف، باب بیان أن الجماع كان في أول الإسلام لا يوجب الغسل،
النسخة الهندية ۱/۱۵۶، بيت الأفكار، رقم: ۳۴۹، طحاوی شریف ۱/۶۸، رقم: ۳۰۶)
الإيلاج في أحد السبيلين إذا توارت الحشفة يوجب الغسل على
الفاعل والمفعول به، أنزل أو لم ينزل. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني،
الفصل الثالث، زكريا قديم ۱/۱۵، جديد ۱/۶۶، شامي، كتاب الطهارة، زكريا،
۱/۲۹۸، كراچی ۱/۱۶۱، هداية، كتاب الطهارة، فصل في الغسل، مكتبة أشرفي ديوبند،
۱/۴۶، شرح النقاية، اعزازيه ديوبند ۱/۱۵، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱/۲۷۹، رقم:
۳۹۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۰)

بلا انزال محض غیبوت حشفہ موجب غسل ہے؟

سوال [۱۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: اگر غیبوت حشفہ بالثوب ہوا، بغیر انزال کے، تو اس سے وجوب غسل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان سرسیدنگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیبوت حشفہ بالثوب ہونے کی صورت میں غسل واجب
ہو جائے گا۔

و لو لف ذكره بخرقه وأولجه، ولم ينزل، فالأصح أنه إن وجد حرارة
الفرج واللذة وجب الغسل، وإلا فلا، والأحوط وجوب الغسل في الوجهين.
(مراقی الفلاح، قدیم ص: ۵۴، دارالکتاب دیوبند/ ۹۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ھ ۱۴۲۶/۱/۲۳

(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۶۴/۳۷)

بلا انزال خواب میں جماع کرنے سے غسل کا حکم

سوال [۱۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: خواب میں کسی شخص نے اپنی مرحومہ بیوی کے ساتھ جماع کیا، مگر انزال نہیں ہوا اور نہ لنگی
خراب ہوئی، تو وہ جہلم ہوا کہ نہیں؟ اس پر غسل واجب ہوگا کہ نہیں؟ وہ بغیر غسل کے صرف وضو
کر کے نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟

المستفتی: فدا حسین، بھگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا شخص شرعاً جنبی نہیں ہے، اس پر غسل واجب نہیں، وہ
بغیر غسل کے صرف وضو کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

المراد به نفسي وجوب الغسل بالرؤية في النوم إذا لم ينزل، وهذا
الحکم باق بلا شک. (البحر، کتاب الطہارۃ، کوئٹہ ۱/ ۵۳، زکریا ۱/ ۱۰۰)

وروی ابن ابی شیبہ وغیرہم عن ابن عباس أنه حمل حدیث الماء من
الماء علی صورة مخصوصة، وهي ما يقع في المنام من رؤية الجماع. (بذل
المجهود، باب الاکسال، سہارنپور ۱/ ۱۳۴، دارالبشائر الإسلامیة ۲/ ۱۸۰، شرح المسلم
لننوی، باب بیان أن الجماع كان في أول الإسلام ۱/ ۱۵۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۸۷/۳۱)

غسل جنابت کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۱۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غسل جنابت کرنے کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اسی طرح سادہ غسل کرنے کے بعد بھی بغیر وضو کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ سادہ غسل کرنے میں نہ تو غرارہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی ناک میں پانی چڑھایا جاتا ہے۔

المستفتی: احقر محمد امجد فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غسل جنابت کے بعد بغیر وضو کے نماز پڑھنا شرعاً درست ہے، نیز سادہ اور غسل تبرید کے بعد بھی بغیر وضو نماز پڑھنا درست ہے؛ کیوں کہ وضو میں غرارہ اور استنشاق فرض یا واجب نہیں ہے، محض سنت ہے، ان کے بغیر وضو ہو جاتا ہے۔

عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: كان رسول الله ﷺ لا يتوضأ

بعد الغسل من الجنابة. (نسائي شريف، باب ترك الوضوء من بعد الغسل، النسخة

الهندية ۱ / ۴۹، دارالسلام، رقم: ۲۵۲، ۴۳۰، ترمذي شريف، باب في الوضوء بعد

الغسل، النسخة الهندية ۱ / ۲۹، دارالسلام، رقم: ۱۰۷، سنن ابن ماجه، باب في الوضوء

بعد الغسل، النسخة الهندية ۱ / ۴۳، دارالسلام، رقم: ۵۷۹)

فمن فروعها إذا اجتمع حدث و جنابة، أو جنابة وحيض كفى الغسل

الواحد. (الأشباه والنظائر، ص: ۱۹۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۹۶/۲۴)

کیا غسل کے وضو سے نماز پڑھنا جائز ہے؟

سوال [۱۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غسل کرتے وقت جو وضو کیا جائے اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نیاز مند عبدالرب کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غسل کرتے وقت جو وضو کیا جائے اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں، نماز کے لئے دوبارہ الگ سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: كان رسول الله ﷺ لا يتوضأ

بعد الغسل من الجنابة. (نسائي شريف، باب ترك الوضوء من بعد الغسل، النسخة

الهندية ۱/ ۴۹، دارالسلام، رقم: ۲۵۲، ۴۳۰، ترمذي شريف، باب في الوضوء بعد

الغسل، النسخة الهندية ۱/ ۲۹، دارالسلام، رقم: ۱۰۷، سنن ابن ماجه، باب في الوضوء

بعد الغسل، النسخة الهندية ۱/ ۴۳، دارالسلام، رقم: ۵۷۹)

إذا اجتمع حدث وجنابة، أو جنابة وحيض كفى الغسل الواحد.

(الأشباه والنظائر، ص: ۱۹۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ صفر ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۴/۲۳)

غسل خانہ میں برہنہ نہانا اور حضرت ایوب اور موسیٰ علیہما السلام کا برہنہ نہانا

سوال [۱۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: غسل خانہ میں برہنہ نہانا کیسا ہے؟ اور کیا کسی نبی سے برہنہ نہانا ثابت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی تنہائی کی جگہ جہاں کوئی نہ دیکھ پائے برہنہ نہانا جائز اور درست ہے، خواہ کھڑے ہو کر نہائے یا بیٹھ کر؛ لہذا غسل خانہ میں برہنہ نہانا جائز ہے؛ اس لئے کہ غسل خانہ ایسی جگہ ہے جہاں نہانے کی حالت میں دوسرا نہیں دیکھ سکتا۔ اور غسل خانہ کی چھت چاہے کھلی ہو یا ڈھکی ہوئی ہو، دونوں کا حکم یکساں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور/۱/۵۹) اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی برہنہ نہانا ثابت ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے برہنہ نہانے کی شہادت صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۳۱، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۵/۹۲، محمودیہ میرٹھ ۸/۱۷۵، فتاویٰ عثمانی ۱/۳۳۶، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۱۱۹)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: بينا أيوب يغتسل عريانا، فخر عليه جراد من ذهب، فجعل أيوب يحتشي في ثوبه، فناداه ربه يا أيوب ألم أكن أغنيك عما تری؟ قال: بلى وعزتك ولكن لا غنى بي عن بركتك. (بخاري، باب من اغتسل عريانا وحده في الخلوة، النسخة الهندية ۱/ ۴۲، رقم: ۲۷۹)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كانت بنو إسرائيل يغتسلون عراة، ينظر بعضهم إلى بعض، وكان موسى عليه السلام يغتسل وحده، فقالوا: والله ما يمنع موسى أن يغتسل معنا إلا أنه آدر، فذهب مرة يغتسل فوضع ثوبه على حجر، ففر الحجر بثوبه، فخرج موسى في أثره يقول: ثوبي يا حجر ثوبي يا حجر، حتى نظرت بنو إسرائيل إلى موسى، فقالوا: والله ما بموسى من بأس، وأخذ ثوبه، فطفق بالحجر ضربا. (بخاري شريف، باب من اغتسل عريانا، النسخة الهندية ۱/ ۴۲، رقم: ۲۷۸)

وقال بهز بن حكيم عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ: الله أحق أن

يستحيي منه من الناس . إن ظاهر حديث بهز يدل على أن التعرى في الخلوۃ غير جائز مطلقاً، لكن استدل المصنف على جوازہ في الغسل بقصة موسى وأيوب عليهما السلام . (فتح الباري، زكريا ۱ / ۴۸۲، دارالفكر بيروت ۱ / ۳۸۶)

جواز الاغتسال عريانا في الخلوۃ فيه قصة موسى عليه السلام
 أنه يجوز كشف العورة في موضع الحاجة في الخلوۃ، وذلك كحالة الاغتسال، وحال البول، ومباشرة الزوجة، ونحو ذلك، فهذا كله جائز فيه التكشف في الخلوۃ. (شرح النووي على المسلم ۱ / ۱۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳/۷/۱۴۳۵ھ

(رجسٹر خاص)

کیا غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غسل خانہ میں برہنہ غسل کرنا کیسا ہے؟ مسقف و غیر مسقف کی تفصیل ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس غسل خانہ میں پردہ کا اہتمام ہے، چاہے مسقف نہ ہو برہنہ غسل کرنا جائز ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: **بينما أيوب يغتسل عريانا، فخر عليه جراد من ذهب، فجعل أيوب يحثي في ثوبه، فناداه ربه يا أيوب ألم أكن أغنيتك عما ترى؟ قال: بلى وعزتك ولكن لاغنى بي عن بركتك.** (بخاري، باب من اغتسل عريانا، النسخة الهندية

ومنها يجوز في بيت الحمام الصغير . (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، زكريا ۲/ ۷۶، كراچی ۱/ ۴۰۴)

جوز الاغتسال عريانا في الخلوۃ فيه قصة موسى عليه السلام أنه يجوز كشف العورة في موضع الحاجة في الخلوۃ، وذلك كحالة الاغتسال، وحال البول، ومباشرة الزوجة، ونحو ذلك، فهذا كله جائز فيه التكشف في الخلوۃ. (شرح النووي على المسلم ۱/ ۱۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷ صفر ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۹)

غسل خانہ میں ننگے نہانے کی شرعی حیثیت

سوال [۱۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بند غسل خانہ میں بالکل ستر کھول کر نہانا کیسا ہے؟ یعنی بالکل ننگے نہانا؟

المستفتی: محمد ناصر الصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی پردہ کی جگہ کہ جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے وہاں پر برہنہ غسل کرنا درست ہے۔

ويستحب أن يغتسل في موضع لا يراه فيه أحد. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الثاني، الفصل الثاني في سنن الغسل، زكريا قديم ۱/ ۱۴، جديد ۱/ ۶۵، شامي، كتاب الطهارة، مطلب سنن الغسل، زكريا ۱/ ۲۹۱، كراچی ۱/ ۱۵۶، بهشتی زيور ۱/ ۵۹)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: بينا أيوب يغتسل عريانا، فخر عليه جراد من ذهب، فجعل أيوب يحثني في ثوبه، فناداه ربه يا أيوب ألم أكن أغنيك عما ترى؟ قال: بلى وعزتک

ولكن لاغنى بي عن برکتک . (بخاري، باب من اغتسل عريانا، النسخة الهندية
٤٢ / ١، رقم: ٢٧٩)

وقال بهز بن حكيم عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ: الله أحق أن
يستحيي منه من الناس. إن ظاهر حديث بهز يدل على أن التعري في الخلوّة
غير جائز مطلقاً، لكن استدلال المصنف على جوازها في الغسل بقصة موسى
وأيوب عليهما السلام. (فتح الباري، كتاب الغسل، باب من اغتسل عريانا، مكتبة
أشرفيه ١/٥٠٧، ٥٠٨، رقم: ٢٧٨، دارالفكر بيروت ١/٣٨٦) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/١٢/١٤٢١ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

٦ ذیقعدہ ١٤٢١ھ

(الف فتویٰ نمبر: ٦٩٣٢/٣٥)

برہنہ غسل کرنے والے کا اسی غسل سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال [١٤٢٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ایک شخص میدان میں جا نگیلا پہن کر غسل کرتا ہے اور وضو فرض کے ساتھ کرتا ہے، کیا اس
غسل سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ جا نگیلا پہن کر وضو کرنے سے وضو باقی رہ جائے گا؟ اس وضو
سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

(٢) غسل خانہ میں ننگا ہو کر غسل کرنے سے اگر وضو صحیح طریقہ سے فرض کی ادائے گی کر کے
کیا تو کیا اس وضو سے فرائض و نوافل نماز ادا کر سکتا ہے؟

المستفتی: موضع بکر پور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضو ایک الگ حکم ہے اور برہنہ ہونا دوسرا حکم ہے، دونوں
میں سے کوئی ایک دوسرے پر موقوف نہیں ہے، لہذا میدان میں جا نگیلا پہن کر غسل کیا ہو یا غسل
خانہ میں برہنہ غسل کیا ہو، دونوں صورتوں میں غسل کے وضو سے نماز پڑھنا جائز اور درست

ہے۔ اور اس وضو سے بلا تردد و فرائض و نوافل ادا کر سکتا ہے؛ البتہ جا نگیا پہن کر میدان میں غسل کرتے وقت جو ستر کھلا رکھا تھا، اس کا گناہ الگ سے ہوگا۔ (مستفا: فتاویٰ دارالعلوم/۱۵۰)

إذا اجتمع حدث وجنابة، أو جنابة وحیض كفی الغسل الواحد.

(الأشباه والنظائر، ص/ ۱۹۹)

عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: كان رسول الله ﷺ لا يتوضأ بعد الغسل من الجنابة. (نسائي شريف، باب ترك الوضوء بعد الغسل، النسخة الهندية ۱/ ۴۹، دارالسلام، رقم: ۲۵۲، ۴۳۰، سنن ابن ماجه، باب في الوضوء بعد الغسل، النسخة الهندية ۱/ ۴۳، دارالسلام، رقم: ۵۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۶۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۲۹/۱۴۱۷ھ

جنبی شخص ٹب سے پانی کیسے نکالے؟

سوال [۱۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پانی وہ دردہ سے کم ہے اور وہاں کوئی چھوٹا برتن نہیں جس سے پانی نکالا جائے، جنبی غسل جنابت کے لئے اور محدث وضو کے لئے کیا کرے؟ وضو اور غسل جنابت کا مکمل طریقہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: انوار الحق، امام بڑی مسجد ہنومان گڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پانی لینے کے لئے کسی قسم کا برتن، گلاس، مگھا وغیرہ نہ ہو اور جنبی کے ہاتھ میں نجاست حقیقی لگی ہوئی نہ ہو، تو ایسی صورت میں ہاتھ کے چلو سے پانی لے کر دونوں ہاتھوں کو احتیاطاً دھولیا جائے، اس کے بعد ہاتھوں کے چلو سے پانی لے کر بدن پر ڈالا جائے اور نجاست حقیقی جہاں جہاں لگی ہو ایک ہاتھ کے چلو سے پانی لے کر اسے صاف

کرتا جائے، پھر اس کے بعد پورے بدن پر چلوؤں سے پانی لے کر پانی بہا دیا جائے، تو جنبی پاک ہو جائے گا اور شرعی طور پر اس کا غسل صحیح ہو جائے گا، مگر یہ خیال رکھے کہ غسل کے پانی کی چھینٹ پاک پانی میں نہ پڑنے پائے۔

وإن لم یکن یدخل أصابع یدہ الیسری مضمومة فی الإناء، ولا یدخل الکف، ویصب الماء علی یمینہ، ویدلک الأصابع بعضها ببعض، یفعل ہکذا ثلاثا، ثم یدخل یمناہ فی الإناء بالغما ما بلغ. (شرح وقایة، کتاب الطہارة، یاسر ندیم کمپنی دیوبند ۱/ ۵۹، شامی، کتاب الطہارة، مطلب فی دلالة المفہوم، زکریا ۱/ ۲۳۱، کراچی ۱/ ۱۱۱، ہندیہ، کتاب الطہارة، الباب الأول، الفصل الثانی، زکریا قدیم ۱/ ۶، جدید ۱/ ۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۷)

داڑھ میں مسالہ بھرے ہونے کی صورت میں غسل کا حکم

سوال [۱۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی ایک داڑھ خالی ہے، اس میں اگر چاندی یا مسالہ وغیرہ بھرا یا جائے تو غسل صحیح ہو جایا کرے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر چاندی یا سونے کا مسالہ اس طرح بھرا دیا جائے کہ آسانی سے اس کو نکالنا اور پھر لگانا ممکن نہیں ہے، تو وہ جسم کے جزو متصل کے حکم میں ہوگا۔ اور اس کو نکالے بغیر غسل جائز ہو جاتا ہے، جیسا کہ سونے کے دانت کا حکم ہے۔

عرفجة بن سعد أنه أصيب أنفه يوم الكلاب في الجاهلية، فاتخذ أنفا من ورق، فأنتن عليه، فأمره النبي ﷺ أن يتخذ أنفا من ذهب، ففعل.

(شامی، کتاب الکراہیۃ، فصل فی اللبس، کراچی ۶/ ۳۶۲، زکریا ۹/ ۵۲۱)
**عن عرفجة بن سعد قال: أصيب أنفي يوم الكلاب في الجاهلية،
فاتخذت أنفا من ورق، فأنتن علي، فأمرني رسول الله ﷺ أن أتخذ أنفا من
ذهب.** (ترمذي شريف، باب ماجاء في شد الأسنان بالذهب، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۶،
دارالسلام، رقم: ۱۷۷۰، أبو داؤد شريف، باب ماجاء في ربط الأسنان بالذهب، النسخة
الهندية ۱/ ۵۸۱، دارالسلام، رقم: ۴۲۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۱۱)

کیا بیوی سے صحبت کے لئے غسل کرنا ضروری ہے؟

سوال [۱۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: بیوی سے صحبت کے لئے جب بھی جائے کیا ضروری ہے کہ غسل کر کے جائے؟

المستفتی: ایس اے الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیوی سے صحبت کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ
بغیر غسل و وضو کے صحبت کرنا جائز ہے۔ اور غسل یا وضو کرنا صرف افضل اور بہتر ہے۔

عن أنس - رضي الله عنه - أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يطوف
على نسائه بغسل واحد. (مسلم شريف، باب جواز نوم الحنب، النسخة الهندية ۱/
۱۴۴، بيت الأفكار، رقم: ۳۰۹)

أن المعاودة من غير وضوء ولا غسل بين الجماعين أمر جائز، وأن
الأفضل أن يتخللها الغسل أو الوضوء. (شامی مطلب يطلق الدعاء علی ما يشمل

الثناء، کراچی ۱/۱۷۶، زکریا ۱/۳۱۹، ہندیہ، الفصل الثالث: المعاني الموجبة للغسل،
زکریا قدیم ۱/۱۶، جدید ۱/۶۸، حلبی کبیر، ص: ۵۶، سنن الغسل، بدائع الصنائع،
أحكام الجنابة، زکریا ۱/۱۵۱، أحسن الفتاویٰ ۲/۳۵ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ رجب ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۸۵)

دانتوں کا کیپ صحت غسل کے لئے مانع نہیں؟

سوال [۱۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص کے دانت خراب ہو گئے ہوں اور ان پر کیپ چڑھانا پڑے جو کہ دوسرے بنے ہوئے دانت ہوتے ہیں، کیا ان پر غسل میں کلی یا وضو میں کلی کا پانی اصلی دانتوں کی جڑ تک نہیں پہنچتا ہے؟ اگر نہیں پہنچتا ہے تو کیا یہ دانت لگوانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذوالفقار احمد دہلی گلاب بیکری مٹھرا روڈ، اودھم سنگھ نگر، اتر کھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خراب دانتوں کے اوپر کیپ چڑھانا اسی طرح جو

دانت ٹوٹ گئے ہوں، ان پر دانت لگانا شرعاً جائز ہے اور دانتوں کے اوپر جو کیپ لگایا جاتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے جام ہو جاتا ہے، آسانی سے نہیں نکلتا ہے، اس کے نیچے جو کھانے کے ذرات اور گوشت کے ریشہ وغیرہ گھس جاتے ہیں اور وہ آسانی کے ساتھ نہیں نکلتے ہیں، تو غسل واجب میں اچھی طرح کلی کر لے اور کھانے کے وہ ذرات اور ریشہ وغیرہ نہ نکلے تو اسی حالت میں غسل صحیح ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، ڈابھیل ۵/۸۲، فتاویٰ حقانیہ ۲/۵۲۳، احسن

الفتاویٰ ۲/۳۲، امداد الفتاویٰ ۱/۴۷)

ولو كان سنه مجوفاً، فبقي فيه أو بين أسنانه طعام، أو درن رطب في أنفه،

ثم غسله على الأصح . (هنديّة، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، زكريا ۱/۱۳،
جدید زكريا ديوبند ۱/۶۴)

وإذا اغتسل من الجنابة، وبقي بين أسنانه طعام فلم يصل الماء
تحتہ جاز . (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل، زكريا ۱/
۲۷۷، رقم: ۳۸۴، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل،
المجلس العلمي ۱/۲۲۶، رقم: ۲۶۴)

ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين أسنانه، أو في سنه
المجوف، به يفتي . (درمختار مع الشامی، كتاب الطهارة، قبيل مطلب في سنن الغسل،
كراچی ۱/۱۵۴، زكريا ۱/۲۸۹، حاشية الطحطاوي على الدر، كوئٹہ ۱/۸۸)
ولو كان سنه مجوفاً أو بين أسنانه طعام أو درن رطب يجزئه . (فتح
القدیر، كتاب الطهارة، فصل في الغسل، زكريا ۱/۶۰، دارالفكر مصري، قديم ۱/۵۶،
حاشية الطحطاوي على المراقبي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل في الغسل، دارالكتاب
ديوبند ص: ۱۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۹/۱۴۳۵ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۱۱/۱۱۷۳۰)



۴ / باب ما يتعلق بالمياه والآبار

حوض شرعی کی مقدار

سوال [۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ اجتماع میں وضو کے لئے جو حوض بنائے گئے، ان کی کشادگی دو فٹ سے زیادہ نہ تھی اور گہرائی تقریباً چار انچ سے زیادہ نہ تھی، ان میں ایک سمت سے بذریعہ پمپ پانی جاری تھا اور پہلو بہ پہلو ایک دوسرے سے ملے لوگ وضو کر رہے تھے اور نجس پانی کے نکاس کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، کیا یہ شریعت کے اعتبار سے جائز ہے؟

المستفتی: منیجر مسلم ایجوکیشنل سینٹر، مفتی ٹولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سوال نامہ کا ذکر کردہ حوض احقر نے بھی دیکھا ہے اور حوض شرعی ہونے کی وجہ سے از خود وضو بھی کیا ہے؛ اس لئے کہ اگر حوض لمبا ہو اور چوڑائی کم ہو اور حساب لگانے سے دس ہاتھ طول اور دس ہاتھ عرض بیٹھتا ہو، مثلاً ایک ہاتھ چوڑا اور سو ہاتھ لمبا یا دو ہاتھ چوڑا اور پچاس ہاتھ لمبا ہو، یا ڈیڑھ ہاتھ چوڑا ہو اور پچھتر ہاتھ لمبا ہو، تو حوض شرعی کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور گہرائی صرف اتنی ہونا کافی ہے کہ چلو سے پانی لینے سے مٹی نظر نہ آئے؛ اس لئے مذکورہ حوض بھی شرعی حوض کے دائرہ میں داخل ہے۔

وفي المثلث من كل جانب خمسة عشر وربعاً وخمسة بذراع الكرباس ولو له طول لا عرض لكنه يبلغ عشرين في عشر جاز تيسيراً. (تحته في الشامية) كأن يكون طوله خمسين وعرضه ذراعين مثلاً، فإنه لو ربع صار عشرين في عشر. (درمختار، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض الخ، كراچی ۱/ ۹۳، زکریا ۱/ ۳۴۲، ۳۴۳، البحر الرائق،

کتاب الطہارۃ، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۱/ ۷۷، زکریا ۱/ ۱۴۱، الفتاویٰ التاتارخانیۃ،
کتاب الطہارۃ، الفصل الرابع في المياء التي يجوز الوضوء بها، زکریا ۱/ ۳۰۲، رقم:
۴۹۷ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۹۹)

ستون اور فوارہ دہ دردہ کی مقدار میں مانع ہیں؟

سوال [۱۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حوض دس بائی دس کا ہے، اس کے اندر چار ستون ہیں، ہر ایک ستون کی لمبائی ایک ایک فٹ ہے اور چوڑائی بھی ایک ایک فٹ ہے، حوض کا نقشہ اس طرح سے ہے، آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ یہ حوض ان ستونوں کے ساتھ دہ دردہ کے حکم میں رہے گا یا ان ستونوں کو حوض کی مقدار میں سے منہا کر دیا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: دہ دردہ حوض میں پانی کا سطح سومربع ذراع کا ہونا شرط ہے۔ اور ستون اور فوارہ وغیرہ دہ دردہ کی مقدار میں نقصان دہ ہوتے ہیں؛ اس لئے مذکورہ حوض دہ دردہ کی مقدار سے چار فٹ چھوٹا ہوگا۔

إن المراد من اعتبار العشر في العشر ما يكون وجهه مائة ذراع.
(شامی، کتاب الطہارۃ، باب المیاء، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض الخ، کراچی
۱/ ۱۹۳، زکریا ۱/ ۳۴۲)

وأما إذا كان الجمد كثيرا قطعاً قطعاً لا يتحرك بالتحريك، أي
بتحريك الماء لا يجوز الوضوء؛ لأنه حائل يمنع اتصال الماء بمنزلة
الصخر ونحوه. (کبیری، کتاب الطہارۃ، فصل فی أحكام الحيض، أشرفیہ دیوبند/ ۹۹)

وصورة الحوض الكبير المقدر بعشرة في عشرة أن يكون من كل جانب من جوانب الحوض عشرة، وحول الماء أربعون ذراعاً، ووجه الماء مائة ذراع هذا مقدار الطول والعرض. (البحر الرائق، زكريا ۱/ ۱۴۰، رشيدية كوئٹہ ۱/ ۷۷، ہندیہ، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، زكريا قديم ۱/ ۱۸، جدید ۱/ ۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳۱۱/۲/۲۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳۱۱/۲/۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۹۹/۲)

پانی کب ناپاک ہوتا ہے؟

سوال [۱۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد میں ایک نل ہے اور چار ہاتھ دوری پر ایک گڑھا ہے، تقریباً چھ سات ہاتھ اس کی گہرائی ہے اور اس گڑھا میں وضو کا پانی اور پیشاب جمع رہتا ہے اور نل کے پانی کا ذائقہ بدلا ہوا ہے؛ البتہ رنگ اور بو نہیں پائی جاتی ہے، تو اس پانی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس نل کے پانی سے وضو کرنا یا اور کسی استعمال میں لانا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: عزیز الرحمن، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ناپاک گڑھا اور نل کے درمیان فاصلہ کی مقدار کا اعتبار نہیں؛ بلکہ اعتبار پانی میں نجاست کے آثار ظاہر ہونے کا ہے؛ لہذا اگر ذائقہ جو بدلہ ہوا ہے، اس میں نجاست ہی کا ذائقہ ہے، تو پانی ناپاک ہوگا اور اگر نجاست کا ذائقہ نہیں ہے؛ بلکہ یوں ہی ذائقہ بدلا ہوا ہے، تو ناپاک نہ ہوگا، اس پر اچھی طرح غور فرمائیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/ ۲۶۰، جدید، زکریا ۳/ ۳۸، امداد الفتاویٰ ۱/ ۶۴)

اختلف مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر - إلى قوله - المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في الفرق بين الروث، كراچی ۱/ ۲۲۱، زكريا ۱/ ۳۸۱، فتاویٰ قاضی خان، كتاب الطهارة، فصل في الماء الراكد، زكريا جديد ۱/ ۷، وعلى هامش الهندية ۱/ ۸، البحر الرائق رشيديه كوئته ۱/ ۱۲۲، زكريا ۱/ ۲۱۴، كتاب الطهارة، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في المياه التي يجوز الوضوء بها ۱/ ۳۳۰، رقم: ۶۱۲، هندية، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، مكتبه زكريا قديم ۱/ ۲۰، جديد ۱/ ۷۳)

البعد بين البالوعة والبئر المانع من وصول النجاسة إلى البئر خمسة أذرع - إلى - وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز، وإلا لا. (فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في البئر فرع، مطبع زكريا ۱/ ۱۱۱، كوئته ۱/ ۹۲، المبسوط للسرخسي، كتاب الطهارة، باب الوضوء والغسل، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۶۱، الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ۱/ ۳۳۱، رقم: ۶۱۳) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۶۱)

ٹینکیوں کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۱۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چھوٹے حوض اور ٹنکیاں جن میں پانی کے آمد و رفت کا تسلسل نہ ہو، ان کو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ ہمارے یہاں ایک طریقہ اس طرح رائج ہے کہ ایک طرف سے پانی ڈالتے ہیں، پھر وہ پانی دوسرے راستے سے تھوڑا بہت نکل جائے تو بس وہ حوض یا ٹنکی پاک سمجھی جاتی

ہے، آیا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو نکلنے والے پانی کی کوئی مقدار معین ہے یا نہیں؟ واضح فرمائیں، شرعاً دیوانگی کی کیا علامت ہے؟

المستفتی: مختار احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چھوٹا حوض یا ٹنکی جب ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ملتے ہیں: (۱) وہی طریقہ ہے جو مسائل نے سوال نامہ میں ذکر کیا ہے اور اسی طریقے کو اکثر فقہاء نے راجح قول کہا ہے (۲) یہ ہے کہ حوض یا ٹنکی میں جتنا ناپاک پانی موجود ہو کم از کم اتنا پانی دوسری طرف سے نکل جائے تو پاک شمار ہوگا (۳) تیسرا قول یہ ہے: کہ ایک طرف سے پانی داخل ہونے کے ساتھ دوسری طرف سے اس کا تین گنا پانی نکل جائے جو حوض یا ٹنکی میں موجود ہے، تو حوض یا ٹنکی پاک سمجھی جائے گی، اسی پر امام ظہیر الدین مرغینانی رحمہ اللہ فتویٰ دیا کرتے تھے، تو معلوم ہوا کہ فقہاء نے اس بارے میں کافی اختلاف کیا ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک قول اول زیادہ صحیح ہے۔ اور بعض کے نزدیک قول ثانی زیادہ صحیح ہے۔ اور ظہیر الدین مرغینانی کے یہاں قول ثالث زیادہ صحیح ہے؛ لہذا تینوں قول میں سے ہر ایک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، آپ کے علاقہ میں جو طریقہ راجح ہے اس کو اکثر فقہاء نے صحیح قرار دیا ہے؛ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ کم از کم قول ثانی پر عمل کر کے حوض یا ٹنکی میں جتنا پانی موجود ہے اتنا دوسری جانب سے نکال دیا جائے، تب حوض یا ٹنکی کو پاک سمجھا جائے اور اسی پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

حوض صغیر تنجس ماء ۵، فدخل الماء الطاهر فيه من جانب وسال ماء الحوض من جانب آخر كان الشيخ الإمام الفقيه أبو جعفر يقول: لما سال ماء الحوض من الجانب الآخر يحكم بطهارة الحوض، وهو اختيار الصدر الشهيد، وكان الفقيه أبو بكر بن سعد يقول: لا يحكم بطهارة الحوض حتى يخرج منه ثلاث مرات، مثل ما كان في الحوض من الماء

النجس، وبه يفتي الشيخ ظهير الدين المرغيناني، ومن المشايخ من شرط خروج مثل ما في الحوض من الماء النجس مرة واحدة، وفي الظهيرية، والصحيح أنه يظهر وإن لم يخرج مثل ما فيه. (تاتارخانية، قديم ۱/ ۱۷۷، جديد، كتاب الطهارة، الفصل الرابع ۱/ ۳۰۷، رقم: ۵۱۸، المحيط البرهاني، المجلس العلمي، كتاب الطهارة، الفصل الرابع ۱/ ۲۵۰، رقم: ۳۶۴، هندية، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، زكريا قديم ۱/ ۱۷، جديد ۱/ ۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳۲۶/۲/۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳۲۶/۲/۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۷۸/۳۷)

کنویں میں آدمی کے داخل ہونے سے کنویں کی ناپاکی کا حکم

سوال [۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کنویں کے اندر بغرض صفائی کپچڑ و کوڑا داخل ہو گیا اور اندر سے برابر کپچڑ و کوڑا باہر بھیجتا رہا، تقریباً پون گھنٹہ یا ایک گھنٹہ کنویں کے اندر رہا، زید کے کنویں کے اندر سے واپس ہونے پر کنویں میں سے پینتیس عدد بالٹی پانی نکال دیا گیا تو ایسی حالت میں کنویں کا پانی پاک ہو گیا یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس، ایس ایم زدہ کمپنی، مصطفیٰ آباد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر زید کے بدن پر پہلے سے کوئی نجاست نہیں تھی تو کنویں کی صفائی کے لئے اترنے کی وجہ سے کنویں ناپاک نہ ہوگا، ۳۵ بالٹی جو نکالا ہے، وہ بھی نہ نکالتے تب بھی کنویں کی پاکی میں کوئی فرق نہ آتا۔

ولا ینجس الماء بوقوع آدمي. الخ (مراقی الفلاح، فصل في مسائل الآبار،

قدیم: ۲۳، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۴۱)

فإن كان آدميا ليس على بدنه نجاسة حقيقية ولا حكمية، وقد استنجى لا ينزح شيء في ظاهر الرواية، وروى الحسن عن أبي حنيفة: أنه ينزح عشرون دلوًا، وهذه الرواية لا تصح؛ لأن الماء إنما يصير مستعملًا بزوال الحدث أو بقصد القربة ولم يوجد شيء من ذلك. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، أحكام الآبار، زكريا ۱/ ۲۲۲، كراچی ۱/ ۷۴، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز ۱/ ۳۱۳، رقم: ۵۴۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۹۶/ ۴۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۱۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۵۶/۲۸)

کنواں کا سارا پانی نکالنے کا مسئلہ خاص ہے یا عام؟

سوال [۱۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ناپاک کنواں سے سارا پانی نکالنے کے بارے میں یہ جو مسئلہ ہے کہ اگر پورا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دوسو ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا، تو کیا یہ حکم اب بھی خاص ہے یا ہر کنواں کے بارے میں عام ہو گیا ہے؟ بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اب عام ہے، امام محمدؒ کے قول پر دوسو ڈول نکالنے کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ اور بعض حضرات دیتے بھی ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم جلد ۱/ ۲۰۵)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کنواں کا پانی اگر ناپاک ہو گیا اور اس کا سارا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دوسو ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا؛ لیکن یہ حکم عام کنواں کے بارے میں نہیں ہے؛ بلکہ اس کنواں کے بارے میں ہے جس میں چشمہ ابلتا ہو اور پانی بہت

زیادہ ہواور نکالنا بھی ممکن نہ ہو، ورنہ اگر کنواں میں پانی کم ہواور کنواں چشمہ دار نہ ہو تو ایسی حالت میں کنواں کا سارا پانی نکالنا لازم ہوتا ہے۔

وإن تعذر نزع كلها لكونها معينا، فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزع وقيل: يفتي بمائة إلى ثلاث مائة، وهذا أيسر، وتحتة في الشامية: جزم به في الكنز والملتقى: وهو مروى عن محمد وعليه الفتوى، خلاصة وتاتارخانية عن النصاب وقال الشامي: قلت: لكن مروياتي أن مسائل الآبار مبنية على اتباع الآثار على أنهم قالوا: وإن محمداً أفتى بما شاهد في آبار بغداد، فإنها كثيرة الماء، وكذا ما روى عن الإمام من نزع مائة في مثل آبار الكوفة لقلّة مائها، فيرجع إلى القول الأول؛ لأنه تقدير ممن له بصارة وخبرة بالماء في تلك النواحي لا لكون ذلك لازماً في آبار كل جهة.

(الدر المختار على هامش الرد المحتار، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، زكريا ۱/ ۳۷۱، ۳۷۲، كراچی ۱/ ۲۱۵، حلبی كبرى، فصل في البئر، أشرفیه، ص: ۱۶۳-۱۶۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۵۲)

ناپاک کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۱۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پندرہ ہاتھ گہرا اور تین ہاتھ گول چوڑا کنواں ہے، برسات میں اس میں پیشاب، پاخانہ کا پانی بہہ کر سیلابی پانی کے ساتھ چلا گیا، جس سے کنواں بالکل گندہ اور ناپاک ہو گیا، پانی بدبو بھی کرنے لگا، مگر قریب میں پوکھر ہے، پانی جتنا نکالا جاتا ہے، پانی کم نہیں ہوتا ہے، ایسی

حالت میں کتنا ڈول پانی پھینکنے پر کنواں پاک ہو جائے گا، اب پانی مہکتا نہیں ہے؟

المستفتی: محمد فیاض الدین گوڑا گڑھ پوسٹ بہار شریف، نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو عادل تجربہ کار افراد مذکورہ کنویں کے پانی کا اندازہ لگا کر کہیں کہ اس میں اتنا پانی ہو سکتا ہے، تو اتنا نکال دینے سے پاک ہو جائے گا۔ اور اگر دو عادل تخمینہ لگانے والے نہ ہوں، تو تین سو ڈول نکالنے سے پاک ہو جائے گا۔

إذا وقعت نجاسة في بئر دون القدر الكثير - إلى قوله - ينزح كل مائها بعد إخراجها، وإن تعذر فبقدر ما فيها، يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء، به يفتي، وفي الشامية: وعليه الفتوى. (تنوير الأبصار، كتاب الطهارة، باب المياه، كوئٹہ ۱ / ۱۵۵، شامی زکریا ۱ / ۳۶۶، تا ۳۶۸، کراچی ۱ / ۲۱۱، ۲۱۲)

قوله: وقيل: يفتي بمائة إلى ثلاث مائة، وهذا أيسر، وذلك أحوط، وفي الشامية: هو مروى عن محمد وعليه الفتوى. (الدر المختار ۱ / ۱۵۸، درمختار مع الشامية، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، زکریا ۱ / ۳۷۱، كوئٹہ ۱ / ۱۵۸، کراچی ۱ / ۲۱۵، حلبی کبیر، فصل في البئر، أشرفیہ دیوبند ص: ۱۶۳، ۱۶۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴ / ۶۹۷)

جس کنویں میں بکرے نے پیشاب کر دیا، اس کی پاکی کا طریقہ

سوال [۱۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ کنواں کے اندر بورنگ کر کے اس میں ٹل اور موٹر لگا کر پانی استعمال کے لئے لیا جاتا ہے؛ لیکن کنواں میں جو پانی موجود ہے اس میں ایک بکرے نے پیشاب کر دیا ہے، تو بورنگ میں آنے والا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عابد حسین پیرغیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ایسی صورت میں کنواں ناپاک ہو چکا ہے؛ لہذا ٹل میں کنویں کا جو پانی آرہا ہے وہ بھی ناپاک ہے اور پیشاب کے وقت جتنا پانی کنواں میں تھا اتنا پانی نکالنا لازم ہے؛ البتہ اگر یہ ممکن نہ ہو تو آسان طریقہ یہ ہے کہ درمیانی باٹلی سے تین سو باٹلی نکال دیا جائے، تو پاک ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم/۲۰۷)

إذا وقعت نجاسة ليست بحيوان ولو مخففة أو قطرة بول أو دم في بئر دون القدر الكثير ينزح كل مائها الذي كان فيها وقت الوقوع وإن تعذر نزح كلها، فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزح، وقيل: يفتي بمائة إلى ثلاث مائة، وهذا أيسر، وفي الشامي: وهو مروى عن محمد وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، زكريا ۱/ ۳۶۶، تا ۳۷۱، كراچی ۱/ ۲۱۱، تا ۲۱۵، حلی کبیر، أشرفیہ، فصل في البئر، ص: ۱۶۲، محیط البرہانی، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه، المجلس العلمي ۱/ ۲۵۴، رقم: ۳۷۷، الفتاوی التاتارخانیة، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ۱/ ۳۱۵، رقم: ۵۵۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ شعبان ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۰۱)

آب خورہ سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال [۱۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ آب خورہ سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے تو کون سا مکروہ ہے؟ تنزیہی یا تحریمی؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ بسا اوقات آدمی پانی رکھے ہوتا ہے اور اس کو پیتا ہے، پھر اس کو پیشاب کی ضرورت ہوتی ہے اور لوٹا پانی سے بھرا ہوا ہے تو اس پانی کو پھینک کر دوسرا پانی استنجاء کے لئے لے یا اسی سے استنجاء کر لے؛ اس لئے کہ اگر ایک طرف مکروہ ہے، تو دوسری طرف اسراف بھی ہوگا۔ کتب حدیث کے حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عرفان احمد قاسمی گوٹڈوی، مدرسہ تنویر العلوم داراپور، پرتاب گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی کوئی حدیث صحیح فقیر کی نظر سے نہیں گذری، جس میں اس بات کا ثبوت ہو کہ آب خورہ سے استنجاء کی ممانعت ہے؛ بلکہ حدیث شریف سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، جس میں سور بنی آدم کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جس پانی میں انسان نے منہ لگا کر کے پیا ہو وہ پانی پاک ہے، اس میں سے پینا اور اس میں سے وضو کرنا اور اس کے ذریعہ سے استنجاء کرنا سب جائز ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: كنت أشرب وأنا حائض، ثم أناوله النبي صلى الله عليه وسلم، فيضع فاه على موضع في، فيشرب واتعرق العرق وأنا حائض، ثم أناوله النبي صلى الله عليه وسلم، فيضع فاه على موضع في. (مسلم شريف، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۳، دارالسلام، رقم: ۳۰۰، أبو داؤد، كتاب الطهارة، باب مواكلة الحائض ومجامعتها، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دارالسلام، رقم:

۲۵۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۳۳۳/۲۷)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/۱۱/۱۴۱۱ھ

آبِ زمزم سے وضو و غسل کی شرعی حیثیت

سوال [۱۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آبِ زمزم سے وضو اور غسل کرنا کیسا ہے؟ نیز یہ بھی بتلائیں کہ اس پانی سے آبِ دست کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: آبِ زمزم سے وضو اور غسل تبرکاً کرنا جائز اور درست ہے، یہ خلاف ادب بھی نہیں، تاہم آبِ زمزم سے استنجاء کرنا خلاف ادب اور مکروہ ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۳۹۹، کتاب المسائل/۳/۲۵۶)

يجوز الوضوء والغسل بماء زمزم عندنا من غير كراهة، بل ثوابه أكثر..... إن كان على طهارة للتبرك، فلا ينبغي أن يغتسل به جنب ولا محدث، ولا في مكان نجس، ولا يستنجى به، ولا يزال به نجاسة حقيقة، وعن بعض العلماء تحريم ذلك. (حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، مكتبة دارالكتاب ديوبند/ ۲۲)

لا يكره الوضوء والاغتسال بماء زمزم. (البنية، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، مكتبة أشرفيه ديوبند ۱/ ۳۶۶)

شرب من ماء زمزم (تحتہ فی الشامی): ماسحاً به وجہه ورأسه وجسده صاباً منه على جسده إن أمكن. (شامی، مطلب فی كراهية الاستنجاء بماء زمزم زکریا ۳/ ۵۴۶، کراچی ۲/ ۵۲۴)

يكره الاستنجاء بماء زمزم (تحتہ فی الشامی) وكذا إزالة النجاسة الحقيقية من ثوبه أو بدنه حتى ذكر بعض العلماء تحريم ذلك. (الدرالمختار مع الشامی، مطلب فی كراهية الاستنجاء بماء زمزم، زکریا ۴/ ۵۲، کراچی ۲/ ۶۲۵، غنية

الناسک/۱۸۳، الموسوعة الفقهية ۱۹۷/۵، حاشية الطحطاوي على مرقى الفلاح، كتاب الحج، فصل العمرة سنة، ص: ۷۳۱، دارالكتاب ديوبند) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ صفر ۱۴۳۵ھ

کنویں کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو نمازوں کا اعادہ کب سے کریں؟

سوال [۱۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کا ایک کنواں نالے کی غلاظت اس میں جانے کی وجہ سے ناپاک ہوا، ناپاک پانی اس میں کب سے گر رہا تھا صحیح علم نہیں، تاہم ناپاکی آنے کے راستہ کا نشان بتا رہا ہے کہ کم از کم تین چار ماہ سے مستقل وہ ناپاکی کنویں میں آرہی تھی، اب کنواں پاک کر دیا گیا اور ناپاکی کے راستہ بھی بند کر دئے گئے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس کنویں سے وضو کر کے جتنی نمازیں پڑھی گئیں ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ جب کہ کنویں کے ناپاک ہونے کی ابتداء کسی کو معلوم نہیں یا جس دن ناپاکی کا علم ہوا اس دن سے جو نماز پڑھی گئی، ان نمازوں کا اعادہ کرے جیسا کہ جانور کے مرنے اور پھولنے پھٹنے کے مسئلہ میں صاحبین کا قول ہے یا تین دن قبل سے نماز کا اعادہ کرے جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے جو شکل بھی ہو واضح کریں۔

المستفتی: مسلم انور قاسمی مدرس مدرسہ امداد العلوم آجرہ کولہا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کنویں کے ناپاک ہونے کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے، تو صاحبین کے قول پر عمل کر کے جس وقت یقین ہوا ہے اس وقت سے کنویں کو ناپاک سمجھا جائے گا، اس کے بعد جن لوگوں نے وضو کیا ہے، ان کو اس وقت سے نمازیں لوٹانی ہوں گی، اس سے پہلے کی تمام نمازیں صحیح مانی جائیں گی۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/۱۶۸)

عن ابن جریج قال: قلت لعطاء: فأرة وقعت في جر فماتت فيه،

فقال: لا يتوضأ منه، فإن توضأت ولم تعلم، ثم صليت ولم تعلم، فعد ما كنت في وقت، قال: فإن فاتك الوقت، فعد أيضا، قلت: فتوبى مسه من ماء تلك الجرة شيء أغسله أو أرشه؟ قال: لا. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۱/ ۸۷، رقم: ۲۹۰)

قالا: من وقت العلم فلا يلزمهم شيء قبله، قيل: وبه يفتي، وتحتته في الشامية: فلا يلزمهم أي أصحاب البشر شيء من إعادة الصلوة أو غسل ما أصابه مائها كما صرح به الزيلعي وقوله: بأن قولهما قياس، وقوله: استحسان، وهو الأحوط في العبادات. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب تعريف الاستحسان، زكريا ۱/ ۳۷۸، كراچی ۱/ ۲۱۹، تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ۱/ ۳۲۵، رقم: ۵۸۵، حلبي كبير، فصل في البئر، أشرفيه، ص: ۱۶۰، المبسوط للسرخسي، باب الوضوء والغسل، مكتبة دارالكتب العلمية، بيروت، ۱/ ۵۹، تبين الحقائق، كتاب الطهارة، مكتبة إمداديه، ۱/ ۳۰، زكريا ۱/ ۱۰۲، البناية، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مكتبة أشرفيه ديوبند ۱/ ۴۶۱)

مگر امام صاحب رحمہ اللہ کے قول پر عمل کر کے تین دن کی نمازیں لوٹالیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۹۱)

پھولا ہوا کتنا کنویں میں پایا گیا تو کتنی نمازیں لوٹائیں؟

سوال [۱۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کنویں کے پانی سے چند یوم سے بدبو آ رہی تھی، جمعہ کو قبل نماز جمعہ کتا مردہ پھولا ہوا

پایا گیا، جن لوگوں نے اس پانی سے وضو کر کے سنتیں پڑھ لی تھیں، مائے جدید سے وضو کر کے اعادہ کر لیا، امام صاحب نے نماز فجر میں غسل اسی پانی سے کیا تھا، بغیر غسل کے اعادہ کئے ہوئے مائے جدید سے وضو کر کے نماز جمعہ پڑھائی اور چند یوم تک نمازیں پڑھاتے رہے، کنواں کب سے ناپاک خیال کیا جائے گا اور نمازوں کا اعادہ کب سے ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: سید نور العابدین لونگراہر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مرے ہوئے کتے کے گرنے کا وقت معلوم نہیں ہے اور جس وقت نکالا گیا اس وقت پھول یا پھٹ گیا تھا، تو نکالنے کے وقت سے تین دن تین رات پہلے سے گرا ہوا تسلیم کیا جائے گا اور اسی مدت کی نمازیں لوٹائی جائیں گی اور دھلے ہوئے کپڑے بھی پاک کر لئے جائیں۔ اور امام صاحب نے اس مدت میں اس کنوئیں سے وضو یا غسل کر کے جو نمازیں پڑھائی تھیں، ان نمازوں کے لوٹانے کا اعلان کر دیا جائے، نیز اگر تین دن کی مدت سے پہلے بھی بدو آ رہی تھی، جب بھی تین ہی دن کے لوٹانے کے مکلف ہیں؛ اس لئے اس سے پہلے کی نمازیں صحیح سمجھی جائیں گی اور وضو و غسل سے پاک سمجھے جائیں گے اور ہم اسی کے مکلف ہیں۔

وإن كانت قد انتفخت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها

عند أبي حنيفة. (هداية، كتاب الطهارة، فصل في البئر، مكتبة أشرفي ديوبند ۱/ ۴۳)

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم ومنذ ثلاثة

أيام بلياليها إن انتفخ أو تفسخ استحسانا. (شامي، كتاب الطهارة، باب الميآه،

مطلب مهم في تعريف الاستحسان، زكريا ۱/ ۳۷۷، كراچی ۱/ ۲۱۸، حلبی كبر، فصل

في البئر، أشرفيه، ص: ۱۶۰، هندية، الباب الثالث في الميآه، الفصل الأول فيما يجوز به

التوضؤ زكريا قديم ۱/ ۲۰، جديد ۱/ ۷۳، المبسوط للسرخسي، باب الوضوء والغسل،

مكتبة دارالكتب العلمية، بيروت، ۱/ ۵۹، تبیین الحقائق، كتاب الطهارة، مكتبة إمداديه

ملتان ۱/ ۳۱، زکریا ۱/ ۱۰۳، البناية، کتاب الطهارة، فصل فی البعر، مکتبہ اشرفیہ دیوبند

۱/ ۴۶۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳۲۰/۱/۳۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۰۶)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳۲۰/۱/۳۰ھ

ٹنکی کے اندر پرندہ پھول پھٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

مسجد بلال میں پانی کی ٹنکی ہے، اس کا پانی وضو اور غسل کے لئے استعمال ہوتا ہے، ٹنکی کے اندر ایک پرندہ گر کر مر گیا، فاختہ کے برابر ۳ ستمبر کو آٹھ بجے پتہ چلا، جب پانی میں بد بو آنے لگی تھی، پرندہ کا ڈھانچہ برقرار تھا اور بال و پر بدن پر نہ تھا، بد بو آ رہی تھی، ٹنکی کی لمبائی ۶ ہاتھ اور چوڑائی ۴ ہاتھ ہے اور اونچائی ۶ ہاتھ ہے، تو کیا پانی ناپاک ہے یا پاک ہے؟ اگر پانی ناپاک ہے تو کتنی نمازیں لوٹائی جائیں گی، مجھے تو علم نہیں کہ کب اس کے اندر مرا تھا۔

المستفتی: محمد اقبال، امام بلال مسجد مدینہ کالونی، دھودھر وڈ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حوض یا ٹنکی جو دہ دردہ نہ ہو، اگر اس میں کوئی پرندہ یا جانور گر کر مر جائے اور پھول پھٹ جائے تو سارا پانی نکالنا ہوگا۔ اور تین دن تین رات کی نماز وغیرہ کا لوٹنا ضروری ہوگا، اگر اس حوض یا ٹنکی سے غسل یا وضو کیا ہے۔ اور سوال میں مذکورہ ٹنکی ۶×۴=۲۴ ہاتھ ہے؛ اس لئے یہ حوض شرعی کے حکم میں نہ ہوگا اور شریعت نے گہرائی کا کوئی اعتبار نہیں کیا ہے؛ اس لئے یہ ٹنکی تین دن سے ناپاک سمجھی جائے گی اور انہیں ایام کی نمازوں کا اعادہ بھی ضروری ہوگا، مگر کھانے پینے کے معاملہ میں اس ٹنکی کے پانی کو صرف اس وقت سے ناپاک مانا جائے گا، جس وقت سے وہ پرندہ مرا ہوا ملا ہے؛ لہذا اس کا پانی جواب

تک پیا گیا ہے اور اس کے پانی سے کھانا وغیرہ بنایا گیا ہے وہ پاک شمار ہوگا۔

قال في التنوير: إذا وقعت نجاسة في بئر دون القدر الكثير، أو مات فيها حيوان دموي، وانتفخ أو تفسخ ينزح كل مائها بعد إخراجِه. (التنوير مع الشامی، باب المیاء، فصل في البئر، زکریا ۱/۳۶۸، کراچی ۱/۲۱۱-۲۱۲)

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم، وإلا منذ ثلاثة أيام بلياليها، إن انتفخ أو تفسخ استحسانا. (الدر المختار مع الشامی، فصل في البئر، زکریا ۱/۳۷۷، کراچی ۱/۲۱۸)

وفي الشامی: قوله: قيل: به يفتي، وصرح في البدائع بأن قولهما قياس، وقوله: استحسان، وهو الأحوط في العبادات. (شامی، کتاب الطهارة، باب المیاء، مطلب مهم في تعريف الاستحسان، زکریا ۱/۳۷۷، کراچی ۱/۲۱۹)

وإن كانت قد انتفخت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها عند أبي حنيفة. (هداية، کتاب الطهارة، فصل في البئر، مكتبه أشرفي ديوبند ۱/۴۳)

وفي حاشية شرح الوقاية عن المجتبی: كان ركن الأئمة الصباغي يفتي بقول أبي حنيفة فيما يتعلق بالصلوة، وبقولهما في ماسواه، يعنى في غسل الثوب والبدن، والأواني وغير ذلك مما وصل إليه ذلك الماء. (حاشية شرح الوقاية، کتاب الطهارة، فصل في البئر ۱/۸۵، شامی کراچی ۱/۲۱۸، زکریا ۱/۳۷۷) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۲۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۰/۶۱۸)

ٹنکی میں میڈک مرنے کے بعد پھول کر پھٹ جائے

سوال [۱۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میری مسجد کی پانی کی ٹینکی میں مینڈک گر کر مر گیا اور پھول کر پھٹ گیا، تو کیا پانی ناپاک ہو گیا؟ نمازوں کا اعادہ کریں یا نہ کریں؟

المستفتی: سعید احمد، امام مسجد کاشی ورڈی پونہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ صورت میں حکم شرعی یہ ہے کہ ٹینکی کا پانی مینڈک کے گر کر مرنے اور پھولنے پھٹنے کی وجہ سے ناپاک ہو گیا ہے؛ لہذا تمام پانی نکال کر ٹینکی کو خالی کر لیا جائے اور اگر مینڈک کے گرنے کے وقت کا علم ہے، تو اس وقت کے بعد سے جن حضرات نے اس کے پانی سے وضو کر کے نمازیں پڑھیں ہیں ان نمازوں کا اعادہ لازم ہے۔ اور اگر گرنے کا وقت صحیح معلوم نہ ہو تو احتیاطاً تین دن اور تین راتوں کی نمازیں لوٹائی جائیں گی۔

والضفدع البري إذا مات في الماء، إن كان كبيراً له دم سائل ينحس

الماء. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه، نوع في الجباب والأواني، المجلس العلمي ۱/ ۲۷۲، رقم: ۴۳۹، شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب في مسألة الوضوء من الغساقى، زكريا ۱/ ۳۳۱، كراچی ۱/ ۱۸۵)

فإن انتفخ الحيوان فيها أو تفسخ نزع جميع ما فيها صغر الحيوان أو

كبير. (هدايه، كتاب الطهارة، فصل في البئر، أشرفی دیوبند ۱/ ۴۳، حلبی كبير، فصل فی البئر، أشرفیہ، ص: ۱۶۰)

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم -إلى قوله- منذ

ثلاثة أيام بلياليها، إن انتفخ أو تفسخ استحساناً. (تنوير الأبصار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب في المياه، قبيل مطلب مهم في تعريف الاستحسان، زكريا ۱/ ۳۷۵-۳۷۷، كراچی ۱/ ۲۱۸)

وإن وجدوا في البئر فارة أو غيرها ولا يدري متى وقعت..... إن

كانت قد انتفخت أو تفسخت أعادوا صلوة ثلاثة أيام ولياليها. (هداية، كتاب الطهارة، فصل في البئر، أشرفی دیوبند ۱/۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۲/۳۹)

کنویں میں چیل گر جائے تو کتنا پانی نکالیں؟

سوال [۱۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کنویں میں چیل گر جائے تو کتنا پانی نکالا جائے؟ بہت سے لوگ کہتے ہیں سارا پانی نکالا جائے اور کچھ کہتے ہیں ساٹھ ڈول نکالا جائے؛ اس لئے کنواں ابھی ویسے ہی پڑا ہوا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چیل میں اگر ظاہری نجاست لگی ہوئی تھی، تو اس کی وجہ سے کنویں کا سارا پانی نکالنا ہوگا۔ اور اگر ظاہری نجاست نہیں لگی ہوئی تھی، تو کنواں پاک ہے، ایک قطرہ بھی نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سئل یوسف بن محمد لو وقع بعض الجلد من الخف مما یكون في موضع القدم في الجب، وکان صاحب الخف یلبسه، قال: لا یحکم بنجاسة الماء حتی یتیقن أن به نجاسة. (تاتارخانیة، قدیم ۱/۹۹، جدید ۱/۳۳۰، رقم: ۶۰۹)

قال العلامة ابن عابدين قوله: ولو شك الخ، من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه: أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر ما لم یتیقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعة في الطرقات. (شامی، كتاب الطهارة، مطلب في

ندب مراعاة الخلاف، زکریا ۱/ ۲۸۳، کراچی ۱/ ۱۵۱، حلبی کبیر، فصل فی الحیاض،
أشرفیہ، ص: ۱۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۰۴)

دہ دردہ کنویں میں پیشاب کرنے کا حکم

سوال [۱۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کنویں میں پیشاب گر جانے کے بعد پانی کو کھینچ کر دہ دردہ حوض میں ایسی نالی کے ذریعہ جو جاری پانی کے حکم میں ہو داخل کیا جائے، جب کہ حوض اس سے قبل خشک تھا یا حوض میں پانی پہلے سے موجود ہے، دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ نیز اوصاف ثلاثہ میں کوئی تغیر بھی نہیں، بالتفصیل تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد شا کر بارہ بٹکوی، معلم مدرسہ جامع العلوم
جامع مسجد پٹکان پور، کانپور
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر دہ دردہ حوض میں پہلے سے پانی نہیں تھا؛ بلکہ خشک تھا، تو اس میں اگر چھوٹے کنویں کا ناپاک پانی کھینچ کر نالی کے ذریعہ یا براہ راست ڈال دیا جائے تو دہ دردہ حوض ناپاک ہی رہے گا؛ اس لئے کہ اس میں پاک پانی آیا ہی نہیں اور اگر دہ دردہ حوض میں پہلے سے پاک پانی موجود تھا، اب ناپاک پانی مذکورہ طریقے سے پہنچایا گیا ہے اور اس پانی کی وجہ سے دہ دردہ حوض کے پانی میں کسی قسم کا تغیر نہیں آیا ہے، تو اس سے دہ دردہ حوض ناپاک نہ ہوگا؛ بلکہ پاک رہے گا اور اگر اس کے اوصاف ثلاثہ میں تغیر آجائے تو ناپاک ہو جائے گا۔

والفتویٰ علی عدم التنجیس مطلقا إلا بالتغیر بلا فرق بین المرئیة

وغیرہا لعموم البلوی، حتی قالوا: يجوز الوضوء من موضع الاستنجاء قبل التحرك - إلى قوله - لأن الدليل إنما يقتضى عند الكثرة عدم التنجيس إلا بالتغير من غير فصل . (شامی، کتاب الطہارۃ، باب المیاء، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض، مصري ۱/۱۷۶، زکریا ۱/۳۳۹، کراچی ۱/۱۹۱)

وفي الفتاوى: غدیر كبير لا يكون فيه الماء في الصيف وتروث فيه الدواب والناس، ثم يمتلى في الشتاء، ويرفع منه الجمد إن كان الماء الذي يدخله يدخل على مكان نجس، فالماء والجمد نجس، وإن كثر بعد ذلك، وإن كان دخل في مكان طاهر واستقر فيه حتى صار عشرا في عشر، ثم انتهى إلى النجاسة، فالماء والجمد طهران . (فتح القدير، کتاب الطہارۃ، باب الماء الذي يجوز به الوضوء ومالا يجوز، مکتبہ زکریا ۱/۸۵، دارالفکر ۱/۸۰، کوئٹہ ۱/۷۱، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر، کتاب الطہارۃ، باب المیاء، کوئٹہ ۱/۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۸۹)

جس بورنگ کو ۶۰ رفت پر چھوڑ دیا جائے، اس کے پانی کا حکم

سوال [۱۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض علاقوں میں لوگ بورنگ کرتے ہیں اور تقریباً ۶۰ رفت پر چھوڑ دیتے ہیں اور پھر اس بورنگ میں اپنے گھر کا گند پانی نیچے اتارتے ہیں اور واضح رہے کہ جوئل پانی نکالنے کے لئے لگوائے جاتے ہیں، وہ ۸۰ رفت پر لگوائے جاتے ہیں اور ۸۰ رفت پر صاف پانی نکلتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح گند پانی مذکورہ صورت میں ۶۰ رفت پر اتارنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ اور یہ بات بھی یاد رہے کہ اس طرح گند پانی زمین میں اس لئے اتارتے ہیں کہ ان

کے اس گندے پانی کے نکلنے کی کوئی اور صورت نہیں ہے، تو کیا اس مجبوری کے تحت ایسا کر سکتے ہیں، یا کسی مجبوری کے بغیر بھی کر سکتے ہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد ارشاد محمّد بارہ دری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر گندے پانی سے بیس فٹ نیچے کو بورنگ کروا کے پاک صاف پانی حاصل کیا جائے اور اس پانی میں کسی طرح بد بو بھی نہیں آرہی ہے اور ذائقہ میں بھی کوئی فرق نہیں آرہا ہے، تو ایسی صورت میں بورنگ کا صاف پانی شرعی طور پر پاک اور حلال ہے۔

الثالث: أن المختار المعتمد في البعد بين البالوعة والبئر نفوذ الرائحة إن تغير لونه وريحه، أو طعمه، تنجس، وإلا فلا. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، رشديه كوئثه ۱/۷۶، زكريا ۱/۱۴۰، شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض، زكريا ۱/۳۴۱، كراچی ۱/۱۹۲، فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في البئر فرع، مطبع زكريا ۱/۱۱۱، كوئثه ۱/۹۲، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه التي يجوز الوضوء بها، زكريا ۱/۳۳۱، رقم: ۶۱۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۸/۴/۲۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۸/۴/۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۵۳/۳۳)

بیت الخلاء کے گڑھے سے کنواں کی دوری کتنی ہو؟

سوال [۱۴۹۶] (الف): کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے بیت الخلاء بنوایا جو ۲۲ فٹ گہرا ہے، بیت الخلاء کی شکل یہ ہے کہ چاروں طرف کی دیواریں پختہ ہیں؛ لیکن اندر کا نچلا فرش کچا ہے، اب اگر مزید پانی پینے کا

کنواں کھودنا چاہے تو کتنی دوری پر کنواں کھودنا چاہئے، جس سے پانی میں کسی قسم کا شہ نہ ہو۔ امید کہ جواب مکمل و مدلل حوالہ کے ساتھ تحریر فرما کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد شعیب القاسمی، مدرسہ دارالرشاد دہلی، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس سلسلہ میں کسی نے پانچ ذراع اور کسی نے سات ذراع کی مقدار متعین کی ہے؛ لیکن زیادہ صحیح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس میں زمین کی صلابت اور رخاوت کا اعتبار ہے کہ بیت الخلاء سے کنواں اتنی دوری پر ہونا چاہئے کہ کسی بھی زمانہ میں براز کے اثرات کنویں تک نہ پہنچ سکتے ہوں، اس کا تخمینہ وہاں کے تجربہ کار لوگ ہی لگا سکتے ہیں۔

اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة، وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون، أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا، ولو كان عشرة أذرع (قوله) الحاصل: أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه. (فتاویٰ شامی، قبیل مسئلۃ السور، شامی زکریا ۱/ ۳۸۱، کراچی ۱/ ۲۲۱، فتاویٰ قاضی خان، کتاب الطہارۃ، فصل فی الماء الراكد، زکریا جدید ۱/ ۷، وعلی ہامش الہندیۃ ۱/ ۸، البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، رشیدیہ کوئٹہ ۱/ ۱۲۲، زکریا ۱/ ۲۱۴، تاتار خانیہ، کتاب الطہارۃ، الفصل الثالث فی المیاء التي يجوز الوضوء بها، زکریا ۱/ ۳۳۰، رقم: ۶۱۲، ہندیۃ، زکریا قدیم ۱/ ۲۰، جدید ۱/ ۷۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ رزی الحجۃ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۴۷/۲۵)

کیا گنداپانی فلٹر کرنے سے پاک ہو جائے گا؟

سوال [۱۴۹۶] (ب): کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ آج کا زمانہ جدید ترین مشینری اور کھربائی اور برقی دور ہے، دنیا کی بہت سی اشیاء کھربائی اور برقی مشینوں کے ذریعہ سے تیار کی جاتی ہیں اور ان میں سے ایک اہم مسئلہ اس وقت ہمارے سامنے درپیش ہے کہ دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں بڑے بڑے شہروں میں یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے کہ شہر کی آبادی کے لوگوں کے بول و براز کے ساتھ گندے اور ناپاک پانی کو سیوریج لائن کے ذریعہ سے ایک بڑی جگہ پر جمع کیا جاتا ہے، جو جگہ بہت بڑے تالاب سے کم نہیں، پھر وہاں سے بڑی بڑی مشینوں کے ذریعہ سے ان گندے پانیوں کو صاف کیا جاتا ہے، ان میں جو گندگیاں ہوتی ہیں ان کو کھاد وغیرہ کے کام میں لے آتے ہیں اور پانی کو چھان کر صفائی کر کے ایسا فلٹر کر لیا جاتا ہے کہ زمین کے ۵۰۰ فٹ کے نیچے سے بورنگ کے ذریعہ جو عمدہ صاف و شفاف پانی نکالا جاتا ہے اس سے بھی بہتر، مزہ دار اور صاف شفاف ہوتا ہے، ان پانیوں کو صاف کر کے ان کو دوبارہ شہر کی ٹنکیوں میں منتقل کیا جاتا ہے اور شہر کے لوگ ان کو ہر قسم کی طہارت کے لئے استعمال کرتے ہیں اور پینے کے کام میں بھی لاتے ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کی نجاست کے آثار باقی نہیں رہتے، ان میں بدبو کا نام و نشان باقی نہیں رہتا، انتہائی صاف و شفاف ہوتے ہیں اور ان کا مزہ بھی بہترین ہوتا ہے، تو اب مفتیان کرام سے گزارش ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے اس طرح گندگیوں سے مشینوں اور فلٹروں کے ذریعہ سے صاف ہو کر شہر کی ٹنکیوں میں دوبارہ واپس آنے والا پانی پاک ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شہر کے گندے پانی جو جدید مشینوں اور فلٹروں کے ذریعہ سے صفائی کر کے شہر میں دوبارہ استعمال کئے جاتے ہیں، اس پانی کے بارے میں برصغیر کے علماء نے کیا غور و خوض فرمایا ہے اور اس کے بارے میں کیا حکم لگایا ہے؟ احقر کے علم میں نہیں ہے، مگر سعودی عرب میں حکومت کے تعاون سے ہیئۃ کبار العلماء (جو پورے ملک کے سب سے بڑے بڑے تجربہ کار حدیث و فقہ کے ماہر علماء کی کمیٹی اور بورڈ ہے) ان سب کی متفقہ رائے سے جو مسائل لکھے جاتے ہیں ان کو مرتب کر کے جمع کر دیا جاتا ہے، اس کا نام رکھا گیا

ہے ”اللجنة الدائمة“ ان کبار علماء کے فتاویٰ کے اس مجموعہ میں سوال نامہ میں ذکر کردہ مسئلہ کو مختصر اور طویل متعدد فتاویٰ میں واضح کیا گیا ہے، ان میں سے دو فتاویٰ سوال و جواب کے ساتھ یہاں پر ہم نقل کر دیتے ہیں، جن میں اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ جب ان گندے پانیوں کو مشینوں اور فلٹروں کے ذریعہ صاف کر لیا جاتا ہے اور ان میں نجاست کی کسی طرح کی بو، مزہ اور رنگ باقی نہیں رہتا ہے اور عمدہ صاف و شفاف ہو کر شہر کی ٹنکیوں میں پہنچ جاتا ہے تو وہ پانی شرعی طور پر پاک ہو جاتا ہے اور اس کا پینا، اس سے ہر طرح کی طہارت حاصل کرنا جائز ہو جاتا ہے؛ البتہ طبی نقطہ نظر سے اگر اس پانی میں صحت کے اعتبار سے کوئی مضرا و نقصان دہ اثر موجود ہوتا ہو تو پینے کے بارے میں احتیاط کے طور پر اس پانی سے احتراز کرنا بہتر ہے، مگر طہارت کے بارے میں کوئی تردد باقی نہیں رہتا ہے، مگر چونکہ برصغیر کے علماء کی ابھی تک کوئی رائے سامنے نہیں آئی ہے؛ اس لئے مثبت یا منفی میں ہم نے اپنی کوئی رائے قائم نہیں کی ہے، اہل علم سے اس پر غور کرنے کی گزارش ہے۔

اب ”اللجنة الدائمة“ کے فتاویٰ کی عبارات بعینہ یہاں نقل کر دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

السؤال: ماذا يقول العلماء الكرام في الماء المستعمل في المراحيض والحمامات ومع هذا الماء العذرة والبول، ويروح هذا الماء إلى مكينة ويتغير الرائحة الكريهة من هذا الماء، ويختلط مع هذا الماء بالأدوية، ويختلط مع هذه الماء الطاهر، ويرجع هذا الماء إلى المراحيض والحمامات ثانياً وإلى المطعم، فهل يجوز استعمال هذا الماء في الوضوء والاغتسال من جهة الشرع أم لا؟

الجواب: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد لقد درس هذا الموضوع من قبل مجلس هيئة كبار العلماء في المملكة العربية السعودية وصدر فيه قرار هذا:

اطلع المجلس على البحث المعد في ذلك من قبل اللجنة الدائمة

للبحوث العلمية والإفتاء كما اطلع المجلس على خطاب، وبعد البحث والمدولة والمناقشة قرر المجلس ما يلي :

بناء على ما ذكره أهل العلم من أن الماء الكثير المتغير بنجاسة يطهر إذا زال تغيره بنفسه، أو بإضافة ماء طهور إليه، أو زال تغيره بطول مكث، أو تأثير الشمس، أو مرور الرياح عليه أو نحو ذلك لزوال الحكم بزوال علته، وحيث إن الماء المتنجس يمكن التخلص بنجاستها بعدة وسائل، وحيث أن تنقيتها وتخليصها مما طرأ عليها من النجاسات بواسطة الطرق الفنية الحديثة لأعمال التنقية يعتبر من أحسن وسائل الترشيح والتطهير حيث يبذل الكثير من الأسباب المادية لتخليص هذه المياه من النجاسات كما يشهد ذلك ويقرره الخبراء المختصون لذلك، فإن المجلس يرى طهارتها ممن لا يتطرق الشك إليهم في عملهم وخبرتهم وتجاربهم لذلك، فإن المجلس يرى طهارتها بعد تنقيتها التنقية الكاملة بحيث تعود إلى خلقتها الأولى لا يرى فيها تغير بنجاسة في طعم ولا لون ولا ريح، ويجوز استعمالها في إزالة الأحداث والأخبث، وتحصل الطهارة بها منها كما يجوز شربها إلا إذا كانت هناك أضرار صحية تنشأ عن استعمالها، فيمتنع ذلك محافظة على النفس اتقاء للضرر لا لنجاستها.

والمجلس إذا يقرر ذلك يستحسن الاستغناء عنها في استعمالها للشرب متى وجد إلى ذلك سبيل احتياطاً واتقاء للضرر، وتنزها عما تستقذره النفوس وتنفر منه الطباع. وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم. (فتاوى اللجنة الدائمة ٥/ ٩٥، ٩٦، ٩٧، رقم الفتوى: ٢٤٦٨)

السؤال: في هذه الأيام تجمع المياه النازلة في المجارى مع النجاسات في بعض البلدان، وتكرر لتعود للبيوت مرة ثانية هل طهر عين النجاسة في هذه المياه؟

الجواب: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد: الأصل في الماء الطهارة، وما ذكرت من مياه المجارى إنما صارت متنجسة بما خالطها من البول والغائط ونحوهما، فإذا كررت وخلصت من النجاسة وزال منها ربح النجاسة وطعمها ولونها صارت طاهرة، وإلا فهي متنجسة بما بقي فيها من آثار النجاسة ومظاهرها. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم. (فتاوى اللجنة الدائمة ۹۸-۹۹، رقم الفتوى: ۳۱۵۹)

(نوٹ) ہم نے اس پر کوئی حتمی رائے ابھی قائم نہیں کی ہے اور اہل علم سے غور و خوض کرنے کی گزارش کی ہے اور اہل علم سے یہ بھی گزارش ہے کہ غور و خوض کے وقت فقہاء کے اس طرح کے جزئیات بھی پیش نظر رکھیں:

وينبغي أن يكون بين البالوعة وبين بئر الماء مقدار ما لا تصل النجاسة إلى بئر الماء، وقدر في الكتاب بخمسة أذرع أو سبعة، وذلك غير لازم، وإنما المعتبر عدم وصول النجاسة إليه، وذلك يختلف بصلافة الأرض ورخاوتها. (فتاوى عالمگیری، زكريا قديم ۱/ ۲۰، جديد زكريا ۱/ ۷۳)

وبئر الماء إذا كانت بقرب من البالوعة لا يفسد الماء ما لم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه، وقدر أبو حفص المسافة بينهما: بسبعة أذرع، وأبو سليمان: بخمسة، وهذا ليس بتقدير لازم لتفاوت الأراضي في الصلابة والرخاوة. (بدائع الصنائع ۱/ ۲۳۰)

البعء بين البئر والبالوعة بقدر ما لا يظهر للنجس أثر، وتحتة في الشامية: اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة، وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا، ولو كان عشرة أذرع. (شامي، زكريا ۱/ ۳۸۱، كراچی ۱/ ۲۲۱)

وفي الأصل: أذنى ما ينبغي أن يكون بين الماء والبالوعة مقدار خمسة أذرع، وهذا في رواية أبي سليمان رحمه الله تعالى، وفي رواية أبي حفص رحمه الله تعالى: سبعة أذرع، قال شمس الأئمة الحلواني رحمه الله: ليس هذا بتقدير لازم، بل الشرط أن يكون بينهما برزخ يمنع خلوص طعم البالوعة أوريحها إلى ماء البئر، ولا يقدر هذا بالذرعان، حتى إذا كان بينهما عشرة أذرع، وكان يوجد في البئر أثر البالوعة، فماء البئر نجس، وإن كان بينهما ذراع واحد، وكان لا يوجد أثر البالوعة في البئر، فماء البئر طاهر. (المحيط البرهاني ۱/ ۲۶۷، رقم: ۴۱۹، هكذا في التاتارخانية ۱/ ۳۳۰، رقم: ۶۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اس مسئلہ میں بحث کی گنجائش ہے، اچھا ہوا کہ حتمی رائے سے قبل حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اہل علم کو غور کی دعوت دی اور بعض علمی بحثیں پیش فرمادیں۔ فجزاکم اللہ۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رذیقعدہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۳۳۲/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱۱/۱۸ھ

ہینڈ پائپ کے قریب بیت الخلاء بنوانا

سوال [۱۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک ہینڈ پائپ لگوا یا اور اسی کے قریب تقریباً چار ہاتھ کی دوری پر بکرنے ایک پاخانہ بنوایا، ہینڈ پائپ اور پاخانہ کے درمیان ایک گلی ہے، جس میں ہینڈ پائپ کا پانی اور پاخانہ کی غلاظت دونوں گرتی ہیں، پانی اور غلاظت بہنے کا راستہ نہ ہونے کی وجہ سے بکرنے کہا کہ اسی گلی کے اندر ایک پائپ زمین کے اندر لگوا یا جائے، جس میں ہینڈ پائپ اور پاخانہ کا پانی دونوں اسی پائپ میں گر جایا کریں گے، جس سے پریشانی ختم ہو جائے گی، اس پر زید نے کہا کہ اس طریقہ پر ہینڈ پائپ کا پانی خراب اور متاثر ہو جائے گا، جس کی وجہ سے ایسے پائپ

کا یہاں لگوانا قطعاً درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں راقم الحروف نے فقہ کی کتابوں کو دیکھا، تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ”من حفر بئرا فله حولها أربعون ذراعاً“ صاحب شرح وقایہ اسی کے تحت وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: کہ اگر کوئی شخص اس کنوئیں کے پاس دوسرا کنواں یا نجاست والا کنواں کھودے، تو صاحب پیر اول کو حقیق منع حاصل ہے کہ دوسرا کنواں یا پیر بالوعہ نہ کھودنے دے، پانی کے جذب کرنے کی وجہ سے یا نجاست سے متاثر ہونے کے سبب پر۔ (شرح وقایہ ۸۱/۱، مکتبہ تھانوی دیوبند)

حاشیہ عالمگیری ۴/۲۰۳، فتاویٰ بزازیہ کی عبارت یہ ہے:

والتعديل على نفوذ الأثر.

اور عالمگیری جلد اول ص: ۲۰ کی عبارت کا بھی یہی حاصل ہے۔

ان عبارتوں کی روشنی میں مندرجہ ذیل شبہات کو رفع کریں:

(۱) والتعديل على نفوذ الأثر: کی اقل مقدار اور اکثر مقدار کا تعین کرتے ہوئے ہینڈ پائپ اور نجاست والے پائپ کے مابین اقل مقدار اور اکثر مقدار کا تعین کریں۔

(۲) اس حدیث مذکور سے صاحب شرح وقایہ حریم پیر کی وضاحت ہر چہ اطراف دس ہاتھ سے کرتے ہیں، جیسا کہ عالمگیری کی بعض عبارت سے مصرح ہے۔ اور صاحب ہدایہ حریم پیر ہر چہ اطراف چالیس ہاتھ سے کرتے ہیں۔ کما قال صاحب الهدایہ: هو

الصحيح، فكيف التطبيق بين القولين؟

(۳) بئر ماء اور بالوعہ کی مسافت کا تعین ارنج طریقہ پر کریں۔

(۴) اس فتویٰ کے نہ ماننے والے پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: انوار احمد محلہ گلزار باغ، پوسٹ موہرن، سنت کبیر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زید اور بکر کا پانی بہنے کے لئے پائپ لگوانے کے متعلق جو جھگڑا ہے، اس میں زید کا حدیث شریف: ”من حفر بئرا فله حولها أربعون ذراعاً“

(سنن ابن ماجہ، باب حریم البئر، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۹، دارالسلام، رقم: ۲۴۸۶) پیش کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ حریم کا حاصل ہونا یہ بنجر اور غیر آباد زمینوں کے آباد کرنے پر موقوف ہے۔ اور دوسرے کو کونواں کھودنے سے اسی وقت منع کیا جاسکتا ہے جب کہ وہ پہلے شخص کی ملکیت اور اس کے حریم میں کھود رہا ہو؛ لیکن اگر وہ اپنی زمین کے اندر یہ تصرف کر رہا ہے، تو کسی کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے؛ لہذا ہینڈ پائپ اور پاخانہ کے درمیان فاصلہ اور اس کی اقل و اکثر مقدار کا حکم اسی وقت لگایا جائے گا جب کہ دونوں فریق غیر آباد اور بنجر زمین میں اپنی اپنی ضرورت کا سامان کر رہے ہوں، نیز ”من حفر بئر افلہ حولہا أربعون ذراعا“ والی حدیث ”کتاب إحياء الاموات“ سے متعلق ہے، آبادی سے متعلق نہیں ہے۔

وحریم بئر الناضح کثیر العطن أربعون ذراعا من کل جانب إذا حفرها في موات بإذن الإمام، فلو في غير موات أو فيه بلا إذن الإمام لم یکن الحکم كذلك. (درمختار مع الشامی، کتاب إحياء الموات، زکریا ۱۰/ ۸-۷، کراچی ۶/ ۴۳۴، ۴۳۵)

(۲) صاحب شرح وقایہ کے قول دس ہاتھ اور صاحب ہدایہ کے قول چالیس ہاتھ حریم بنجر ہونے میں تطبیق یہ ہے: کہ اس کمی اور زیادتی کا مدار زمین کی سختی اور نرمی پر ہے، اگر زمین سخت ہے، تو دس ہاتھ ہی کافی ہے۔ اور اگر نرم ہے تو پھر چالیس ہاتھ کا حکم ہوگا۔

وهذا الضرر ربما لا یندفع بعشرة أذرع من کل جانب، فإن الأرض تختلف بالصلابة والرخاوة. (المبسوط، کتاب الشرب ۲۳/ ۱۶۲، شامی، کتاب إحياء الموات، کراچی ۶/ ۴۳۴، زکریا ۱۰/ ۷، الموسوعة الفقهية ۱۷/ ۲۱۴)

وهذا الضرر لا یندفع بعشرة أذرع من کل جانب بیقین، فإن الأراضي تختلف بالصلابة والرخاوة. (حاشیة ہدایہ، أشرفی دیوبند ۴/ ۴۸۰)

والجواب مختلف باختلاف صلابة الأراضي ورخاوتها. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل الرابع ۱/ ۳۳۰، رقم: ۶۱۲، المحيط البرهانی، کتاب الطهارة، الفصل الرابع، المجلس العلمي ۱/ ۲۶۷، رقم: ۴۱۹)

(۳) بئر ماء اور بالوعہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ بئر ماء کے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، حتیٰ کہ اگر دونوں کے درمیان فقط ایک ہی ہاتھ کا فاصلہ ہے اور پانی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تو اس کا بھی اعتبار ہے۔

بئر الماء إذا كانت بقرب البئر النجسة، فهي طاهرة ما لم يتغير طعمه أو لونه أو ريحه، كذا في الظهيرية، ولا يقدر هذا (إلى قوله) وإن كان بينهما ذراع واحد، ولا يوجد أثر البالوعة، فماء البئر طاهر، كذا في المحيط وهو الصحيح. (فتاویٰ عالمگیریہ ۱/ ۲۰، جدید ۱/ ۷۳، الفتاویٰ التاتارخانیہ،

كتاب الطهارة، الفصل الرابع في يجوز الوضوء بها، زكريا ۱/ ۳۳۰، ۳۳۱، رقم: ۶۱۲) ولا يقدر هذا بالذرعان حتى إذا كان بينهما عشرة أذرع، وكان يوجد في البئر أثر البالوعة، فماء البئر نجس، وإن كان بينهما ذراع واحد، وكان لا يوجد أثر البالوعة في البئر، فماء البئر طاهر. (المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل الرابع في المياه، المجلس العلمي ۱/ ۲۶۷، رقم: ۴۱۹)

(۴) فتویٰ صحیح ہونے کے باوجود اس کا نہ ماننے والا فاسق اور قابل ملامت ہے۔ اور اگر فتویٰ کے ساتھ مزید گستاخانہ انداز اختیار کریگا، تو کفر تک پہنچ سکتا ہے، جس کے نتیجے میں تجدید ایمان بھی لازم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۳۷، زکریا مطول ۲/ ۳۷۴)

رجل عرض عليه خصمه فتوى الأئمة فردها، وقال: "چه بار نامه فتوى آورده" قيل: يكفر (إلى قوله): وقال: اين چه شرع است كفر إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة، فقال صاحبه: ليس كما أفتوه، أو قال: لا نعمل بهذا كان عليه التعزير كذا في الذخيرة. (عالمگیری، الباب التاسع في أحكام المرتدين، زکریا قدیم ۲/ ۱۹۲، جدید ۲/ ۲۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۱۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۵۴/۳۵)

کیا چوری کی بجلی سے بھرے گئے پانی سے وضو ہو جائے گا؟

سوال [۱۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد جو کہ ایک مسلم محلہ میں واقع ہے اور ساتھ ہی اس میں ایک مدرسہ بھی چلتا ہے، جہاں مشکوٰۃ شریف تک کی تعلیم دی جاتی ہے، اس مسجد اور مدرسہ میں بجلی چوری سے جلائی جاتی ہے، اس شکل میں اس چوری کی بجلی سے موٹر سے پانی بھی بھرا جاتا ہے اور سیکھے وغیرہ بھی اس بجلی سے چلتے ہیں، ایسی شکل میں کیا اس پانی سے وضو ہو جائے گا اور ان پتکھوں کے نیچے نماز ادا ہو جائے گی کہ انتظامیہ اور وہاں کے اساتذہ جانتے ہیں، پھر بھی خاموش ہیں اور ساتھ ہی اذان اور تعلیم وغیرہ بھی اس بجلی سے دی جاتی ہے، ایسی شکل میں مقتدیوں اور محلہ کے لوگوں پر کیا ذمہ داری ہوگی اور ان علماء حضرات کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور کیا مذکورہ صورت میں مقتدیوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہوگی تو کراہت کے ساتھ ہوگی یا بلا کراہت ہوگی؟

المستفتی: عبداللہ گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ یا مسجد میں چوری کی بجلی جو لی گئی ہے، وہ شرعی طور پر چوری ہی ہے، اس سے چوری کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جن لوگوں نے بجلی کی لائن چوری سے لی ہے، مسجد کا متولی ہو یا مدرسہ کا ذمہ دار، جس نے بھی چوری کی بجلی لی ہے، چوری کا گناہ اسی کے سر پر ہوگا اور فوری طور پر چوری کی لائن ختم کرنا لازم ہے۔ اور اس کے سیکھے کی ہوا میں جو نمازیں پڑھی گئی ہیں اور اس سے بھری ہوئی ٹینکی سے جو وضو کر کے نمازیں پڑھی گئی ہیں، وہ سب نمازیں درست ہو گئی ہیں، نمازیوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا؛ البتہ انتظامیہ پر گناہ ہوگا اور اس گناہ سے بچنے کے لئے یہ شکل ہے کہ جتنی بجلی چوری سے لی گئی ہے، اس کا تخمینہ لگا کر اتنے پیسے کسی حیلہ سے محکمہ بجلی کے دفتر میں جمع کر دئے جائیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۲/۸۰، نظام الفتاویٰ ۴/۸۳، جامع الفتاویٰ ۳/۵۸۴)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه، أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنا. (شرح المحجلة سليم رستم باز اتحاد ديوبند ۱/ ۶۱، رقم المادة: ۹۶، شامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، زكريا ۹/ ۲۹۱، كراچی ۶/ ۲۰۰)

مستفاد: اشترى الزوج طعاما أو كسوة من مال خبيث جاز للمرأة أكله ولبسها، والإثم على الزوج. (شامي كراچی، كتاب الغصب، مطلب شری دار وسكنها ۶/ ۱۹۱، زكريا ۹/ ۲۷۹، هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ۵/ ۳۷۵، جديد ۵/ ۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۶۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۷/۱۴۳۳ھ

چوری کی بجلی سے ٹنکی میں پانی بھرنے اور اس سے کئے گئے وضو و غسل کا حکم

سوال [۱۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ٹنکی میں پانی بھرنے کے لئے چوری کی بجلی استعمال ہوتی ہے، کیا اس پانی سے وضو اور غسل کیا جاسکتا ہے؟ اور اس وضو و غسل سے پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا انجام ہوگا؟

المستفتی: شہاب الدین سرانے ترین، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حکومت کی چوری جائز نہیں ہے؛ لہذا جو ذمہ دار چوری کی بجلی سے ٹنکی میں پانی بھرتا ہے، وہ گنہگار ہوگا؛ لیکن اس کی وجہ سے پانی اور وضو میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، صرف ذمہ دار گنہگار ہوگا، مگر نمازیوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۱۴۷، ۲/ ۱۴۵، احسن الفتاویٰ ۸/ ۱۴۵، جامع الفتاویٰ ۳/ ۵۸، نظام الفتاویٰ ۴/ ۸۳)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، اشرفي ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، شامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بملك الغير، زكريا ۹/۲۹۱، كراچی ۶/۲۰۰، شرح المجلة، سليم رستم باز اتحاد ديوبند ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶)

وكذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناوله، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب الغصب، مطلب فيمن ورث مالا حراما، زكريا ۷/۳۰۲، كراچی ۵/۳۷۵، هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المنفقات، زكريا ديم ۵/۳۷۵، جديد ۵/۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۸۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۱۴

سرکاری ٹنکی کا پانی بغير اجازت استعمال کرنا

سوال [۱۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلہ کھوکران مدینہ مسجد میں ۷ جنوری کو واٹرورکس کا کنکشن کرا لیا گیا، ۴ فروری ۹۲ء تک فارم نہیں بھرا اور واٹرورکس سے کنکشن کی منظوری نہیں ہوئی، پانی برابر وضو و غسل میں استعمال ہوتا رہا، ایسی صورت میں نمازیوں کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

المستفتی: ریاست علی محلہ کھوکران، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکاری پانی بغير اجازت خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ لہذا جو پانی اجازت سے پہلے خرچ کیا گیا ہے، اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہے؛ البتہ اس پانی سے وضو و غسل کر کے جن نمازیوں نے نماز پڑھی ہے، ان سب کی نمازیں بلا کراہت درست ہو جائیں

گی اور سرکاری پانی بلا اجازت پینے کا گناہ ذمہ داروں کے سر ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ
۸۰/۲۲، ڈیجیٹل ۱۵/۱۰۷، امداد الفتاویٰ ۳/۱۳۵، ۱۳۷، احسن الفتاویٰ ۸/۱۲۵)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه،
اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، شامی، کتاب الغصب، مطلب فیما يجوز من
التصرف بملک الغير، زکریا ۹/۲۹۱، کراچی ۶/۲۰۰، شرح المحلہ، سلیم رستم باز
اتحاد دیوبند ۱/۶۱، رقم المآة: ۹۶)

و کذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فبهي في
سعة من تناوله، والإثم على الزوج. (شامی، کتاب الغصب، مطلب فیمن ورث مالا
حراما، زکریا ۷/۳۰۲، کراچی ۵/۳۷۵، ہندیہ، کتاب الکراهیہ، الفصل الثلاثون فی
المتفرقات، زکریا قدیم ۵/۳۷۵، جدید ۵/۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۰/۱۱/۲۷ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۰/۱۱/۲۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۸۹/۲۷)

کیا چوری کی بجلی سے حاصل شدہ پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: مسجد کی بجلی کا بل نہ جمع ہونے کی وجہ سے لائن کٹ گئی، اب بجلی کو چوری سے استعمال کیا
جا رہا ہے، سچے کے نیچے نماز پڑھی جا رہی ہے، وضو بھی کیا جا رہا ہے، ایسی حالت میں نماز
درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مظفر عالم کرولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کا وہ ذمہ دار جس نے چوری کی بجلی کی لائن مسجد میں
لگا رکھی ہے، وہ خود اس کا ذمہ دار ہے اور اس کا سارا گناہ اسی کے سر پر ہوگا، اب رہی یہ بات
کہ اس بجلی کے ذریعہ سے آئے ہوئے پانی سے وضو کرنا اور اس بجلی کے سچے کی ہوا میں نماز

پڑھنا یہ دونوں جائز اور درست ہیں؛ لیکن نمازیوں پر بھی یہ ذمہ داری ہے کہ جس ذمہ دار نے ناجائز بجلی کا کنکشن مسجد میں لگا رکھا ہے، اس کو کٹوانے کا مشورہ دیں اور جائز بجلی کا کنکشن لگوا دیں، نیز یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اگرچہ ایسے پانی سے وضو کرنا اور ایسے پتکھے کے نیچے نماز پڑھنا فتویٰ کی رو سے جائز ہے؛ لیکن تقویٰ کے خلاف ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۱۲۷، احسن الفتاویٰ ۸/۱۲۵، محمودیہ میرٹھ ۲۲/۸۰)

و كذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فہي في سعة من تناوله، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب الغصب، مطلب فيمن ورث مالا حراما، زكريا ۷/۳۰۲، كراچی ۵/۳۷۵، ہندیہ، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ۵/۳۷۵، جديد ۵/۴۳۲)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، أشرفی دیوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، شامي، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بملك الغير، زكريا ۹/۲۹۱، كراچی ۶/۲۰۰، شرح المحلة، سليم رستم باز اتحاد دیوبند ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۴۲۳/۳/۲ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۷۵۳۹/۳۶)

الجواب صحیح:
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
 ۱۴۲۳/۳/۲ھ

حرام کمائی سے لگائے گئے کنویں یا حوض سے نکلنے والے پانی کا حکم

سوال [۱۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حرام کمائی سے پیئڈ پیپ خریدا گیا یا اس کمائی سے کنواں یا حوض بنایا گیا، اب سوال یہ ہے کہ پیئڈ پیپ یا کنواں وغیرہ سے جو پانی نکل رہا ہے، اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ جب کہ پانی نکالنے کا وسیلہ اور ذریعہ حرام مال سے خریدا گیا۔

المستفتی: شبیر احمدی، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حرام کمائی سے خریدے گئے ہینڈ پمپ اور بنائے گئے کنویں اور حوض سے پانی لے کر استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اس کا گناہ حرام مال لگانے والے پر ہوگا، دوسروں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہے؛ البتہ تقویٰ کا تقاضہ ہے کہ استعمال نہ کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۱۴۵، فتاویٰ رشیدیہ قدیم، ص: ۵۷۲، جدید زکریا ص: ۵۵۹)

كما استفيد من هذه العبارة للشامي: وكذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناوله، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، زكريا ۷/۳۰۲، كراچی ۵/۳۷۵، ہندیہ، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قدیم ۵/۳۷۵، جدید ۵/۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۵ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۰۳۷)

مسجد میں چوری کی بجلی سے پانی گرم کرنے اور وضو نماز کا حکم

سوال [۱۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر کی اکثر مساجد میں وضو کے لئے پانی کی ٹینکی میں بھرنے یا جاڑوں میں گرم کرنے کے لئے غیر قانونی بجلی کا استعمال کیا جاتا ہے، اس سے وضو یا غسل کرنا کیسا ہے؟ جب کہ ہر ایک کو اس کا علم ہے؟

المستفتی: عبدالحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر قانونی سے اگر بجلی کی چوری مراد ہے، تو یہ جائز نہیں ہے، اس کا سارا گناہ چوری کی بجلی حاصل کرنے والے کے سر ہوگا۔ اور جو نمازی ٹینکی کے پانی

سے وضو کرتے ہیں، وہ ذمہ دار نہیں، ان کی نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی، ہاں البتہ جن نمازیوں کو یقین سے یہ بات معلوم ہے کہ یہ چوری کی بجلی کا پانی ہے، تو ان کے لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اپنے گھر سے وضو کر کے آیا کریں؛ لیکن اگر وہ اس پانی سے وضو کر کے نماز پڑھیں گے تو بھی ان کی نماز درست ہو جائے گی، گنہگار بہر حال چوری کی بجلی حاصل کرنے والا ہی ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۱۴۷، احسن الفتاویٰ ۸/۱۴۵، محمودیہ میرٹھ ۲۲/۸۰)

كما استفيد من هذه العبارة للشامي: وكذا لو اشترى طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناوله، والإثم على الزوج. (شامي، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، زكريا ۷/۳۰۲، كراچی ۵/۳۷۵، ہندیہ، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ۵/۳۷۵، جديد ۵/۴۳۲)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، شامی، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير، زكريا ۹/۲۹۱، شرح المحلة، سليم رستم باز اتحاد دیوبند ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶)

مستفاد: اشترى الزوج طعاما أو كسوة من مال خبيث جاز للمرأة أكله ولبسها، والإثم على الزوج. (شامی، كتاب الغصب، مطلب شری دار وسكنها، كراچی ۶/۱۹۱، زكريا ۹/۲۷۹، ہندیہ، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زكريا قديم ۵/۳۷۵، جديد ۵/۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/۲۷/۱۴۳۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷/زی قعدہ ۱۴۳۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۲۴)

غیر قانونی طور پر ہیٹر سے گرم کئے ہوئے پانی سے وضو نماز کا حکم

سوال [۱۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مسجد میں غیر قانونی طریقہ پر ہیٹر سے پانی گرم کرنا، پھر اس پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا وضو اور نماز صحیح ہو جائے گی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر قانونی طور پر ہیٹر سے پانی گرم کرنا ناجائز نہیں ہے، جو بھی غیر قانونی ہیٹر جلائے گا وہی گنہگار ہوگا، اس گرم پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ (مستفاد: نتجات نظام الفتاویٰ ۲/۳۱۶)

مستفاد: اشتری الزوج طعاما أو كسوة من مال خبيث جاز للمرأة أكله ولبسها، والإثم على الزوج. (شامی، کتاب الغصب، مطلب شری دار و سکنها، زکریا ۹/۲۷۹، کراچی ۶/۱۹۱)

و كذا لو اشترى لها طعاما أو كسوة من مال أصله ليس بطيب، فهي في سعة من تناول ذلك الطعام والياب، ويكون الإثم على الزوج. (هندية، كتاب الكراهية، الفصل الثلاثون في المتفرقات، زکریا قدیم ۵/۳۷۵، جدید ۵/۴۳۲)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵ھ/۳۱۰

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۰/۴۰)

دائمی شراب پینے والے کے پسینہ اور جھوٹے کا حکم

سوال [۱۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب آدمی ہمیشہ شراب پیتا ہے، تو اغلب یہ ہے کہ اس کا اثر اس کے بدن میں ہو جاتا ہو، تو اب ایسے شرابی کے پسینہ اور جھوٹے کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ نیز

جو کبھی کبھی شراب پیتا ہو اس کا بھی حکم تحریر کریں۔ اور صاحب درمختار کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے:

وشارب خمر فور شربها، ولو شاربه طويلا لا يستوعبه اللسان،
فنجس ولو بعد زمان. (شامي نعمانيه، مطلب في السؤر ۱/ ۱۴۹، زكريا ۱/ ۳۸۲)

المستفتى: محمد شاہد تجوید القرآن قصبہ سیانہ، بلند شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرابی کا جھوٹا جب کہ اس کے منہ میں شراب کا اثر باقی ہے، ناپاک ہے، اگر اس کا اثر اور بد بو منہ میں باقی نہیں ہے، تو اس کا جھوٹا پاک ہے، خواہ وہ شراب کا عادی ہو یا کبھی کبھی پیتا ہو اور اس کا پسینہ بہر صورت پاک ہے۔

سؤر الآدمي طاهر مطلقاً، إلا حال شرب الخمر، فإن سؤره في تلك
الحالة نجس قبل بلع ريقه، فإن بلع ريقه ثلاث مرات طهر فمه عند الإمام.
(مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۵، مصري قديم ۱/ ۳۵،
عيني، أشرفيه ديوبند ۱/ ۴۶۵، قديم ۱/ ۲۶۱، ہندیہ، الباب الثالث في المياه، الفصل
الثاني فيما لا يحوز به التوضؤ، زكريا قديم ۱/ ۲۳، جديد ۱/ ۷۶، حلبي كبير، كتاب
الطهارة، فصل في الأسار، أشرفيه، ص: ۱۶۷)

سوال میں مذکورہ عربی عبارت کا مطلب یہ ہے: کہ شراب پینے کے بعد اگر کافی دیر تک بد بو باقی ہے، تو اس بد بو کے باقی ہونے کی حالت میں اس کا جھوٹا ناپاک ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بد بو ختم ہو جانے کے بعد بھی اس کا جھوٹا ناپاک رہے گا۔

فكان سؤره طاهراً إلا في حال شرب الخمر، لنجاسة فمه، وقيل:

هذا إذا شرب الماء من ساعته، فأما إذا شرب الماء بعد ساعة معتبرة ابتلع
بزاقة فيها ثلاث مرات يكون طاهر. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، أحكام السؤر،
مکتبہ زکریا ۱/ ۲۰۱، کراچی ۱/ ۶۴، تبیین الحقائق، کتاب الطهارة، مکتبہ إمدادیہ

ملتان ۱/۳۳، زکریا ۱/۱۰۴، شامی، باب المیاء، مطلب فی السؤر، کراچی ۱/۲۲۳،
زکریا ۱/۳۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۸

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۱/۱۸
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۴۳/۳۴)

کیا ناپاک پانی سے استنجا کرنے کی وجہ سے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟

سوال [۱۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک
ٹشٹی میں گلہری گر کر مر گئی، تو اب ٹشٹی کے ناپاک پانی سے جو لوگ استنجا کر لیں تو ان کے کپڑے بھی
ناپاک ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن لوگوں نے ٹشٹی کے ناپاک پانی سے
استنجا کیا ہے اور اس سے ان کے کپڑے گیلے ہو گئے ہیں، تو ان کے بارے میں صاحبینؒ
کے قول پر فتویٰ ہے کہ جس وقت مری ہوئی گلہری دیکھی گئی ہے اس کے بعد سے کئے
گئے استنجا کے نتیجے میں جو کپڑا گیلیا ہو گیا ہے وہ ناپاک شمار ہوگا اور دیکھنے اور معلومات
ہونے سے قبل پاک شمار ہوگا۔

ويتنجس البئر من وقت الوقوع إن علم ذلك، وإلا فمذ يوم وليلة
إن لم تنتفخ، ومذ ثلاثة أيام ولياليها إن انتفخ، وقالوا: مذ وجد (وفي
هامشه:) أي ذلك النجس في البئر قال في الجوهرة النيرة: عليه الفتوى،
وفي المجتبى: كان ركن الأئمة الصباغي يفتي بقول أبي حنيفة فيما تتعلق
بالصلاة، وبقولهما ما سواه، يعني في غسل الثوب والبدن، والأواني وغير

ذکرمما وصل إلیه الماء. (شرح وقایة مع عمدة الرعاية، کتاب الطهارة، أحكام البئر، أشرفی دیوبند ۱ / ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۹۳/۴۱)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰/۲/۱۴۳۶ھ

ناپاک ٹنکی کے پانی سے دھوئے ہوئے گوشت اور کپڑوں کا حکم

سوال [۱۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناپاک ٹنکی کے پانی سے دھویا ہوا گوشت بالکل ناپاک ہو جائے گا یا پھر دوسرے پاک پانی سے دوبارہ دھونے سے پاک ہو جائے گا؟ اور اس نجس ٹنکی کے پانی سے دھوئے گئے کپڑوں کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقہائے متاخرین کا فتویٰ یہی ہے کہ نماز اور عبادات کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ ہے کہ تین دن تین رات تک کی نمازیں دہرائی جائیں گی۔ اور نماز و عبادات کے علاوہ دیگر تمام امور یعنی غسل ثوب، غسل بدن اور غسل اوانی یعنی برتن وغیرہ دھونے سے متعلق حضرات صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ جس وقت سے گلہری کے ٹنکی میں گر کر مرنے کا علم ہوا ہے اس وقت سے ٹنکی کے پانی کو ناپاک سمجھا جائے گا اور اس سے پہلے جتنے کپڑے یا گوشت دھوئے گئے ہیں، یا غسل کیا گیا ہے، سب پاک سمجھا جائے گا؛ لہذا علم ہونے سے پہلے جتنا گوشت اور کپڑے دھوئے گئے ہیں سب پاک شمار ہوں گے اور علم ہونے کے بعد جو دھویا گیا ہے وہ ناپاک شمار ہوگا۔

ويتنجس البئر من وقت الوقوع إن علم ذلك، وإلا فمذیوم وليلة

إن لم تنتفخ، ومذ ثلاثة أيام ولياليها إن انتفخ، وقالوا: مذ وجد (وفي هامشه:) أي ذلك النجس في البئر قال في الجوهرة النيرة: عليه الفتوى، وفي المجتبى: كان ركن الأئمة الصباغي يفتي بقول أبي حنيفة فيما تتعلق بالصلاة، ويقولهما ما سواه، يعني في غسل الثوب والبدن، والأواني وغير ذلك مما وصل إليه الماء. (شرح وقاية مع عمدة الرعاية، كتاب الطهارة، أحكام البئر، أشرفي ديوبند ۱/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۲/۱۴۳۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۲/۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۹۵/۴۱)

کیا ٹنکی میں پانی آنے والے اور پانی نکلنے والے ٹنل کو کھولنے سے ٹنکی جاری پانی کے حکم میں ہوگی یا نہیں؟

سوال [۱۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ٹنکی میں گلہری گر کر مر گئی ہے، تو اس ٹنکی کے اگر دونوں ٹنل کھول دئے جائیں ایک جس سے پانی آتا ہے اور دوسرا جس سے پانی باہر نکلتا ہے، تو وہ بہتی ہوئی نہر کے حکم میں آئے گی؟ اور کچھ دیر پانی بہہ کر باقی پانی پاک نہیں ہو جائے گا؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس ٹنکی میں گلہری گری ہے، اس ٹنکی کے دونوں جانب کے ٹنل کھول دئے جائیں (ایک جس سے پانی آتا ہے اور دوسرا جس سے پانی باہر نکلتا ہے) تو وہ نہر جاری کے حکم میں نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ ٹنکی میں جو پانی آتا ہے، وہ تسلسل کے ساتھ نہیں نکلتا؛ بلکہ ٹنکی میں کچھ دیر ٹھہر کر نکلتا ہے۔

رأيت في شرح سيدي عبدالغني في مسألة خزانة الحمام التي أخبر

أبو يوسف بروية فأرة فيها قال: فيه إشارة إلى أن ماء الخزانة إذا كان يدخل من أعلاها، ويخرج من أنوب في أسفلها، فليس بجار. (شامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مطلب لو أدخل الماء من أعلى الحوض، وخرج من أسفله، فليس بجار، زكريا ديوبند ۱/ ۳۳۸، كراچی ۱/ ۱۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۹۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۲۶/۱۴۳۶ھ

ٹنکی میں گلہری مر کر پھول کر پھٹ گئی

سوال [۱۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گلہری پانی کی ایک بڑی ٹنکی میں گر کر مر گئی اور پھٹ گئی، جس کی وجہ سے اس کا سارا پانی ناپاک ہو گیا، اب اس نجس پانی سے کئے گئے وضو اور استنجاء سے کتنے دن پہلے کی نمازیں دہرائی ہوں گی؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس نجس پانی سے کئے گئے وضو اور استنجاء سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق احتیاطاً تین دن، تین رات کی نمازیں دہرائی لازم ہے۔ ویتنجس البئر من وقت الوقوع إن علم ذلك، وإلا فمذیوم وليلة إن لم تتفخ، ومذ ثلاثة أيام ولياليها إن انتفخ، وقالوا: مذ وجد (وفي هامشه:) أي ذلك النجس في البئر قال في الجوهرة النيرة: عليه الفتوى، وفي المجتبى: كان ركن الأئمة الصباغي يفتي بقول أبي حنيفة فيما تتعلق بالصلاة، ويقولهما ما سواه، يعني في غسل الثوب والبدن، والأواني وغير

ذکرمما وصل إليه الماء. (شرح وقایة مع عمدة الرعاية، کتاب الطهارة، أحكام البیر، أشرفی دیوبند ۱/ ۸۵)

وإذا وجد في البئر فأرة ميتة أو غيرها ولا يدرون متى وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ أعادوا صلاة يوم وليلة، وإن كانت قد انتخفت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها في قول أبي حنيفة. (الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، دارالكتاب دیوبند ۱/ ۲۱، مکتبه تھانوی دیوبند ۱/ ۲۵)

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم، وإلا فمذ يوم وليلة إن لم ينتفخ ولم يتفسخ، وهذا في حق الوضوء والغسل ومذ ثلاثة أيام بلياليها إن انتفخ أو تفسخ استحسانا. (وتحتة في الشامية:) قوله استحسان: وهو الأحوط في العبادات. (الدرمع الرد، كتاب الطهارة، باب المياه، زكريا دیوبند ۱/ ۳۷۵-۳۷۸، کراچی ۱/ ۲۱۸-۲۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف توئی نمبر: ۱۱۸۹۰/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۲/۱۴۳۶ھ

شامی کی ایک عبارت کی وضاحت

سوال [۱۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر بفضلہ تعالیٰ بنجر وعافیت تعلیم وتعلم میں منہمک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور والا کا سایہ عاطفت بصد عافیت تادیر قائم رکھے۔ (آمین ثم آمین)

بعده عرض اینکه بندہ کو درج ذیل عبارت میں پیش کردہ مسئلہ کی صورت اور اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی ہے، برائے کرم اس کی مفصل تشریح فرمائیں۔

ولو جمدماء ه فثقب إن الماء منفصلا عن الجمذ جاز، لأنہ كالمسقف، وإن متصلا لا؛ لأنہ كالقصة حتى لو ولغ فيه كلب تنجس لا

لو وقع فيه فمات لتسفله. (درمختار، زکریا ۱/۳۶، شامی، کتاب الطهارة، باب المیاء، کراچی ۱/۱۹۴، زکریا ۱/۳۴۴)

المستفتی: محمد طیب مہاراشٹری، خادم دارالفقہ والافتاء کنڈیلا بڑودہ، گجرات
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر بڑے حوض کا پانی سخت سردی کی وجہ سے برف بن کر اس کے اوپر کا حصہ تختہ اور فرش کی طرح سخت پڑ جائے اور پھر اس کے نیچے پتلا پانی موجود ہو تو اس کی دو شکلیں ہیں:

شکل نمبر ۱: پانی کے اوپر کا حصہ جو سخت ہو کر برف بن کر کے تختہ بن چکا ہے، نیچے کا پانی اس سے ملا ہونہ ہو؛ بلکہ اس سے جدا ہو، تو ایسی صورت میں اوپر کے سخت برف والے حصہ کو چھت کے درجہ میں قرار دیا جائے گا اور نیچے کا پانی دہ دردہ کے دائرہ میں پھیلا ہوا ہے؛ اس لئے ماء کثیر ہے، اب سخت حصہ کے نیچے میں سے سوراخ کر کے منہ بنا لیا جائے، پھر اس میں سے وضو کر لیا جائے تو جائز اور درست ہے، پھر اس میں سے کتے نے پانی پی لیا ہے یا کوئی ایسی نجاست گر جائے جس کی وجہ سے اوصاف ثلاثہ میں تغیر نہ ہو، تو پانی کو پاک شمار کیا جائے گا، اس مفہوم کو صاحب درمختار نے: ”ولو جمدماء ه فتقب ان الماء منفصلا عن الجمدم جاز، لانه كالمسقف، وان متصلا لا؛ لانه كالقصة“ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔
ترجمہ: ”اگر بڑے حوض کا پانی جم کر برف بن جائے، پھر برف کے اوپر سوراخ کر دیا جائے، تو اگر نیچے کا پانی برف کے حصہ سے منفصل ہو کر نیچے اتر ا ہوا ہے، تو اس سے وضو کرنا ایسا جائز ہے جیسا کہ بڑے حوض سے جائز ہوتا ہے؛ اس لئے کہ جما ہوا حصہ حوض کے اوپر چھت کے درجہ میں بن چکا ہے۔“

شکل نمبر ۲: اگر اوپر کا حصہ برف بن کر سخت ہو گیا ہے اور اس کے نیچے کا پانی اس سخت حصہ سے جدا ہو کر نیچے اتر ا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ برف کے حصہ سے ملا ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جتنا بڑا سوراخ کیا گیا ہے، اتنا ہی پانی شمار کیا جائے گا، گویا کہ کسی طباق اور

طغاری میں پانی رکھا ہوا ہے؛ لہذا اگر اس میں کتے نے منہ ڈال دیا یا اس میں کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا، پھر اس سوراخ سے وضو کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر کتایا کوئی جانور اس سوراخ میں گر کر مر جائے اور اس کی تہ میں پہنچ جائے، تو ایسی صورت میں تغیر اوصاف نہ ہونے کی شکل میں پانی ناپاک شمار نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ نیچے جو پانی ہے وہ بڑے حوض کے دائرہ میں پھیلا ہوا ہے، اس وجہ سے مر کر نیچے پہنچنے کی صورت میں ماء کثیر ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اوپر جہاں سوراخ کیا گیا ہے، اس حصہ میں نجاست گرنے سے وہ حصہ ناپاک ہو جائے گا؛ اس لئے کہ وہ درہ کے دائرہ میں نہیں آتا ہے، اس کو صاحب درمختار نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وإن متصلا لا؛ لأنه كالقصة حتى لو ولغ فيه كلب تنجس لا لو وقع فيه فمات لتسقله.

اور اگر سخت حصہ سے نیچے کا پانی الگ نہ ہو؛ بلکہ ملا ہوا ہو تو نجاست گرنے کی صورت میں اس سوراخ سے وضو جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ سوراخ کا حصہ ایسا ہے، جیسا کہ کسی برتن اور طغاری میں پانی رکھا ہوا ہو، حتیٰ کہ اگر اس سوراخ میں سے کتے نے پانی پی لیا تو پانی کا وہ حصہ ناپاک ہو جائے گا، ہاں اگر اس میں گر پڑے پھر مر کر حوض کی تہ میں پہنچ جائے تب پورا حوض ناپاک نہ ہوگا؛ اس لئے کہ نیچے کا پانی پورے حوض میں پھیلا ہوا ہے، یہی ہے درمختار کی عبارت کا واضح مطلب۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶ الاول
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۵۳/۷)



۵/ باب ما يتعلق بالتيمم کیا مریض تیمم کر سکتا ہے؟

سوال [۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص متقی پرہیزگار، صوم و صلاۃ کا پابند اور عرصہ دراز سے صاحب فراش ہے، کئی امراض کا شکار ہے، کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے، پھر عرشہ کا بھی مرض ہے، اب نقاہت اور ضعف بھی بہت ہے، عمر رسیدہ بھی ہے، مگر ان امراض کے باوجود وہ نماز جیسے بھی ہو ادا کرتا ہے، ان امراض میں کسی میں بھی پانی مضر نہیں ہے، نہ سرد نہ گرم؛ البتہ معذوری ہے، حالاں کہ اولاد خدمت کرتی ہے، مگر وہ کسی سے مدد لینا نہیں چاہتا اور نماز کے لئے تیمم کرتا ہے اور تیمم کر کے نماز ادا کرتا ہے، تو کیا اس کا تیمم سے نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس کو پانی نقصان نہیں دیتا؟

المستفتی: حاجی اقبال احمد، سیکریٹری علی مسجد شیرکوٹ، بجنور
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کہ مذکورہ شخص کی خدمت کرنے والے موجود ہیں اور سرد و گرم پانی بھی ان کے لئے مضر نہیں ہے، تو ایسے شخص کے لئے تیمم کر کے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة ظن أو قول حاذق مسلم، ولو
بتحرك أو لم يجد من توضحه، فإن وجد ولو بأجرة مثل، وله ذلك لا
يتيمم في ظاهر المذهب. (شامی، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، زکریا ۱/۳۹۷،
کراچی ۱/۲۳۳، شرح النقایہ، اعزازیہ دیوبند ص: ۲۴، ہندیۃ، باب التیمم، الفصل الأول،
زکریا قدیم ۱/۲۸، جدید ۱/۸۱، حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، کتاب الطہارۃ، باب
التیمم، مکتبہ دارالکتاب دیوبند، ص: ۱۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۸/۴/۲۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۷۳)

کیا بیماری کی وجہ سے تیمم کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک خاتون کو جسمانی بیماری ہے، ماہر ڈاکٹروں نے غسل اور وضو سے سختی سے منع کر دیا ہے، اب ایسی حالت میں اگر غسل اور وضو کی حاجت ہو تو کیسے طہارت اور پاکی حاصل کی جائے؟ کیا تیمم کافی ہو جائے گا اور غسل واجب ہو تو کس طرح تیمم کریں؟ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد شمیم امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ٹھنڈے پانی سے غسل اور وضو کرنے میں مرض کا اندیشہ ہو تو گرم پانی سے غسل اور وضو کرنا چاہئے۔ اور اگر گرم پانی سے بھی ظن غالب سے یا ماہر مسلمان ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق مرض کا اندیشہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے، ورنہ نہیں اور غسل و وضو دونوں کا تیمم ایک ہی ہے، تیمم دونوں کے لئے کافی ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا. [المائدة: ۶]

من عجز عن استعمال الماء لبعده ميلا الخ أو لمرض يشند أو يمتد بغلبة ظن أو قول حاذق مسلم، ولو بتحريك الخ، أو برد يهلك الجنب أو يمرضه الخ، تیمم لهذه الأعذار كلها. (شامی مع الدر المختار، باب التيميم، زكريا ۱/۳۹۵، كراچی ۱/۲۳۲، ہندیہ، فصل أمور لا بد منها في التيميم، زكريا قديم ۱/۲۸، جديد ۱/۸۱، حاشیة چلبی مع تبیین الحقائق، باب التيميم، مكتبه إمداديہ ملتان ۱/۳۶، زكريا ۱/۱۱۷، البناية، كتاب الطهارة، باب التيميم، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/۵۱۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵ھ / ۳/۲۵

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۰۳)

ڈاکٹر چہرہ پر پانی لگانے سے منع کرے تو وضو کا حکم

سوال [۱۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
ڈاکٹر نے چہرہ پر پانی لگانے سے منع کر دیا ہے، تو کیا ہاتھ پاؤں وضو کرتے وقت دھولیں اور سر پر مسح کرنا ہی ہے، کیا چہرہ پر بھی مسح کر لیں یا ایسی شکل میں تیمم کی اجازت ہو سکتی ہے؟
المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں چہرہ دھونے سے مرض کے بڑھنے یا دیر سے اچھا ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں ان لوگوں کے لئے تیمم کر کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا. [المائدة: ۶]
ومن العذر حصول مرض يخاف منه اشتدادا للمرض أو بقاء البرء.

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب تیمم، دارالکتاب دیوبند ص: ۱۱۵)

ولو كان يجد الماء إلا أنه مريض، فخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه يتيمم لما تلونا (وان كنتم مرضى الآیة) ولأن الضرر في زيادة المرض فوق الضرر في زيادة ثمن الماء، وذلك يبيح التيمم، فهذا أولى ولا فرق بين أن يشتد مرضه بالتحرك أو بالاستعمال. (هدایة، باب تیمم شرفی دیوبند ۱/ ۴۹، شامی زکریا مع الدر المختار، باب تیمم ۱/ ۳۹۵، کراچی ۱/ ۲۳۲، ہندیۃ، الفصل فی أمور لا بد منها فی تیمم، زکریا قدیم ۱/ ۲۸، جدید ۱/ ۸۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۰۰/۴۰)

ٹرین میں حالت جنابت میں تیمم کرنے کا حکم

سوال [۱۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ٹرین کے اندر حالت جنابت میں تیمم کرنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مظہر الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب تک ٹرین کے کسی ڈبہ میں پانی موجود ہو تو وہ پانی پاک ہے، اس سے وضو اور غسل کر کے نماز پڑھ لینا چاہئے، پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں۔

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا. [المائدة: ۶]

من عجز عن استعمال الماء المطلق الكافي لطهارته، وفي الشامية: أي من الخبث والحدث الأصغر أو الأكبر، لصلوة تفوت إلى خلف لبعده ميلا (تيمم) وفي الشامية: قيد بالبعد؛ لأنه عند عدمه لا يتيمم، وإن خاف خروج الوقت في صلوة لها خلف. (درمختار مع الشامي، باب التيمم، زكريا ۱/ ۳۹۵، ۳۹۶، كراچی ۱/ ۲۳۲، شرح النقاية، اعزازه ديوبند ۱/ ۲۴، باب التيمم، شرح الوقاية، باب التيمم، ياسر نديم كمپني ۱/ ۸۷، بدائع الصنائع، شرائط ركن التيمم، زكريا ۱/ ۱۶۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۲۶

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رجب الثانی ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۷)

جنابت کا تیمم کرنے والا وضو کے بقدر پانی پر قادر ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: جو شخص جنبی ہو اور اس کے لئے تیمم مباح ہو، چنانچہ اس نے نماز فجر اسی طہارت سے ادا کی ہو، تو سوال یہ ہے کہ کیا اسی طہارت سے ظہر پڑھ سکتا ہے؟ نیز اگر ظہر میں وضو پر قادر ہو؛ لیکن غسل پر نہ ہو، تو کیا کرے گا؟ آیا وضو کرے یا نہ کرے؟ نیز یہ بھی فرق وضاحت طلب ہے کہ مذکورہ مسئلہ اور سلسل البول کا مسئلہ ایک ہی ہے یا کوئی فرق ہے؟ دلائل کے ساتھ مسئلہ ہذا کی تحقیق مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ دارین میں بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔

المستفتی: سفیان احمد آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر جنبی نے غسل کی جگہ تیمم کر لیا ہے، تو اس کے لئے اس تیمم سے جتنی چاہے نمازیں پڑھنا جائز ہے؛ لیکن جب جنابت کے تیمم کے بعد پیشاب پاخانہ یا خروج ریح وغیرہ کا حدث لاحق ہو جائے اس کے بعد ظہر کی نماز کے لئے صرف وضو کے بقدر پانی ہو، تو اس کے اوپر لازم ہے کہ ظہر کی نماز کے لئے اس پانی سے وضو کرے، اتنا پانی ہوتے ہوئے ظہر کی نماز کے لئے تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا، مذکورہ مسئلہ اور سلسل البول والا مسئلہ ایک نہیں؛ اس لئے کہ سلسل البول والے کے لئے لازم ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے اور جس کے لئے تیمم کرنا مباح ہوتا ہے، اس کے واسطے ایک تیمم سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

یصلی الرجل ب تیممہ ماشاء من الصلوة من الفرائض والنوافل

والفوائد . (الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الطہارۃ، الفصل الخامس فی تیمم، زکریا ۱/ ۳۹۵، رقم: ۹۱۰، مراقی الفلاح، باب تیمم، دارالکتاب دیوبند ص: ۵۱، ہندیہ، الباب الرابع فی تیمم، الفصل الثالث فی المتفرقات، زکریا قدیم ۱/ ۳۰، جدید ۱/ ۸۳، عنایہ، باب تیمم، قدیم زکریا ۱/ ۱۴۰، المحيط البرہانی، کتاب الطہارۃ، الفصل الخامس، المجلس العلمی ۱/ ۱۷۸، المبسوط للسرخسی، باب تیمم، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۱۳، تبیین الحقائق، باب تیمم، زکریا ۱/ ۱۲۷، إمدادیہ ملتان ۱/ ۴۰)

إذا كان للجنب ماء يكفى للوضوء لا للغسل يجب عليه التيمم لا

الوضوء، خلافاً للشافعی، أما إذا كان مع الجنابة حدث يوجب الوضوء يجب عليه الوضوء. (شامی، باب التیمم، مطلب فاقد الطهورین، زکریا، ۱/ ۴۲۶، کراچی ۲۵۵/۱)

وفي البقالي: مسافر أجنب وشرع في الصلاة بالتيمم، ثم سبقه الحدث فوجد ماء قدر ما يكفي للوضوء، فإنه يتوضأ به، ويبنى قال: هذا هو القول الأخير لمحمد، وهو رواية عن أبي حنيفة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في التيمم، زکریا ۱/ ۳۹۵، رقم: ۹۰۷)

المستحاضة ومن به سلسل بول إلى قوله: يتوضؤون لوقت كل صلاة. (ملتقى الأبحر، فصل في المستحاضة ومن به سلسل البول، مكتبته دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۸۴، مصري قديم ۱/ ۵۶، طحطاوي على المراقبي، باب الحيض والنفاس، مكتبته دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۴۹، شامی مطلب في أحكام المعذور، کراچی ۱/ ۳۰۵، زکریا ۱/ ۵۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵ھ / ۲ / ۱۳

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/ ۱۱۴۴)

جنابت سے تیمم کر کے امامت کرنا

سوال [۱۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سخت سردی کے زمانے میں ایک امام جنبی ہو گیا اور وہ پانی کے استعمال پر کسی طرح قادر نہیں اور گرم پانی کا بھی نظم نہیں ہے؛ اس لئے اس نے تیمم کر کے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھادی تو ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز درست ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: امام شہید سردی اور گرم پانی کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے

غسل جنابت کی سکت نہیں رکھتا، تو اس کے لئے تیمم کر کے نماز پڑھانا جائز ہے۔ اور تیمم کرنے والے کے پیچھے وضو اور غسل کرنے والوں کی نماز درست ہو جاتی ہے۔

عن عمرو بن العاص - رضي الله عنه - قال : احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل ، فأشفقت أن أغتسل فأهلك ، فتيمنت ، ثم صليت بأصحابي الصبح ، فذكروا ذلك لرسول الله ﷺ ، فقال : يا عمرو ! صليت بأصحابك وأنت جنب ؟ فأخبرته بالذي منعني من الاغتسال ، وقلت إني سمعت الله يقول : ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيمًا ، فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يقل شيئًا . (أبو داؤد ، باب إذا خاف الجنب البرد أتتيمم؟ النسخة الهندية ۱ / ۴۸ ، دار السلام ، رقم : ۳۳۴ ، المستدرک ، کتاب الطهارة ، مکتبه نزار مصطفى الباز ۱ / ۲۶۳ ، رقم : ۶۲۹)

لا اقتداء متوضيء بمتيمم أي لا يفسد ، فذهب محمد إلى فساده ، وذهب إلى صحته ، وترجح المذهب بفعل عمرو بن العاص حين صلى بقومه بالتيمم لخوف البرد من غسل الجنابة ، وهم متوضئون . (البحر الرائق ، کتاب الصلاة ، باب الإمامة ، زكريا ۱ / ۶۳۶ ، كوئته ۱ / ۳۶۳ ، بدائع ، کتاب الطهارة ، صفة التيمم ، زكريا ۱ / ۱۸۶ ، تبين الحقائق ، کتاب الصلوة ، باب الإمامة ، مکتبه إمداديه ملتان ۱ / ۱۴۲ ، زكريا ۱ / ۳۶۳ ، حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح ، کتاب الصلوة ، باب الإمامة ، مکتبه دارالکتاب ديوبند ، ص : ۲۹۵ ، شامي ، باب الإمامة ، زكريا ۲ / ۳۳۶ ، کراچی ۱ / ۵۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۲/۱۷ھ

تیمم کے پیچھے متوضی کی نماز کا حکم

سوال [۱۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص پانی کے استعمال پر قادر نہیں، حالاں کہ یہ شخص امام ہے، تو کیا یہ تیمم کر کے وضو کرنے والے مقتدیوں کی امامت کر سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی عذر کی بنا پر تیمم کرنے والا امام وضو کرنے والے مقتدیوں کی امامت کر سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

عن عمرو بن العاص - رضي الله عنه - قال : احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل، فأشفقت أن أغتسل فأهلكت، فتيمنت، ثم صليت بأصحابي الصبح، فذكروا ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا عمرو! صليت بأصحابك وأنت جنب، فأخبرته بالذي منعني من الاغتسال، وقلت: إني سمعت الله يقول: ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيماً، فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولم يقل شيئاً. (أبوداؤد، باب إذا خاف الجنب البرد أ يتيمم؟ النسخة الهندية ۱/ ۴۸، دارالسلام، رقم:

۳۳۴، المستدرک، کتاب الطهارة، مکتبہ نزار مصطفی الباز ۱/ ۲۶۳، رقم: ۶۲۹)

وأما اقتداء المتوضي بالمتيمم فيجوز. (حلبی کبیر، من لا یصح الاقتداء

به، مکتبہ اشرفیہ/ ۵۱۸)

فجاز اقتداء المتوضي بالمتيمم عندهما؛ لأن التيمم طهارة مطلقة.

(حاشیة الطحطاوی علی المراقی، باب التيمم، مکتبہ دارالکتاب/ ۱۲۵)

وبجوز للمتيمم أن يؤم المتوضي في قول أبي حنيفة وأبي يوسف.

(الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل الخامس في التيمم، زکریا ۱/ ۳۹۵، رقم:

۹۰۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۳/۲۶ھ

جنابت کے تیمم سے نماز پڑھنا درست ہے، الگ سے وضو کی ضرورت نہیں

سوال [۱۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص حالت جنابت میں ہے، غسل کے لئے پانی کے استعمال پر قادر نہیں؛ لیکن وضو پر قدرت ہے؛ لہذا اس نے غسل جنابت کے بدلے تیمم کر لیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا نماز کے لئے اس پر وضو کرنا لازم ہے یا غسل جنابت کے بدلے جو تیمم کیا ہے، اسی سے نماز پڑھ سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غسل جنابت کے تیمم کے بعد اگر اس شخص کو کوئی حدث وغیرہ پیش نہیں آیا تو اسی تیمم سے نماز پڑھنا جائز ہے اور نماز کے لئے الگ سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں، چاہے وضو کے بقدر پانی کیوں نہ ہو۔

عن عمرو بن العاص - رضي الله عنه - قال : احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل ، فأشفقت أن أغتسل فأهلكت ، فتيمنت ، ثم صليت بأصحابي الصبح ، فذكروا ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال : يا عمرو! صليت بأصحابك وأنت جنب ، فأخبرته بالذي منعني من الاغتسال ، وقلت : إني سمعت الله يقول : ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيمًا ، فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ولم يقل شيئًا . (أبوداؤد، باب إذا خاف الجنب البرد أ يتيمم؟ النسخة الهندية ۱ / ۴۸ ، دارالسلام، رقم:

۳۳۴، المستدرک، کتاب الطهارة، مکتبہ نزار مصطفی الباز ۱ / ۲۶۳، رقم: ۶۲۹)

وفي القهستاني: إذا كان للجنب ماء يكفي لبعض أعضائه أو للوضوء تیمم ولم يجب عليه صرفه إليه، إلا إذا تیمم للجنب، ثم أحدث فإنه يجب عليه الوضوء. (شامي، کتاب الطهارة، باب تیمم، زکریا ۱ / ۳۹۵، شامی کراچی ۱ / ۲۳۲)

إن أجنب المسافر ومعه من الماء مقدار ما يتوضأ به يتيمم عندنا ولم

يستعمل الماء. (مبسوط سرخسی، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۱۳، حانیۃ، فصل فیما یجوز بہ التیمم، زکریا جدید ۱/ ۴۱، وعلی ہامش الہندیۃ ۱/ ۶۲، شامی کراچی، باب التیمم، مطلب فاقد الطہورین، زکریا ۱/ ۴۲۶، کراچی ۱/ ۲۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۲/۱۷ھ

تیمم سے پڑھی گئی نمازوں کے اعادہ کا حکم

سوال [۱۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید اعمیٰ ہے، مریض جربان بھی ہے، مسلسل بیماری کے باعث انتہائی کمزور اور لاغر ہو چکا ہے، سخت سردی کے باعث غسل کرنے سے معذور ہے، اگر غسل کرے تو ہلاکت کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں اگر تیمم کر کے نماز ادا کرے، تو کیا تیمم سے پڑھی ہوئی نمازوں کا موسم گرما میں اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟ نیز پورا دن ناپاک رہنے کی وجہ سے روزے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

(۲) نیز نماز فجر کے وقت روز کا یہ معمول ہے کہ ناپاک ہوتا ہے اور کپڑے بھی ناپاک ہیں، دوسرے کپڑے بھی نہیں ہیں، تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو کیا دھوپ نکلنے کے بعد غسل کر کے اور کپڑے بدل کے نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا، یا اسی حالت کی پڑھی ہوئی نماز کافی سمجھی جائے گی؟

المستفتی: نور محمد ہرپور، سینٹاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) جب پانی کا استعمال ہلاکت کا باعث ہے یا مرض میں اضافہ کا باعث ہے اور پانی گرم کرنے کی بھی کوئی شکل نہیں ہے، تو ایسی صورت میں غسل جنابت کی جگہ اس وقت تک تیمم کر کے عبادت کرنے کی اجازت ہے، جب تک پانی کے استعمال پر قدرت حاصل نہ ہو اور تیمم سے پڑھی ہوئی نماز شرعاً درست ہو جائے گی، ان کا

اعادہ لازم نہیں ہے، پڑھی گئی نمازیں ہمیشہ کے لئے صحیح ہوگئی ہیں۔

عن ابن عباس أن عمرو بن العاص -رضي الله عنه- صلى بالناس وهو جنب، فلما قدموا على رسول الله ﷺ ذكروا ذلك له، فدعاه رسول الله ﷺ، فسأله عن ذلك، فقال: يا رسول الله! خشيت أن يقتلني البرد، وقد قال الله عز وجل: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ فسكت عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۱ / ۱۸۷، رقم: ۱۱۵۹۳)

ولو خاف الجنب إن اغتسل أن يقتله البرد أو يمرضه، يتيمم بالصعيد.

(هداية، باب التيمم، أشرفي ديوبند ۱ / ۳۲، شرح الوقاية، باب التيمم، ياسر ندیم کمپنی دیوبند ۱ / ۸۸، المحيط البرهاني، من يجوز له التيمم، المجلس العلمي ۱ / ۳۱۵، رقم: ۵۷۱) نیز شریعت نے جس کو تیمم کی اجازت دی ہے، وہ جب تیمم کرے گا تو وہ ناپاک نہیں رہے گا؛ بلکہ پاک ہی شمار ہوگا، اس حالت کا روزہ ناپاک کی کاروزہ نہیں ہوگا۔

(۲) اگر فجر کے بعد پانی کے استعمال سے ہلاکت کا خطرہ ہے، اس لئے تیمم کر کے نماز پڑھ لی ہے، تو اس نماز کو بعد میں لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پاک کپڑا اگر اس کے پاس نہیں ہے تو دوسرے سے عاریت لے کر نماز پڑھ لینا چاہئے، حتی الامکان پاک کپڑے میسر نہ ہونے کی بات بہت زیادہ بعید معلوم ہوتی ہے؛ البتہ اگر ایسی جگہ ہو جہاں کوئی دوسرا نہ ہو اور بدن کے کپڑے ناپاک ہوں، پاک کرنے کے لئے پانی وغیرہ میسر نہ ہو علاوہ ناپاک کپڑے کے کوئی شکل ممکن ہی نہ ہو، تو ایسی مشکل صورت حال میں فقہاء نے ناپاک کپڑے میں نماز کی اجازت لکھی ہے، اس کا اعادہ بھی لازم نہیں ہے، اب مبتلا بہ اپنی حالت پر خود غور کر لے۔

ولو لم يجد ما يزيل به النجاسة صلى معها، ولم يعد، وهذا على وجهين: إن كان ربع الثوب أو أكثر منه طاهرا يصلي فيه وإن كان الطاهر أقل من الربع، فكذلك عند محمد. (هداية، باب شروط الصلوة التي

تقدمہا، اشرفی دیوبند ۱/ ۷۸، فتح القدیر، زکریا ۱/ ۲۷۰، کوئٹہ ۱/ ۲۲۹، البناية، اشرفیہ دیوبند ۲/ ۱۳۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۱۸ھ

نماز کے لئے کئے گئے تیمم سے نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال [۱۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وضو کرنے کے بعد نماز جنازہ پڑھ لی، پھر اسی وضو سے وقتیہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے تیمم سے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر اسی تیمم سے نماز جنازہ پڑھ لی، تو کیا حرج ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس وضو سے نماز جنازہ پڑھی ہے، اس وضو سے نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

بخلاف الوضوء، فإنه طهارة أصلية، والأقرب أن يقال: أن كل وضوء تستباح به الصلاة..... ويكفي الوضوء المطلق. (شامی، باب التیمم، مطلب في الفرق بين الظن وغلبة الظن، زکریا ۱/ ۴۱۶، کراچی ۱/ ۲۴۷)

أن كل وضوء تصح به الصلوة. (شامی، مطلب: الفرق بين الطاعة والقربة، والعبادة، زکریا ۱/ ۲۲۴، کراچی ۱/ ۱۰۷)

وبيانه أن الصلوة تصح عندنا بالوضوء، ولو لم يكن منويا. (شامی، کتاب الطهارة، مطلب الفرق بين الطاعة والقربة والعبادة، کراچی ۱/ ۱۰۶، زکریا ۱/ ۲۲۴)

اسی طرح فرض نماز کے لئے تیمم کیا ہے، تو اس سے نماز جنازہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

أنه لو تیمم للعصر جاز له أن یصلي به غیره. (الاشباه ۱/ ۶۰)

فالحاصل: أن قول عامة العلماء رحمهم الله تعالى، لو وقع التيمم للصلاة أو لجزء من الصلاة جاز أن يصلي به صلاة أخرى، وما لا فلا. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱ / ۳۶۵، رقم: ۷۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹ شعبان ۱۴۱۹ھ

۱۹/۸/۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۸۳)

پینٹ والی دیوار پر تہیم کا حکم

سوال [۱۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس دیوار پر پینٹ کیا جاتا ہے، کیا اس دیوار پر تہیم کر سکتے ہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر ناظم علی ایم بی بی ایس سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس دیوار کو پینٹ سے رنگ دیا گیا ہے، اس دیوار پر تہیم کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ پینٹ رنگ ہے، مٹی کی جنس سے نہیں؛ البتہ جس دیوار کو چونے یا سموسم سے رنگ دیا گیا ہے، اس پر تہیم درست ہے؛ اس لئے کہ چونا اور سموسم بھی مٹی کی جنس سے ہوتا ہے۔

وكذا بالخزف الخالص إلا إذا كان مخلوطا بما ليس من جنس

الأرض أو كان عليه صبغ ليس من جنس الأرض. (البحر الرائق، باب التيمم،

زكريا ۱ / ۲۵۸، كوئٹہ ۱ / ۴۸، ہندیہ، باب التيمم، الفصل الأول، زكريا قديم ۱ / ۲۷،

جدید ۱ / ۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲ صفر ۱۴۲۹ھ

۲۲/۲/۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۹۲۸۰)

مسجد کی دیوار پر تیمم کرنا درست ہے؟

سوال [۱۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دیوار پر تیمم کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب گودھنا، سینٹاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں اگر مسجد میں غسل واجب ہو جائے تو مسجد کی دیوار پر تیمم کر کے باہر نکلے۔

وإن احتلم في المسجد تیمم للخروج. (شامی، کتاب الطہارۃ، باب تیمم، زکریا ۱/۴۱۰، کراچی ۱/۲۴۳، حلی کبیر، سنن الغسل، أشرفیہ: ۶۱، الفتاویٰ التاتاریخانیۃ، فصل فی الغسل ۱/۲۸۶، رقم: ۴۲۲)

ولو احتلم في المسجد وأمكنه الخروج من ساعته يخرج ويغتسل، وقيل: يتيمم ويخرج. (البنایۃ، فصل فی الغسل، مکتبہ أشرفیہ دیوبند ۱/۳۳۲)

و عند الحنفیۃ أيضا لو احتلم فی المسجد وأراد الخروج يتيمم ندبا. (الموسوعۃ الفقھیۃ الكويتیۃ ۱۴/۶۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۴/۶۲۰۶)



۶/ باب المسح علی الخفین

موزے پر مسح کی شرائط کیا ہیں؟

سوال [۱۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موزے پر مسح کرنے کے لئے کیا شرائط ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خفین پر مسح کرنے کی حسب ذیل دس شرائط ہیں: (۱) خفین ٹخنوں سمیت پورے قدم کو چھپالیں (۲) وہ قدم کی ہیئت پر بنے ہوئے اور پیر سے ملے ہوئے ہوں (۳) اتنے مضبوط ہوں جنہیں پہن کر معتد بہ مسافت تک چلنا ممکن ہو اور معتد بہ مسافت کی مقدار بعض فقہائے متاخرین نے ایک فرسخ بیان فرمایا ہے۔ اور ایک فرسخ میں تین میل شرعی ہوتے ہیں۔ اور تین میل شرعی میں تقریباً ساڑھے پانچ کلومیٹر ہوتے ہیں (۴) وہ پیروں پر بغیر باندھے رک سکیں (۵) اتنے دیز ہوں کہ پانی کو پیروں تک نہ پہنچنے دیں (۶) ان میں سے کسی موزے میں اتنی پھٹن نہ ہو جو مسح سے مانع ہو (۷) طہارت کاملہ پر پہننا ہو (۸) وہ طہارت تیمم سے نہ حاصل کی گئی ہو (۹) مسح کرنے والا جنبی نہ ہو (۱۰) اگر پیر کٹا ہوا شخص مسح کرنا چاہے تو یہ شرط ہے کہ کم از کم ہاتھ کی چھوٹی تین انگلیوں کے بقدر اس کے قدم کا اوپری حصہ باقی ہو۔ (مستفاد: کتاب المسائل/۱۷۷)

ویشترط لجواز المسح علی الخفین سبعة شرائط: الأول: لبسهما بعد غسل الرجلین، الثاني: سترهما للکعبین، الثالث: إِمکان متابعة المشی فیہما، الرابع: خلو کل منہما عن خرق قدر ثلاث أصابع من أصغر القدم، الخامس: استمساکہما علی الرجلین من غیر شدة، السادس: منعہما وصول الماء إلی الجسد، السابع: أن یبقی من مقدم القدم قدر ثلاث أصابع

من أصغر أصابع اليد. (مراقی الفلاح، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، مکتبہ فیصل/۵۳، دارالکتاب دیوبند ۱/۱۲۹)

قلت: ویزاد کون الطہارۃ المذكورۃ غیر التیمم، وکون الماسح غیر جنب، والثانی: کونہ مشغولاً بالرجل لیمنع سراية الحدث. (شامی، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/۴۳۷، کراچی ۱/۲۶۲)

والخف الذي يجوز عليه المسح بأن يكون صالحاً لقطع المسافة، والمشى المتتابع عادة، ويستتر الكعبين وماتحتهما. (خانية، فصل في المسح على الخفین، زکریا جدید ۱/۳۲، وعلی هامش الہندیۃ ۱/۴۶، ہندیۃ، الباب الخامس فی المسح علی الخفین، الفصل الأول، زکریا قدیم ۱/۳۲، جدید ۱/۸۵، بدائع، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/۸۱، مجمع الأنہر، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۶۸)

وكذا يجوز على الثخين الذي يمكن المشي به فرسخا الخ. (الدر المتقی، جدید مکتبہ دارالکتب العلمیۃ ۱/۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

وضو کے کچھ دیر کے بعد موزہ پر مسح کرنے کا حکم

سوال [۱۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے حوض سے وضو کیا اور خف پر مسح نہیں کیا، کچھ دیر کے بعد کسی نے یاد دلایا کہ تو نے مسح نہیں کیا، اس کے بعد زید نے مسح کر لیا، تو یہ مسح درست ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کا حوض سے وضو کرنے کے کچھ دیر کے بعد موزے پر

مسح کرنا درست ہے؛ اس لئے کہ صحت مسح میں ترک موات: یعنی پے در پے کو ترک کرنا عذر کی وجہ سے بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

مالک عن نافع أن عبد الله بن عمر بال بالسوق، ثم توضعاً وغسل وجهه ويديه، ومسح برأسه، ثم دعي لجنابة ليصلي عليها حين دخل المسجد، فمسح على خفيه، ثم صلى عليها. (موطأ إمام مالك/ ۱۲ / رقم: ۴۳، السنن الصغرى للبيهقي ۱ / ۵۳، رقم: ۱۱۸، مؤطا إمام محمد/ ۶۹، رقم: ۵۰)

عن عمر بن الخطاب^{رضي} أن رجلاً توضعاً فترك موضع ظفر على قدمه فأبصره النبي^{صلى الله عليه وسلم}، فقال: ارجع فأحسن وضوءك، فرجع ثم صلى..... أمره فيه بالإحسان لا بالإعادة، والإحسان يحصل بمجرد اسباغ غسل ذلك العضو. (إعلاء السنن كراچی ۱ / ۶۶)

إنما يكره التفريق في الوضوء إذا كان بغير عذر، وأما إذا كان لعذر بأن فرغ ماء الوضوء أو انقلب الإناء، وما أشبه ذلك فلا بأس بالتفريق على الصحيح. (الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ۱ / ۸، إمداديه ملتان ۱ / ۷، البحر الرائق، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، زكريا ۱ / ۵۵، كوئٹہ ۱ / ۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

خفین پر مسح کا جواز، مسح کی مدت اور اس کی مقدار

سوال [۱۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) اگر جائز ہے تو اس کی مدت کیا ہونی چاہئے؟ (۳) اور مسح کی مقدار کہاں تک ہونی

چاہئے کہ کہاں تک مسح کرنے سے مسح صحیح ہوتا ہے؟ (۴) نیز وضو کرنے کے بعد نماز پڑھ کر دوبارہ وضو کئے بغیر موزے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فدا احمد اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) چھڑے کے موزوں پر مسح کرنا متواتر احادیث سے ثابت ہے؛ اس لئے بلاشبہ جائز ہے (۲) مسح کرنے کی مدت مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر شرعی کے لئے تین دن تین رات ہے (۳) مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی تین انگلیوں کو تر کر کے پیروں کی انگلیوں کے سرے پر رکھ کر پنڈلیوں تک کھینچا جائے۔ (۴) نماز پڑھنے کے بعد اگر وضو نہ ٹوٹا ہو تو دوبارہ وضو کئے بغیر نماز کے وضو ہی پر موزے پہن لینا جائز ہے۔

عن عروة بن المغيرة، عن أبيه المغيرة بن شعبة، عن رسول الله ﷺ أنه خرج لحاجته، فأتبعه المغيرة بإداوة فيها ماء، فصب عليه حين فرغ من حاجته، فتوضأ ومسح على الخفين. (بخاري شريف، باب المسح على الخفين، النسخة الهندية ۱/ ۳۳، رقم: ۲۰۳، مسلم، باب المسح على الخفين، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۳، بيت الأفكار، رقم: ۲۷۴)

عن علي بن أبي طالب فقال: جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة أيام ولياليها للمسافر، ويوماً وليلة للمقيم. (مسلم شريف، باب التوقيت في المسح على الخفين، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۵، بيت الأفكار، رقم: ۲۷۶)

عن جابر، قال: مر رسول الله ﷺ برجل يتوضأ، ويغسل خفيه، فقال: بيده كأنه دفعه؛ إنما أمرت بالمسح، وقال رسول الله ﷺ: بيده هكذا من أطراف الأصابع إلى أصل الساق، وخطط بالأصابع. (ابن ماجه، باب في مسح أعلى الخف وأسلفه؟ النسخة الهندية ۱/ ۴۱، بيت الأفكار، رقم: ۵۵۱)

المسح على الخفين جائز بالسنة من كل حدث موجب للوضوء إذا

لبسہما علی طہارۃ کاملۃ، فإن کان الماسح مقيما يمسح يوما وليلة، وإن كان مسافرا يمسح ثلاثة أيام ولياليها، ويستحب أن يكون المسح خطوطا بالأصابع، وفرض ذلك المسح مقدار ثلاث أصابع من أصابع اليد. (حلي كبير، فصل في المسح على الخفين، اشرفيه ديوبند ص: ۱۰۷-۱۰۹)

صح أي جاز المسح على الخفين في طهارة من الحدث الأصغر لما ورد فيه من الأخبار المستفيضة، ويمسح المقيم يوما وليلة، ويمسح المسافر ثلاثة أيام بلياليها، وفرض المسح قدر ثلاث أصابع من أصغر أصابع اليد. وسننه مدا الأصابع مفرجة يبدأ من رؤس أصابع القدم إلى الساق. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب المسح على الخفين، دارالكتاب ديوبند ۱۲۷-۱۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۸/۱۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۶۷)

صحت مند شخص کا خفین پر مسح کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) موسم سرد میں کچھ صحت مند حضرات جو اپنی عام مصروفیات میں مشغول رہتے ہیں؛ لیکن عام حالات میں وہ نماز کے لئے مکمل وضو نہیں کرتے ہیں اور ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد بقیہ نماز کے لئے وہ خفین (موزے) پر مسح کر لیتے ہیں، یہاں سوال یہ ہے کہ کیا صحت مند اور حشاش بٹاش شخص جو اپنی عام مصروفیات میں مشغول ہے، اس کے لئے خفین پر مسح کرنا کافی ہے، اس کا وضو ہو جائے گا؟ یا افضل اور بہتر یہ ہوگا کہ وہ مکمل وضو تازہ ہی کرے؟

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں خفین پر مسح فرمایا ہے، تو کن حالات میں کیا پانی

کی قلت کی وجہ سے یا کسی جنگ کی مجبوری میں؟ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس کسی معاملہ میں سہولت دی ہے جیسا کہ قرآن میں سفر اور بیماری کی حالت میں رعایت دی ہے، فطری بات ہے کہ ہر نفس تازہ اور اچھی چیز کو پسند کرتا ہے، قرآن کریم میں اس معاملہ میں کیا کوئی ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے؟ قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں وضاحت فرما دیں۔

المستفتی: اشرف رضا قاضی ٹولہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موزے پر یعنی خفین پر مسح کرنا حضور اکرم ﷺ سے تو اتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اور آپ ﷺ کا موزوں پر مسح کرنا کسی عذر یا پانی کی کمی کی بنا پر نہیں تھا؛ اس لئے ہر شخص کو مسح علی الخفین کے جواز کا معتقد ہونا ضروری ہے۔ اور کسی عقلی وجہ کے بغیر اس کو جائز سمجھنا چاہئے، جیسا کہ حضرت امام صاحب نے اہل سنت والجماعت کی علامت چار چیزوں کو بیان کیا ہے، ان میں سے ایک موزوں پر مسح کے جواز کا اعتقاد بھی ہے؛ اس لئے مسح علی الخفین کے جواز میں کوئی شک نہیں کرنا چاہئے۔

عن سعد بن ابی وقاص عن النبی ﷺ أنه مسح علی الخفین.

(بخاری شریف، باب المسح علی الخفین، النسخة الهندیة ۱/۳۲، رقم: ۲۰۲)

قال في الدر: وفي القهستاني: أنه رخصة مسقطه للعزيمة، ولهذا لو صب الماء في خفه بنية الغسل ينبغي أن يصير آثما، قال الشامي تحته: لما علمت من أن العزيمة لم تبق مشروعة ما دام متخففا. (درمختار، كتاب

الطهارة، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/۴۴۳، کراچی ۱/۲۶۴)

قال في البدائع: المسح علی الخفین جائز عند عامة الفقهاء، وعامة الصحابة رضی اللہ عنہم. (بدائع، كتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین، زکریا

۱/۷۶، کراچی ۱/۷)

ولهذا رآه أبو حنيفة - رحمه الله - من شرائط السنة والجماعة،

فقال فيها: أن تفضل الشيخين، وتحب الختنيين، وأن ترى المسح على الخفين، وأن لاتحرم نبيذ التمر. (بدائع الصنائع، زكريا ۱/ ۷۷، كراچی ۱/ ۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۸۴)

مقیم نے ایک دن ایک رات سے قبل سفر شروع کیا اور مسافر تین دن تین رات سے قبل مقیم ہو گیا، تو مسح کا کیا حکم؟

سوال [۱۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقیم نے چوبیس گھنٹے پورے کرنے سے قبل ہی سفر شروع کر دیا ہے، تو کیا تین دن تین رات پورے کرے گا؟ یا چوبیس گھنٹے پورے ہونے پر موزے اتار دے گا؟ اسی طرح مسافر تین دن تین رات پورے ہونے سے قبل آٹھ گھنٹے پہلے مقیم ہو گیا، تو موزے اتار دے گا یا تین دن تین رات پورے کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس مقیم نے چوبیس گھنٹے پورے ہونے سے قبل ہی سفر شروع کر دیا، تو اب چوبیس گھنٹے پورے ہونے پر وہ موزے کو نہیں اتارے گا؛ بلکہ مدت سفر کو پورا کر سکتا ہے؛ لیکن اگر مسافر تین دن تین رات پورے ہونے سے قبل مقیم ہو گیا کہ ابھی آٹھ گھنٹے باقی تھے، تو یہ تین دن تین رات پورے نہیں کرے گا؛ بلکہ مقیم ہونے کے بعد فوراً خف کو اتار دینا لازم ہے؛ اس لئے کہ یہ رخصت سفر کی وجہ سے حاصل تھی، بدون سفر یہ رخصت باقی نہ رہے گی۔

من ابتدأ المسح وهو مقیم، فسافر قبل تمام یوم و لیلة مسح ثلاثة

أیام ولیالیہا، سواء سافر قبل انتقاض الطهارة أو بعده قبل کمال مدة المقيم، ولو أقام وهو مسافر إن استكمل مدة الإقامة نزع؛ لأن رخصة السفر لا تبقى بدونہ. (فتح مع الهدایة، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/۱۵۷، کوئٹہ ۱/۱۳۶-۱۳۷، دارالفکر ۱/۱۵۵)

وإن مسح مقيم، ثم سافر قبل تمام مدته، أتم مدة المسافر، وإن أقام المسافر بعد ما مسح يوما وليلة نزع خفيه؛ لأن رخصة السفر لا تبقى بدونہ. (حاشیة الطحطاوي، باب المسح علی الخفین، مکتبہ دارالکتاب دیوبند/۱۳۱)

مقيم سافر في مدة الإقامة يستكمل مدة السفر والمسافر إذا أقام بعد ما استكمل مدة الإقامة ينزع خفيه ويغسل رجليه. (هنديّة، باب المسح علی الخفین، الفصل الأول، زکریا قديم ۱/۳۴، جديد ۱/۸۷، الولوالجیة، دارالایمان سهارن پور ۱/۶۲، الجوهرة النيرة، باب المسح علی الخفین، إمدادیة ملتان ۱/۳۲، دارالکتاب دیوبند ۱/۳۳، تبیین الحقائق، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/۱۵۰، إمدادیة ملتان ۱/۵۱، خانية، فصل في المسح علی الخفین، زکریا جديد ۱/۳۴، وعلى هامش الهندیة ۱/۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

خفین کے اوپر سوتی موزہ پہن کر مسح کرنے کا حکم

سوال [۱۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر نے پہلے خف پہن لیا اس کے بعد خف کے اوپر سوتی موزہ پہن لیا اب سوتی موزے پر مسح کرتا ہے، تو یہ مسح مسح علی الخف کے حکم میں داخل ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص خف کے اوپر سوتی موزہ پہن کر اس پر مسح کرتا

ہے، تو اگر یہ سوتی موزہ اتنا موٹا ہے کہ اس کی وجہ سے تراوٹ خف تک نہیں پہنچ پاتی ہے، تو اس طرح کے موزے پر مسح کرنے سے مسح درست نہ ہوگا؛ لیکن اگر سوتی موزہ اتنا باریک ہے کہ مسح کرنے سے تراوٹ خف پر چلی جاتی ہے، تو اس طرح کے سوتی موزے پر مسح کرنا جائز اور درست ہے اور اس پر مسح علی الخف کا حکم جاری ہو جائے گا۔

يجوز المسح على الجرموق فوق الخف ولو كان الجرموق من كرباس أو نحوه لا يجوز إلا أن يكون رقيقا يصل البلل إلى ماتحتہ.
(مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، دارالكتب العلمية ۱/ ۷۴، مصري قديم ۱/ ۴۹)

إن كان لبسهما فوق الخفين، فإن كانا من كرباس أو ما يشبه الكرباس لا يجوز المسح عليهما..... إلا أن يكونا رقيقين يصل البلل إلى ماتحتهما. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السادس في المسح على الخفين ۱/ ۴۰۹، رقم: ۹۷۱، هندية، الباب الخامس في المسح على الخفين، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۳۲، جديد ۱/ ۸۵، المحيط البرهاني، كتاب الطهارة، الفصل السادس في المسح على الخفين، كوئته ۱/ ۱۹۰، المجلس العلمي ۱/ ۳۴۵، رقم: ۶۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

دبیز موٹے اونی موزہ پر مسح کا حکم

سوال [۱۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو رہن پر مسح کا کیا حکم ہے؟ آج کل انگلینڈ سے ایسا موزہ آرہا ہے جو موٹا دبیز ہے، اس کو پہن کر چار پانچ کلومیٹر آرام سے چل سکتے ہیں، اس پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو اونی موزہ اتا موٹا اور دیز ہو جسے پہن کر چار پانچ کلو میٹر آرام سے چلا جا سکتا ہو اور وہ بغیر کسی سہارے کے پیر پر رک جاتا ہو، نیز پہننے کے بعد پیر کے اندر کا حصہ نظر بھی نہ آتا ہو، تو ایسے موزے پر مسح کرنا درست ہے، یہ شرائط اگر انگریز کے موزے میں پائی جاتی ہیں، تو ان پر بھی مسح درست ہے۔

عن المغيرة بن شعبه قال: توضع النبي ﷺ، ومسح على الجوربين

والنعلين. (ترمذي، باب في المسح على الجوربين والنعلين، النسخة الهندية ۱/ ۲۹، دارالسلام، رقم: ۹۹، أبو داؤد شريف، باب المسح على الجوربين، النسخة الهندية ۱/ ۲۱، دارالسلام، رقم: ۱۵۹، سنن ابن ماجه، باب ماجاء في المسح على الجوربين والنعلين، النسخة الهندية ۱/ ۴۲، دارالسلام، رقم: ۵۵۹)

المسح على الجوربين إذا كانا ثخينين بحيث يستمسكان على

الساق من غير أن يربطاً بشيء جاز عندهما، وعن أبي حنيفة أنه رجع إليهما في آخر عمره عليه الفتوى. (الفتاوى السراجيه، دار الأيمان سهارن پور: ۴۳)

حكى أن أبا حنيفة مسح على جوربيه في مرضه الذي مات فيه، وقال

لعوداه فعلت ما كنت أمتنع الناس عنه، وعليه الفتوى. (التاتارخانية، الفصل السادس في المسح على الخفين ۱/ ۴۰۷، رقم: ۹۶۸)

وقال أبو يوسف ومحمد: يجوز المسح على الجوربين إذا كانا

ثخينين لا يشفان أي لا يرى ماتحتهما من بشرة الرجل من خلاله - رجع أبو حنيفة إلى قولهما في آخر عمره قبل موته، وعليه الفتوى. (الجوهرة النيرة،

باب المسح على الخفين، مكتبه دارالكتاب ديوبند ۱/ ۳۳، إمداديه ملتان ۱/ ۳۲، ۳۸، فتح القدیر، کتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، مكتبه زكريا ۱/ ۱۵۸، كوئٹہ ۱/ ۱۳۶، بدائع، باب المسح على الخفين، زكريا ۱/ ۸۳، تبیین الحقائق، باب المسح على الخفين،

زکریا ۱/ ۱۵۳، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۵۲، مجمع الأنهر، باب المسح علی الخفین، مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱/ ۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

سوتی موزہ پر خفین پہن کر مسح کرنے کا حکم

سوال [۱۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص نے پہلے اوئی یا سوتی موزہ پہن لیا اس کے اوپر خفین پہن لیا، اب خفین پر مسح کرتا ہے، تو اس کا مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سوتی یا اوئی موزہ پہن کر اس پر خفین پہن لئے جائیں اور ان پر مسح کیا جائے تو اس طرح مسح کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۲/ ۴۵، امداد الفتاویٰ زکریا ۱/ ۸۰)

یعلم منہ جواز المسح علی خف لبس فوق مخیط من کرباس أو جوخ أو نحوهما مما لا يجوز علیه المسح. (منحة الخالق، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/ ۳۱۵، کوئٹہ ۱/ ۱۸۱)

وهو أن ما يلبس من الكرباس المجرد تحت الخف يمنع المسح علی الخف لكونه فاصلا وقطعة كرباس تلف علی الرجل لا تمنع؛ لأنه غير مقصود باللبس. (شامی، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، زکریا ۱/ ۴۵۱، شامی کراچی ۱/ ۲۶۹، حلبی کبیر، فصل فی المسح علی الخفین، أشرفی ۱۱۳/ ۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

کیا موزے پر مسح کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سادہ موزے اوئی سوئی یا نائلون کے ہوں اور وہ نہ تو سخت ہوں کہ خود کھڑے رہ سکیں اور نہ اتنے دبیز ہوں کہ ان میں پانی نہ چھن سکے اور نہ اتنے مضبوط ہوں کہ تین میل ان کو پہن کر چلا جاسکے، اگر ان پر چڑے کے بنے ہوئے پائتا بے جو سلیم شاہی جوتی کی شکل کے ہوتے ہیں، سی دئے جائیں تو ان پر مسح جائز ہے یا نہیں؟ جو رب منعل میں یہ داخل ہیں یا نہیں؟ براہ کرم اپنی تحقیق، رائے اور فتویٰ سے مطلع فرمائیں ممنون ہوں گا۔

(نوٹ) ”امداد الاحکام“ جلد اول میں اس سلسلہ میں ایک مفصل فتویٰ ہے۔ اور ”فتاویٰ دارالعلوم“ قدیم میں اس موضوع پر ایک رسالہ ہے، ”بہشتی زیور“ حصہ اول اور ”تعلیم الاسلام“ حصہ دوم میں بھی مسئلہ ہے اور عام کتب افتاء کی احاث آپ سے مخفی نہیں ہیں۔

والسلام سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری، خادم دارالعلوم دیوبند ۱۲/۸/۱۴۱۷ھ

المستفتی: مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری،

استاذ دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ سادہ باریک موزہ جس پر سلیم شاہی جوتی کی شکل کے پائتا بے سی دئے جائیں تو وہ جو رب رفیق منعل میں داخل ہوں گے، اس پر مسح کے جواز و عدم جواز کے بارے میں: (”البحر الرائق“ باب مسح علی الخفین، کوئٹہ/۱۸۳، زکریا/۱/۳۱۷، منجہ الخالق علی البحر، باب مسح علی الخفین، کوئٹہ/۱۸۲، زکریا/۱/۳۱۷، بدائع، باب مسح علی الخفین، جدید زکریا/۱/۸۳، کراچی/۱۰/۱، ہندیہ، الباب الخامس فی مسح علی الخفین، الفصل الأول، زکریا قدیم/۱/۳۲، جدید/۱/۸۵، کبیری، باب مسح علی الخفین، مکتبہ اشرفیہ دیوبند/۱۲۰، تاتارخانیہ/۲۶۷، جدید، کتاب الطہارۃ، الفصل السادس، زکریا/۱/۴۰۶، طحاوی علی المراتی/۷۰، شامی زکریا/۱/۴۳۸، کراچی/۱/۲۶۲) میں جو بحثیں کی گئی ہیں، ان

سب کا حاصل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اکثر مشائخ متاخرین کے نزدیک اس پر مسح جائز نہیں ہے۔ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ”نیل المہارب“ میں بھی مختلف دلائل سے اس پر مسح کو ناجائز لکھا ہے۔ اور اگر سادہ موزہ دبیز ہو، مگر ٹخنوں کے شرائط میں داخل نہ ہو تو علامہ شامی اور شارح منیہ نے اس پر مسح کو جائز لکھا ہے، مگر ساتھ ساتھ ”ولکن هذا حکم التقویٰ، وهو لا یمنع الجواز“ کہہ کر خلاف احتیاط بھی بتلایا ہے، انہیں حضرات کی رائے و رجحان کے مطابق ”فتاویٰ دارالعلوم“ جدید ۲/۲۷۷، اور ”بہشتی زیور“ کے متن میں اس پر مسح کو جائز لکھا ہے، مگر ”بہشتی زیور“ کے کُشی نے اعتراض کر کے خلاف احتیاط کہہ کر مسح نہ کرنے کی بات لکھی ہے۔ اور ”تعلیم الاسلام“ میں یہ مسئلہ صاف اور واضح نہیں ہے، نیز ”بدائع، ہندیہ، بحر، طحاوی“ وغیرہ کی عبارات سے ان فقہاء کرام کا رجحان عدم جواز ہی ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے عدم جواز ہی کی بات اس خاکسار کے فہم ناقص میں رائج ہے اور یہی احوط اور اصول کے موافق بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۸/۱۷ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ شعبان ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۹۹۲)

موزے کی چین ٹخنوں سے نیچے تلوے تک کھلنے کا حکم

سوال [۱۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے موزوں کی شرائط کے مطابق فجر کی نماز کے وقت وضو کرنے کے بعد موزہ پہن کر فجر کی نماز پڑھی، اس کے بعد وضو ٹوٹ گیا، پھر موزہ پر مسح کر کے ظہر کی نماز پڑھی، پھر دو پہر کو نماز کے بعد کھانا کھا کر قیلولہ کیا، جب اٹھا تو موزے کی چین ٹخنوں سے نیچے تلوے تک کھل گیا ہے، اب تلوے تک کھل جانے کی وجہ سے موزہ اتار کر دوبارہ وضو کر کے موزہ پہننا ضروری ہے یا چین کو بند کر دیا جائے اور اسی پر مسح کرے؟ اس سلسلے میں حکم شرعی کیا ہے؟ واضح فرما دیجئے۔

المستفتی: مولانا عبدالناصر صاحب نائب مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موزہ کی چین تلوے تک کھل جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خرق کبیر کے حکم میں ہو گیا اور خرق کبیر کا حکم اکثر قدم میں سے موزہ نکل جانے کے حکم میں ہے۔ اور اگر حالت حدث میں قدم کا اکثر حصہ موزہ سے نکل جائے تو باقاعدہ وضو کر کے موزہ پہننا لازم ہے۔ اور اگر حالت وضو میں ہے تو پیروں کو دھو کر کے موزہ پہننے کا حکم ہے؛ لہذا مذکورہ صورت میں خرق کبیر کے حکم میں ہونے کی وجہ سے موزہ نکال کر باقاعدہ وضو کر کے دوبارہ پہننا ضروری ہے؛ اس لئے کہ قبولہ میں سو جانے کی وجہ سے وضو باقی نہیں رہا ہے اور حالت حدث میں ایسا واقعہ پیش آنے کی صورت میں پورا موزہ اتار کر کامل وضو کر کے پہننے کا حکم ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

من السواقض الخرق الكبير، وخروج الوقت للمعذور، قاله السيد:
والخرق الكبير الحادث بعد المسح داخل في حكم النزاع، وخروج
الوقت للمعذور داخل في انقضاء المدة. (حاشية الطحطاوي على المراقي،
الطهارة، قبيل فصل في الحيرة ونحوها، دار الكتاب ديوبند/ ۱۳۴)

خروج أكثر القدم نزاع، وهو الصحيح. (البحر الرائق، الطهارة، باب
المسح على الخفين، زكريا ۱/ ۳۱۰، كراچی ۱/ ۱۷۸)

حكم النزاع يثبت بخروج القدم إلى الساق، وكذا أكثر القدم وهو
الصحيح. (الفتاوى التاتارخانية، الطهارة، الفصل السادس المسح على الخفين، زكريا
۱/ ۴۱۸، رقم: ۱۰۱۴، ومثله في الهداية مع البناية، الطهارة، باب المسح على الخفين،
أشرفيه ۱/ ۶۰۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۷

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۴۴/۴۱)

موزے پر مسح سے متعلق ”ایضاح المسائل“ کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال [۱۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خیرت دارم وی خواہم! آپ کی کتاب ”ایضاح المسائل“ کے ایک مسئلہ کی تحقیق مطلوب ہے: ”ایضاح المسائل“ ص: ۲۰، مسئلہ نمبر ۱۳ میں درج ہے: ”البتہ چڑے کے موزے اور سوت یا اون کے موٹے دبیز موزے پر مسح جائز ہے کہ بغیر جوتے کے ایک ڈیڑھ کلو میٹر چل سکتا ہو اور مسح کرنے میں تری کا اثر نیچے کو محسوس نہ ہوتا ہو“۔ (ہدایہ جیسوری/۶۱) اور ”ہدایہ“ ۱/۶۱ کے حاشیہ نمبر ۳ پر درج ہے کہ: ”الصحيح أنه إن كان صلبا مستمسكا يمشي معه فرسخاً، أو فراسخ، فعلى هذا الخلاف كما في المشي ۱۲“۔ اور ”ایضاح المسائل“ کے ص: ۷۰ پر فرسخ کی مقدار تین میل ۶۰۰۰ گز پانچ کلو میٹر ۴۸۶ میٹر ۴ ڈیسی میٹر لکھی ہے، تو اس حساب سے ایک فرسخ پانچ کلو میٹر سے بھی زیادہ ہوتا ہے، جب کہ ”ہدایہ“ کے حاشیہ کی عبارت میں ”فرسخ أو فراسخ“ بھی ہے۔ اور حضرت مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ نے ”کتاب المسائل“ ۱/۱۸۵ پر ”ایضاح المسائل“ ص: ۷۰ پر ہی کے حوالہ سے مذکورہ مسئلہ ایک فرسخ ہی لکھا ہے۔

اسی ص: ۷۰ کے شروع میں لکھا ہے ایک میل شرعی ۲۰۰۰ گز ایک کلو میٹر ۱۸۲۸ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر ہے، تو یہ پوری تفصیل ایک میل شرعی کی ہے یا ایک میل شرعی فقط دو ہزار گز کا ہوتا ہے؟ اسی طرح سے ایک میل انگریزی ۶۰ گز ایک کلو میٹر ۶۰۹ میٹر ۳ سینٹی میٹر ۴ لیٹر۔ مزید وضاحت: ایک میل شرعی ۲۰۰۰ گز ۱۸۲۸ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر، تو اس میں ۱۸۲۸ درج ہے اور اوپر والی لائن میں ۱۸۲۸ درج ہے۔ بالتفصیل وضاحت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: آپ کا اپنا رفیق: عبدالحفیظ قاسمی، خادم جامعہ تحفیظ القرآن

ابی بن کعب، محلہ نورسراے نگینہ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”ایضاح المسائل“ ص: ۲۰ پر ایسا ہی لکھا ہوا

ہے جیسے آنجناب نے توجہ دلائی ہے اور اس میں ہدایہ کا حوالہ ہے۔ اور ہدایہ کے متن میں کوئی مقدار مذکور نہیں ہے؛ بلکہ صرف اتنا ہے کہ: اس کو پہن کر چل سکتا ہو، اس میں تین شرطیں لگائی ہیں: (۱) جو ربین خوب دیز اور موٹے ہوں (۲) بغیر کسی چیز سے باندھے پنڈلی پر خود بخود رک جاتے ہوں (۳) ان کو پہن کر معتد بہ مسافت چل سکتا ہو، یہ ہدایہ کے متن کا حاصل ہے؛ لیکن ہدایہ کے حاشیہ میں اور جزئیات کی کتابوں میں معتد بہ چلنے کی مسافت کم از کم ایک فرسخ لکھی ہے اور ایک فرسخ میں ۳ میل شرعی ہوتے ہیں، جس میں ۶۰۰۰ گز ہوتے ہیں۔ اور کلو میٹر کے حساب سے ۵۷ کلو میٹر ۲۸۶ میٹر ۴ ڈیسی میٹر ہوتے ہیں، یعنی تقریباً ساڑھے پانچ کلو میٹر چل سکتا ہو؛ لہذا اتنی دور تک اس موزے کو پہن کر چل سکتا ہو تو اس پر مسح کرنا جائز ہے؛ لہذا ”ایضاح المسائل“ ص: ۲۰ پر ایک ڈیڑھ کلو میٹر کی جو بات لکھی گئی ہے، احقر اس سے رجوع کرتا ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ ۳ میل شرعی کی مسافت چل سکتا ہو جو حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

أو جوربیه ولو من غزل أو شعر، الثخینین بحیث یمشی فرسخا
ویثبت علی الساق بنفسه. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الطہارۃ، باب المسح
علی الخفین، زکریا ۱/ ۴۵۱، کراچی ۱/ ۲۶۹)

و کذا یجوز علی الثخین الذی یمکن المشی بہ فرسخا. (سکب الأنہر
مع مجمع الأنہر، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱/ ۷۴)
حضرت والا نے ”ایضاح المسائل“ ص: ۷۰ کی ایک عبارت کی نشاندہی کی ہے،
جس میں ایک میل شرعی کی مقدار ۲ ہزار گز یعنی ایک کلو میٹر ۸۲۸ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر ہے، یہ
مقدار ایک میل شرعی کی مسافت کی ہے، میٹر اور گز میں فرق ہے۔ ۲۰۰۰ گز میں ۱۸۲۸ میٹر
اور ۸۰ سینٹی میٹر ہوتے ہیں، اب ”ایضاح المسائل“ ص: ۷۰ کی عبارت میں اوپر کی لائن
میں اور نیچے کی لائن میں نظر ثانی فرمائیں یہی لکھا ہوا موجود ہے، امید ہے کہ مزاج گرامی
باعافیت ہوں اور اس تحریر سے اطمینان ہو گیا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۹ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

۱۴۳۶/۲۹

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۹۸)

۷/ باب في النجاسات وأحكامها

انسان کے آنسو، پسینہ اور لعاب کا حکم

سوال [۱۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آنسو پاک ہوتا ہے یا ناپاک؟ اگر کسی کپڑے پر آنسو ٹپکے اور وہ بھیگ جائے یا چشمہ آنسوؤں سے تر ہو جائے، تو ان چیزوں کو پاک کرنا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتی: عامر فیضی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: انسان کا آنسو، پسینہ اور لعاب سب پاک ہیں؛ لہذا اگر یہ کپڑے پر لگ جائیں تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے؛ بلکہ علیٰ حالہ پاک ہی رہیں گے۔

فسؤر آدمي مطلقاً و مأكول لحم طاهر الفم طاهر (تحتہ فی الشامیة:) و لعابه متولد من لحمه، فاعتبر به طهارة و نجاسة و كراهة و شكاً. (تنویر الأبصار مع الشامی، باب المیاء، مطلب فی السور، زکریا ۱/ ۳۸۱، ۳۸۲، کراچی ۱/ ۲۲۲)

و حکم عرق کسؤر، و تحتہ: أي العرق من کل حیوان حکمہ کسؤرہ لتولد کل منهما من اللحم، کذا قالوا: و لا خفاء أن المتولد هو اللعاب، أي لا السؤر. (درمختار مع الشامی، باب المیاء، مطلب فی السؤر، کراچی ۱/ ۲۲۸، زکریا ۱/ ۳۸۱-۳۸۹)

عرق کل شیء معتبرہ بسؤرہ..... و سؤر الأدمي طاهر، و یدخل فی هذا الجنب و الحائض و النفساء و الکافر. (ہندیة، الباب الثالث، فی المیاء، الفصل الثاني فیما لا یجوز به التوضی، زکریا قدیم ۱/ ۲۳، جدید ۱/ ۷۶)

و عرق کل شیء معتبرہ بسؤرہ؛ لأنهما يتولدان من لحمه، فأخذ أحدهما حکم صاحبه، قال: و سؤر الأدمي و ما يؤکل لحمه طاهر؛ لأن

المختلط به اللعاب ، وقد تولد من لحم طاهر ، فيكون طاهرا . (هدايه، فصل في الآسار وغيرها، أشرفي ديوبند ۱/ ۴۴، کراچی ۱/ ۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۲/۹/۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۳۲/۲۸)

منی ائمہ اربعہ میں سے کس کے نزدیک پاک ہے؟

سوال [۱۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منی ائمہ اربعہ میں سے کس کے نزدیک پاک ہے؟

المستفتی: مسرور احمد، پوسٹ بکس ۱۶۱۲، ریاض ۱۱۵۳۱، سعودیہ عربیہ K.S.A

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: منی امام مالک و امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک پاک اور امام احمد کے ایک قول میں پاک اور دوسرے قول میں ناپاک ہے۔

قال مالک: أنه نجس يجب غسله، وأحمد في إحدى روايته: الثاني: قال أبو حنيفة: أنه نجس، يجزئ فركه، الثالث: قال الشافعي: هو طاهر لا غسل فيه، ولا فرق إلا على الاستحباب لقباحة منظره واستحياء مما يدل عليه من حالته. (أمانی الأخبار في شرح معاني الآثار، باب حکم المنی هل هو طاهر أم نجس؟ مکتبہ یحیی سہارنپور ۱/ ۲۴۸)

باب في المنی يصيب الثوب، مذهب الشافعي وأحمد طهارة المنی، ومذهب أبي حنيفة ومالك أنه نجس. (العرف الشذی علی الترمذی ۱/ ۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۳/۲۴)

کپڑے میں لگی ہوئی منی کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال [۱۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منی نکل کر کپڑے پر لگ جاوے اور خشک ہو جائے اور رگڑ کر صاف کر دیا جائے، تو کپڑا پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ یا پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے پاک کرنے کے لئے کوئی شرط ہے؟ اس کا جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: معام احمد بھگلپوری، معلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر منی رقیق ہے تو رگڑ کر صاف کرنے سے کپڑا پاک نہیں ہو سکتا؛ لیکن اگر غلیظ ہے تو پاک ہو جائے گا، اس زمانہ میں ضعف طبائع کی بنا پر عام طور سے منی رقیق اور پتلی ہوتی ہے؛ اس لئے پانی سے پاک کرنا ضروری ہے۔

عن عائشة قالت: كنت أفرك المنى من ثوب رسول الله ﷺ إذا كان يابساً، وأغسله إذا كان رطباً. (سنن الدار قطنی، باب ما ورد في طهارة المنى وحكمه رطباً ويابساً، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۳۱، رقم: ۴۴۳)

والنص ورد في منى الرجل، ومنى المرأة ليس مثله لرقته وغلظ منى الرجل، والفرك إنما يؤثر زوال المفروك أو تقليله، وذلك فيما له جرم، والرقيق المائع لا يحصل من فركه هذا الغرض، فيدخل منى المرأة إذا كان غليظاً، ويخرج منى الرجل إذا كان رقيقاً لعارض. (شامی، باب الأنجاس، مطبع کوئٹہ ۱/ ۲۲۹، کراچی ۱/ ۳۱۳، زکریا ۱/ ۵۱۵، إمداد الفتاوى، زکریا ۱/ ۱۲۴، ۱/ ۷۷، ہندیہ، الباب السابع الفصل الأول، زکریا قديم ۱/ ۴۴، جدید ۱/ ۹۸، تاتارخانیہ، الفصل الثامن

تطهير النجاسات، زکریا ۱/ ۴۶۲، رقم: ۱۲۲۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ رمضان ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۸۶)

بدن سے نجاست غیر مرئی کی تطہیر کا طریقہ

سوال [۱۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہاتھ یا بدن کے کسی عضو پر نجاست غیر مرئی غیر دیدار لگ جائے، تو اس کی تطہیر کا کیا طریقہ ہے؟

المستفتی: جمیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی نجاست سے پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ پانی ڈال کر دھولیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔

عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا استيقظ أحدكم من نومه، فلا يغمسن يده في الإناء حتى يغسلها ثلاثاً؛ فإنه لا يدري أين باتت يده. (مسلم شريف، باب كراهة غمس المتوضي وغيره، النسخة الهندية ۱/۱۳۶، بيت الأفكار، رقم: ۲۷۸)

إذا أصابت النجاسة البدن يطهر بالغسل ثلاث مرات متواليات. (تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثامن في تطهير النجاسات، قديم ۱/۳۰۸، جديد ۱/۴۵۳، رقم: ۱۱۸۳)

ويطهر محل النجاسة غير المرئية بغسلها ثلاثاً. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الأنجاس و الطهارة عنها، دار الكتاب ديوبند ص: ۱۶۱)

وإن كانت غير مرئية يغسلها ثلاث مرات. (هندية، الباب السابع، زكريا قديم ۱/۴۲، جديد ۱/۹۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ / رب ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۷۰/۲۸)

روٹی پر لگے ہوئے گوبر کی راکھ کا حکم

سوال [۱۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت گوبر کے ایلوں سے چولہا جلاتی ہے اور اسی ایندھن سے روٹی بھی بناتی ہے، جب روٹی کی سکائی ہوتی ہے، تو اس کی راکھ روٹی پر لگ جاتی ہے، تو اس روٹی کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس میں گوبر کے ذرات لگ گئے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دیہاتوں میں گوبر کے ایلے سے روٹی بنتی ہے اور روٹی کی سکائی ایلے کی آگ سے ہوتی ہے اور کوئی روٹی ایسی نہیں ہوتی جس میں کم یا زیادہ گوبر کی راکھ نلگ جاتی ہو اور یہ عموم بلوئی ہے اور اس کو ناپاک اور ناجائز قرار دینے میں سخت مشکلات پیش آسکتی ہیں؛ اس لئے روٹی میں لگی ہوئی راکھ اور ذرات کو شریعت نے پاک قرار دیا ہے۔ (مستفاد: غیر مقلدین کے ۵۶/۱ اعتراضات کے جوابات، ص: ۱۴۱، فتاویٰ دارالعلوم ۱/۱۷۳، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۸/۲۵۸، ڈبھیل ۵/۲۳۶)

ومن ذلك قولنا: بأن النار مطهرة للروث والعدرة، فقلنا بطهارة رمادها لتيسر، وإلا لزمنا نجاسة الخبز في غالب الأمصار. (الأشياء والنظائر، زكريا، ص: ۲۲۹)

وإذا سعرت المرأة التنور ثم مسحته بخرقه مبتلة نجسة، ثم خبزت فيه، فإن كانت حرارة النار أكلت بلة الماء قبل إصاق الخبز بالتنور لا يتنجس الخبز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثامن في تطهير النجاسات ۱/ ۴۶۱، رقم: ۱۲۱۷، خلاصة الفتاوى، اشرفیہ دیوبند ۱/ ۴۲، ہندیہ، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۴۴، جديد ۱/ ۹۸، المحيط البرهاني، الفصل الثامن في تطهير النجاسات، كوثه ۱/ ۲۳۱، جديد المجلس العلمي ۱/ ۳۸۷، رقم: ۸۰۲، خانیه، كتاب الطهارة، فصل في النجاسة التي تصيب الثوب أو الخف أو البدن،

زکریا جدید ۱/۱۷، وعلی ہامش الہندیہ، زکریا ۱/۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

با وضو گیلے پیر ناپاک فرش پر رکھنے سے پیر پاک ہے یا ناپاک؟

سوال [۱۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گو برکے گارے سے پتائی کے بعد فرش سوکھ گیا ہے، اب زید وضو کر کے گیلے پیر اس کے اوپر چلتا ہے، تو زید کے پیروں پر جو لگنا تھا وہ لگ گیا، اس کے بعد زید پیر دھوئے بغیر نماز پڑھ لیتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: وضو کر کے گیلے پیروں سے گو برکے فرش پر چلنے سے پیر ناپاک شمار نہ ہوگا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈبھیل ۵/۲۸۵، میرٹ ۸/۳۳۰، فتاویٰ دارالعلوم/۱/۳۷۳)

المشقة تجلب التيسير . (الأشياء والنظائر، زكريا، ص: ۲۲۶)

الضرورات تبيح المحضورات . (الأشياء والنظائر، زكريا، ص: ۲۵۱)

إذا وضع رجله على أرض نجسة، أو على لبد نجس إن كانت الرجل رطبة والأرض أو اللبد يابسا، وهو لم يقف عليه بل مشي لا تتنجس رجله، ولو كانت الرجل يابسة والأرض رطبة، وظهرت الرطوبة في الرجل، تتنجس رجله، وفي بعض المواضع: لم يشترط ظهور الرطوبة في الرجل؛ لأنه يظهر أثر الرطوبة في الرجل لا محالة. (المحيط البرهاني، الفصل السابع في النجاسة ۱/۲۱۳، المجلس العلمي ۱/۳۶۸، رقم: ۷۴۱، خانبة، فصل النجاسة، زكريا جديد ۱/۱۹، وعلی ہامش الہندیہ ۱/۲۶، كذا فی حلی کبیر، باب الأنجاس، اشرفیہ

دیوبند، ص: ۲۰۶)

مشي في الطين ولم يغسل قدميه حتى صلى يجزيه ما لم يكن فيه أثر النجاسة. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل السابع معرفة النجاسات وأحكامها ۱/ ۴۳۶، برقم: ۱۰۹۷) دخل المشرعة وتوضأ ولم يكن له نعلان، فوضع رجله على ألواح المشرعة وقد كان يدخل فيها من رجلاه قدر جاز. (الفتاوى التاتارخانية ۱/ ۴۳۸، رقم: ۱۱۱۰، شامي فصل في الاستنجاء، زكريا ۱/ ۵۶۵، كراچی ۱/ ۳۵۰) أخرج ابن أبي شيبة عن الحسن في طين المطر يصيب الثوب، قال: إن شاء غسله وإن شاء تركه حتى يجف، ثم يفرقه. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ۲۳۱، رقم: ۱۸۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

چاول کی دیگ میں چوہا گر جائے تو کیا کریں؟

سوال [۱۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے سو آدمیوں کی دعوت کی، جس میں ایک من چاول بنائے، جب چاول بن رہے تھے تو چاول بنتے میں اچانک ایک چوہا گر گیا، گرتے ہی فوراً مر گیا اور زید کے پاس کھانا کھلانے کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہے، تو ایسی صورت میں وہ چاول جس میں چوہا گر گیا تھا، لوگوں کو کھلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز نہ ہوگا تو جن آدمیوں کی دعوت کی ان سے کس طرح نجات پائے؟ مدلل و مفصل وضاحت فرمائیے۔

المستفتی: اشرف علی قصبہ کوری روانہ، ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر چاول ابھی نرم نہیں ہوا ہے، تو تین مرتبہ دھو کر دوبارہ پکانا شروع کر دیا جائے اور پکا کر کھانا جائز ہوگا؛ لیکن اگر نرم ہو چکا ہے، تو اس کا

کھانا جائز نہیں ہوگا اور مدعوین حضرات سے یہ عذر ظاہر کر دیا جائے کہ یہی ان سے نجات کی صورت ہے۔

كما استفيد عن الشامي: ولو صببت الخمرة في قدر فيها لحم إن كان قبل الغليان يطهر اللحم بالغسل ثلاثا، وإن كان بعده فلا. (شامي كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في تطهير الدهن والعسل، كراچی ۱/۳۳۴، زکریا ۱/۵۴۴، البحر الرائق، باب الأنجاس، کوئٹہ ۱/۲۳۹، زکریا ۱/۴۱۵)

امراة تطبخ قدرا فطار طير فوق في القدر ومات لا يؤكل المرققة بالإجماع؛ لأنه تنجس بموت الطير فيه، وأما اللحم ينظر إن كان الطير وقع في القدر حالة الغليان لا يؤكل؛ لأن النجاسة تشربت، وإن كان الطير قد وقع في القدر حالة السكون يغسل ويؤكل. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثامن في تطهير النجاسات ۱/۴۵۷، رقم: ۱۲۰۲، المحيط البرهاني، الفصل الثامن في تطهير النجاسات، المجلس العلمي ۱/۳۸۴، رقم: ۷۹۲، فتح القدير، قبيل فصل في الاستحشاء، مكتبه زکریا ۱/۲۱۰، کوئٹہ ۱/۱۸۵، ہندیہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل، زکریا قديم ۵/۳۳۹، جديد ۵/۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۵/۲۳)

دودھ پیتی بچی اور بچے کے پیشاب کا حکم

سوال [۱۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دودھ پیتی لڑکی کے پیشاب اور دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب کی نجاست کے حکم میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث پاک میں اس طرح کے الفاظ وارد ہوئے ہیں: ”عن النبی ﷺ أنه قال في الرضيع: يغسل بول الجارية، وينضح بول الغلام“ (طحاوی شریف، بیروت ۱/۱۹۹، رقم: ۵۶۷) دودھ پیتی بچی کا پیشاب ناپاک ہے، اس کو پاک کرنے کے لئے پانی سے دھونا لازم ہے۔ اور دودھ پیتے بچہ کے پیشاب کے بارے میں فرمایا ہے: ”ینضح بول الغلام“ کہ دودھ پیتے بچہ کے پیشاب پر چھینٹے ماردئے جائیں، حضرات محدثین نے اس پر مختلف کلام کیا ہے۔ اور حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ دونوں ناپاک ہیں، دونوں سے طہارت کے لئے دھونا لازم ہے۔

وبول ما لا يؤكل لحمه كالآدمي ولو رضيعا، وتحتة: لم يطعم سواء كان ذكرا أو أنثى. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، باب الأنجاس والطهارة عنها، دارالکتاب دیوبند ص: ۱۵۴)

وروی عن أبي حنيفة، وممن قال بوجوب غسلهما أبو حنيفة ومالك في المشهور عنهما، وأهل الكوفة. (بذل المجهود، سہارن پور ۱/ ۲۱۸، دارالبشائر الإسلامية) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۰۸/۱۰/۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۴/۲۳)

جانور کے پیشاب کی چھینٹوں کا حکم

سوال [۱۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: انسان کے پیشاب کی طرح اگر جانور کا پیشاب یا اس کی چھینٹیں لگ جائیں تو کیا غسل کرنا پڑے گا؟

المستفتی: محمد ابراہیم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب آدمی کے پیشاب کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ وہ نجاست خفیفہ ہے، ان کی چھینٹ اگر تھوڑی ہو جو چوتھائی کپڑے تک نہ پہنچے تو وہ معاف ہے؛ لیکن اس سے بھی احتیاط ضروری ہے۔

و عفی دون ربع ثوب من نجاسة مخففة. (در مختار مع الشامی، کتاب الطہارة، باب الأنجاس بحث فی بول الفارة وبرہا، زکریا ۱/۵۲۶، کراچی ۱/۳۲۱، حاشیة الطحطاوی علی المراقی، باب الأنجاس والطہارة عنہا، ص: ۱۵۷، ہندیة، الباب السابع فی النجاسة وأحكامها، الفصل الثانی، زکریا قدیم ۱/۴۶، جدید ۱/۱۰۱) نیز اس چھینٹ سے آدمی کو غسل کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ یہ موجبات غسل میں سے نہیں ہے؛ بلکہ جہاں جہاں چھینٹ پڑنے کا ظن غالب ہو وہاں سے دھو دینا کافی ہے۔

أسباب الغسل ثلاثة: الجنابة الخ. (قاضی خان، زکریا جدید ۱/۲۹، وعلی هامش الہندیة ۱/۴۲، ہندیة، الباب الثانی فی الغسل، زکریا قدیم ۱/۱۴، جدید ۱/۶۵، حلبی کبیر، مطلب فی طہارة الکبریٰ، أشرفیہ، ص: ۴۰، بدائع، کتاب الطہارة، باب صفة الغسل، زکریا ۱/۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۳۵/۳۴)

نگلی ہوئی چھالی پیچھے کے راستہ سے نکل آئے

سوال [۱۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی بچہ اگر سالم چھالی نکل جائے اور وہ پانچخانہ کے راستہ نکل آئے تو کیا دھونے سے پاک ہو جائے گی؟

المستفتی: انصار الدین سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر مذکورہ سالم چھالی نہ پھولی ہو اور نہ ہی دھونے کے بعد اس میں براز کا اثر باقی رہے، تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گی، ورنہ وہ ناپاک ہی رہے گی۔

إذا وجد الشعير في بعر الإبل والغنم يغسل، ويجفف ثلاثاً، ويؤكل، وفي أخطاء البقر: لا يؤكل -إلى- أن الصحيح التفصيل بالانتفاخ وعدمه ويستوى فيه البعر والخشى أي إن انتفخ لا يؤكل فيهما وإلا أكل فيهما. (شامی، کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس، مطلب القول مرجح علی الفعل، کوئٹہ ۱/ ۲۰۴، زکریا ۱/ ۵۶۴، کراچی ۱/ ۳۴۹، ہندیۃ، الباب السابع فی النجاسۃ، وأحكامها، الفصل الثاني فی أعيان النجاسۃ، زکریا قدیم ۱/ ۴۸، جدید ۱/ ۱۰۳، الفتاوی التاتارخانیۃ، الفصل الثاني فی تطہیر النجاسات، قدیم ۱/ ۳۲۲، زکریا ۱/ ۴۶۷، رقم: ۱۲۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۱۶۶۳/۲۵)

تقاطر سے کیا مراد ہے؟

سوال [۱۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر دیدار نجاست اگر تخت، چٹائی پر لگ جائے، تو اس کی تطہیر میں یہ ہے کہ دھو کر چھوڑ دے، یہاں تک کہ پانی کا تقاطر ختم ہو جائے، اس تقاطر سے تو اتر مراد ہے یا تقاطر و در مراد ہے؟ جو شکل ہو واضح کریں۔

المستفتی: جمیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: تقاطر تواتر مراد نہیں ہے؛ بلکہ ورود مراد ہے کہ چٹائی وغیرہ سے تقاطر بالکل ختم ہو جائے، تو اس کو دوبارہ دھولیا جائے، تو اس طرح تین مرتبہ دھونا لازم ہے۔

وقدر بثلیث جفاف، أي انقطاع تقاطر فی غیرہ، أي غیر منعصر۔
(لدر المختار، کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس، مطلب فی حکم لوشم، کراچی ۱/۳۳۲، زکریا ۱/۵۴۱)
وما لا ینعصر یتطہر بالغسل ثلاث مرات، والتجفیف فی کل مرۃ؛
لأن للتجفیف أثرًا فی استخراج النجاسة و حد التجفیف أن ینخلیہ حتی ینقطع التقاطر، ولا یشرط فیہ الیسس۔ (ہندیۃ، الباب السابع فی النجاسة
وأحكامها، الفصل الأول، زکریا قدیم ۱/۴۲، جدید ۱/۹۶)

وإن كان الحصر من بردي وما أشبه ذلك یغسل ثلاثا، ویجفف فی کل مرۃ بأن یتروک حتی ینقطع التقاطر منه، فإنه یتطہر عند أبي یوسف بناء علی إمكان تطہیر ما لا ینعصر عنده، وعلیه الفتوی۔ (حلبی کبیر، فصل فی الآسار: الشرط الثاني، مکتبہ اشرفیہ دیوبند، ص: ۱۸۶، تبیین الحقائق، باب الأنجاس، مکتبہ إمدادیہ ملتان ۱/۷۶، زکریا ۱/۲۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رجب ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۷۰)

مرغ کو ذبح کر کے گرم پانی میں ڈال دیں تو کیا حکم؟

سوال [۱۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بڑے ہوٹلوں میں مرغ ذبح کرنے میں یہ دستور ہے کہ ذبح کر کے گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں، اس کے بعد نکال کر چھیل کر اس کی بوٹیاں بناتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ گرم پانی میں ڈالنے کی وجہ سے اس کے پیٹ کے اندر کی نجاست کے آثار گوشت تک پہنچنے کا اندیشہ

ہے، تو مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ کس وقت اس میں کراہت آتی ہے اور کس وقت وہ جائز ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن مرغیوں کو ذبح کر کے کھولتے ہوئے پانی میں اتنی دیر کے لئے ڈال دیا جاتا ہے کہ اتنی دیر میں نجاست کا اثر گوشت تک پہنچ جاتا ہے، یعنی تین چار منٹ تک تو ان کا کھانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ ناپاک ہو چکی ہیں، ہاں البتہ جن ممالک میں قانونی پابندیاں ہیں، ان میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے کہ تین بار جوش دے کر پانی نچوڑ دیا جائے تو ان کے نزدیک پاک ہے۔ اور جن مرغیوں کو ڈالتے ہی فوراً نکال لیا جاتا ہے، یا بہت ہلکے گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے جس سے ان کے گوشت تک نجاست کا اثر نہیں پہنچتا، تو ان کا کھانا بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۸، احسن الفتاویٰ ۲/ ۹۶، فتاویٰ محمودیہ ڈبھیل ۱۸/ ۸۵)

لو ألقیت دجاجة حال غلیان الماء قبل أن یشق بطنها لتتف أو کرش، قيل: أن یغسل إن وصل الماء إلى حد الغلیان، ومکثت فیہ بعد ذلك زمانا يقع فی مثله التشرّب والدخول فی باطن اللحم لا تطهر أبدا إلا عند أبي یوسف كما مر فی اللحم، وإن لم یصل الماء إلى حد الغلیان أو لم تترك فیہ إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى سطح الجلد؛ لانحلال مسام السطح عن الریش والصوف تطهر بالغسل ثلاثا. (حاشیة الطحطاوي علی

المراقی، باب الأنجاس والطهارة عنها، دارالکتاب، ص: ۶۰، ۱، أشرفیہ/ ۶۰)

و علی هذا الدجاج المغلی قبل إخراج إمعانها، وأما وضعها بقدر انحلال المسام لتتف ریشها، فتطهر بالغسل. (مراقی الفلاح، باب الأنجاس والطهارة عنها، ص: ۶۰، فتح القدير، باب الأنجاس و تطهيرها مكتبه زكريا ۱/ ۲۱۱، كوئته ۱/ ۱۸۶، شامي، باب الأنجاس، مطلب في تطهير الدهن والعسل، كراچی ۱/

۳۳۴، شامی زکریا ۱/ ۵۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ رجسٹر خاص)

مذبوحو مرغی کو آگ پر تپانا

سوال (الف) [۱۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ نے اپنی کتاب ”ایضاح المسائل“ میں مرغی مذبوحو کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس کو کھولتے ہوئے پانی میں دو چار منٹ تک کے لئے ڈالے رکھا جائے تو گوشت میں نجاست کے سرایت کرنے کی وجہ سے اس کا کھانا ناجائز ہے، اس کے ضمن میں ایک بات یہ ہے کہ یہاں یہ طریقہ مروج ہے کہ لوگ مرغی ذبح کر کے اس کے بال و پر اکھاڑ دیتے ہیں، پھر اس کو مسلم یعنی بغیر شکم چاک کئے اس کو آگ پر تپاتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے جسم پر جو معمولی قسم کے بال رہ جاتے ہیں وہ جل کر ختم ہو جائیں، تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: آفتاب عالم ٹینٹ ہاؤس، قصبہ لہر پور، سینٹاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر تپاتے ہوئے اندر کی غلاظت کا اثر گوشت تک سرایت نہیں کرتا ہے، تو گوشت حلال اور پاک ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس قدر آگ میں تپانے میں غلاظت کا اثر سرایت نہیں کرتا ہے؛ اس لئے گوشت حلال پاک ہی رہے گا، اس کا کھانا جائز اور درست ہے۔

و علیٰ هذا الدجاج المغلی قبل إخراج إمعانها، وأما وضعها بقدر

انحلال المسام لنتف ریشها، فتطهر بالغسل. (مراقی الفلاح مع حاشیة

الطحطاوی، باب الأنجاس والطهارة عنها، مكتبة دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۶۰، شامی، باب الأنجاس، مطلب في تطهير الدهن والوعسل، زكريا ۱/ ۵۴۴، كراچی ۱/ ۳۳۴، فتح القدیر، باب الأنجاس وتطهيرها، زكريا ۱/ ۲۱۱، كوئٹہ ۱/ ۱۸۶)

لو ألقيت دجاجة حال غليان الماء قبل أن يشق بطنها لستف أو كرش، قيل: أن يغسل إن وصل الماء إلى حد الغليان، ومكثت فيه بعد ذلك زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم لا تطهر أبدا إلا عند أبي يوسف كما مر في اللحم، وإن لم يصل الماء إلى حد الغليان أو لم تترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى سطح الجلد لانحلال مسام السطح عن الريش والصوف تطهر بالغسل ثلاثا. (حاشية الطحطاوي، باب الأنجاس والطهارة عنها، دارالكتاب، ص: ۱۶۰، فتح القدیر، قبيل فصل في الأنجاس، مكتبة زكريا ۱/ ۲۱۱، كوئٹہ ۱/ ۱۸۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ شوال ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۴۳/۲۸)

ناپاک گرم پانی میں ڈالنے کی وجہ سے ذبح شدہ مرغ پاک رہے گا یا ناپاک

سوال (ب) [۱۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں مرغ کا گوشت بیچنے والے مرغ کو ذبح کر کے گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں، پھر اس سے نکال کر پینٹھ وغیرہ صاف کر دیتے ہیں، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ جب مرغ کو گرم پانی میں ڈالتے ہیں، تو اس کی گردن میں خون اور کبھی بدن پر نجاست بھی لگی ہوتی ہے، تو کیا اس کو پانی میں ڈالنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر ناپاک ہو جائے تو کیا تین مرتبہ دھونے سے گوشت پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ نیز دوکاندار پورے دن اسی ایک پانی

میں مرغ ڈالتے رہتے ہیں، تو ایسے مرغ کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ علاقہ کے ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ یہ گوشت کھانا مکروہ ہے، کون سی بات صحیح ہے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔ بینواتو جروا۔

المستفتی: محمد اشراق کشی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آسانی کے ساتھ کھال اتارنے کے لئے ناپاک گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے، پھر کھال اتار دی جاتی ہے تو گوشت پاک رہے گا؛ کیوں کہ ناپاکی صرف کھال میں لگی ہے اور وہ اتار کر الگ کر دی گئی ہے: اس لئے بغیر دھوئے گوشت پاک ہے اور اس کو مکروہ کہنا درست نہیں۔ اور اگر کھال نہیں اتاری جاتی ہے؛ بلکہ صرف پر اتارتے ہیں تو ایسی صورت میں کھال میں ناپاک پانی لگ جانے کی وجہ سے کھال ناپاک ہو چکی ہوتی ہے، اس کا دھونا لازم ہوگا دھوئے بغیر کھانا مکروہ ہوگا، عالم صاحب کی بات اس صورت میں درست ہے۔

والنجاسة متناهية؛ لأنها مركبة من جواهر متناهية لما عرف في موضعه، فإذا انتهت أجزاءها بقي المحل طاهرا لعدم المجاورة. (تبيين الحقائق، جلدید زکریا دیوبند ۱/۹۳، وھكذا في الهداية ۱/۶۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۳۲۶/۲)

کتے اور خنزیر کا بدن پاک ہے یا ناپاک؟

سوال [۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتا اور خنزیر اگر ان کا جسم سوکھا ہو کوئی ناپاکی ظاہر نہ لگی ہو، تو کیا ان کا جسم آدمی کے بدن سے لگنے سے آدمی کا بدن ناپاک ہو جائے گا؟ اگر کتے اور خنزیر کے سوکھے جسم پر پاک صاف

پانی ڈال دیا، پھر وہ جسم کسی انسان کے بدن سے لگ جائے تو کیا ایسی صورت میں بدن ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اصغر، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ایک درندہ ہے، اس کا پسینہ اور لعاب ناپاک ہے، لہذا اگر کسی نالی یا گڈھے میں کتا پانی میں ڈوبا ہوا ہو، پھر اس سے تر ہو کر باہر نکلے تو اس کے پسینہ سے پانی ملوث ہو جاتا ہے؛ اس لئے اس کا پورا بدن ناپاک سمجھا جاتا ہے؛ لیکن اگر بالکل سوکھا کتا ہے اور اوپر سے پانی بہا دیا گیا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے، پھر اس کا بدن کسی انسان سے لگ جائے تو اس کا بدن ناپاک نہیں ہوگا۔ اور خنزیر نجس العین ہے، اس کا بدن وبال پیشاب و پاخانہ کی طرح ناپاک ہے؛ لہذا اس کے سوکھے بدن پر بھی اگر پانی ڈال دیا جائے، پھر اس کا بدن کسی انسان یا اس کے کپڑے سے لگ جائے تو جہاں لگے گا وہاں ناپاک ہو جائے گا اور اس کا دھونا واجب ہو جائے گا۔

وإذا نام الكلب على حصير المسجد إن كان يابساً لا يتنجس، وإن كان رطباً ولم يظهر أثر النجاسة، فكذاك. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کوئٹہ ۱/ ۲۹۶، جدید ۱/ ۴۳۹، رقم: ۱۱۱۴، عالمگیری زکریا قدیم ۱/ ۴۸، جدید ۱/ ۱۰۳)

الكلب إذا دخل الماء ثم خرج وانتفض، فأصاب ثوب إنسان أفسده ولو أصابه ماء المطر وباقي المسئلة بحالها لم يفسده؛ لأن في الوجه الأول الماء أصاب جلده وجلده نجس، وفي الوجه الثاني: أصاب شعره وشعره ليس بنجس. (تاتاریخانیة، کوئٹہ ۱/ ۱۸۸، جدید ۱/ ۳۱۹، رقم: ۵۶۹، المحيط البرہانی، کتاب الطہارات، الفصل الرابع في المياه، المجلس العلمي ۱/ ۲۵۷، رقم: ۳۸۳)

أما النجاسة الغليظة - إلى قوله - ولحم الخنزير وسائر أجزائه هذه الأشياء نجاستها معلومة في الدين بالضرورة، لا خلاف فيها إلا شعر

الخنزیر؛ لأنه نجس العین. (کبیری، فصل فی الأنجاس، أشرفیہ دیوبند، ص: ۱۴۶)
 بخلاف الخنزیر؛ لأنه نجس العین. (هدایہ، قبیل فصل فی البئر، مکتبہ
 أشرفی دیوبند ۱/ ۴۱)

فأما الخنزیر فهو نجس العین، عظمه وعصبه فی النجاسة کلحمه.
 (المبسوط، باب الحدث فی الصلاة، مکتبہ دارالکتب العلمیة ۱/ ۲۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
 کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۵)
 الجواب صحیح:
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
 ۶/۲۵/۱۴۲۸ھ

دھوبی کے یہاں دھلے کپڑوں کا حکم

سوال [۱۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل بہت کم دھوبی دریا کے گھاٹ پر کپڑے دھوتے ہیں، عام دستور یہ ہو گیا کہ دھوبیوں نے اپنے گھروں پر حوض بنائے ہیں اور وہ واٹر ورکس کے پانی سے کپڑے دھو کر لاتے ہیں، کیا حوض میں واٹر ورکس کی ٹینکی کے پانی سے دھلے ہوئے کپڑوں سے نماز پڑھنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مذکورہ حوض میں ٹینکی کا پانی مسلسل داخل ہوتا رہے اور دوسری طرف سے نکلتا رہے، تو وہ جاری پانی کے حکم میں ہے، اگر اس میں نجاست و گندگی کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو تو اس کا پانی پاک ہوگا اور ناپاک کپڑے بھی پاک ہو جائیں گے۔ اور اگر کوئی اثر ظاہر ہو جائے تو ناپاک ہوگا، نیز اگر پانی کے داخل ہونے اور نکلنے کا سلسلہ جاری نہیں ہے؛ بلکہ ایک دفعہ حوض بھر دیا ہے اور اسی میں پاک ناپاک کپڑے سب ڈال دئے ہیں، تو اس سے ناپاک کپڑے پاک نہیں ہوں گے اور جو کپڑے پاک ہیں شرعی طور پر ان کا

حکم یہی ہے کہ وہ پاک ہوں گے، حاصل یہ ہوا کہ ناپاک کپڑے ناپاک اور پاک کپڑے پاک رہیں گے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۸۳)

وَأَلْحَقُوا بِالْجَارِي حَوْضَ الْحَمَامِ لَوْ الْمَاءُ نَازِلًا وَالْغُرْفَ مَتَدَارِكًا
كَحَوْضٍ صَغِيرٍ يَدْخُلُهُ الْمَاءُ مِنْ جَانِبٍ وَيَخْرُجُ مِنْ آخَرٍ، يَجُوزُ النَّوَضِيُّ مِنْ
كُلِّ الْجَوَانِبِ مُطْلَقًا، بِهِ يَفْتِي. (الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب المياه، زكريا
۱/۳۳۷، ۳۳۸، كراچی ۱/۱۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/رجب ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۵۲/۲۶)

دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے کا حکم

سوال [۱۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دھوبی کے یہاں سے دھلا ہوا کپڑا پاک ہوتا ہے یا ناپاک، ان کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ اس لئے کہ دھوبی پاک اور ناپاک کپڑے سب کو ایک ساتھ ملا کر دھوتے ہیں جو سب کو معلوم ہے اور دھوبی کے یہاں پاک کپڑے بھی ہوتے ہیں اور ناپاک کپڑے بھی ہوتے ہیں، سب کو ایک ساتھ ملا دیتے اور ملا کر دھوتے ہیں، یعنی پاک اور ناپاک مخلوط کپڑوں کو اسی طرح اختلاط کے ساتھ دھوتے ہیں، تو ہمارا سوال یہ ہے کہ جب دھوبی نے پاک پانی میں ناپاک کپڑا ڈال دیا تو سارا پانی ناپاک ہو گیا اور جب اس میں پاک کپڑے ڈالیں گے تو وہ کپڑے بھی ناپاک ہو جانے چاہئیں؛ اس لئے مفتی صاحب سے سوال ہے کہ دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے کپڑے پاک شمار کئے جائیں گے یا ناپاک؟ واضح فرمادیں۔
المستفتی: محمد اصغر، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے کپڑوں کے بارے میں

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر دھوبی چلتی نہریا دریا یا بڑے تالاب میں کپڑے ڈھلتے ہیں، تو کوئی اشکال نہیں ہے، پاک کپڑے تو پاک ہی ہوں گے اور ناپاک کپڑے بھی یقینی طور پر پاک ہی شمار ہوں گے اور ایسے دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے کپڑوں کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا، ہاں البتہ وہ دھوبی جو چلتی نہریا بڑے تالاب وغیرہ میں کپڑے نہیں دھوتے ہیں؛ بلکہ شہر کی آبادی میں بڑے بڑے ٹبوں اور بالٹیوں میں دھلتے ہیں، ان کے بارے میں سوال نامہ میں ذکر کردہ اشکال پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ما قبل میں نجاست کرنے سے وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے؛ لہذا پاک اور ناپاک کپڑے ایک ساتھ ٹب میں ڈال دئے جائیں یا بالٹی میں ڈال دئے جائیں تو وہ اشکال پیش آسکتا ہے جو سوال نامہ میں پیش کیا گیا ہے، تو اس بارے میں شرعی اصول سے کام لینا ضروری ہے، اصول شرع یہی ہے: ”الیقین لا یزول بالشک“ اس اصول مسلمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو کپڑا دھوبی کے یہاں یقیناً پاک گیا ہے اس کے پاک ہونے کے بارے میں پہلے سے یقین ہے اور بعد میں شک پیدا ہوا ہے کہ ناپاک کپڑے میں مخلوط ہو جانے کی وجہ سے ناپاک ہوگا یا نہیں؟ تو مذکورہ اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو کپڑا یقیناً دھوبی کے یہاں پاک جاتا ہے تو وہاں سے آئے گا تو پاک ہی آئے گا اور اس کپڑے میں نماز پڑھنا بلاشبہ جائز ہوگا، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

إذا صار مشکو كاً في نجاسته جازت الصلاة معه، قوله: اليقين لا يرتفع بالشك معنى فإنه حينئذ لا يتصور أن يثبت الشك في محل ثبوت اليقين ليتصور ثبوت شك فيه لا يرتفع به ذلك اليقين. (الأشياء والنظائر

قدیم ۱۰۱، جدید ۱۸۵)

اور جو کپڑا دھوبی کے یہاں ناپاک جاتا ہے، اس کا ناپاک ہونا پہلے سے معلوم ہے اور دھوبی کے یہاں سے پاک ہو کر آنے میں شک ہے؛ اس لئے اس کو ناپاک ہی شمار کیا جائے گا، اس میں نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

ان ثبت الشک في طهارة الباقي ونجاسته لكن لا يرتفع حکم ذلک

اليقين السابق بنجاسته، وهو عدم جواز الصلاة. الخ (الأشباه والنظائر قديم ۱۰۱، جدید ۱۸۶)

لہذا حاصل یہ نکلا کہ ماءِ قلیل میں پاک یا ناپاک کپڑوں کو ایک ساتھ دھلنے والے دھوبی کے یہاں سے پاک کپڑا پاک آئے گا اور ناپاک کپڑا ناپاک ہی آئے گا؛ لہذا جو کپڑا ناپاک گیا ہے، اس کو دوبارہ پاک کرنے کی ضرورت ہے اور جو کپڑا پاک گیا ہے اس کو دوبارہ پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۳۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۵۱/۴۱)

ڈرائی کلیں سے دھلے ہوئے ناپاک کپڑے کا حکم

سوال [۱۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈرائی کلیں میں دھلے ہوئے کپڑے پاک ہوں گے یا ناپاک؟ سوال اس لئے کرنا پڑا کہ ڈرائی کلیں میں پاک اور ناپاک دونوں طرح کے کپڑے ایک ساتھ ڈال کر دھوئے جاتے ہیں اور ڈرائی کلیں میں پٹرول یا مٹی کے تیل سے کپڑوں کی دھلائی ہوتی ہے اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جس پٹرول میں کپڑے ڈالے جاتے ہیں وہ کپڑے دھلنے کے بعد ان کی گندگیاں پٹرول کے اندر چلی جاتی ہیں، اس طریقہ سے ڈرائی کلیں مشین میں کپڑے دھوئے جاتے ہیں، اب مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس طرح کی ڈرائی کلیں مشین میں جو ایک ساتھ کپڑے دھلے جاتے ہیں وہ پاک شمار ہوں گے یا ناپاک؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد شعیب میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرات فقہاء کے زمانہ میں ڈرائی کلیں کا تصور نہیں تھا؛

اس لئے خاص طور پر ڈرائی کلیئن سے متعلق صراحت کے ساتھ جزئیہ نزل سکا اور بعد کے اکابر اہل فتاویٰ کی طرف سے ڈرائی کلیئن سے دھلے ہوئے کپڑوں کے بارے میں دو طرح کی رائے سامنے آتی ہیں:

(۱) حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ اس کا حکم وہی ہے جو دھوبی کے یہاں سے دھلے ہوئے کپڑوں کا ہے، یعنی جو کپڑے ڈرائی کلیئن میں دھلنے کے لئے پاک دئے گئے ہیں وہ پاک ہی رہیں گے اور جو کپڑے ناپاک دئے گئے ہیں وہ کپڑے ڈرائی کلیئن سے دھلنے کے بعد بھی ناپاک رہیں گے۔ اور یہ حضرات اس طرح کے اصول سے استدلال کرتے ہیں: ”الیقین لا یزول بالشک“ کہ جس کپڑے کا پہلے ہی سے پاک ہونا یقینی ہو وہ شک کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوگا؛ بلکہ پاک ہی رہے گا، اسی طرح کا اصول ہے:

ما ثبت بیقین لا یترفع إلا بیقین . (الأشباہ والنظائر قدیم ۱۰۶، جدید ۱۹۳)

کہ جو چیز پہلے سے یقین سے ثابت ہے وہ شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی؛ بلکہ یقین ہی سے زائل ہوگی؛ لہذا جو کپڑے یقینی طور پر پہلے ہی سے پاک ہوں اور ناپاک کپڑوں کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے ان کی طہارت میں شک پیدا ہو گیا ہو، تو کپڑے بدستور پاک ہی رہیں گے؛ لہذا جو کپڑے ڈرائی کلیئن میں ناپاک گئے ہیں وہاں سے دھل کر آنے کے بعد بھی ناپاک ہی رہیں گے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۸۳)

اس کے برخلاف حضرت الاستاذ مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے کافی دلائل سے اس بات کو ثابت فرمایا ہے کہ ڈرائی کلیئن میں پٹروں سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں اور پٹروں کی بانی کے مقابلہ میں بہت زیادہ قاطع نجاست ہے اور ایسے داغ دھبے جو صابن صرف سے کافی کوشش کے باوجود دھلنے سے صاف نہیں ہوتے ہیں، وہ پٹروں کے ذریعہ سے بہت آسانی سے صاف ہو جاتے ہیں؛ اس لئے ڈرائی کلیئن میں دھلے ہوئے سارے کپڑے پاک ہو جاتے ہیں، وہ پاک ہوں یا ناپاک، یہی رائے حضرت الاستاذ فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی بھی ہے۔ اور حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ

کے فتاویٰ پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے بھی دستخط ہیں، نیز حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ کے دو فتاویٰ: فتاویٰ محمودیہ میں چھپے ہوئے ہیں، جن میں پٹرول سے دھلے ہوئے ناپاک کپڑوں پر بھی پاک ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، ان دونوں حضرات کی رائے دلائل کی روشنی میں زیادہ قوی ہے، کیوں کہ پاکی کا سارا مدار ازالہ نجاست پر ہے، اور پٹرول کے ذریعہ بدرجہ اتم نجاست کا ازالہ ہو جاتا ہے؛ اس لئے ڈرائی کلین سے دھلے ہوئے سارے کپڑے پاک ہی شمار ہوں گے، یہ بات الگ ہے کہ کوئی شخص احتیاطاً ناپاک کپڑے کو دھو ڈالے تو اس کو فتویٰ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کے مفصل فتویٰ کا مختصر نگرانیہ ہے ملاحظہ فرمائیے:

”یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ جب پٹرول میں کپڑوں کی گردش کرانے اور جھنجھوڑنے سے کپڑوں کے داغ دھبے خواہ ناپاکی ہی کے داغ دھبے ہوں زائل ہو جاتے ہیں اور کپڑے صاف ستھرا ہو جاتا ہے، تو جب کپڑے میں جذب نہ ہو کر اڑ جاتا ہے اور اس کے اڑ جانے کے بعد بھی اثر نجاست (رنگ، بو، مزہ وغیرہ) باقی نہیں رہتا ہے؛ بلکہ زائل ہو جاتا ہے، تو کہنا پڑے گا کہ پٹرول ہی سے ازالہ ہوا ہے، اور تطہیر نام ہے اسی ازالہ نجاست کا، خواہ تبدیل ماہیت کی وجہ سے ہو جیسے شراب کا سرکہ بن جانا اور سرکہ کا پاک شمار کیا جانا یا محض ناپاکی کے اثرات اڑ جانے سے ہو جیسے روٹی کے اوپر گوبر کے اوپلے کے ناپاک ذرات جو لگے ہوئے ہیں اس کے ڈھکنے سے روٹی کا پاک ہو جانا یا غسل بالماء کے ذریعہ سے ہو یا کسی بھی سیال طابہرشی سے غسل کے ذریعہ سے ہو اور یہ صورت یہاں بھی حاصل ہے؛ لہذا اس بنا پر بھی دوبارہ تطہیر کا حکم دینے کی ضرورت نہ ہوگی؛ البتہ جن لوگوں کو اپنے کپڑوں کی ناپاکی کا یقین ہو، مثلاً نجاست لگتے ہوئے یا لگی ہوئی خود دیکھی ہے تو ان کو پٹرول میں دھونے کے لئے دینے سے قبل خود پاک کر لینا چاہئے یا پھر دھل کر آنے کے بعد احتیاطاً خود پاک کر لینا افضل ہوگا، اسی طرح یہ بات بھی الگ ہوگی کہ از روئے تقویٰ ایسے دھلے ہوئے کپڑوں کی تطہیر بقاعدہ شرع خود کر لی جائے، مگر اس کو فتویٰ نہیں قرار دیا جاسکتا۔“ (منتخب نظام الفتاویٰ ۱/۱۳۵-۱۳۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
محمود غفرلہ
۱۳۹۲/۲/۷ھ

کتبہ: الاحقر نظام الدین غفرلہ
دارالعلوم دیوبند
۱۳۹۲/۱/۷ھ

اور ”فتاویٰ محمودیہ“ کی عبارت یہ ہے کہ سائل سوال کر رہا ہے:

(۱) پاک ناپاک ہر قسم کے کپڑے کوٹھی میں ڈالے جانے کا امکان ہے، اس بنا پر کوئی کپڑا اس سے دھلایا جائے تو کیا وہ ناپاک قرار دیا جائے گا؟

(۲) جو کپڑا یقیناً ناپاک تھا اس کو اس طرح دھلانے سے وہ پاک ہو جائے گا یا اسے پاک کرنے کے لئے پانی کا استعمال ضروری ہوگا؟ بالترتیب دونوں سوالوں کا جواب اس طرح ہے:

(۱) وہ ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا؛ الا یہ کہ اس میں ناپاکی کا اثر ظاہر ہو جائے۔

(۲) ناپاکی کا اثر اس میں باقی نہیں رہا، تو اس کو پاک کہا جائے گا؛ کیوں کہ پٹرول زیادہ قاطع

نجاست ہے پانی سے۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈبھیل ۵/۲۴۷، میرٹھ ۸/۲۸۸)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ڈرائی کلین سے دھلے ہوئے سارے کپڑے پاک ہی شمار

ہوں گے، اگر کوئی شخص اپنے طور پر ناپاک گیا ہو کپڑا دوبارہ دھولے تو اس کی طرف سے

تقویٰ کی بات ہوگی، اس کو فتویٰ نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳۳۶/۳/۱۵ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ربيع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۵۷)

ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑے کا حکم

سوال [۱۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ڈرائی کلین سے صاف شدہ کپڑے پاک سمجھنے چاہئے یا نہیں؟ کیا ان کپڑوں سے نماز

ہو سکتی، جب کہ پاک ناپاک سارے کپڑے یکجا کر کے مٹی کے تیل یا پٹرول وغیرہ سے

صاف کئے جاتے ہیں، اگر ناپاک ہیں تو شیر وانی یا کوٹ ڈرائی کلین پر صاف کرا کر پہننا اور

مسجد میں پسینہ آمیز اندر پہنا ہوا بنیان یا کرتہ وغیرہ تر ہونے پر پاک رہے گا یا ناپاک؟

المستفتی: عطاء الرحمن بازار شاہی مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ڈرائی کلین میں کپڑا دھلوانے سے متعلق حضرات

فقہاء متقدمین و متاخرین سے کوئی صاف جزئیہ منقول نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس زمانہ میں ڈرائی کلین کا کوئی تصور نہیں تھا، سو، پچاس سال کے اندر ڈرائی کلین کا سلسلہ جاری ہوا ہے اور ہمارے بڑوں میں سے حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں: کہ اصول مسلمہ یہ ہے کہ ”الیقین لا یزول بالشک“ (الأشباه، قدیم، ص: ۱۰۰، جدید زکریا ۱/۱۸۳) شک کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے، اس اصول کے مطابق جو کپڑا پاک بھیجا جاتا ہے وہ ڈرائی کلین میں دھلنے کے بعد پاک سمجھا جائے گا؛ اس لئے کہ اس کا پاک ہونا پہلے سے یقینی ہے اور جو کپڑا ناپاک جاتا ہے اس کو ناپاک ہی سمجھا جائے گا؛ اس لئے کہ اس کا ناپاک ہونا یقینی ہے۔ (احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/۸۳)

اس کے برخلاف حضرت الاستاذ فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ڈرائی کلین میں جو پاک کپڑا جاتا ہے وہ تو پاک ہی ہوگا ساتھ میں یہ بات بھی ہے کہ جو کپڑا ناپاک جاتا ہے، وہ بھی ڈرائی کلین میں دھونے کے بعد پاک ہی ہو کر آئے گا، چاہے ڈرائی کلین میں پاک ناپاک کپڑے ایک ساتھ ڈالے جاتے ہوں، بہر حال وہ پاک ہو کر آئے گا؛ اس لئے کہ پٹرول پانی کے مقابلہ میں زیادہ قاطع نجاست ہے؛ لہذا اس کے پاک ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی ضرورت نہیں، یہ مسئلہ حضرت الاستاذ کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے اور یہی حضرت الاستاذ مفتی نظام الدین صاحب رحمہ اللہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی رائے تھی۔ اور یہ مسئلہ حضرت نے ”منتخب نظام الفتاویٰ“ میں تفصیلی دلائل کے ساتھ لکھا ہے؛ البتہ حضرت نے ایک قید یہ بھی لگائی ہے کہ ناپاک کپڑے کو احتیاطاً دوبارہ

دھولیا جائے یہ محض تقویٰ کی بات ہے۔ اور فتویٰ پاک ہونے کا ہے۔ (منتخب نظام الفتاویٰ ۱۳۳۱-۱۳۳۵) احقر نے یہ فتویٰ اس زمانہ میں لکھا تھا، جب ”فتاویٰ محمودیہ“ مکمل مرتب ہو کر نہیں آئی تھی اور اب ”فتاویٰ محمودیہ“ مکمل مرتب ہو کر آچکی ہے، اس میں حضرت کے دفتوے ہیں ہیں، دونوں میں حضرت نے ڈرائی کلیں میں دئے گئے ناپاک کپڑے کے بارے میں وہاں سے دھلنے کے بعد پاک ہونے کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ، ڈبھیل ترتیب جامعہ فاروقیہ کراچی ۵/ ۲۲۷-۲۲۸، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۸/ ۲۸۶-۲۸۸)

اور دلائل کی روشنی میں یہی بات زیادہ راجح ہے کہ ڈرائی کلیں میں دئے گئے ناپاک کپڑے پاک ہی ہو کر آتے ہیں؛ اس لئے کہ پٹروں سے دھونے میں کپڑوں سے ہر قسم کی نجاست اور دھبے وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں، مثلاً کپڑے میں ایسے داغ دھبے لگ جائیں جو صابن، صرف اور آلہ وغیرہ سے صاف نہ ہو، وہ پٹروں اور مٹی کے تیل سے آسانی سے صاف ہو جاتے ہیں؛ لہذا ڈرائی کلیں میں پٹروں سے دھوئے گئے ہر کپڑے پر پاکی کا حکم لگ جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۱۴)

نو مولود بچہ کی رطوبت اور سر کے بال پاک ہیں یا ناپاک؟

سوال [۱۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب بچہ کی ولادت ہوتی ہے تو ماں کے پیٹ سے نکلتے وقت بچہ کے بدن پر جو ماں کے پیٹ کی رطوبت ہوتی ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟ نیز نو مولود بچہ کے سر کے بال پاک ہیں یا ناپاک؟ کیوں کہ بچہ کے سر پر بھی ماں کے پیٹ کی رطوبت ہوتی ہے۔

المستفتی: ابوالکلام گڈا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نومولود بچہ کے بدن پر ولادت کے وقت ماں کے پیٹ کی جو رطوبت لگی رہتی ہے وہ پاک ہوتی ہے؛ لہذا بچہ غسل دینے سے پہلے بھی پاک ہی ہوتا ہے، اسی طرح اس کے سر کے بال بھی پاک ہی ہوتے ہیں، بشرطیکہ اس کے بدن کے کسی حصہ پر خون وغیرہ نہ لگا ہوا ہو۔ اور حضرت امام صاحب کے اس قول کو قول مختار اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ البتہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک ماں کے پیٹ کی رطوبت ناپاک ہوتی ہے۔ اور صاحبینؒ کے قول میں احتیاط کا پہلو ہے۔

نقل في التاتارخانية: أن رطوبة الولد عند الولادة طاهرة، وكذا السخلة إذا خرجت من أمها، وكذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء إذا وقعت فيه، وهو المختار، وعندهما يتنجس، وهو الاحتياط قلت: وهذا إذا لم يكن معه دم، ولم يخالطه رطوبة الفرج. (شامي، الطهارة، باب الأنجاس، زكريا ۱/ ۵۶۴، كراچی ۱/ ۳۴۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/ ۲۶۰)

في الحجة: الرطوبة التي على الولد عند الولادة طاهرة السخلة إذا خرجت من أمها، فتلک والرطوبات طاهرة لا يتنجس بها الثوب ولا الماء، وفي الفتاوى العتابية: هو المختار، وعندهما يتنجس وهو الاحتياط. (الفتاوى التاتارخانية، الطهارة، الفصل السابع، معرفة النجاسات وأحكامها، زكريا ۱/ ۴۴۳)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۳/۱۳ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۹۱۸)



۸ / باب أحكام المعدورین

معدور شرعی کون؟

سوال [۱۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک نابدینا شخص ہوں، مجھے قطرہ اور ریاح کی بھی شکایت ہے، فرض نماز ادا کرنے کے لئے جماعت سے کتنے وقت پہلے وضو کیا کریں؟

المستفتی: نور محمد، محلہ بارہ دری، لہر پور، سینٹا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ نے جو قطرہ پیشاب اور ریاح کا عذر ذکر کیا ہے، اس صورت میں آپ اس وقت معدور مانے جائیں گے، جب کہ آپ کو قطرہ پیشاب نکلنے اور خروج ریاح سے اتنا وقت نہ ملے کہ اس میں صبح سے نماز پڑھ سکیں اور یہ عذر پورے وقت رہے، تو آپ شرعاً معدور ہیں، عذر کی یہ شرط ابتداء ہے، پھر بعد میں دیگر نمازوں میں ایک آدھ مرتبہ عذر پایا جانا کافی ہوگا؛ لہذا ہر نماز کے وقت میں وضو کریں اور اس سے چاہے جتنے فرائض و نوافل پڑھ سکتے ہیں اور نماز کا وقت نکلتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا، پھر دوسرے وقت کی نماز پڑھنے کے لئے دوسرا وضو کرنا پڑے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۲۳۳، ۲۶۶، ۲۴۷/ ۲، ۲۸۱، ۲۰۴/ ۱۴، ۲۰۴، جدید ۱۰/ ۵، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۱، ۶/ ۲۸۵، بہشتی زیور ۱/ ۵۴، احسن الفتاویٰ زکریا ۲/ ۷۵، ۷۷)

وصاحب عذر من بہ سلس بول لا یمكنه إمساكه أو استطلاق بطن أو إنفلات ریح..... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة، بأن لا یجد في جمیع وقتها زمناً يتوضأ ویصلی فیہ خالیاً عن الحدث -إلی قوله- فإذا خرج الوقت بطل. (درمختار، کتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب فی أحكام المعدور، زکریا

۱/ ۵۰۴، ۵۰۵، کراچی ۱/ ۳۰۵، کبیری، قدیم: ۱۳۱، حلبی کبیر، فصل فی نواقض
الوضوء، أشرفیہ/ ۱۳۳، صغیری، مکتبہ مجتہائی دہلی ۷۴، ۷۵، البحر الرائق، کتاب
الطہارۃ، باب الحيض، کوئٹہ ۱/ ۲۱۷، زکریا ۱/ ۳۷۳ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۳۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۶/۱۴۲۱ھ

عذر شرعی کا تحقق کب ہوتا ہے؟

سوال [۱۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ایک بالغ لڑکی ہے، جس کو خون برابر آتا ہے، صرف ایک دو گھنٹہ کے لئے رکتا ہے، تو نماز
اور تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار کی کیا صورت ہونی چاہئے؟

المستفتی: محمد عارف دھنورہ منڈی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس عورت کو اکثر اوقات میں خون آتا ہے، مگر پورا وقت
نہیں گھیرتا تو ایسی عورت معذور نہیں؛ بلکہ خون بند ہونے کا انتظار کرے اور جب خون بند
ہو جائے تو وضو کر کے نماز پڑھے اور تلاوت قرآن کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۳/۲۷۳)

ولا یصیر معذورا حتی یتوسعہ العذر وقتا كاملا لیس فیہ انقطاع
بقدر الوضوء والصلاة، وهذا شرط ثبوتہ. (نور الإيضاح، باب الحيض والنفس
والاستحاضة، ص: ۵۱)

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه إمساكه بأن لا يجد في
جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خاليا عن الحدث. (شامی، کتاب الطہارۃ،
مطلب فی أحكام المعذور، زکریا ۱/ ۵۰۴، ۵۰۵، کراچی ۱/ ۳۰۵)

ولا تسرى عليه أحكام المعذورين، حتى یتوسعہ العذر وقتا كاملا

لصلاة مفروضة ولو حكما، وليس فيه انقطاع في جميع ذلك الوقت، زمنا بقدر الطهارة والصلاة، وهذا شرط متفق عليه بين الفقهاء. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳ / ۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۲۹)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۷/۵ھ

قطرات کے مریض کی طہارت کا طریقہ

سوال [۱۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر پیشاب کے قطرات کا مریض ہے، پیشاب سے فراغت کے بعد دبانے کھڑے ہونے یا چلنے سے آدھ پون گھنٹہ کے اندر قطرات آتے رہتے ہیں، پھر بند ہو جاتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ واضح فرمائیں کہ بندہ کس طرح نماز ادا کرے اور بندہ ایک مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے، امامت کی کیا شکل ہوگی؟ جو بھی آسان شکل شریعت میں بہتر ہو وہ واضح فرمائیں۔

المستفتی: العبد عبد الودود

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آدھ پون گھنٹہ میں جا کر قطرات کا سلسلہ بند ہوتا ہے، تو آپ کو نماز سے ایک پون گھنٹہ پہلے پیشاب سے فارغ ہو جانا لازم ہے۔ اور پیشاب کے بعد اندر کوئی کپڑا یا روئی وغیرہ لگا لینا ضروری ہے اور جب آدھ پون گھنٹہ کے بعد اطمینان ہو جائے تو اندر کا کپڑا نکال کر وضو کر کے نماز ادا کرنا اور امامت کرنا بھی جائز ہوگا؛ لیکن اس اہتمام کے ساتھ امامت کا فریضہ انجام دینا انتہائی مشکل کام ہے؛ اس لئے آپ اپنے کو فریضہ امامت سے سبکدوش کر لیں، نیز آپ کو ایسا کرنا چاہئے کہ نماز کے لئے الگ سے پاک

کپڑا استعمال کریں اور استنجاء کے وقت الگ سے دوسرا کپڑا لگی وغیرہ استعمال کریں، جس کو نماز کے وقت اتار دیا کریں۔

نواقض الوضوء منها ما يخرج من السبيلين من البول، والغائط، والريح الخارجة من الدبر، والودي، والمذي، والسمني، والودودة، والحصاة. (هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، زكريا قديم ۹/۱، جديد ۶۰/۱، كبير، فصل في نواقض الوضوء، ص: ۱۲۴)

إذا خاف الرجل خروج البول فحشا إحييله بقطنه، ولو لا القطنه يخرج منه البول فلا بأس به، ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنه. (هندية، الباب الأول، زكريا قديم ۱۰/۱، جديد ۶۰/۱)

وإذا احتشى إحييله بقطنه خوفا من خروج البول، ولو لا القطنه لخرج منه البول فلا بأس به، ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنه، ويخرج منه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، ماوجب الوضوء ۱/۲۳۹، رقم: ۱۷۵، كبير، مكتبه مجتہائی دہلی ۱۲۶، شامی، باب الحيض، زكريا ۱/۵۵۸، كراچی ۳۴۵/۱ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۱۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۹۰)

سلسل البول کے وضو و نماز کا حکم

سوال [۱۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا پیشاب مسلسل ٹپکتا رہتا ہے، اتنا وقت نہیں ملتا جس میں وضو کر کے وقتیہ نماز سے فارغ ہو سکتا ہو، اس کی نماز طہارت کے ساتھ کس طرح درست ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس کا پیشاب مسلسل ٹپکتا رہتا ہے، وہ معذور ہے، ایسا شخص ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے گا اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے نماز پڑھ سکتا ہے، وقت نکلنے سے اس کا وضو ختم ہو جائے گا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۶۹، کتاب الفتاویٰ ۲/۳۶۶)

المستحاضة ومن به سلس البول يتوضئون لوقت كل صلاة، فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ما شاءوا من الفرائض والنوافل، وإذا خرج الوقت بطل وضوئهم. (فتح القدير، كتاب الطهارة، دارالفکر ۱/۱۷۹، زکریا ۱/۱۸۱)

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكن إمساكه بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ ويصلي فيه خاليا عن الحدث حكمه: الوضوء لا غسل ثوبه لكل فرض اللام للوقت، ثم يصلي به فيه فرضا ونفلا. (شامي، مطلب في أحكام المعذور، کراچی ۱/۳۰۵، زکریا ۱/۵۰۴، ۵۰۵، ہندیہ، الباب السابع في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زکریا قدیم ۱/۴۱، جدید ۱/۹۵، حاشیة الطحطاوي على المراقي، کتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند، ص: ۱۴۹)

ومن به سلس بول يتوضئون لوقت كل صلاة، ويصلون به في الوقت ماشاؤوا من فرض ونفل. (مجمع الأنهر، فصل في المستحاضة، ومن به سلس البول، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۸۴، مصری قدیم ۱/۵۶)

توضأ المستحاضة ومن به سلس البول لوقت كل فرض. (تبيين الحقائق، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، مکتبہ زکریا ۱/۱۸۰، إمدادیه ملتان ۱/۶۴، البحر الرائق، کوثئہ ۱/۱۱۲، زکریا ۱/۳۷۲، الفقہ الإسلامی وأدلته ۱/۳۸۰، مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، قدیم ص: ۶۰، دارالکتاب دیوبند:

۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
۹/نومبر ۲۰۱۳ء یوم السبت

قطرہ آنے کا شبہ ہونے کے بعد نماز کس طرح پڑھے؟

سوال [۱۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پیشاب کا قطرہ کبھی کبھی استنجاء کرنے کے بعد آجاتا ہے، اکثر قطرہ نہیں آتا، شبہ ہو جانے کے بعد کپڑا بدل کر نماز پڑھے یا اسی حالت میں نماز پڑھے؟

المستفتی: حفیظ اللہ مدرسہ اصلاح المسلمین، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا شخص معذورین میں داخل نہیں؛ اس لئے ہر نماز کے لئے کپڑا بدل کر وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرے، وضو کے بعد قطرہ نکلے تو دوبارہ وضو کر لے۔

المستحاضة ومن به سلس البول يتوضئون لوقت كل صلاة، فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ما شاءوا من الفرائض والنوافل، وإذا خرج الوقت بطل وضوئهم. (فتح القدير، كتاب الطهارة، فصل في المستحاضة، دارالفکر ۱/۱۷۹، زکریا ۱/۱۸۱)

وصاحب عذر من به سلس البول لا يمكن إمساكه بأن لا يجد في جميع وقتها زمنا يتوضأ فيه ويصلي خاليا عن الحدث حكمه: الوضوء لا غسل ثوبه لكل فرض اللام للوقت، ثم يصلي به فرضا ونفلا. (شامي، مطلب في أحكام المعذور، كراچی ۱/۳۰۵، زکریا ۱/۵۰۴، ۵۰۵، ہندیہ، الباب السابع في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زکریا قدیم ۱/۴۱، جدید ۱/۹۵، حاشیة الطحطاوي علی المراقی، کتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس

والاستحاضة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند، ص: ۱۴۹، مجمع الأنهر، فصل فی المستحاضة

ومن به سلس البول، مکتبہ دارالکتب العلمیة ۱/ ۸۴، مصری قديم ۱/ ۵۶)

ولا یصیر معذورا حتی یتتبعه العذر وقتا كاملا، لیس فیہ انقطاع

بقدر الوضوء، والصلاة، وهذا شرط ثبوته. (نور الإيضاح، باب الحيض والنفس

والاستحاضة، ص: ۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰/۲۱/۱۴۱۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/۲۱/۱۴۱۹ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۹۸)

قطرہ آنے والے مریض کی نماز

سوال [۱۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

قطرہ کے نکلنے سے نماز سے دل اچاٹ رہتا ہے، قطرہ کسی وقت بھی اچانک نکل جاتا ہے۔

المستفتی: جاوید اختر ولد محمد ابراہیم محلہ سیدھی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر قطرہ اتنی جلدی جلدی آتا ہے کہ باسانی وضو کر کے

نماز ادا کرنے کو وقت نہیں ملتا ہے، تو شرعاً معذور ہیں، ایسی حالت میں ہر نماز کے وقت کے

لئے وضو کر کے نماز ادا کر لیا کریں اور اگر درمیان میں اتنا وقت مل جاتا ہے کہ وضو کر کے نماز

پڑھ لی جاسکے تو قطرہ کے ساتھ نماز ادا نہ ہوگی؛ بلکہ دوبارہ وضو کر کے نماز لوٹا لیا کریں۔

(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱/ ۴۹۵، احسن الفتاویٰ ۲/ ۷۶)

نیز نماز ہر حال میں پڑھنا لازم ہے، معاف نہیں ہے۔

المستحاضة ومن به سلسل بول، أو استطلاق بطن، أو انفلات ریح،

أو رعاف دائم، أو جرح لا يرقأ يتوضؤون لوقت كل صلاة، ويصلون به في

الوقت ماشاؤا من فرض و نفل، و يبطل بخروجه فقط..... والمعذور من لا يمضي عليه وقت صلاة إلا والذي ابتلى به يوجد فيه. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، فصل في المستحاضة ومن به سلس البول، مكتبة دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۸۴، مصري قديم ۱/ ۵۶، شامي، مطلب في أحكام المعذور، كراچی ۱/ ۳۰۵، زكريا ۱/ ۵۰، هندية، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، زكريا قديم ۱/ ۴۰، جديد ۱/ ۹۵)

ولا يصير معذورا حتى يستوعبه العذر وقتا كاملا ليس فيه انقطاع بقدر الوضوء والصلاة، وهذا شرط ثبوته. (نور الإيضاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۷۲)

کیا فالج زدہ شخص کو تیمم کرنے کی اجازت ہے؟

سوال [۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فالج زدہ آدمی جو بذات خود وضو نہ کر سکتا ہو اور دوسرا کوئی بار بار وضو کرانے میں بار محسوس کرتا ہو، علاوہ ازیں وضو کرانے میں بدن، کپڑے بھیک جاتے ہوں، جس سے سردی کا ڈر ہو، تو ایسی صورت میں اگر وہ خود تیمم کرے، یا دوسرا کوئی تیمم کرادے تو اس تیمم سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد صدق حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فالج زدہ آدمی کو جب تک کوئی وضو کرانے والا موجود ہو اس وقت تک اس کے لئے تیمم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اور اس تیمم کے ذریعہ ادا کی

جانے والی نماز بھی صحیح نہ ہوگی، نیز اگر ٹھنڈا پانی نقصان دہ ہے اور گرم پانی کا انتظام ہو تو بھی تیمم کی اجازت نہیں ہے۔

أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة ظن، أو قول حاذق مسلم، ولو بتحرك ولم يجد من توضع، فإن وجد ولو بأجرة مثل وله ذلك لا يتيمم في ظاهر المذهب كما في البحر. (درمختار مع الشامی، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ۱/ ۳۹۷، كراچی ۱/ ۲۳۳، شرح النقاہ، باب التيمم، اعزازہ دیوبند ص: ۲۴، ہندیہ، الباب الرابع في التيمم، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۲۸، جدید ۱/ ۸۱، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه دارالكتاب، ص: ۱۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۱ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۸/۸/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۰۳)

کیا نابینا شخص ناپاکی کی حالت میں نماز اور قرآن پڑھ سکتا ہے؟

سوال [۱۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ نابینا ہے، احتلام و جریان کا مریض ہے، پانی کتنی دور تک ہمارے لئے تلاش کرنا ضروری ہے، بار بار قطرے بھی آتے ہیں، کپڑے دھونے والا بھی کوئی نہیں ہے، ایسی صورت میں کیا وہی کپڑے پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نماز مسجد میں پڑھیں یا گھر میں، جب کہ کپڑے بھی ناپاک ہیں اور بدن بھی ناپاک ہے؟ مسجد میں جانے کی ممانعت تو نہیں ہے؟ بندہ حافظ قرآن ہے، اس ناپاکی کی حالت میں قرآن کیسے پڑھے، اگر نہ پڑھے تو بھول جانے کا خطرہ ہے، کیا کرے؟

المستفتی: حافظ نور محمد اعظمی، لہر پور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ نابینا ہیں، مسجد تک کوئی پہنچانے والا نہیں ہے، تو اپنی قیام گاہ میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اور اگر بار بار جریان احتلام کی شکایت ہے، تو ایک ہی کپڑے میں سویا کریں اور قطرہ سے بچنے کے لئے ایک انڈرویزر اندر پہننے کے لئے خاص کر لیں، جب نماز کا وقت آئے تو وضو کر کے اس انڈرویزر کو اتار کر پاک کپڑے میں نماز پڑھ لیں اور نماز سے فراغت کے بعد پھر وہی انڈرویزر پہن لیں، جو بھی قطرہ آئے گا اسی میں لگے گا، آج کل کے زمانہ میں یہ سوال بیجا ہے کہ پانی تلاش کرنے کے لئے کتنی دور جانا چاہئے، اس لئے کہ آج کل کے زمانہ میں پانی شہر، دیہات ہر جگہ میسر ہوتا ہے، آپ اگر حافظ قرآن ہیں، تو پاکی کی حالت میں رہنے کے لئے جو شکل پیش کی گئی ہے وہی شکل اختیار کریں اور اسی میں قرآن کی تلاوت بھی کریں۔

وتسقط الجماعة بالأعذار حتى لا تعجب على المريض -إلى-

والأعمى عند أبي حنيفة. (هندية، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، زكريا قديم ۱/ ۸۳، جديد ۱/ ۱۴۰، شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرى، كراچی ۱/ ۵۵۲، زكريا ۲/ ۲۹۲، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۱/ ۶۰۵، كوئٹہ ۱/ ۳۴۶)

ومن كان بطى الاستبراء، فليقتل نحو ورقة مثل الشعيرة ويحتشى بها في الإحليل، فإنها تتشرب ما بقي من أثر الرطوبة التي يخاف خروجها. (شامي، كتاب الطهارة، بال أنجاس، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء، زكريا ۱/ ۵۵۸، كراچی ۱/ ۳۴۵، هندية، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، زكريا قديم ۱/ ۱۰، جديد ۱/ ۶۰، تاتار خانية، الفصل الثاني ما يوجب الوضوء ۱/ ۲۳۹، رقم: ۱۷۵، كيري، فصل في نواقض الوضوء، اشرفيه ديوبند ص: ۱۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۵۰)

ناہینا جنابت کی حالت میں نماز، روزہ اور تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۱۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید ایک ناہینا ہے، اس کے کپڑے روزانہ احتلام کی وجہ سے ناپاک ہو جاتے ہیں، اس کے پاس دوسرے کپڑے بھی نہیں ہیں؛ لہذا اگر وہ ان کپڑوں کو دھولے تو سردی کی وجہ سے سوکھتے نہیں ہیں، اگر بھیگے پہنتا ہے تو نقصان پہنچتا ہے، یعنی بیماری کا ڈر ہے اور پاک کپڑے کا انتظام بھی نہیں ہے، تو کیا انہیں ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھ لیا ہے تو دوبارہ پاک کپڑے ملنے پر عادیہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا شخص قرآن پاک کی تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے، تو کتنی دیر کر سکتا ہے؟

(۳) مذکورہ بالا شخص کے روزے ایسی حالت میں ہو جائیں گے یا ان کی قضا لازم ہے؟ اگر روزے ہو بھی گئے تو مکروہ ہوں گے یا صحیح ہوں گے؟

المستفتی: حافظ نور محمد بارہ دروی، لہر پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) محض بیمار ہونے کے خوف سے ناپاک کپڑوں میں نماز درست نہ ہوگی، جو نمازیں ناپاک کپڑوں میں پڑھی گئی ہیں ان کو دہرا ناضروری ہے؛ اس لئے کہ نماز کے لئے کپڑے کی پاکی فرض ہے؛ لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ نماز کے لئے ایک پاک کپڑا رکھے اور آج کل کے زمانہ میں پھٹے پرانے کپڑے کسی سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں، یہ اتنا بڑا عذر نہیں ہے کہ ناپاک کپڑوں میں نماز کی اجازت دی جائے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. [المائدة: ۶]

وَيَا بَايَكَ فَطَهِّرْ. [المدثر: ۴]

ومن شروط الصلاة هي طهارة بدنه من حدث وخبث، وثوبه

و مکانہ۔ (کنز مع البحر الرائق کوئٹہ ۱/۲۶۶، زکریا ۱/۴۶۲، درمختار مع الشامی، زکریا ۲/۷۳، کراچی ۱/۴۰۲)

(۲) مذکورہ شخص غسل کرنے کے بعد جتنی دیر چاہے قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے، جنابت کی حالت میں جائز نہیں۔

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن. (سنن ابن ماجه، باب ماجاء في قراءة القرآن على غير طهارة، النسخة الهندية ۱/۴۴، دارالسلام، رقم: ۵۹۶، ۵۹۵، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۲/۲۱۹، رقم: ۵۹۲۵، ترمذی شریف، باب ماجاء في الجنب والحائض أنها لا تقرأ القرآن، مع العرف الشذی، النسخة الهندية ۱/۳۴، دارالسلام، رقم: ۱۳۱)

(۳) مذکورہ بالاشخص اس حالت میں روزہ رکھ سکتا ہے۔ اور روزہ مکروہ بھی نہ ہوگا۔

و عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كان رسول الله ﷺ يدركه الفجر في رمضان وهو جنب من غير حلم، فيغتسل ويصوم. (مسلم شريف، باب صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، النسخة الهندية ۱/۳۵۴، دارالسلام، رقم: ۱۱۰۹، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۸/۱۴۳، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۷۶)

والدہ کا اپنے مست لڑکے کو نہلانے کا شرعی حکم

سوال [۱۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک لڑکا بالکل مدہوش ہے، جس کو لوگ مست کہتے ہیں، نہ وہ بول سکتا ہے نہ اشارے سے کچھ بتا سکتا ہے، اس کو اچھائی، برائی، صفائی ستھرائی کا کچھ بھی پتہ نہیں، اس کی عمر تقریباً بیس سال ہوگئی

ہے، اس کے والد کا انتقال ہو گیا، جب تک وہ زندہ تھے تو اس کو ہفتہ دو ہفتہ میں نہلاتے دھلاتے تھے، اب ان کے بعد اس کی صفائی وغیرہ کا خیال کر کے ہفتہ دو ہفتہ میں نہلا دھلا دیتی ہوں، محلہ کی عورتیں مجھے کہتی ہیں کہ تم اس کو نہلا کر گناہ کیوں کما رہی ہو، تو کیا شریعت میں اس طرح کا کوئی مسئلہ ہے کہ جب کوئی دوسرا اس کی یہ خدمت انجام دینے والا نہیں ہے اور کسی دوسرے اجنبی کے ہاتھ وہ آتا نہیں، تو میں اس کو کر سکتی ہوں، شریعت کا جو حکم ہو بیان کریں؟

المستفتیۃ: رفیقہ خاتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ صورت میں جب آپ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کی صفائی ستھرائی کا کام انجام نہیں دے سکتا ہے، تو آپ کے لئے بدرجہ مجبوری ستر اور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے مدہوش مست بیٹے کو نہلانے دھلانے کی اجازت ہے۔ اور محلہ کی عورتوں کا اس عمل کے ذریعہ سے گناہ کمانے کی بات کہنا غلط ہے۔

فمن ذلك عدم تكليف الصبي، والمجنون، ففوض أمر أموالهما إلى الولي وتربيته وحضانتہ إلى النساء رحمة عليه. (الأشباه والنظائر، قديم:

۱۳۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷ / ۳۳۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۲۷ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۹۵)

مریضہ عورت کا شوہر نہ ہو تو استنجاء معاف

سوال [۱۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جو شدید مرض کی حالت میں ہے، یہاں تک کہ وہ استنجاء پر بھی قادر نہیں ہے، تو ایسی صورت میں کیا اسے کوئی اور استنجاء کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کون کر سکتا ہے؟ جب کہ اس عورت کے شوہر اور تین اولادیں ہیں، جن میں سے دو لڑکیاں شادی شدہ

ہیں اور اپنے گھروں میں مصروف ہیں اور ایک بیٹا ہے جو حتی الامکان اپنے والدین کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور وہ بھی شادی شدہ ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اسے استنجاء کون کرائے اور کس طرح کرائے؟ حائل یا بلا حائل؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ارباب شمش، محلہ طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: جب مذکورہ عورت کا شوہر موجود ہے، تو شوہر اس کو استنجاء کرا سکتا ہے۔ اور ایسی معذور عورت کے لئے پانی سے استنجاء کے بجائے آج کل کے زمانہ میں ٹیشو پیپر جو آرہا ہے، اس کے ذریعہ استنجاء کرانا جائز ہے۔ اور اگر شوہر موقع پر موجود نہ رہ سکے تو ایسی صورت میں شریعت نے اس کے اوپر سے استنجاء کو معاف کر دیا ہے۔

المرأة المريضة إذا لم يكن لها زوج، وهي لا تقدر على الوضوء، ولها بنت، وفي الخانية: أو أخت، قال: تو ضاها بنت بالماء الطهور، ويسقط عنها الاستنجاء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء، زكريا ۱/ ۲۱۸، رقم: ۸۴)

المرأة المريضة إذا لم يكن لها زوج، وعجزت عن الوضوء ولها ابنة أو أخت تو ضعتها، ويسقط عنها الاستنجاء. (هندية، الباب السابع في أحكام النجاسات، الفصل الثالث في الاستنجاء، زكريا قديم ۱/ ۵۰، جديد ۱/ ۱۰۵، قاضيخان، زكريا جديد ۱/ ۲۳، حلي كبير، قبيل الطهارة الكبرى، اشرفيه ديوبند، ص: ۴۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر:)

پائیریا کا مریض کس طرح وضو کرے؟

سوال [۱۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید کی دو حالتیں رہتی ہیں، کبھی کبھی غیر متعین اوقات میں خون اتنا بند ہو جاتا ہے کہ اس میں وضو کر کے اچھی طریقہ سے نماز ادا کر سکتا ہے؛ لیکن خون نکلتا ہے، تو کسی طرح سے بند نہیں ہوتا، اکثر نمازوں کے اوقات میں خون بند نہ ہو تو کیا کرے؟ جب کہ زید طالب علم ہے، اس کے اوپر مدرسہ کی طرف سے نماز باجماعت اور نمازوں میں حاضری کی بھی پابندی ہے اور عشاء و فجر کے وقت میں اندھیرے کی وجہ سے خون اور تھوک کے درمیان تمیز نہ کر پاتا ہو تو کیا کرے؟ زید مذکورہ بیماری کی وجہ سے عبادات میں بیحد پریشان ہے؛ لہذا اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: سلیم اللہ منی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب خون بند ہو جاتا ہے اور اچھی طرح وضو کر کے نماز ادا کر سکتا ہے، تو ایسی صورت میں جن اوقات میں خون بند ہو جائے، ان میں وضو کر کے بہت جلد خون نکلنے سے پہلے فرض نماز ادا کر لی جائے اور جن اوقات میں تسلسل کے ساتھ خون جاری ہو جاتا ہے، تو ان اوقات میں سلسل بول کے درجہ میں قرار دیا جائے گا اور اسی حالت میں وضو کر کے نماز ادا کرے، چاہے نماز ادا کرنے کے دوران بھی خون نکلتا ہو، تو ایسی صورت میں نماز اور وضو فاسد نہیں ہوگا اور نماز فرض ادا کر لیا کرے اور نوافل چھوڑ دیا کرے۔

وصاحب عذر من بہ سلس بول لا یمكنہ إمساكہ إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة، بأن لا یجد فی جمیع وقتها زما یتوضأ ویصلی فیہ. (شامی، کتاب الطہارۃ، مطلب فی أحكام المعذور، کراچی ۱/ ۳۰۵، زکریا ۱/ ۵۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۷/۲۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/رجب ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۰۳)

۹/ باب الحيض لڑکی کب بالغ ہوتی ہے؟

سوال [۱۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں جانا چاہتا ہوں کہ اسلام میں لڑکی بالغ کب ہوتی ہے، جس سے اس کی شادی کر دی جائے، کوئی عمر کا حساب ہے یا پہلے حیض کے بعد لڑکی بالغ ہو جاتی ہے؟

المستفتی: محمد شمیم پسر صوفی عزیز احمد، سرائے گلزاری مل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پہلے حیض کے ساتھ لڑکی بالغ ہو جاتی ہے اور اسی وقت سے شریعت کے تمام احکام اس کے اوپر لاگو ہو جاتے ہیں۔ اور اگر پندرہ سال سے پہلے حیض نہیں آیا ہے تو پندرہ سال پورے ہوتے ہی بالغ شمار کی جاتی ہے؛ لہذا پہلے حیض کے بعد جب بالغ ہو جاتی ہے تو شادی کر کے رخصت کر دینا بھی شرعاً جائز ہے۔

عن عائشة - رضي الله عنها - أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين، وأدخلت عليه، وهي بنت تسع ومكثت عنده تسعا. (بخاري شريف، باب النكاح الرجل ولده الصغار، النسخة الهندية ۲/ ۷۷۱، رقم: ۴۹۴۰، ف: ۵۱۳۳، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۳/ ۲۱، رقم: ۴۹)

بلوغ الغلام بالاحتلام والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (شامی علی الدر المختار، کتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، زکریا ۹/ ۲۲۵، کراچی ۶/ ۱۵۳، الموسوعة الفقهية ۸/ ۱۹۲-۱۹۰، مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوي، کتاب الطهارة، فصل یسن الاغتسال لأربعة أشياء، مکتبہ دارالکتاب دیوبند،

۱۰۸، المبسوط، باب العدة وخروج المرأة من بيتها، مكتبة دار الكتب العلمية، بيروت
۵۳/۶ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۱۵/۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۸ھ

لڑکی کے بلوغ کی عمر اور علامت

سوال [۱۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی شرع شریف میں کب بالغ سمجھی جائے گی؟ بیوا تو جروا۔
المستفتی: بشیر احمد محلہ شیدی سرائے، مراد آباد

جواب دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: پندرہ سال کے بعد شرعاً بالغ مان لی جائے گی۔ درمختار میں: حتی یتم لكل واحد منهما خمس عشرة. والله تعالیٰ اعلم

کتبہ الفقیر: محمد ایوب النعیمی غفرلہ

دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مراد آباد

مورخہ ۷ شعبان ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء

جواب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

الجواب وبالله التوفیق: اگر لڑکی میں احتلام اور حیض اور حمل میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال پورا ہونے پر شرعاً بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اگر مذکورہ علامات ظاہر ہو جائیں تو پندرہ سال کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ جب بھی کوئی علامت ظاہر ہوگی بالغ ہونے کا حکم لگ جائے گا۔

عن عائشة - رضي الله عنها - أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين، وأدخلت عليه، وهي بنت تسع ومكثت عنده تسعا. (بخاري شريف، باب النكاح الرجل ولده الصغار، النسخة الهندية ۲ / ۷۷۱، رقم: ۴۹۴۰، ف: ۵۱۳۳، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۳ / ۲۱، رقم: ۴۹)

والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (شامي على الدر المختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، زكريا ۹ / ۲۲۵، كراچی ۶ / ۱۵۳، الموسوعة الفقهية ۸ / ۱۹۲ - ۱۹۰، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل يسن الاغتسال لأربعة أشياء، مكتبه دار الكتاب ديوبند، ۱ / ۱۰۸، المسوط، باب العدة وخروج المرأة من بيتها، مكتبه دار الكتب العلمية، بيروت ۶ / ۵۳) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ شعبان ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۰ / ۸۴۴)

شریعت اسلامیہ کی نظر میں لڑکی کب بالغ ہوتی ہے؟

سوال [۱۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام میں لڑکی کتنے دن میں بالغ ہوتی ہے؟ اس پر غور فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد آفاق کنور صاحب والی گلی، بروالان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: پندرہ سال سے پہلے لڑکے کو مونچھ، زیر ناف اور بغل کے بال وغیرہ نکل آئیں یا احتلام ہو جائے تو بالغ شمار کیا جائے گا۔ اور لڑکی کو پندرہ سال سے پہلے جب بھی حیض آجائے اسے بالغ شمار کیا جائے گا، یہ علامتیں ظاہر نہ ہونے کی صورت میں جب پندرہ سال عمر پوری ہو جائے تو بالغ ہونے کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔

عن عائشة - رضي الله عنها - أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين، وأدخلت عليه، وهي بنت تسع ومكثت عنده تسعا. (بخاري شريف، باب النكاح الرجل ولده الصغار، النسخة الهندية ٢ / ٧٧١، رقم: ٤٩٤٠، ف: ٥١٣٣، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢٣ / ٢١، رقم: ٤٩)

وسن البلوغ على المفتي به خمس عشرة سنة في الجارية والغلام. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في رطوبة الفرج، زكريا ١ / ٣٠٨، كراچی ١ / ١٦٨)

والبلوغ بالسن عند عدم وجود علامة من علامات البلوغ قبل ذلك - إلى قوله - يكون بتمام خمس عشرة سنة قمرية للذكر والأنثى. (الموسوعة الفقهية ٨ / ١٩٢)

للبلوغ علامات طبيعية ظاهرة منها الاحتلام، أي خروج المنى من الرجل أو المرأة في يقظة أو منام لوقت إمكانه، ومنها: الانبات، ظهور شعر العانة، وهو الذي يحتاج في إزالته إلى نحو حلق..... والحمل علامة على بلوغ الأنثى، فإذا وجد واحد من العلامات السابقة حكم بالبلوغ على الوجه المتقدم، وإن لم يوجد كان البلوغ بالسن. (الموسوعة الفقهية ٨ / ١٩٠)

لمن بلغ بالسن وهو خمس عشرة سنة على المفتي به في الغلام، والجارية وهو قولهما: ورواية عن الإمام، إذا العلامة تظهر في هذه المدة غالباً، فجعلوا المدة علامة في حق من لم تظهر له العلامة. الخ (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، فصل يسن الاغتسال لأربعة أشياء، دارالكتاب ديوبند ص: ١٠٨) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ھ ١٤٣٢ / ١٢ / ٢٤

(الف فتاوى نمبر: ٣٩ / ١٠٥٦٦)

جس کو تین دن سے کم خون آئے وہ حائضہ ہوگی یا نہیں؟

سوال [۱۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت کو ہر ماہ حیض کا خون تین دن آتا تھا، اب کئی ماہ سے تین دن سے کم آتا ہے اور دو یا تین دن سے پس و پیش بھی ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ ایک ہی یوم ولیلہ پر ہی رک جاتا ہے، آیا یہ عورت حائضہ شمار ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ایوب امر وہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفی مسلک کے مطابق حیض کی مدت کم سے کم تین دن ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کم سے کم مدت لگ بھگ ڈھائی دن ہے۔ اور حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کم سے کم مدت ایک دن ایک رات ہے۔ اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق بارہ گھنٹے کی بھی ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک اقل مدت کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔ اور دلائل و روایات سب کے پاس موجود ہیں۔ اور آج کل کے زمانہ میں قوتیں کمزور ہو گئی ہیں اور بہت سی عورتوں کی طرف سے یہ اطلاع آرہی ہے کہ ایک دن یا ڈیڑھ دن خون آکر بند ہو جاتا ہے، پھر اگلے مہینہ میں عادت کے مطابق اسی طرح ایک دن یا ڈیڑھ دن خون آکر بند ہو جاتا ہے، تو ایسی عورتوں کے لئے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے قول کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے؛ لہذا ۲۴ گھنٹے یا اس سے زیادہ بھی حیض کی مدت میں شمار کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ حیض بند ہوجانے کے بعد تین دن تک میں دوبارہ خون نہ آیا ہو، لیکن اگر تین دن تک میں دوبارہ خون آیا ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق تین دن حیض کے ایام میں شمار ہوں گے؛ لیکن سوال نامہ میں عورت کی جس حالت کا ذکر ہے اس میں ایک دن ڈیڑھ دن خون آکر بند ہونے کا سلسلہ نہیں ہے؛ بلکہ کبھی تین دن، کبھی دو دن اور کبھی ایک دن، تو ایسی صورت میں اس عورت کو حنفی مسلک

کے مطابق کم سے کم حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرنا لازم ہے کہ دو دن مکمل اور تیسرے دن کا اکثر حصہ حیض میں شمار کرے، اس کے بعد اپنے آپ کو پاک سمجھے، اس کے بعد غسل کر کے نماز روزہ شرع کر دے۔

عن أنس قال: أدنى الحيض ثلاثة، وأقصاه عشرة. (السنن الدارقطني، الحيض، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۱۶، رقم: ۷۹۷، ۱/ ۲۱۷، رقم: ۷۹۹، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۸/ ۱۲۹، برقم: ۷۵۸۶، المعجم الأوسط، دار الفكر ۱/ ۱۸۲، برقم: ۵۹۹)

فذكر في ظاهر الرواية: إن أقل الحيض ثلاثة أيام ولياليها، وحكى عن أبي يوسف في النوادر: يومان وأكثر اليوم الثالث وقال الشافعي: يوم وليلة في قول، وفي قول يوم بلا ليلة، واحتج بما احتج به مالك -إلى قوله- قال مالك: أنه غير مقدر، وليس لأقله حد ولا لأكثره غاية، واحتج بقوله تعالى: ﴿وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أذى﴾ جعل الحيض أذى من غير تقدير. الخ (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ۱/ ۱۵۵، كراچی ۱/ ۴۰)

ذهب الحنفية إلى أن أقل مدة الحيض ثلاثة أيام بلياليها، وذهب المالكية إلى أنه لا حد لأقله بالزمان، وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أقل الحيض يوم وليلة لقول علي: أقل الحيض يوم وليلة. الخ (الموسوعة الفقهية، الكويتية ۱۸/ ۲۹۹، الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ۱/ ۱۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۲/۵/۲۳ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/۱۱۱۲۳)

کیا حالت حیض میں بیوی سے مکمل علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے؟

سوال [۱۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں مکمل علیحدگی اختیار کر لیتا ہے، یعنی نہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتا ہے اور نہ پانی پیتا ہے، یعنی ہر اعتبار سے اس کو اچھوت بنا دیتا ہے۔ اور بعد حیض گھر کو دھوتا ہے اور صاف کرتا ہے، کیا اس کے لئے یہ سب کام جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی: سید شہاب الدین، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حیض و نفاس کی وجہ سے بیوی کے بستر کو الگ کر دینا، اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نہ کھانا، اس کو بالکل اچھوت بنا دینا، اغیار کا طریقہ ہے جو کہ اسلام میں جائز نہیں؛ بلکہ آپس میں اس کے ساتھ کھانا پینا، رہن سہن بدستور جاری رکھنے کا حکم حدیث میں وارد ہوا ہے، صرف ہم بستر ہی جائز نہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَدَىٰ فَأَعْتَزِ لُؤَا النَّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ. [سورة

البقرة، آیت: ۲۲۲]

عن أنس قال: كانت المرأة من اليهود إذا حاضت لم يؤاكلوها ولم يشاربوها ولم يجامعوها في البيت، فأنزل الله عز وجل ”وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَدَىٰ“، إلى قوله: ”حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ“، فأمر رسول الله ﷺ أن يؤاكلوهن وأن يشاربوهن وأن يجامعوهن في البيوت، ويفعلون ما شاءوا وإلا الجماع. الحديث (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۰۰،

رقم: ۲۱۶۵، بخاري شريف ۱/ ۴۴، رقم: ۳۰۱، ف: ۳۰۳)

ولا ينبغي أن يعزل عن فراشها؛ لأن ذلك يشبه فعل اليهود. (شامي،

کتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ۱/ ۴۸۶، کراچی ۱/ ۲۹۲، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الحيض، دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۴۵، حاشية الطحطاوي على الدر، كوئٹہ ۱/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۵)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۲۷ھ

حالت حیض میں زینت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۱۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت کا حالت حیض و نفاس میں مہندی لگانا اور سنگا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد جنید لکھنوی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت حیض میں زینت اختیار کرنا بلاشبہ جائز ہے، ہاں البتہ شوہر کے ساتھ ہم بستری جائز نہیں؛ لہذا مہندی لگانا اور سنگا کرنا جائز ہے۔

وفي الحديث: دليل أن خلاف النظافة، وحسن الهيئة في اللباس وغيره ليس من آداب الشريعة. (أوجز المسالك ۱/ ۱۴۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ شوال ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۳۳)

حائضہ عورت کا غسل اور اس سے صحبت کا حکم

سوال [۱۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حائضہ عورت کب غسل کرے گی اور اس سے صحبت کب کی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر عورت کو ہر مہینہ متعین ایام میں خون آتا ہے، مثلاً ہر مہینہ میں ۵/۶ دن یا ۶/۷ دن خون آتا ہے، اس کے بعد پاک ہو جاتی ہے، تو اسی عادت کے مطابق ۵/۶ یا ۶/۷ دن پورے ہونے کے بعد جب خون آنا بند ہو جائے تو فوراً غسل کرے اور غسل کے بعد نماز، روزہ اور شوہر کے ساتھ ہم بستری سب کچھ کر سکتی ہے؛ البتہ اگر خون آنے کا سلسلہ لمبا ہو جائے تو شرعی طور پر دس دن سے زائد حیض شمار نہیں ہوگا؛ بلکہ دس دن پر غسل کر کے سارا کام کر سکتی ہے، آپ کے سوال میں کسی چیز کی وضاحت نہیں ہے کہ آپ کون سی شکل پوچھنا چاہتے ہیں، اگر یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ۵/۶ دن یا ۶/۷ دن میں عادت و معمول کے مطابق خون آنا بند ہو جائے اور غسل نہ کرے تو حکم شرعی یہ ہے کہ فوری طور پر غسل کر لینا چاہئے۔ اور اگر غسل میں سستی کرتی ہے اور خون بند ہونے کے بعد اتنا وقت گزر جائے کہ اطمینان سے غسل کر سکتی ہے، تو اس کے ساتھ ہم بستری جائز ہے، پھر غسل جنابت اور غسل حیض ایک ساتھ کر سکتی ہے؛ لیکن یہ بہتر نہیں ہے؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ پہلے غسل حیض سے فارغ ہو جائے پھر ہم بستری کرے۔

وإذا انقطع دم الحيض لأقل من عشرة أيام لم تحل وطؤها حتى تغتسل، ولو لم تغتسل ومضى عليها أدنى وقت الصلوة بقدر أن تقدر على الاغتسال والتحريرة حل وطؤها، ولو كان انقطع الدم دون عادتھا فوق الثلاث لم يقربھا حتى تمضي عادتھا وإن اغتسلت، وإن انقطع الدم بعشرة أيام حل وطؤها قبل الغسل؛ لأن الحيض لا مزيد له على العشرة إلا أنه لا يستحب قبل الاغتسال للنهي. (هداية، باب الحيض والاستحاضة، أشرفی دیوبند ۱/۶۵، فتح القدیر، باب الحيض والاستحاضة، زکریا ۱/۱۷۳، کوئٹہ ۱/۱۰۱، عنایة مع فتح القدیر، باب الحيض والاستحاضة، زکریا ۱/۱۷۴، کوئٹہ ۱/۱۰۱-۱۰۲، شامی، کتاب الطہارة، باب الحيض، زکریا ۱/۴۹۱، کراچی ۱/۲۹۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ صفر ۱۴۲۶ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۳۵)

حالت حیض میں قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۱۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ نسواں میں بالغ لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، نصاب میں مقاح القرآن، قرآن شریف، ناظرہ حفظ، ترجمہ، تجوید و مشق سب شامل ہیں، طالبات ایام ماہواری میں یہ چیزیں پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھ سکتی ہیں تو پیش آمدہ دشواریوں کا حل کیا ہو سکتا ہے؟ تجوید، مشق و حفظ وغیرہ کا بہت نقصان ہوتا ہے، کلاس میں پیچھے رہ جاتی ہے، ساتھیوں کے مطابق نہیں چل سکتی اور کلاس کے الگ سے خارجی اوقات میں پڑھانے وغیرہ کی بھی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح امتحان میں موصوفہ کے لئے مقاح القرآن و قرآن، تجوید، مشق و حفظ وغیرہ کے لکھنے و سنانے کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ نیز موصوفہ کے لئے ان ایام میں مقاح القرآن یا قرآن کا ترجمہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت حیض میں بالغ لڑکیوں اور عورتوں کے لئے قرآن کریم کا پکڑنا اور تلاوت کرنا اور تجوید و حفظ پڑھنا سب ممنوع اور ناجائز ہے، یہ سب کام حالت طہارت ہی میں کرنا واجب ہے، اس کا کیا حل ہے؟ ذمہ داران خود اپنے نظام کے تحت نکالیں۔

عن ابن عمر -رضی اللہ عنہ- عن النبی ﷺ قال: لا تقرأ الحائض

ولا الجنب شیئا من القرآن. (ترمذی، باب ماجاء فی الجنب والحائض أنهما لا یقرآن القرآن، النسخة الهندیة ۱/ ۳۴، دارالسلام، رقم: ۱۳۱، ومثله فی مسند الدارمی، دارالمغنی ۱/ ۶۷۹، رقم: ۱۰۳۱)

وقراءۃ قرآن بقصدہ ومسہ ولو مکتوبا بالفارسیۃ فی الأصح إلا بغلافہ المنفصل کما مر، وکذا یمنع حملہ کلوح وورق فیہ آیۃ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الطہارۃ، باب الحيض، زکریا ۱/ ۴۸۸، کراچی ۱/ ۲۹۲، حلبی کبیر،

فروع ان اجتناب المرأة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند، ص: ۵۹، ہندیہ، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زکریا قدیم ۱/ ۳۹، جدید ۱/ ۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ صفر ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۳۱/۳۷)

حائضہ عورت فضائل اعمال کو ہاتھ میں لے کر تعلیم کر سکتی ہے؟

سوال [۱۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حالت حیض میں عورت ”فضائل اعمال“ (جو مشہور ہے تبلیغی نصاب سے) کی تعلیم کتاب ہاتھ میں لے کر کر سکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ ”فضائل اعمال“ کے اندر عربی الفاظ میں احادیث بھی لکھی ہوئی ہیں اور بعض جگہ قرآن کی آیات بھی ہیں، مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مدلل تحریر فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: عبدالسلام پونوی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں حالت حیض میں عورتوں کے لئے ”فضائل اعمال“ کی کتاب پڑھنا جائز ہے، ہاں البتہ جہاں آیت قرآنی آجائے وہاں سے چھوڑ دیا کریں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/ ۷۱، امداد الفتاویٰ ۱/ ۵۱)

عن ابن عمر - رضي الله عنه - عن النبي ﷺ قال: لا تقرأ الحائض

ولا الجنب شيئاً من القرآن. (ترمذي، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دار السلام، رقم: ۱۳۱، ومثله في مسند الدارمي، دار المغني ۱۲/ ۲۱۹، رقم: ۵۹۲۵)

ولا بأس لحائض و جنب بقراءة أدعية، ومسها وحملها. (الدر المختار،

كتاب الطهارة، باب الحيض، كراچی ۱/ ۲۹۳، زکریا ۱/ ۴۸۸، حلبی کبیر، فروع أن

احنبث المرأة، مکتبہ اشرفیہ، ص: ۵۹، ہندیہ، باب السادس، الفصل الرابع، زکریا قدیم ۱/ ۳۹،
جدید ۱/ ۹۲-۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۹۹/۲۷)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۱۲/۲۶ھ

کیا عادت مکمل ہونے کے بعد غسل سے قبل جماع کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حائضہ عورت سے بعد انقطاع خون عادت مستمرہ میں قبل از غسل جماع جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بعد از جماع بھی خون دیکھنے میں آگیا ہو، منفی صورت میں کتنہ پر کیا کفارہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: معتادہ کو جتنے دن کی عادت تھی اتنے ہی دن خون آیا، پھر بند ہو گیا تو جب تک غسل نہ کرے اس سے صحبت کرنا درست نہیں، اگر غسل نہ کرے تو جب ایک نماز کا وقت گذر کر قضا اس کے ذمہ واجب ہو جائے تب صحبت درست ہے، اس سے پہلے نہیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور/۲۱)

ولا يحل الوطء إن انقطع الحيض والنفاس عن المسلمة لدونه، أي دون الأكثر ولو لتمام عاداتها إلا بأحد ثلاثة أشياء، إما أن تغتسل. (طحطاوي على مراقبي الفلاح/ ۷۹، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۴۶، البحر الرائق، باب الحيض، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۱/ ۲۰۳، زکریا ۱/ ۳۳۷، شامی زکریا دیوبند ۱/ ۴۹۱، کراچی ۱/ ۲۹۴) اگر قبل الغسل جماع کرے تو اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور کچھ روپیہ پیسہ صدقہ کرنا بھی مستحب ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

من أتى حائضاً أو امرأة في دبرها أو كاهناً فقد كفر بما أنزل على محمد.
(ترمذی شریف، باب ماجاء في كراهية إتيان الحائض، النسخة الهندية ۱ / ۳۵، دارالسلام،
رقم: ۱۳۵، مسند الدارمی، دارالمغنی ۱ / ۷۳۲، رقم: ۱۱۷۶، سنن ابن ماجه، باب النهی
عن إتيان الحائض، النسخة الهندية ۱ / ۴۷، دارالسلام، رقم: ۶۳۹، مسند البزار، مكتبة
العلوم والحكم ۱۶ / ۲۹۴، رقم: ۹۵۰۲)

عن ابن عباس عن النبي ﷺ في الرجل يقع على امرأته وهي حائض،
قال: يتصدق بنصف دينار. (ترمذی شریف، باب ماجاء في الكفارة في ذلك، النسخة
الهندية ۱ / ۳۵، دارالسلام، رقم: ۱۳۶، مسند الدارمی، دارالمغنی ۱ / ۷۲۱، رقم: ۱۱۴۹،
مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۱ / ۵۵، رقم: ۴۷۵۰، المعجم الكبير للطبراني،
داراحياء التراث العربي ۱۱ / ۴۰۱، رقم: ۳۷۴۵)

فإذا جامعها وهو عالم بالتحريم، فليس عليه إلا التوبة والاستغفار،
ويستحب أن يتصدق بدينار أو نصف دينار، كذا في محيط السرخسي.
(هندية، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، زكريا قديم ۱ / ۳۹،
جدید ۱ / ۹۲، البحر الرائق، كوئٹہ ۱ / ۱۹۷، زكريا ۱ / ۳۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳ / ۵۴۰۷)

حیض سے متعلق چند سوالات و جوابات

سوال [۱۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(۱) ایک عورت ہے، جس کو حیض کی مدت میں حیض شروع ہوا تھا یا نہیں، اس بارے میں
یاد نہیں رہا؛ لیکن دم منقطع نہیں ہوا، تقریباً دو ماہ ہو چکے ہیں بیچ بیچ میں غسل بھی کیا تھا، ایک دن
خون نہیں آیا، پھر دوسرے دن سے خون آنا شروع ہو گیا اور نہ ہی یہ یاد رہا کہ وہ کتنے دن میں

پاک ہوتی تھی اور پہلے اس کی کوئی عادت تھی یا نہیں؟ تو اب وہ اپنے حیض کے دن کس طرح شمار کرے گی، وہ ان دنوں میں کن ایام کو حیض کے لئے مقرر کرے اور کن ایام کو طہر کے لئے؟ خون شروع ہونے کے بعد سے اب تک کوئی نماز نہیں پڑھی تو کس اعتبار سے نمازوں کی قضا کرے؟ واضح رہے کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتی ہے، سب کچھ بھولی ہوئی ہے۔

(۲) ایک عورت ہے جس کو اپنے حیض کے ایام معلوم ہیں؛ لیکن مسلسل دو ماہ سے دم آ رہا ہے، بیچ میں دم منقطع نہیں ہوا، تو پھر کس طرح وہ اپنے حیض اور استحاضہ کے دن شمار کرے؟

المستفتیہ: شیخی بھیٹھی محلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس عورت کو حیض شروع ہونے اور ختم ہونے کی مدت یاد نہیں ہے اور نہ ہی وہ رنگوں کے ذریعہ سے دم حیض کو پہچاننے پر قادر ہے، تو ایسی عورت دل و دماغ پر خوب زور لگا کر غور کرے اور خوب سوچے اور اللہ سے دعا بھی کرے، پھر جن ایام کے متعلق اس کا دل گواہی دے کہ یہ ایام حیض کے ہیں، ان کو حیض کا زمانہ شمار کر کے ایک غسل کرے، اس کے بعد بقیہ سارے ایام کو پاکی کا زمانہ سمجھے اور ان ایام میں ہر نماز کے وقت کے لئے تازہ وضو کرتی رہے اور اس وضو سے فرض، واجب، سنت، نفل سب نمازیں پڑھ سکتی ہے اور تلاوت بھی کر سکتی ہے، قرآن پاک کو ہاتھ بھی لگا سکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈائجیل ۲۱۱/۵)

وتسمى المحيرة والمضلة واضلالها، إما بعدد أو بمكان أو بهما
كما بسط في البحر والحاوي: وحاصله أنها تتحرى ومتى ترددت بين
حيض ودخول فيه وطهر تتوضأ لكل صلاة. (شامی، کتاب الطہارۃ، باب
الحیض، زکریا ۱/ ۴۸۰، کراچی ۱/ ۲۸۶، ہندیۃ، الباب السادس، الفصل الرابع، زکریا
قدیم ۱/ ۴۰، جدید ۱/ ۹۴)

(۲) جب عورت کو حیض کے ایام معلوم ہیں، تو ان ایام کو حیض میں شمار کرے گی، اور ان ایام کے ختم پر ایک غسل کرے گی، اس کے بعد دوبارہ حیض آنے کے زمانہ تک ہر نماز کے لئے نیا

وضو کرتی رہے گی اور جب دوبارہ حیض کا زمانہ آجائے گا تو نماز روزہ سب کچھ ترک کر دے گی اور جتنے دن حیض کا زمانہ اس کی عادت میں شامل ہے اتنے دن گزرنے کے بعد پھر ایک غسل کرے گی، اس کے بعد ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتی رہے گی اور پاکی کے زمانے میں جتنا کام جائز ہے وہ سب کام کر سکتی ہے۔

حدثنا هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت: جاءت فاطمة بنت أبي حبيش إلى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم إنني امرأة استحاض فلا أطهر، أفأدع الصلاة؟ فقال رسول الله ﷺ: لا إنما ذلك عرق وليس بحيض، فإذا أقبلت حيضتك فدعي الصلاة، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم، ثم صلي، قال: وقال أبي: ثم توضئ لكل صلاة حتى يجرى ذلك الوقت. (بخاري شريف، باب غسل الدم، النسخة الهندية ۱/ ۳۶، رقم: ۲۲۸، صحيح مسلم، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۱، بيت الأفكار، رقم: ۳۳۳، مسند الدارمي، درالمغني ۱/ ۵۹۷، رقم: ۸۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/۱۱۰۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۳/۱۴۳۳ھ

رحم میں کوپر پٹی رکھنے کی حالت میں غسل حیض کا حکم

سوال [۱۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر ٹی رحم کے منہ پر ایک کوپر پٹی رکھتی ہے جو کہ (T) کی شکل میں ہوتی ہے، اس میں ریشم کا تار لگا ہوا ہوتا ہے، جو کہ شرمگاہ سے باہر لٹکا رہتا ہے، اس کے رکھنے سے حمل قرار نہیں پاتا؛ لیکن حیض ہر ماہ برابر جاری رہتا ہے، تار کے لگتے رہنے کے سبب ہندہ حیض کے غسل سے پاک رہ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تارکا وہ حصہ جو شرمگاہ کے ظاہری حصہ پر لڑکا ہوا ہے، دھو لینا واجب ہے، اس کو خوب صاف کر لینے کے بعد پاک ہو جائے گی اور غسل شرعی بھی حاصل ہو جائے گا، اس کے بغیر پاک نہیں ہوگی۔

ويجب أي يفرض غسل كل ما يمكن من البدن بلا حرج (وقوله):
وفر ج خارج؛ لأنه كالقلم لا داخل؛ لأنه باطن، ولا تدخل إصبعه في قبلها،
وبه يفتي . (الدرالمختار، باب الغسل، كراچی ۱/ ۱۵۲، زكريا ۱/ ۲۸۵، هكذا مراقي
الفلاح: ۵۵، زيلعي، إمداديه ملتان ۱/ ۱۴، زكريا ۱/ ۶۰-۶۱)

ويجب على المرأة غسل فرجها الخارج في الجنابة والحيض
والنفاس . (فتاویٰ عالمگیری، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۱۴،
جدید ۱/ ۶۵)

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ بلا ضرورت مانع حمل ترکیب اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۴۲۸، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۰۲)

ويكره أن تسقى لإسقاط حملها، وجاز لعذر حيث لا يتصور،
وتحت قوله: ويكره أي مطلقا قبل التصور، وبعده على ما اختاره في
الخاصية، وقال: إلا أنها لا تأثم إثم القتل . (شامي، باب الاستبراء، كراچی ۶/ ۲۹،
زكريا ۹/ ۶۱۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷/ رجب ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۲/۲۴)

طہر متخلل سے متعلق تفصیلی فتویٰ

سوال [۱۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ”قدوری“ ص: ۱۴ پر یہ عبارت ہے کہ ”والطهر إذا تخلل بين الدمين في مدة الحيض فهو كالدم الجاري“ اس کے متعلق یہ معلوم کرنا ہے کہ طہر ناقص کے بارے میں امام صاحب سے پانچ روایتیں ہیں، مذکورہ عبارت میں کون سی روایت بیان کی گئی ہے؟ ”ہدایہ“ اور اس کی شرح ”بنایہ“ اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جو انہوں نے امام صاحب سے روایت کی ہے، جب کہ ”الجوهرة النيرة“ میں اس کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کہا ہے، صحیح کیا ہے؟ کیا صاحب ”جوہرۃ“ سے تسامح ہو گیا ہے؟ اگر تسامح ہو گیا ہے، تو کیا کسی نے اس تسامح کو ذکر فرمایا ہے؟ اگر مذکورہ عبارت کی کچھ توضیح فرمادیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”طہر متخلل“ کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ سے ان کے پانچ شاگردوں نے پانچ روایتیں نقل کی ہیں، ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) امام ابو حنیفہ سے امام ابو یوسف کی روایت جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو خون کے درمیان کی پاکی اگر پندرہ دن مکمل یا اس سے زائد ہے، تو پاکی کے ان ایام کو حیض میں شمار نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ وہ پاکی کا زمانہ مانا جائے گا؛ لیکن اگر دو خون کے درمیان کی پاکی پندرہ دن سے کم، مثلاً ۱۳ دن یا ۱۴ دن ہو تو ایسے وقت مبتدیہ عورت کے لئے ابتداء خون کے دن سے دس دن حیض اور باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے۔ اور اگر عورت معتادہ ہو تو اس کی عادت کے ایام مثلاً ۵ دن یا ۶ دن یا سات دن حیض کے شمار ہوں گے اور باقی استحاضہ کے شمار ہوں گے۔

إعلم أن خمسة من أصحاب أبي حنيفة: وهم أبو يوسف، ومحمد، وزفر، والحسن بن زياد، وابن المبارك روى كل منهم عنه في هذه المسألة رواية إلا محمداً، فإنه روى عنه روايتين، وأخذ بأحدهما، فالأصل عند أبي يوسف أن الطهر المتخلل بين الدمين إذا كان أقل من خمسة عشر يوماً لا يصير فاصلاً، بل يجعل كالدم المتوالي؛ لأنه لا يصلح للفصل بين

الحيضتين، فلا يصلح للفصل بين الدمين، وإن كان خمسة عشر يوماً فصاعداً يكون فاصلاً.

(۲) امام ابوحنیفہؒ سے امام محمدؒ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حیض کے اکثر ایام یعنی دس دن کے شروع دن اور اخیر دن میں خون آیا اور درمیان میں پاک رہی، تو اس پورے دس دن کو حیض کا ہی مانا جائے گا؛ لیکن اگر دس دن کے دونوں طرف یعنی شروع اور اخیر دن میں خون نہیں آیا، تو شروع اور اخیر کے دونوں خونوں میں سے تسلسل کے ساتھ جس طرف تین دن یا اس سے زیادہ خون آیا ہو تو وہ حیض میں شمار ہوگا، بقیہ طہر میں شمار ہوگا۔ اور اگر ۱۱ یا ۱۲ دن پاک رہی اور جانین میں خون ہے، تو اس کی چار شکلیں ہیں:

شکل ۱: شروع میں جو خون آیا ہے وہ تین دن مکمل ہے اور اخیر میں جو خون آیا ہے وہ تین دن سے کم ہے، تو شروع کے تین دن کو حیض میں شمار کیا جائے گا اور بقیہ ایام کو طہر میں شمار کیا جائے گا اور اخیر کے خون کا زمانہ بھی طہر کا ہوگا۔

شکل ۲: شروع کے خون کا زمانہ تین دن مکمل ہے اور اخیر کے خون کا زمانہ بھی تین دن یا اس سے زیادہ ہے، تب بھی شروع کے ایام کو حیض میں شمار کیا جائے گا اور بعد کے ایام کو طہر میں شمار کیا جائے گا۔

شکل ۳: شروع کے خون کا زمانہ تین دن سے کم ہے؛ لیکن اخیر کے خون کا زمانہ تین دن یا اس سے زیادہ ہے، تو اخیر کے ایام کو حیض میں شمار کیا جائے گا۔ اور شروع کے ایام کو طہر میں شمار کیا جائے گا۔

شکل ۴: شروع کے خون کے ایام بھی تین دن سے کم ہیں، پھر ۱۱ اور ۱۲ دن پاکی کا زمانہ گزرنے کے بعد جو خون آیا ہے، وہ بھی تین دن سے کم ہے، تو دونوں طرف کے خون کا زمانہ اور بیچ کے طہر کا زمانہ سب کو طہر میں شمار کیا جائے گا اور جانین میں جو خون آیا ہے، وہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا۔ امام محمدؒ کی اس روایت کا خلاصہ حسب ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

روى محمد عن أبي حنيفة أن الدم إذا كان في طرفي العشرة،

فالطهر المتخلل بينهما لا يكون فاصلا، ويجعل كله كدم متوال، وإن لم يكن الدم في طرفي العشرة كان الطهر فاصلا بين الدمين، ثم بعد ذلك إن أمكن أن يجعل أحد الدمين حيض يجعل ذلك حيضا، وإن أمكن أن يجعل كل واحد منهما حيضا يجعل أسرعهما حيضا، وهو أولهما، وإن لم يكن جعل أحدهما حيضا لا يجعل شيء من ذلك حيضا.

(۳) امام ابوحنیفہؒ سے حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام زفرؒ کی روایت کا خلاصہ ہے کہ اگر دس دن کے شروع اور اخیر دونوں طرف خون ہو اور وہ خون ایک حیض یعنی کم از کم تین دن خون کے برابر ہو، تو اس پورے دس دن کو حیض شمار کیا جائے گا۔ اور اگر دونوں طرف کے خون کی مقدار ملا کر تین دن کے خون کے برابر نہیں ہے، تو اس دس دن کو حیض شمار نہیں کیا جائے گا۔

روى عبد الله بن المبارك عن أبي حنيفة أن الدم إذا كان في طرفي العشرة وكان بحال لو جمعت الدماء المتفرقة تبلغ حيضا لا يصير الطهر فاصلا بين الدمين، ويكون كله حيضا، وإن كان بحال لو جمع لا يبلغ حيضا يصير فاصلا بين الدمين.

(۴) امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کی پاکی اگر تین دن سے کم ہے، تو اس کو حیض ہی شمار کیا جائے گا، ہاں اگر وہ پاکی تین دن مکمل یا اس سے زائد ہو تو پھر وہ پاکی کا زمانہ شمار کیا جائے۔

وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة إن نقص الطهر عن ثلاثة لم يفصل، وإن كان ثلاثة فصل كيف كان.

(۵) امام محمدؒ کا اختیار کردہ مذہب یہ ہے کہ دونوں طرف خون اور بیچ میں پاکی ہو اور وہ پاکی تین دن سے کم ہو تو وہ حیض ہی شمار ہوگا، پھر اگر بیچ کی پاکی کا زمانہ تین دن مکمل یا اس سے زائد ہو تو اگر دونوں طرف کے خون کا زمانہ بھی اتنا ہی ہے، جتنا پاکی کا زمانہ ہے، یا خون کا زمانہ زیادہ ہے، تو بھی اس پاکی کو حیض ہی شمار کیا جائے گا، ہاں اگر پاکی کا زمانہ دونوں طرف کے خون کے زمانہ سے زیادہ ہے، تو پھر وہ حیض شمار نہیں ہوگا۔

وقال محمد: الطهر المتخلل إن نقص عن ثلاثة أيام ولو بساعة لا يفصل اعتبارا بالحیض، فإن كان ثلاثة فصاعدا، فإن كان مثل الدمين أو أقل فكذلك تغلبا للمحرمات، وإن كان أكثر فصل، ثم ينظر إن كان في أحد الجنابین مما يمكن أن يجعل حیضا فهو حیض، والآخر استحاضة، وإن لم يكن فالكل استحاضة. (البحر الرائق، باب الحیض، مكتبه رشیدیہ کوئٹہ ۱/ ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، زکریا ۱/ ۳۵۶، ۳۵۷، بدائع الصنائع، باب النفاس والاستحاضة، زکریا ۱/ ۱۶۲) مذکورہ پانچوں اقوال میں سے سب سے پہلا یعنی امام ابو یوسف کا قول مفتی بہ ہے۔

والأخذ بهذا القول، أي قول أبي يوسف أيسر، یعنی للمفتی والمستفتی. (عناية مع فتح القدير، دارالفکر ۱/ ۱۷۳، زکریا ۱/ ۱۷۶، کوئٹہ ۱/ ۱۵۳، فتح القدير، دارالفکر ۱/ ۱۷۲، شامی، کتاب الطهارة، باب الحیض، زکریا ۱/ ۴۸۴، الجوهرة النيرة ملتان ۱/ ۳۷، مبسوط، بیروت ۲/ ۱۴۰)

”الجوهرة“ میں: ”الطهر إذا تخلل بين الدمين فهو كالدّم الجاري“ کے سلسلہ میں ”هذا قول أبي يوسف“ کہنا سباق و سباق اور دیگر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب کی غلطی ہے؛ کیوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ مسئلہ اور مثال بیان کرنے کے بعد آگے صاحب ”جوہرہ“ کہتے ہیں کہ ”والأصل عند محمد“ اگر مذکورہ مسئلہ امام ابو یوسف کا ہوتا تو یہاں ”والأصل عند أبي يوسف“ کہتے؛ کیوں کہ اسی اصول پر مذکورہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آگے خود صاحب جوہرہ فرماتے ہیں کہ: ”والأخذ بقول أبي يوسف أيسر“ یہی عبارت ”ہدایہ“ میں بھی ہے، اگر مذکورہ عبارت والا مسئلہ امام ابو یوسف کا مان لیں تو اس مسئلہ کو تو کوئی بھی ”ایسر“ نہیں کہتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اخیر میں خود صاحب جوہرہ امام ابو یوسف کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ”إذا كان عادتها عشرة من أول كل شهر، فرأت قبل عشرتها يوما دما وطهرت عشرتها كلها، ثم رأت بعدها يوما دما، فأيامها العشرة حیض كلها“ تو اگر مذکورہ عبارت

والا مسئلہ امام ابو یوسف کا ہوتا تو اس مثال کو امام ابو یوسف کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ مذکورہ عبارت میں حیض کے ایام کے شروع اور اخیر دن حیض آنا ضروری ہے، تب ہی درمیان کی پاکی کو طہر متحمل شمار کریں گے، جب کہ شرح میں بیان کی گئی مثال میں تو معتادہ کی عادت سے ایک دن پہلے خون آیا پھر دس دن طہارت کے رہے، پھر خون آیا تو درمیان کے دس دن حیض شمار ہوتے ہیں، یہاں دس دن کے اندر ابتداء اور انتہا میں خون آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۷۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۳/۱۴۲۳ھ

حائضہ و نفساء کے لئے قرآن کی تلاوت کا حکم

سوال [۱۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حائضہ اور نفساء کا قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حائضہ اور نفساء کے لئے تلاوت قرآن جائز نہیں۔

عن ابن عمر - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دار السلام، رقم: ۱۳۱، تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الغسل، زكريا ۱/ ۲۹۰، رقم: ۴۴۲)

لا تقرأ الحائض والنفساء والجنب شيئا من القرآن، والآية وما دونها سواء في التحريم على الأصح. (هندية، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زكريا قديم ۱/ ۳۸، جديد ۱/ ۹۲)

يمنع الحيض قراءة القرآن، وكذا الجنابة. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، زكريا ۱/ ۳۴۵، كوئٹہ ۱/ ۱۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر:)

حيض ونفاس کی حالت میں تلاوت اور ذکر اللہ کی شرعی حیثیت

سوال [۱۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت حیض ونفاس کی حالت میں قرآن وحدیث اور ادعیہ وغیرہ نیز ذکر واذکار پڑھ سکتی ہے کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ جاوید، مفتی ٹولہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت حیض ونفاس میں قرآن کریم کوتلاوت کی نیت سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور آیات اذکار اور آیات دعائیہ کو ذکر اور دعا کی نیت سے پڑھنا جائز ہے۔

عن ابن عمر -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دار السلام، رقم: ۱۳۱)

إن القرآن يخرج عن كونه قرآنا بالقصد، فجوزوا للجنب والحائض قراءة ما فيه من الأذكار بقصد الذكر والأدعية بقصد الدعاء. (الأشباه والنظائر/ ۴۹، درمختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، كراچی ۱/ ۲۹۳، زكريا ۱/ ۴۸۸، الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثالث في الغسل ۱/ ۲۹۰، رقم: ۴۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲/۸/۱۳ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۲ شعبان ۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۹۲/۳۸)

حائضہ نفساء کا قرآن شریف، درود شریف وغیرہ کا پڑھنا

سوال [۱۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حیض و نفاس کی حالت میں قرآن پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۲) درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۳) دین کی کوئی کتاب چھو سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) قرآن کی آیت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۵) ذکر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: کمال احمد مفتی ٹولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) حیض و نفاس کی حالت میں قرآن کو تلاوت کی حیثیت سے پڑھنا جائز نہیں ہے، نیز قرآن کریم کو چھونا بھی جائز نہیں؛ البتہ دعا اور ذکر کی آیتوں کو بطور ذکر و دعا کے پڑھنا جائز ہے۔

(۲) حیض و نفاس میں درود شریف پڑھنا جائز اور درست ہے۔ (۳) دین کی کتابوں کا چھونا اور پکڑ کر پڑھنا جائز اور درست ہے؛ البتہ وضو کر لینا صرف مستحب و افضل ہے۔

ولا بأس لحائض و جنب بقراءة أدعية، ومسها وحملها، وذكر الله تعالى وتسبيح، وتحتة في الشامية: (لا بأس) يشير إلى أن وضوء الجنب لهذه الأشياء مستحب كوضوء المحدث. (درمختار مع الشامی، کتاب الطهارة، باب الحيض، کراچی ۱/ ۲۹۳، زکریا ۱/ ۴۸۸)

(۴) قرآن کی آیتوں کو بطور تلاوت نہیں پڑھ سکتے اور بطور ذکر و دعا زبانی پڑھ سکتے ہیں۔ (۵) ذکر کر سکتے ہیں۔

وأما قراءة القرآن قالوا: إن القرآن يخرج عن كونه قرآنا بالقصد، فجوزوا للجنب والحائض قراءة ما فيه من الأذكار بقصد الذكر والأدعية بقصد الدعاء. (الأشباه والنظائر، قديم: ۴۹، درمختار، کتاب الطهارة، باب الحيض،

کراچی ۱/ ۲۹۳، زکریا ۱/ ۴۸۸، حلبی کبیر، فروع أن اجنب المرأة، أشرفیہ دیوبند ۵۹، ہندیہ، الفصل الرابع في أحكام الحيض، زکریا قدیم ۱/ ۳۹، جدید ۱/ ۹۳، الفتاویٰ التاتاریخانیہ، الفصل الثالث في الغسل ۱/ ۲۹۰، رقم: ۴۴۲)

عن ابن عمر - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تقراً الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن. (ترمذی شریف، باب ماجاء في الجنب والحائض أنهما لا يقرآن القرآن، النسخة الهندية ۱/ ۳۴، دارالسلام، رقم: ۱۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۹/۱ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
کیم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۰۹)

پندرہ دن میں نفاس ختم ہو گیا تو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۱۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت نے بچے کی پیدائش کے پندرہ دن بعد نفاس ختم ہونے پر غسل کر لیا تو نماز پڑھ سکتی ہے اور صحبت بھی کر سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عتیق احمد محلہ ٹھٹھیرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں نماز پڑھ سکتی ہے، روزہ رکھ سکتی ہے اور شوہر کے ساتھ ہم بستری بھی جائز ہے۔

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: وقت للنفساء أربعون ليلة إلا أن ترى الطهر قبل ذلك. (السنن الكبرى للبيهقي، الحيض، باب النفاس، دارالفکر ۲/ ۵۳، رقم: ۱۶۶۵)

عن أنس - رضي الله عنه - قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

وقت للنفساء أربعين يوماً، إلا أن ترى الطهر قبل ذلك. (سنن ابن ماجة، باب

النفساء كم تجلس، النسخة الهندية ۱/۴۷، دارالسلام، رقم: ۶۴۹)

وأقل النفاس لا حذله. (الجوهرة، إمداديه ملتان ۱/۴۰، دارالكتاب ديوبند

۱/ مراقبي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الحيض والنفساء والاستحاضة، مكتبة

دارالكتاب، ص: ۱۴۰، هندية، الباب السادس، الفصل الثاني في النفاس، زكريا قديم ۱/۳۷،

جديد ۱/۹۱، الفتاوى التاتارخانية ۱/۵۳۸، رقم: ۱۴۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۷۳/۲۷)

استقاط حمل کے بعد خون جاری رہتے ہوئے نماز و جماع کا حکم

سوال [۱۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ جس عورت کا تقریباً تین ماہ کا حمل گر گیا ہو، یا ایسا حمل گرا ہو جس کا کوئی عضو بن گیا

ہے، تو ایسی عورت نماز ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور شوہر سے جماع بھی کر سکتی ہے یا نہیں؟ جب

کہ نفاس جاری ہے، اگر نفاس بیس یوم کے اندر بند ہو گیا تو اس کے بعد کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولوی مقصود احمد قاسمی، موضع رام نگر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حمل گر جانے کے بعد جو خون جاری ہوتا ہے وہ شرعاً

نفاس کا خون ہے، اس کا حکم یہی ہے کہ چالیس دن کے اندر اندر جتنے دن خون جاری رہے گا

نماز، روزہ، جماع وغیرہ جائز نہیں ہے۔ اور چالیس دن کے اندر جس روز خون بند ہو جائے

اس کے بعد نماز، روزہ، جماع وغیرہ جائز ہے۔

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ: وقت للنفساء أربعون

لیلۃ إلا أن ترى الطهر قبل ذلك. (السنن الكبرى للبيهقي، الحيض، باب النفاس، دارالفکر ۲/۵۳، رقم: ۱۶۶۵)

وأقل النفاس لا حد له. (الجوهرة، إمداديه ملتان ۱/۴۰، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، مكتبة دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۴۰، ہندیۃ، الباب السادس، الفصل الثاني في النفاس، زكريا قديم ۱/۳۷، جديد ۱/۹۱، الفتاوى التاتارخانية ۱/۵۳۸، رقم: ۱۴۶۰)

المراة إذا أسقطت سقطا، فإن استبان شيء من خلقه، فهي نفساء فيمارات الدم. (تاتارخانية، زكريا ۱/۵۴۲، رقم: ۱۴۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۲۸)

مستحاضہ عورت کا مسئلہ

سوال [۱۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جس کے حیض کی مدت متعین نہیں ہے، کبھی چار مہینہ میں آتا ہے اور کبھی تین مہینے میں اور کبھی ایک ہی مہینہ میں آجاتا ہے، اس مرتبہ ایسا ہوا کہ ۲۲ دن کے بعد خون آیا، ۷ دن تک پھر ختم ہو گیا، نماز وغیرہ پڑھنے لگی، ۷ دن کے بعد پھر خون آنا شروع ہو گیا، تو اب یہ حیض شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ نمازیں ادا کرے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اس وقت اس طرح کی بیماریوں کا علاج ہو رہا ہے، نمازوں وغیرہ کے سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبدالرحمن اللبانغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب سات دن تک خون بند رہا، دوبارہ سلسلہ سات دن

کے بعد اگر مزید تین دن گزرنے کے بعد شروع ہوا ہے، تو وہ حیض نہیں ہے؛ بلکہ وہ استحاضہ ہے۔ اور اگر تین دن گزرنے سے پہلے دوبارہ خون نکلنا شروع ہوا ہے، تو سات دن کے ساتھ مزید تین دن ملا کر کل دس دن حیض شمار ہوں گے، ان دنوں میں نماز نہ پڑھے، بقیہ استحاضہ ہے، ان دنوں میں نماز پڑھے؛ البتہ ہر نماز کے لئے الگ غسل کرنا بہتر ہے، اگر غسل نہ کر سکے تو ہر نماز کے لئے الگ سے وضو کر لیا کرے۔ اور ناپاکی کو بھی ساتھ ساتھ دھولیا کرے۔

وروی أبو یوسف عن أبي حنيفة: أن الطهر المتخلل بين الدمين إذا كان أقل من خمسة عشر يوماً لم يفصل، وكثير من المتأخرين أفتوا بهذه الرواية؛ لأنها أسهل على المفتي والمستفتي، والأخذ بهذا أيسر، فإن لم يجاوز العشرة، فالطهر والدم كلاهما حيض، سواء كانت مبتدأة أو معتادة، وإن جاوز العشر ففي المبتدأة حيضها عشرة أيام، وفي المعتادة معروفتها في الحيض حيض، والطهر طهر. (عالمگیری، فصل في الحيض، زکریا قدیم ۱/۳۶، جدید ۱/۹۱، شرح النقایة، باب الحيض، اعزازیہ دیوبند ۱/۳۵، شرح الوقایة، باب

الحيض، یاسر ندیم کمپنی دیوبند ۱/۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۰/۲/۱۶ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۳۳)





۹ / کتاب الصلوٰۃ

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

فرائض پنج گانہ ادا کرنے کی فضیلت

سوال [۱۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص پابندی سے پانچوں وقت کی نماز پڑھے، تو اللہ کے یہاں اس کا کیا مقام ہوگا؟ اس کے لئے کیا کیا فضیلتیں وارد ہوئی ہیں؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محیب الرحمن میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کتب حدیث میں پابندی سے پانچوں وقت کی نماز ادا کرنے والے کے متعلق مختلف قسم کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اس بات کی میں نے ذمہ داری لی ہے کہ جو شخص (میرے پاس) اس حال میں آئے گا کہ وہ ان پانچوں نمازوں کو ان کے وقت میں ادا کرنے کا اہتمام کیا ہوگا، تو اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔ اور جس شخص نے نمازوں کا اہتمام نہیں کیا ہوگا، تو مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (چاہے معاف کر دوں یا سزا دوں) اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتے درخت سے گر رہے تھے، تو

آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی اس کے پتے اور بھی گرنے لگے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! مسلمان بندہ جب اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے، تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گرتے ہیں، جیسے یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازہ پر ایک نہر جاری ہو، جس میں وہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: کہ یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ان کے گناہوں کو زائل کر دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک دن نبی کریم علیہ السلام نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز کا اہتمام کرے تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی، اس کے کامل مومن ہونے کی دلیل ہوگی۔ اور قیامت کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہوگی۔ اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرتا ہو، تو اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ (اس کے کامل مومن ہونے کی) دلیل ہوگی اور نہ عذاب سے بچنے کا کوئی ذریعہ ہوگا۔ اور وہ قیامت کے دن فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي قتادة بن ربعي - رضي الله عنهما - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الله عز وجل: إني فرضت على أمتك خمس صلوات، وعهدت عندى عهداً أنه من جاء يحافظ عليهن لوقتهن أدخلته الجنة، ومن لم يحافظ عليهن فلا عهد له عندي. (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلوات، النسخة الهندية ۱/ ۶۱، دار السلام، رقم: ۴۳۰)

عن أبي ذر - رضي الله عنه - أن النبي ﷺ خرج في الشتاء والورق يتهافت، فأخذ بغصن من شجرة، قال: فجعل ذلك الورق يتهافت، فقال: يا أباذر! قلت: لبيك يا رسول الله، قال: إن العبد المسلم ليصلي الصلوة

یرید بها وجه الله، فتهافت عنه ذنوبه كما يتهافت هذا الورق عن هذه الشجرة. (مسند أحمد ۵/ ۱۷۹، رقم: ۲۱۸۸۹)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أرايتم لو أن نهرا بباب أحدكم يغتسل فيه كل يوم خمس مرات، هل بقي من درنه شيء؟ قالوا: لا يبقى من درنه شيء، قال: فكذلك مثل الصلوات الخمس يمحوا الله بهن الخطايا. (الصحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۷۶، رقم: ۵۲۲، ف: ۵۲۸، صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب فضل الجلوس في صلاة بعد الصبح، وفضل المساجد، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۵، بيت الأفكار، رقم: ۶۶۷)

عن عبد الله بن عمر - رضي الله عنه - عن النبي ﷺ أنه ذكر الصلاة يوما فقال: من حافظ عليها كانت له نورا وبرهانا، ونجاة يوم القيامة، ومن لم يحافظ عليها لم يكن له نور ولا برهان، ولا نجاة، وكان يوم القيامة مع فرعون وهامان وأبي بن خلف. (مسند أحمد ۲/ ۱۶۹، رقم: ۶۵۷۶)

دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہمیں اور آپ کو پابندی سے پانچوں وقت کی نمازیں ان کے وقت پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

فتویٰ نمبر: ۱۱۸۵۸/۴۱

نماز ہجرت سے قبل فرض ہوئی یا بعد میں؟

سوال [۱۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق کب نازل ہوا، ہجرت سے پہلے نازل ہوا یا ہجرت کے بعد نازل ہوا؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: مجیب الرحمن، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کی فرضیت کا حکم شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو اپنے پاس بلا کر مرحمت فرمائی، یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں پیش آیا، جس کی تاریخ میں مختلف اقوال ہیں؛ البتہ شارح مسلم علامہ نوویؒ نے بعثت کے پانچویں سال ہجرت سے آٹھ سال قبل ہونے والے قول کو راجح قرار دیا ہے، اس سلسلے میں حدیث اور نووی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - قال: فرضت علي النبي ﷺ ليلة أسري به الصلوات خمسين، ثم نقصت حتى جعلت خمسا، ثم نودي يا محمد! إنه لا يبدل القول لدي، وإن لك بهذه الخمس خمسين. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء كم فرض الله على عباده من الصلوات؟ النسخته الهندية ۱ / ۵۱، دار السلام، رقم: ۲۱۳)

یہ لمبی اور مفصل روایت کا ٹکڑا ہے، مفصل روایت بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ کی پہلی حدیث ۱/۵۰، رقم: ۳۴۷، ف: ۳۴۹ میں موجود ہے، وہاں سے ملاحظہ فرمائیں۔

إن العلماء مجمعون على أن فرض الصلاة كان ليلة الإسراء، قال الزهري: كان ذلك بعد مبعثه ﷺ بخمس سنين، وقال ابن إسحاق: أسري به ﷺ، وقد فشا الإسلام بمكة والقبائل، وأشبه هذه الأقوال قول الزهري، وابن إسحاق. (شرح النووي على هامش المسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات وفرض الصلوات ۱ / ۹۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/۱۸۴۵)

نماز پڑھنے کا مقصد

سوال [۱۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اللہ کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہم نماز پڑھتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ یہ فرض ہے، کسی نے کہا کہ قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، کسی نے کہا کہ جنت حاصل کرنے کے لئے اور جہنم سے پناہ کے لئے نماز پڑھتے ہیں، کسی نے کہا کہ محشر کے دن سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں باز پرس ہوگی، غرض کہ جتنے لوگوں سے پوچھا اتنے قسم کے جواب ملے، اس کا صحیح جواب کیا ہے؟

المستفتی: شفیق احمد بحرین، ۱۸ ستمبر ۸۷ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز پڑھنے کا مقصد اللہ رب العزت کے جلال و عظمت کے حضور میں قلب کو خشوع اور خضوع کے ساتھ جھکا دینا، زبان سے اظہارِ عظمت، جوارح و اعضاء سے عاجزی کی حالت میں خشوع و خضوع کے ساتھ آداب بجالانا، ظاہری و باطنی اعمال کی درستگی اور رب کریم سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔

قال الله تعالى: "قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَشِعُونَ."

[سورة المؤمنون، آیت: ۲۰۱]

وأخرج ابن جرير وابن أبي حاتم عن الحسن في قوله: "الذين هم في صلاتهم خاشعون" قال: كان خشوعهم في قلوبهم، فغضوا بذلك أبصارهم، وخفضوا لذلك الجناح. (الدر المنثور، تحت سورة المؤمنون، مكتبة دارالكتب

العلمية، بيروت، جديد ۵/ ۵، مختصر تفسير ابن كثير، مكتبة دارالقرآن الكريم ۲/ ۵۵۹)

وأصل الصلوة ثلاثة أشياء: أن يخضع القلب عند ملاحظة جلال الله وعظمته، ويعبر اللسان عن تلك العظمة، وذلك الخضوع أفصح

عبارة، وأن يؤدب الجوارح حسب ذلك الخضوع. (حجة الله البالغة، باب اسراء الصلوة ۱/ ۷۲)

إن الغرض الحقيقي من الصلوة إنما هو إشعار القلب بعظمة الإله الخالق حتى يكون منه على وجل فيأتمر بأمره (وقوله): إنما هو تعظيم الإله: فاطر السموات والأرض بالخشوع له والخضوع لعظمته الخالدة، وعزته الأبدية (وقوله): وتصلح أعماله الظاهرة والباطنة، وتقوى علاقته بربه. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلوة، دارالفكر ۱/ ۱۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۲/۹/۲۰۰۸ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۰۷)

نماز پڑھنے کا فائدہ

سوال [۱۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی موجودگی میں کسی فرد سے نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے، تو زید فوراً بول اٹھتا ہے کہ اس نماز میں کیا فائدہ کہ نماز بھی پڑھے اور دنیا کے تمام غلط کام بھی کرے؟ کیا اس کا کہنا درست ہے؟

المستفتی: احمد بازار فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کی فرضیت الگ چیز ہے اور دوسرے غلط کام کرنے کا گناہ الگ حکم رکھتا ہے؛ لہذا غلط کام صادر ہونے کی وجہ سے نماز کا ترک کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور غلط کام سے توبہ کرنا بھی اپنی جگہ واجب ہے؛ اس لئے زید کا قول صحیح نہیں ہے۔ حدیث پاک میں نماز کو دخول جنت کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن أعرابيا جاء إلى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله! دني على عمل إذا عملته دخلت الجنة، قال: تعبد الله لا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة المكتوبة. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان الصلوات التي هي أحد أركان الإسلام، النسخة الهندية ۱/ ۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۴، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۴/ ۱۳۹، رقم: ۳۹۳۶، مشكوة شريف ۱/ ۱۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷ صفر ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۳۹)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۷/۲۷ ۱۴۱۲ھ

غاصب و ظالم کی نماز کا حکم

سوال [۱۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید و بکر دونوں حقیقی چچا بھتیجے ہیں، بکر نے اپنے چچا زید کے مکان کی دیوار توڑ کر اس پر قبضہ کر لیا، بنا بریں رنجیدہ خاطر زید نے بکر سے قطع کلام کر لیا، کئی سال بعد بکر کا لڑکا جو مولوی ہے اپنے چچا کے جانے کے موقع پر زید سے ملا اور کہا کہ قطع کلامی کی وجہ سے تمہاری نماز نہیں ہوتی، جو اب زید نے کہا کہ تم نے میرا دل دکھایا ہے، میرے مکان پر جبراً قبضہ کیا ہے، نفرت کے محرک تم ہو؛ لہذا میری نماز تو ہوتی ہے، تمہاری نہیں ہوتی؛ کیوں کہ تم ظالم ہو غاصب ہو مفسد ہو، اس کے بعد اس ضمن میں ایک دوسرے عالم دین نے بتایا کہ نماز تو ہوتی ہے، مگر جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہو رہی ہے، اب یہ معلوم کرنا ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں خاطی کون ہے، غاصب مغضوب کے فعل میں کیا تفریق ہے؟ اور نماز کون سے فریق کی ہوتی ہے اور کس کی نہیں ہوتی ہے؟

المستفتی: عبدالوہاب متولی جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس شخص نے کسی دوسرے

شخص کی ایک بالشت زمین دبائی ہو تو قیامت کے دن اس کے گلے میں ساتوں زمین کا طوق ڈالا جائے گا؛ لہذا ظالم وہی ہوگا جس نے زمین دبا کر قبضہ کر لیا ہے اور اس زمین کے دبانے میں جو لوگ محرک بنے ہیں وہ بھی گنہگار ہوں گے، اب رہی نماز کی بات تو جو لوگ غاصب اور ظالم بنے ہیں وہ لوگ شریعت کی نگاہ میں فاسق ہیں اور فاسق کی نماز تو صحیح ہو جاتی ہے، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں؛ لیکن جیسے دوسرے عالم نے فرمایا کہ جیسی ہونی چاہئے ویسی نہیں ہوتی، یہ بات صحیح ہے، اسی وجہ سے فاسق کی امامت بھی مکروہ ہوتی ہے۔

عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما، طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (مسلم شریف، کتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ۲/ ۳۲، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاري، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، النسخة الهندية ۱/ ۳۳۲، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲)

وَأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه، بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتته شرعاً. (شامی، کتاب الصلوة، باب الإمامة، قبيل مطلب البدعة خمسة أقسام، زكريا ۲/ ۲۹۹، كراچی ۱/ ۵۶۰)

فنعقول: تقديم الفاسق للإمامة جائز عندنا، ويكره. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب افتتاح الصلوة، مكتبة دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۴۰، حلبی كبير، كتاب الصلوة، الأولى بالإمامة، مكتبة أشرفيه ديوبند، ص: ۵۱۳، هداية، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مكتبة أشرفي ديوبند ۱/ ۱۲۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۶/ ۲۱۱، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ۱/ ۶۱۰، كوئٹہ ۱/ ۳۴۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۵ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/زی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۰۶)

شرابی کی نماز کا حکم

سوال [۱۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مقتدی نمازی ہے اور حاجی بھی ہے اور تبلیغی جماعت کا رکن ہے، اس نے ایک شرابی کو جو شراب پئے ہوئے ظاہر ہو رہا تھا، اس کو وضو کرا کر نماز ادا کرائی، اس طرح سے کہ مقتدی یعنی وضو کرانے والا خود الفاظ نماز کہتا گیا اور وضو کر کے نماز کو کھڑا ہوا شرابی الفاظ نماز دوہرا کر نماز پڑھتا رہا، تو شرابی کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ ثواب ملا یا عذاب؟ اور نماز پڑھوانے والے کو کتنا ثواب ملے گا؟

المستفتی: محمد حبیب ساکن سو تھاگلی مراشیان، بدایوں شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے سب لوگ باقاعدہ عالم نہیں ہوتے ہیں، ان میں مسائل سے ناواقف لوگ بھی بہت ہوتے ہیں؛ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ تبلیغی جماعت والے سب مسائل سے بھی پوری طرح واقف ہیں؛ صرف حاجی متقی ہونے سے بھی مسائل سے واقف ہونا ضروری نہیں؛ لہذا اگر شرابی کو باقاعدہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھایا ہے، تو نماز شرعی طور پر صحیح نہیں ہوئی۔ اور اگر نشہ ختم ہو جانے کے بعد نماز پڑھایا ہے تو نماز صحیح ہوگئی ہے اور ثواب بھی ملے گا، اللہ تعالیٰ نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ. [سورة النساء: ۴۳]

إن السكر يبطل الوضوء والصلاة محمول على أنه شرب المسكر، فقام إلى الصلاة قبل أن يصير إلى هذه الحالة، ثم صار في أثنائها إلى حالة لو مشى فيها يتحرك. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، كوثته ۱ / ۴۰، زكريا ۱ / ۷۷)

وكذا السكر ينقض الوضوء أيضا في الأحوال كلها في الصلاة

وغیرہا۔ (الجوهرة النيرة كتاب الطهارة، دارالكتاب دیوبند ۱/۱، إمدادیہ، ملتان

۱۰/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۱۷)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶/۱۱/۱۴۱۸ھ

نمازی کی پیشانی پر سیاہ نشان کی شرعی حیثیت

سوال [۱۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر نمازی حضرات کو دیکھا جاتا ہے کہ ماتھے پر سیاہ ایک جگہ بن جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے ماتھے پر جو سیاہ داغ ہوتا ہے وہ نماز کی وجہ سے پڑ گیا ہو، اس سیاہ پڑے ہوئے نشان کے لئے حدیث پاک میں کوئی وضاحت بیان کی گئی ہے یا قرآن پاک میں بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد خداوندی ہے؟ اگر ہے تو مع حوالہ جات کے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد حسین رحمت نگر سوسائٹی سنجل روڈ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ایسی کوئی حدیث شریف یا آیت کریمہ نظر سے نہیں گذری جو مذکورہ نشان کے فضائل اور اجر و ثواب کے سلسلہ میں ہو؛ بلکہ محدث سعید بن منصور نے اس کے متعلق تفسیر کے امام مجاہد سے دریافت کیا کہ قرآن کریم کی آیت ”سَيِّمَاهُمُ فِي وَجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ الشُّجُودِ“ سے کیا وہ نشان مراد ہے، جو کثرت سجدہ کی وجہ سے پیشانی پر پڑ جاتا ہے؟ تو آپ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اس سے مراد خشوع و خضوع ہے، اسی طرح حدیث شریف میں اس بات کی بھی وضاحت آئی ہے کہ اس آیت سے مراد مذکورہ نشان نہیں؛ بلکہ اس سے مراد مومنین عابدین کے چہروں پر کثرت عبادت اور شب بیداری کی وجہ سے قیامت کے دن نور اور چمک ہوگی۔ (معارف القرآن، سورۃ الفتح: ۲۹، مطبوعہ ربانی بکڈ پوائنٹری

دیوبند ۱۰۳/۸)

حديث شريف ملاحظه فرمائيے:

عن منصور قال: قلت لمجاهد: "سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ" أهو أثر السجود في وجه الإنسان؟ فقال: لا، إن أحدهم يكون بين عينيه مثل ركة العنز، وهو كما شاء الله يعني من الشر لكنه الخشوع. (السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب سيماهم في وجوههم من أثر السجود، دارالفكر

١٩٩/٣، ٢٠٠، رقم: ٣٦٥٢)

عن أبي بن كعب قال: قال رسول الله ﷺ: سيماهم في وجوههم من أثر السجود، قال: النور يوم القيامة. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٣/٢٤١، رقم: ٤٤٦٤، المعجم الصغير ١/٣٧٠، رقم: ٦١٩)

عن عكرمة: سيماهم في وجوههم، قال: السهر. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزهد، كلام عكرمه، مؤسسة علوم القرآن ١٩/٤٣٦، رقم: ٣٥٦٤، جديد ٣٦٦١٣)

وقال منصور: سألت مجاهدا أهذه السیما هي الأثر يكون بين عيني الرجل؟ قال: لا، وقيل: هي صفرة الوجه من سهر الليل، وروى ذلك عن عكرمة والضحاك، وروى السلمى عن عبدالعزيز المكي ليس ذلك هو النحول والصفرة، ولكنه نور يظهر على وجه العابدين يبدو من باطنهم على ظاهرهم يتبين ذلك للمؤمنين، ولو كان في زنجى أو حبشى (إلى قوله) ولا يبعد أن يكون النور علامة في وجوههم فى الدنيا والآخرة. (تفسير روح المعاني، الجزء السادس والعشرون، سورة الفتح: ٢٩، زكريا ديوبند ١/١٤، رقم: ١٨٩) فقط واللهم سبحانك وتعالى أعلم

کتبه: بشير احمد قاسم عفا الله عنه

٢٩ محرم الحرام ١٤٠٩ هـ

(الف فتوى نمبر: ١٠٩١/٢٣)



۱ / باب اوقات الصلوٰۃ

مساجد کے متعینہ اوقات کی شرعی حیثیت

سوال [۱۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں جماعت کا وقت جو متعین ہے، اسی متعینہ وقت پر نماز ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ دیہات میں ہمارے یہاں بعض لوگ متعینہ وقت ہو جانے کے بعد بھی کبھی کبھی کہتے ہیں رکے رہو اور مؤذن متعین نہیں ہے، اگر اذان میں کچھ دیر ہو جائے تو نماز بھی دیر سے پڑھی جائے یا وقت متعینہ پر ہی پڑھ لی جائے، شرعی حکم کیا ہے؟ اگر وہ لوگ نہ مانیں تو امام کو استعفیٰ دینا چاہئے ورنہ امام کی بے عزتی کا خطرہ ہے؛ لیکن اگر امام مسجد چھوڑ دے تو اور کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ہے اور مسجد کا نظام بھی خراب ہونے کا خطرہ ہے، ایسے میں کیا کرے؟

المستفتی: عبدالرحمن، لالپور ڈام مرز عدور پور، ضلع راجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مساجد میں اذان اور جماعت کے درمیان جو وقت متعین کا فاصلہ رکھا جاتا ہے، اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ جماعت کے پابند ہیں وہ حاضر ہو جائیں؛ لہذا جب متعین وقت پر جماعت کے پابند اکثر حضرات حاضر ہو جائیں اور کچھ لوگ نہ آئیں تو امام کو انتظار کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ انتظار سے نظام کی خرابی کی کراہت لازم آئے گی، لیکن جن لوگوں سے شر اور فتنہ کا خوف ہو تو دفع فتنہ کی غرض سے ان کا انتظار کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ وقت میں بھی گنجائش ہو، اسی طرح جب اذان اپنے وقت مقررہ سے مؤخر ہو جائے تو مصلیوں کی رعایت کرتے ہوئے وقت میں گنجائش کی صورت میں مزید انتظار کرنا چاہئے، تاکہ لوگ جماعت کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۷/۱۱۳، جدید ڈابھیل ۶/۳۵۵)

عن جابر - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ قال لبلال: يا بلال! إذا أذنت فترسل في أذانك، وإذا أقيمت فأحدر، واجعل بين أذانك وإقامتك قدر ما يفرغ الآكل من أكله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتى تروني. (سنن الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء في الترسل في الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۴۸، دارالسلام، رقم: ۱۹۵، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۵۲۹، رقم: ۱۹۵۲، المستدرک، قديم ۱/ ۳۲۰، مکتبه نزار مصطفی الباز، جدید ۱/ ۳۰۴، رقم: ۷۳۲)

ينبغي أن يؤذن في أول الوقت ويقيم في وسطه حتى يفرغ المتوضي من وضوئه، والمصلي من صلوته، والمعتصر من قضاء حاجته، والظاهر أنه أراد أول الوقت المستحب. (شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان كراچی ۱/ ۳۸۴، زكريا ۲/ ۴۹)

رئيس المحلة لا ينتظر ما لم يكن شريفاً، والوقت متسع. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الأذان كراچی ۱/ ۴۰۰، زكريا ۲/ ۷۱، هكذا في الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۵۷، جديد ۱/ ۱۱۱، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الأذان ۲/ ۱۳۸، رقم: ۱۹۶۵) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۳/۶۲۷۳)

نماز کے اوقات گھٹانے بڑھانے کا حقدار کون؟

سوال [۱۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے کہ نماز کے اوقات کی تبدیلی کا ذمہ دار امام نہیں ہے، یعنی نماز کے اوقات کو گھٹانے بڑھانے کا حق امام کو نہیں ہے؛ بلکہ متولی اس کام کا حقدار ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح

ہے، جب کہ حدیث پاک میں آتا ہے: ”الإمام ضامن“ امام نماز کا ضامن ہے، تو کیا اوقات نماز کی تبدیلی کا حق امام کو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد عرفان امر وہہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا قول صحیح ہے؛ لیکن اگر امام کو مقتدیوں اور متولی کی طرف سے اختیار ملا ہوا ہے، تو بلا مشورہ بھی اوقات کی تبدیلی کا اعلان کر سکتا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور حدیث: ”الإمام ضامن“ سے تبدیلی اوقات مراد نہیں ہے؛ بلکہ نماز کی صحت و فساد کی ذمہ داری مراد ہے۔ (مستفتاؤ: فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۱۵/۱۷۱، جدید میرٹھ ۲/۱۶۰)

ولایة الأذان والإقامة لباني المسجد مطلقا. (شامی، کتاب الصلوة، باب

الأذان، زکریا ۲/۷۱، کراچی ۱/۴۰۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۵/۲۲ھ

۱۴۱۵/۵/۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۲۶)

اختلافات مطالع کی وجہ سے ایک ہی نماز کے مکرر فرض ہونے کی صورت

سوال [۱۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی مغرب کی نماز پڑھ کر ہندوستان سے روانہ ہوا، جب وہ چار گھنٹے کے بعد سعودیہ یا کسی اور ملک میں پہنچا تو وہاں سورج غروب نہیں ہوا تھا، تو وہ مغرب دوبارہ پڑھے گا یا نہیں؟ مع دلائل بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید پالن پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئلہ میں اس شخص کو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی، پہلی نماز معتبر نہ ہوگی۔

قلت: ویلزم علی الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها، وبطلان صلاته المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للكل والله تعالیٰ أعلم.
(شامی، کتاب الصلوة، قبیل مطلب الصلاة الوسطی، کراچی ۱/ ۳۶۱، زکریا ۲/ ۱۷)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۱۱)

۱۵ ڈگری پر صبح صادق ہوتی ہے یا ۱۸ ڈگری پر؟

سوال [۱۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے حضرت والا کی خدمت میں یہ عریضہ پیش کر رہا ہوں جو مسئلہ فی الحال بنگلہ دیش میں معرکہ الآراء بحث بن چکا ہے، وہ مسئلہ ہے کہ سحری و افطار کے بارے میں پرانے جتنے کینڈر ہیں، صبح صادق کے بارے میں سب کی بنیاد ۱۸ ڈگری پر ہے، یعنی آفتاب مطلع سے جب ۱۸ ڈگری نیچے رہتا ہے اسی وقت صبح صادق ہوتی ہے، حالانکہ ہیئت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸ ڈگری صبح کا ذب کا وقت ہے اور صبح صادق اس کے تین ڈگری کے بعد یعنی ۱۵ ڈگری کے وقت ہو رہا ہے، شاذ و نادر ایک دو قول اس کے خلاف بھی ہیں۔ ”فتاویٰ شامی“ کی عبارت سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۵ ڈگری پر صبح صادق ہوتی ہے اور دونوں صبح کے درمیان فرق ۳ ڈگری ہے، بندہ نے بذات خود مشاہدہ کی کوشش کی ہے، ڈھا کہ شہر سے تقریباً ۳۰ میل دور ایک گاؤں میں جا کر مشاہدہ کیا، تو پرانے کینڈر کے مطابق جو صبح صادق کا وقت ہے اس وقت ایسی کوئی روشنی نظر نہیں آئی جس پر صبح صادق کی تعریف صادق آتی ہو، تو حضرت والا ہم جیسے عاجز و نااہل کی رہنمائی فرمائیں کہ ہم مذکورہ صورت حال میں کیا کریں؟ ۱۸ ڈگری والے پرانے کینڈر پر

عمل جاری رکھیں اور کتب ہیئت و فتاویٰ کو چھوڑ دیں یا مذکورہ کتابوں پر عمل کرتے ہوئے پرانے کیلنڈروں کو چھوڑ دیں۔

المستفتی: منصور الحق، خادم التدریس والافتاء بالجامعۃ الرحمانیہ، ڈھاکہ بنگلہ دیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ۱۸/ ڈگری پر صبح صادق نہیں ہوتی؛ بلکہ ۱۵/ ڈگری پر صبح صادق ہوتی ہے، پرانے نقشے سب قرآن، حدیث، فقہ اور اجماع امت کے خلاف ہیں؛ اس لئے ان کا ترک لازم ہے۔ کتاب وسنت کی منشا اور ان کی تعلیمات کے مطابق ۱۵/ ڈگری سے قبل صبح صادق تسلیم نہ کی جائے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات زیادہ اچھی ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۱۵۹/۲) کا مطالعہ کیا جائے۔

إذا صارت الشمس قریبة من الأفق بقدر ثمانية عشر جزء ۱ - إلى -
یرى البیاض الطویل فی جانب المشرق، هو یسمى بالصبح الکاذب، کأن
کون الأفق بعده مظلماً یکذب کونه نور الشمس والمنتشر فی الأفق بعده
بزمان یسمى بالصبح الصادق، لکونه ظهوراً من الأول، قیل: ابتداءه حین
انحطاط الشمس ”خمسة عشر جزء ۱“. (تحفة أولى الألباب شرح بست باب
للعلامة عبدالباقي الکنوازی بحواله أحسن الفتاویٰ، زکریا ۱۶۵/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۱۰۴/۳۳)

فجر کی نماز کا افضل وقت

سوال [۱۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا افضل ہے یا غلس میں؟ عند الاحناف افضل کیا ہے؟ ہمارے

شہر گودھرا میں چار مساجد: مسجد بسم اللہ، صوفی، دارالسلام، کوثر ان چار میں روزانہ عادت بنا کر اسفار کے بجائے غلّس میں اور وہ بھی صبح صادق ہونے کے بعد دس پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر نماز فجر سے کوئی شرعی عذر کے بغیر فراغت ہو جاتی ہے، بہت سے لوگ مذکورہ بالا جگہوں پر نماز فجر ادا کرتے ہیں، کیا اس صورت حال میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک و مذہب ترک کرنا لازم نہیں آتا ہے؟ اور ان ائمہ کرام کا یہ عمل اور عوام کا وہاں نماز پڑھنا دائماً، استمراً ایک معمول بنا کر کیسا ہے؟

المستفتی: احقر محمد قاسم گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ظاہر الروایۃ کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فجر کی نماز اسفار میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک غلّس میں شروع کر کے غلّس میں ختم کرنا افضل ہے۔ اور حضرت امام طحاویؒ کے نزدیک غلّس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل ہے، ان تینوں اقوال میں سے دلائل کی روشنی میں حضرت امام طحاویؒ کا قول زیادہ بہتر اور راجح معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کہ حدیث پاک میں صاف لفظوں میں آیا ہے کہ فجر کی نماز میں پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اطمینان سے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اکثر و بیشتر سورہ یوسف پڑھنا بھی ثابت ہے، یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب غلّس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کیا جائے اور ساتھ میں یہ حکم ہے کہ سورج نکلنے سے اتنی دیر پہلے نماز ختم کرنا مسنون ہے کہ اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو مسنون طریقہ سے اعادہ کیا جاسکے، یہاں تک عمومی مسئلہ شرعی کا حکم آیا ہے؛ لیکن بعض دفعہ خصوصی مسائل بھی سامنے آتے ہیں، جیسا کہ رمضان المبارک میں دنیا بھر کی حنفی مسلک کی مسجدوں میں فجر کی نماز غلّس میں شروع کر کے غلّس میں ختم کی جاتی ہے اور مغرب کی نماز عام دنوں میں اذان کے فوراً بعد شروع کی جاتی ہے؛ لیکن رمضان میں دس پندرہ منٹ تاخیر کی جاتی ہے، یہ بلا

کراہت جائز بلکہ افضل ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ تکثیر جماعت اصل مقصد ہے، کہ جس شکل میں مسجد کے اندر نمازیوں کی تعداد بڑھ جائے اسی شکل کو اختیار کرنا افضل ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے عام لوگوں کے حالات کو پیش نظر رکھ کر اسفار میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل اس لئے فرمایا ہے کہ اسفار کی شکل میں تکثیر جماعت کی زیادہ امید ہے؛ لہذا جن مسجدوں میں پورے سال اول وقت میں پڑھنے کی صورت میں نمازیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور نمازیوں میں کمی نہیں آتی ہے، ان میں اول وقت اور غلّس میں نماز پڑھنا حضرت امام صاحب کے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔ اور سنت کے خلاف بھی نہیں ہے، ہمارے اتر دپریش میں بہت سارے شہروں میں دو چار مسجدیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں اول وقت میں فجر کی نماز ہوتی ہے اور ان میں دیگر مسجدوں کے مقابلے میں نمازی زیادہ ہوتے ہیں، کم نہیں ہوتے ہیں، اگر آپ کے گودھرا کی مسجدوں کا حال یہی ہے کہ دیگر مسجدوں کے مقابلے میں نمازیوں کی تعداد ان میں کم نہیں ہوتی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور سنت کے خلاف نہیں ہے؛ لہذا ان مسجدوں کو انہیں حالات پر رہنے دیں، ان پر تکبیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

فہذا سباع بن عرفطۃ قد کان فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باستخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام یصلی بالناس صلاة الصبح ہکذا، یطیل فیہا القراءة، حتی یصیب فیہا التغلیس والإسفار جمیعاً. (شرح معانی الآثار، کتاب الصلوۃ، باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر، أي وقت ہو؟، مکتبہ دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱/ ۲۳۶، رقم: ۱۰۶۲)

عن رافع بن خدیج قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی الإسفار بالفجر، النسخة الهندیة ۱/ ۴۰، دارالسلام، رقم: ۱۵۴)

ويستحب للفجر البدایة مسفرا یقال أسفر الصبح إذا أضاء، ومنه

قوله تعالى: ”والصبح إذا اسفر“ وأسفر الصلوة، أي صلاها في وقت الإسفار، قال الطحاوي: يستحب البداية مغلسا والختم مسفرا. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه إعزازه، ديوبند/ ۵۴)

وفي التأخير تكثير الجماعة ووجه التعجيل فيؤخر ليكون فيه تكثير الجماعة. (مبسوط سرخسي، كتاب الصلوة، باب مواقيت الصلوة، مكتبه دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۴۸)

ولأن في التغليس تقليل الجماعة لكونه وقت نوم وغفلة، وفي الإسفار تكثيرها، فكان أفضل. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، باب الأوقات المستحبة، مكتبه زكريا ۱/ ۳۲۳، كراچی ۱/ ۱۲۵)

أداء الصلوة في أول الوقت أفضل، إلا إذا تضمن التأخير فضيلة لا تحصل بدونه كتكثير الجماعة. (شامي كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، زكريا ۲/ ۲۵، كراچی ۱/ ۲۴۹)

وقيل: يؤخر جدا؛ لأن في الإسفار تكثير الجماعة، وتوسيع الحال على النائم والضعيف في إدراك فضل الجماعة. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلوة، كوئنه ۱/ ۱۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۳ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۰۱/۳۹)

نماز فجر مجلس میں پڑھنے کا حکم

سوال [۱۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز فجر محلہ کی مسجد میں روزانہ کی عادت بنا کر مجلس میں پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کی جماعت میں تکثیر جماعت اہم مقصد میں سے ہے، جس وقت نماز پڑھنے میں نمازیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہو اس وقت نماز پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے، جیسا کہ رمضان میں غلّس میں نماز پڑھنے کی صورت میں تکثیر جماعت ہوتی ہے؛ لہذا جس مسجد کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، اگر اس مسجد میں غلّس میں نماز پڑھنے سے نمازیوں کی کثرت ہوتی ہے، تو غلّس میں نماز پڑھنا افضل ہوگا۔ اور جن مساجد میں غلّس میں نماز پڑھنے سے نمازیوں کی تعداد گھٹ جاتی ہو، وہاں اسفار میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہوگا، عام مساجد میں غلّس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کیا جائے تو یہ افضل ہے، تاکہ نماز فجر میں دور نبوت اور دور صحابہ کی طرح لمبی قراءت کے ساتھ نماز پڑھی جاسکے، امام طحاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے، بشرطیکہ ضعیف کمزور اور معذور لوگ نمازیوں میں نہ ہوں، اگر ضعیف کمزور اور معذور لوگ بھی شامل ہوں تو مختصر قراءت کرنے کا حکم ہے اور ایسی صورت میں حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق اسفار میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنا افضل ہے۔

عن رافع بن خدیج قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب
ما جاء في الإسفار بالفجر، النسخة الهندية ۱/ ۴۰، دار السلام، رقم: ۱۵۴)

فالذي ينبغي الدخول في الفجر في وقت التغليس والخروج منها في
وقت الإسفار على موافقة ما روينا عن رسول الله ﷺ وأصحابه وهو قول
أبي حنيفة، وأبي يوسف، ومحمد بن الحسن (طحاوي، كتاب الصلوة، باب
الوقت الذي يصلي فيه الفجر، مكتبته أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۳۶)

فلو اجتمع الناس اليوم أيضا في التغليس لقنا به أيضا كما في المبسوط
السرخسي في باب التيمم أنه يستحب التغليس في الفجر إذا اجتمع الناس.
(فيض الباري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر، مكتبته رشيدية كوئٹہ ۲/ ۱۳۶)

والمستحب للرجل الابتداء في الفجر بإسفار ، والختم به هو المختار . (درمختار مع الشامي ، كتاب الصلوة ، مطلب في طلوع الشمس من مغربها ، زكريا ۲/ ۲۴ ، كراچی ۱/ ۳۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

رمضان میں نماز فجر اول وقت میں پڑھنا

سوال [۱۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان شریف میں فجر کی نماز کا سب سے افضل وقت عند الاحناف سحری کے بعد متصلاً ہے یا اخیر وقت جب کہ سحری کھا کر سستی آتی ہے، نماز میں خشوع و خضوع نہیں رہتا، اگر رہے گا تو سب کو نہیں، جماعت کس وقت کی جائے، سحری کے بعد کی جائے یا اخیر وقت میں کی جائے؟

المستفتی: مصلیان مسجد، بخاران ساہن پور، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان المبارک میں اگر سحری کھا کر آرام کیا جائے تو عام لوگوں کی جماعت ترک ہو جاتی ہے؛ اس لئے عند الاحناف بھی اول وقت میں فجر کی نماز پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۲۲، جدید ڈائجیسٹ ۵/ ۳۳۰، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/ ۱۳۲، جدید زکریا ۴/ ۷۵)

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- أن نبي الله ﷺ وزيد بن ثابت تسحرا، فلما فرغا من سحورهما، قام نبي الله ﷺ إلى الصلاة فصلى، قلنا لأنس: كم كان بين فراغهما من سحورهما ودخولهما في الصلوة؟ قال: قدر ما يقرأ الرجل خمسين آية. (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب

وقت الفجر، النسخة الهندية ۱ / ۸۲، ف: ۵۷۶، رقم: ۵۶۸)

و دل علی تغلیسہ صلی اللہ علیہ وسلم بالفجر فی شہر رمضان،
 وعلیہ تعامل أهل العلم من مشایخنا بدیوبند. (معارف السنن، أبواب الصوم، باب
 ماجاء فی تآخیر السحور ۵/ ۳۶۲، مطبع المکتبۃ الأشرفیۃ دیوبند) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
 کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۹/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۱۵۱/۲۸)

الجواب صحیح:
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
 ۱۴۱۳/۴/۱۹ھ

رمضان میں نماز فجر غلس میں پڑھیں یا اسفار میں؟

سوال [۱۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
 رمضان المبارک میں فجر کی نماز میں عموماً لوگ خاص کر دیہاتوں میں سحری کھانے کے بعد سستی
 کر جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کی نماز فجر قضا ہو جاتی ہے، زید کہتا ہے کہ سحری کھا کر آپ
 حضرات فوراً مسجد آجائیں، تاکہ وقت ہوتے ہی ابتدائے وقت میں نماز فجر ادا کر کے پھر لوگ جا
 کر آرام کریں، حالانکہ احناف کے یہاں اسفار کر کے نماز پڑھنا افضل ہے، تو کیا رمضان میں
 غیر اسفار میں فجر کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، افضل کیا ہے؟ اور اگر اکثر لوگ غلس میں آجائیں اور
 ان کی رائے غلس میں نماز پڑھنے پر متفق ہو جائے تو امام غلس میں نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟
 جب کہ بعض مقتدیوں کی رائے حالت مستمرہ کی بنا پر اسفار میں پڑھنے کی ہے۔

المستفتی: محمد قیام الدین اشرف العلوم مٹو بازار، بہتئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فجر کو تاریکی
 میں پڑھنے کے بجائے روشنی پھیلنے پر پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور فرمایا: ”أسفروا
 بالفجر فإنه أعظم للأجر“ اس لئے احناف کے نزدیک فجر کو اسفار کے وقت پڑھنا ہی
 افضل ہے؛ لیکن رمضان میں فجر کی نماز صبح صادق کے بعد فوراً ادا کر لینا بہتر ہے، تاکہ اکثر لوگ

باجاماعت نماز پڑھ سکیں؛ کیوں کہ شریعت میں کثرت جماعت بھی مقصود ہے، اس کے برخلاف اسفار میں پڑھنے کی صورت میں اکثر حضرات کی جماعت کافوت ہو جانا یا قضا ہو جانا عموماً دیکھا جاتا ہے؛ اس لئے وقت ہونے پر غلٹس میں نماز فجر پڑھیں اور امام صاحب کو غلٹس میں نماز پڑھانے کا حق ہے۔ اور اگر رمضان میں فجر کو اول وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ حنفیہ کے مسلک کے خلاف بھی نہیں ہے اور جہاں حنفیہ کے نزدیک اسفار میں پڑھنے کا حکم ہے وہ عام حالات میں ہے، اس میں کثرت جماعت بھی مقصود ہے؛ اس لئے کہ عام حالات میں دیر سے نماز پڑھنے کی صورت میں کثرت جماعت ہوتی ہے۔ اور رمضان المبارک میں اول وقت میں پڑھنے میں کثرت جماعت ہوتی ہے اور یہی اکابر دیوبند کا مسلک بھی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/۱۳۳، جدید ڈیجیٹل ۵/۳۲۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/۱۳۲، جدید زکریا ۴/۷۵)

عن زید بن ثابت - رضي الله عنه - تسحرنا مع رسول الله ﷺ، ثم قمنا إلى الصلوة، قال: قلت: كم كان قدر ذلك؟ قال: قدر خمسين آية.
(ترمذی شریف، أبواب الصوم، باب ماجاء في تأخير السحور، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، دار السلام، رقم: ۷۰۳، سنن ابن ماجة، أبواب ما جاء في الصيام، باب ما جاء في تأخير السحور، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۱، دار السلام، رقم: ۱۶۹۴، سنن النسائي، أبواب الصيام، باب قدر ما بين السحور وبين صلاة الصبح، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۴، دار السلام، رقم: ۵۷، مسند الدارمي، دار المغني ۲/ ۱۰۵۵، رقم: ۷۳۷)

وقال العلامة أنور شاه الكشميري في العرف الشذي: دل الحديث على تغليسه عليه السلام في رمضان، وهو عمل قطان ديوبند. (العرف الشذي على الترمذی ۱/ ۱۵۱، هكذا في معارف السنن، أبواب الصوم، باب ماجاء في تأخير السحور، مكتبه أشرفيه ديوبند ۵/ ۳۶۲) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۶۸)

رمضان میں فجر کی نماز کس وقت ادا کی جائے؟

سوال [۱۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں رمضان کے اندر فجر کے سلسلہ میں دو جماعتیں ہو جاتی ہیں، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ فجر کی نماز سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد فوراً پڑھ لی جائے، تاکہ جماعت میں لوگوں کی تعداد زیادہ رہے، دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اگر فجر کی نماز شروع وقت میں پڑھی جائے گی، تو نماز کے بعد لوگ سو جائیں گے اور کھیت جانے میں تاخیر ہو جائے گی؛ اس لئے ہم کاشتکاروں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نماز فجر آخری وقت میں پڑھیں، تاکہ نماز کے بعد لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں، اور تاخیر سے نماز پڑھنے والی جماعت کی رائے کے موافق لوگوں کی تعداد بمقابلہ جماعت اول کے زیادہ ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت کی رائے صحیح اور مناسب ہے؟ اور کیا ایک مسجد میں دو مرتبہ جماعت کرنا درست ہے؟ اور اگر درست نہیں ہے، تو جماعت ثانیہ سے نماز پڑھنے والوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی لوگ جماعت ثانیہ کرتے ہیں، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ہاشم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: رمضان المبارک میں سحری کے بعد فجر کی جماعت میں تاخیر کرنے سے لوگ سو جاتے ہیں اور نماز قضا ہو جاتی ہے، تو نمازیوں کے جمع ہونے کی سہولت کے خاطر اور ان کی نماز کو فوت ہونے سے بچانے کے لئے اول وقت میں فجر کی نماز پڑھ لینا بہتر ہے، رمضان میں کثرت جماعت اسی میں ہوتی ہے اور یہ کہنا کہ سحری کھا کر سب لوگ سو جائیں گے اور تاخیر سے نماز پڑھنے میں سب لوگ نماز میں شریک ہو جائیں گے، یہ صرف کہنے کی بات ہے، اس کثرت کے ساتھ اس وقت جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے جو

اول وقت کے اندر شریک ہو سکتے ہیں؛ بلکہ صرف دیہات کے لوگ سحری کھا کر کے سوتے رہیں گے۔ اور فجر کی نماز اکثر لوگوں کے ہاتھوں سے نکل جائے گی؛ اس لئے بہتر ہے کہ اول وقت میں نماز ہو جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳۳/۱۳۳، جدید ڈائجیل ۵/۳۲۵، فتاویٰ رحیمیہ ۱/۱۳۲، جدید ذکر یا ۴/۷۵، دارالعلوم ۲/۴۵، ایضاح المسائل ۸۳/۸۳)

عن أبي حازم أنه سمع سهل بن سعد يقول: كنت أتسحر في أهلي، ثم تكون سرعة بي أن أدرك صلاة الفجر مع رسول الله صلى الله عليه. (بخاري شريف، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر، النسخة الهندية ۱/۸۲، رقم: ۵۶۹، ف: ۵۷۷)

عن زيد بن ثابت - رضي الله عنه - تسحرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم قمنا إلى الصلوة، قلت: كم كان قدر ما بينهما؟ قال: خمسين آية. (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل السحور، وتأكيد استحبابه، طبع هندي ۱/۳۵۰، بيت الأفكار، رقم: ۱۰۹۷، صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب وقت الفجر، طبع هندي ۱/۸۲، رقم: ۵۶۷، ف: ۵۷۵)

ولعل هذا التغليس كان في رمضان خاصة، وهكذا ينبغي عندنا إذا اجتمع الناس، وعليه العمل في دارالعلوم بدوبند من عهد الأكابر. (فيض الباري، كتاب الصلوة، باب وقت الفجر، مكتبه رشيدية كوثه ۲/۱۳۶)

ایسی مسجد میں جو مخصوص محلہ سے متعلق ہو اور اس کے امام اور مؤذن بھی متعین ہوں، تو اس میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ اور اگر ایسی مسجد ہے جس میں امام و مؤذن متعین نہیں ہیں، یا مسافروں کی گذرگاہ کی مسجد ہے، تو اس میں گذرنے والے مسافروں کے لئے جماعت ثانیہ بلا کراہت جائز ہے، اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی لوگ جماعت ثانیہ کریں، تو مکروہ تحریمی کے مرتکب ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا دیوبند ۱/۳۶۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۱۱۹، جدید ڈائجیل ۶/۳۳۵)

ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محللة، وفي الشامية: يكره تحريماً ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعاً كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في تکرار الجماعة في المسجد، کراچی ۱/ ۵۵۲، زکریا ۲/ ۲۸۸)

ولأن التکرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون، فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق؛ لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدي إلى تقليل الجماعات، وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله؛ لأنه لا يؤدي إلى تقليل الجماعة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، قديم کراچی ۱/ ۱۵۳، كتاب الصلوة، تکرار الجماعة، جدید زکریا ۱/ ۳۸۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۲۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ربيع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۶/۵۶۲)

نماز فجر طلوع شمس سے کتنی دیر پہلے پڑھی جائے؟

- سوال [۱۶۰۰]:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حنفی عقیدہ کے مطابق نماز فجر کی جماعت کس وقت قائم کرنا بہتر ہے؟ (۲) اگر امام مسجد فجر کی نماز اس وقت ادا کرے کہ دعائے ننگے کے بعد طلوع آفتاب میں صرف تین منٹ باقی ہوں، تو کیا حنفی عقیدہ میں امام صاحب کا یہ عمل روا ہے؟ (۳) کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کو اجالا پھیل جانے کے بعد ادا کیا کرتے تھے؟
- المستفتی: ابرار حسین کاتب قانون گویا مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) نماز فجر کی جماعت سورج طلوع ہونے سے اتنی دیر قبل شروع کرنا مسنون ہے کہ قراءت مسنون کے ساتھ نماز ادا کر کے پھر فساد کی صورت میں دوبارہ جماعت قراءت مسنون کے ساتھ لوٹائی جاسکے، تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ طلوع آفتاب سے آدھا گھنٹہ قبل شروع کرنے سے سنت طریقہ حاصل ہو سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ

دارالعلوم دیوبند ۲/۳۱، احسن الفتاویٰ، مکتبہ زکریا، ص: ۱۴۱، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/۲۸۲، جدید زکریا ۴/۸۰)

والمستحب للرجل الابتداء في الفجر ياسفار، والختم به، هو المختار بحیث أربعین آية، ثم يعيده بطهارة لو فسد. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، زکریا ۲/ ۳۴، کراچی ۱/ ۳۶۶، وبألفاظ مختلفة، الجوهره، كتاب الصلوة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ۱/ ۵۰، إمدادیہ ملتان، ملتقى الأبحر شرح الدر المنتقى، كتاب الصلوة، مکتبہ دارالکتاب العلمیة، بیروت ۱/ ۱۰۷)

(۲) مذکورہ دلائل سے ظاہر ہوا کہ امام صاحب کو اتنی تاخیر بھی نہ کرنی چاہئے کہ جس سے فساد صلوة کی صورت میں اعادہ وقت کے اندر نہ ہو سکے؛ لہذا امام صاحب کا یہ طریقہ مستحب طریقہ کے خلاف ہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بار بار نماز فجر اجالا پھیل جانے پر پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

عن رافع بن خديج قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر، طبع هندي ۱/ ۴۰، دارالسلام، رقم: ۱۰۵۴، بألفاظ مختلفة، نسائي شريف، كتاب المواقيت، باب الإسفار، النسخة الهندية ۱/ ۶۵، دارالسلام، رقم: ۵۴۰، مسلم شريف، كتاب المساجد، باب أوقات الصلوة الخمس، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۳، ابن ماجه شريف، أبواب مواقيت الصلوة، وقت صلوة الفجر، النسخة الهندية ۱/ ۴۹،

دارالسلام، رقم: ۶۷۲، طحاوی شریف، کتاب الصلوٰۃ، باب التاذین للفجر، مکتبہ اشرفیہ
 ۱/ ۱۶، رقم: ۱۰۶۸، مصنف ابن ابي شيبة، رقم: ۳۲۶۱، مؤسسه علوم القرآن ۱۳ /
 ۱۲۷، مسند أبي داؤد الطيالسي دارالكتب العلمية بيروت ۱ / ۵۱۱، رقم: ۱۰۰۱، مسند
 الدارمي، دارالمغني ۲ / ۷۷۸، رقم: ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، مسند البزار، مکتبہ العلوم والحکم
 ۴ / ۱۹۶، رقم: ۱۳۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۲/۲۳)

طلوع شمس سے پندرہ منٹ قبل نماز فجر پڑھنا

سوال [۱۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں نماز فجر کے لئے سورج طلوع ہونے سے تقریباً ۱۵ منٹ قبل کھڑے ہوتے ہیں، جب نماز کا سلام پھیرتے ہیں تو سورج طلوع ہونے میں کبھی ۲/ کبھی ۳ منٹ باقی رہ جاتے ہیں اور کبھی سورج طلوع ہونے کے قریب ہو جاتا ہے اور کبھی اتنی تاخیر ہو جاتی ہے کہ مؤذن صاحب کو نماز فجر قصار مفصل سے پڑھانی پڑ جاتی ہے، جس سے مقتدی حضرات کو نماز میں شبہ ہونے لگتا ہے، جس کی وجہ سے کئی مقتدی نماز فجر دوسری مسجد میں پڑھنے جاتے ہیں، یہ روزانہ کا معمول بنا ہوا ہے، کیا اس سے نماز میں کوئی فرق آجاتا ہے یا نماز بلا کراہت صحیح ہو جاتی ہے؟ نیز امام صاحب ہر نماز میں ۲ یا ۳ منٹ تاخیر سے آتے ہیں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد جمال، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی جماعت میں اتنی تاخیر کی گنجائش ہے کہ مسنون قراء

ت کے ساتھ نماز پڑھی جائے، پھر فاسد ہونے کی صورت میں سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اسی طرح مسنون قراءت کے ساتھ نماز کا اعادہ کر سکے؛ لہذا اس سے زیادہ اتنی تاخیر کرنا کہ اگر نماز فاسد ہو جائے تو مسنون طریقہ سے اعادہ کرنے کے لئے وقت باقی نہ رہے، خلاف اولیٰ اور قابل ترک ہے۔ اور سوال نامہ میں جس قدر تاخیر کا ذکر ہے وہ انتہائی غیر مناسب ہے کہ اگر نماز فاسد ہو جائے تو اتنے تنگ وقت میں سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اعادہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی ہے؛ اس لئے مسجد کمیٹی اور امام صاحب کے مشترکہ مشورہ سے نماز کی جماعت کھڑی ہونے کے لئے وقت متعین کر لینا چاہئے اور امام صاحب کو حتی الامکان اس وقت کی پابندی کرنی چاہئے۔

عن رافع بن خدیج قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الإسفار بالفجر، طبع هندي ۱/ ۴۰، رقم: ۱۵۴)

يستحب تأخير الفجر، ولا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس، بل يسفر بها بحيث لو ظهر فساد صلاته يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة. (تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۸۲، زكريا ۱/ ۲۲۱، هندية، كتاب الصلوة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات، مكتبه زكريا قديم ۱/ ۵۲، ۵۳، جديد ۱/ ۱۰۸)

ويستحب للفجر البداية مسفراً، بحيث يمكنه ترتيب أربعين آية، ثم الإعادة، أي ويمكنه إعادة الصلوة بقراءة المستحبة قبل طلوع الشمس إن ظهر فساد وضوءه، أي في آخر أجزاء صلواته. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه أعزازه ديوبند ۱/ ۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۱/۶/۱۸

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۰۰/۳۹)

تین منٹ قبل نماز فجر شروع کرنا

سوال [۱۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص نماز فجر کے لئے مسجد ایسے وقت آتا ہے کہ ابھی سورج طلوع ہونے میں ۲-۳ منٹ باقی ہے، اتنے میں دو رکعت فرض پڑھی جاسکتی ہے، پڑھ لی جائے یا مکروہ وقت نکلنے کے بعد قضا پڑھے؟ میرے یہاں مذکورہ وقت کے اندر اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو ایک صاحب اس کی نیت توڑوا دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں: ۲-۳ منٹ قبل ہی نماز پڑھنی بند کر دیں، حدیث کے حوالہ سے جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) اگر کوئی شخص ایسے وقت میں نماز پڑھتا ہے کہ سورج نکلنے والا ہے، اور جب نماز ختم کرتا ہے تو سورج طلوع ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کی نماز ادا ہو جائے گی یا بعد میں اعادہ ضروری ہوگا؟ جب کہ فجر کی نماز کامل واجب ہوئی ہے اور اس کی ادائے گی ناقص وقت میں ہو رہی ہے؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اسرار الحق و امیر احمد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سورج نکلنے میں ۲-۳ منٹ باقی ہے اور اتنی دیر میں سنت طریقہ سے دو رکعت سورج نکلنا شروع ہونے سے پہلے پڑھ کر فارغ ہو جانا ممکن ہے، تو پڑھ سکتے ہیں۔ اور اگر سورج نکلنا شروع ہونے سے قبل فراغت ممکن نہیں ہے، تو ایسے وقت میں نماز شروع کرنا ممنوع ہے۔

ولا تجوز الصلوة عند طلوع الشمس. (ہدایہ، کتاب الصلوة، باب

المواقیت، اشرفی دیوبند ۱/ ۸۴)

نیز حدیث میں بھی یہی حکم آیا ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔

عن عقبہ بن عامر الجہنی یقول: ثلاث ساعات کان رسول اللہ ﷺ

ینہانا أن نصلی فیہن، وأن نقبر فیہن موتانا: حین تطلع الشمس بازغة، حتی ترتفع. (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الأوقات التي نہی عن الصلاۃ، فیہا، النسخة الهندیة ۱/ ۲۷۶، بیت الأفكار، رقم: ۸۳۱)

(۲) ایسی صورت میں اس کی نماز ادا نہ ہوگی، بعد میں اعادہ واجب ہے۔

و کذا لا يتصور أداء الفجر مع طلوع الشمس عندنا حتی لو طلعت الشمس، وهو فی خلال الصلاة تفسد صلوته عندنا. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ، باب بیان الوقت المکروه، زکریا ۱/ ۳۲۹، کراچی ۱/ ۱۲۷)

ولو طلعت الشمس في خلال الفجر تفسد فجره. (الفتاویٰ التاتاریخانیة،

کتاب الصلاۃ، الفصل الأول فی المواقیت، زکریا ۲/ ۱۹ / رقم: ۱۵۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

۱۴۱۴/۳/۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۶۸/۲۹)

فجر کا وقت تنگ ہونے کی صورت میں پہلے فرض پڑھیں یا سنت؟

سوال [۱۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی نماز کے لئے ہم کھڑے ہوئے، وقت بہت کم ہے، بس صرف اتنا وقت ہے کہ مشکل سے دو رکعت فرض کی ادا کی جاسکتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا کریں، فرض پڑھیں یا سنت؟ اگر پہلے فرض پڑھیں تو سنت کو کب پڑھیں؟ لیکن کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں کہ فجر کی سنت جب تک نہ پڑھیں تو فرض بھی نہیں پڑھ سکتے، کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد دانش محلہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر صرف اتنا وقت باقی ہے کہ بمشکل دو رکعت فرض

پڑھنے کی امید ہے، تو ایسی صورت میں فجر کی سنت ترک کر کے فرض پڑھنے کا حکم ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ سنت کے بغیر فرض فجر نہیں پڑھ سکتے۔

وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل (تحتہ فی الشامیة) : وإذا ترك لخوف فوت الجماعة، فالأولى أن تترك لخوف خروج الوقت. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الاساءة دون الكراهة، زکریا ۲/ ۵۱۰، کراچی ۲/ ۵۶)

فإن خاف أن تفوته الفجر تركهما. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ، فصل وأما بيان ما يكره فيها، کراچی ۱/ ۲۸۶، زکریا ۱/ ۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵ھ/۱۳۰

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۱۹/۳۷)

طلوع شمس کے وقت پڑھی گئی نماز کا حکم

سوال [۱۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مسجد میں پہنچا فجر کی نماز ہو چکی تھی، اس نے وقت دیکھا نہیں اور فجر کی نماز پڑھ لی، بعد میں معلوم ہوا کہ زید نے جس وقت فجر کی نماز پڑھی ہے اس وقت سورج نکل رہا تھا، معلوم یہ کرنا ہے کیا کوئی قول فقہاء کا ایسا ملتا ہے کہ زید کی نماز اس حال میں پڑھی ہوئی ادا ہوگئی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید کو یقین سے معلوم ہوا ہے کہ سورج نکلنے کے وقت فجر کی نماز پڑھی گئی ہے، تو اس کا اعادہ کرنا اس کے اوپر واجب ہے۔

عن عقبۃ بن عامر الجهني قال: ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن، وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة، حتى

ترتفع. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی کراهیة الصلوة علی الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها، طبع ہندی ۱/ ۲۰۰، دارالسلام، رقم: ۱۰۳۰، سنن أبی داؤد، باب الدفن عند طلوع الشمس وعند غروبها، طبع ہندی ۲/ ۴۵۴، دارالسلام، رقم: ۳۱۹۳، سنن النسائی، الصلوة، باب الساعات التي نهى عن الصلاة فيها، طبع ہندی ۱/ ۶۵، دارالسلام، رقم: ۲۰۱۳، ۵۶۵، ۵۶۰)

و کذا لا يتصور أداء الفجر مع طلوع الشمس عندنا حتى لو طلعت الشمس، وهو في خلال الصلاة تفسد صلواته عندنا. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، باب بیان الوقت المکروه، زکریا ۱/ ۳۲۹، کراچی ۱/ ۱۲۷)

الأوقات المكروهة نوعان: الأول: الشروق، والاستواء، والغروب إلى قوله: فالنوع الأول: لا ينعقد فيه شيء من الصلوات التي ذكرناها إذا شرع بها فيه، وتبطل إن طرأ عليها. (شامی، کتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، کراچی ۱/ ۳۷۳، زکریا دیوبند ۲/ ۳۴)

ولا يجوز أي لا يصح صلوة، أي فرض عند طلوعها، أي مع طلوع الشمس. (شرح النقاية، کتاب الصلوة مکتبه إعزازیہ دیوبند ۱/ ۵۵، ۵۶) ولا يجوز الفرض عند طلوع الشمس. (الفتاوی التاتارخانية، کتاب الصلوة، الفصل الأول فی المواقیت، زکریا ۲/ ۱۴، رقم: ۱۵۱۷)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۲۳/ ۹۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۱ھ

نماز فجر میں آفتاب نکل آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۴ محرم الحرام مطابق ۱۹ اپریل بروز پیر امام صاحب نے فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں

سورہ ”عم“ اور دوسری رکعت میں سورہ ”طارق“ پڑھی، ابھی دوسری رکعت کے رکوع ہی میں تھے کہ اچانک اعلان کی آواز سنائی دی کہ نماز کا وقت ختم ہو گیا، آیا اس صورت میں نماز درست ہوئی یا نہیں؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شاہنواز، ساکن مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر واقعاً دوران نماز فجر کا وقت ختم ہو چکا ہے جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے، تو یہ نماز فاسد ہوگئی، اس کا اعادہ لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۴/۴۷)

عن عقبہ بن عامر الجہنی یقول: ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن، وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة، حتى ترتفع. (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة، فيها، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۶، بيت الأفكار، رقم: ۸۳۱، مسند الدارمي، دارالمغني ۲/ ۸۹۸، رقم: ۱۴۷۲، سنن ابن ماجه، الصلوة، باب ماجاء في الأوقات التي لا يصلي فيها على الميت ولا يدفن، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دارالسلام، رقم: ۱۵۱۹)

بخلاف الفجر (تحتہ فی الشامیہ): فإنہ لا یؤدی فجر یومہ وقت الطلوع؛ لأن وقت الفجر كله كامل، فوجبت كاملة، فتبطل بطروّ الطلوع، الذي هو وقت فساد. (شامی، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زکریا ۲/ ۳۳، کراچی ۱/ ۳۷۳)

وفجر اليوم حيث لا يجوز عند الطلوع. (شرح النقایة، كتاب الصلوة مكتبه اعزازیه ۱/ ۵۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۲

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۳۰)

صبح صادق کے بعد سنت فجر کے علاوہ دوسری نفل نماز پڑھنا

سوال [۱۶۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی اذان کے بعد گھر سے وضو کر کے مسجد جا کر کیا تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل مسجد میں بیٹھنے سے پہلے فجر کی دو سنتوں سے قبل پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ کیا نماز فجر کے فرضوں سے پہلے کی دو سنتیں گھر سے پڑھ کر مسجد جا کر وہاں تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: احقر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صبح صادق سے فجر کے فرض پڑھنے کے درمیان فجر کی دو سنت مؤکدہ کے علاوہ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضویا اور کوئی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ لہذا اگر فجر کی سنتیں گھر پر پڑھ لی ہیں تو مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۶۱)

عن حفصة - رضي الله عنها - قالت: كان رسول الله ﷺ إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين. (مسلم، باب استحباب ركعتي سنة الفجر النسخة الهندية ۱/ ۲۵۰، بيت الأفكار، رقم: ۷۲۳)

وركعتان أو أربع وهي أفضل لتحية المسجد إلا إذا دخل فيه بعد الفجر أو العصر. (شامي، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد، كراچی ۱۸/۲، زکریا ۲/۴۵۸)

عن ابن عمر - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلوة بعد الفجر إلا سجدة تين. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين، طبع هندي ۱/ ۹۶، دارالسلام، رقم: ۴۱۹)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۳، رقم: ۴۷۵۶، المعجم الأوسط، دارالفکر ۱/۶۶، رقم: ۱۸۱، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي ۱۲/۳۴۱، رقم: ۱۳۲۹۱، ۱۳/۳۰، رقم: ۶۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۳۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۶/۱۴۳۳ھ

نماز فجر کے بعد سنت فجر، نیز عصر و فجر کے بعد ”تحیۃ الوضوء“ پڑھنے کا حکم

سوال [۱۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر نماز فجر کی جماعت اول وقت میں ہو رہی ہے، جیسے کہ رمضان المبارک میں ہوتی ہے، ایک شخص پہنچا اور دیکھا کہ جماعت چھوٹ جائے گی، تو وہ جماعت میں شریک ہو گیا اور نماز فجر کی سنت کو چھوڑ دیا اور جماعت ختم ہونے کے بعد ایک گھنٹہ سے زائد جو نماز فجر کا وقت باقی ہے، تو کیا وہ شخص اس بچے ہوئے وقت میں اسی فجر کی سنت کو جو چھوڑ دیا تھا ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کیا فجر اور عصر کے وقت میں آدمی تحیۃ الوضوء پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی چھوٹی ہوئی سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے، چاہے جماعت ختم ہونے کے بعد وقت میں ایک آدھ گھنٹہ کی گنجائش ہی کیوں نہ ہو، نیز طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ تحیۃ الوضویا دیگر نفل نمازیں پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح عصر کی جماعت کے بعد غروب تک کسی قسم کی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص فجر کی سنت پڑھتے ہوئے تحیۃ الوضویا بھی

نیت کر لے تو اسے تحیۃ الوضو کا بھی ثواب حاصل ہو جائے گا اور عصر کی نماز سے پہلے تحیۃ الوضو پڑھنا جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

عن ابن عمر -رضی اللہ عنہ- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلوة بعد الفجر إلا سجدة تين. (سنن الترمذی، باب ماجاء لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين، طبع ہندی ۱/۹۶، دار السلام، رقم: ۴۱۹)

عن ابن عمر -رضی اللہ عنہ- قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۳، رقم: ۴۷۵۶، المعجم الأوسط، دار الفکر ۱/۶۶، رقم: ۱۸۱، المعجم الكبير، دار احیاء التراث العربی ۱۲/۳۴۱، رقم: ۱۳۲۹۱، ۳۰/۱۳، رقم: ۶۴)

وأما إذا فاتت وحدها، فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكرهية النفل بعد الصبح. (شامی، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش، كراچی ۲/۵۷، زکریا ۲/۵۱۲)

ویکرہ أن یتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتي الفجر؛ لأنه عليه السلام لم يزد عليهما مع حرصه على الصلوة. (هدایة، كتاب الصلاة، أشرفی دیوبند ۱/۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
کیم ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۸۵)

فجر کے وقت میں سنت و فرض کے علاوہ دیگر نماز پڑھنا

سوال [۱۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کے وقت میں سنت اور فرض کے علاوہ یعنی سنت اور فرض کے درمیان یا سنتوں سے قبل کوئی اور نماز پڑھ سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صبح صادق کے بعد سورج طلوع ہونے تک فجر کی سنت کے علاوہ دیگر نوافل نہ پڑھنے چاہئیں، سنت فجر سے پہلے یا سنت کے بعد فرض سے پہلے یا فرض کے بعد، سورج نکلنے سے پہلے، تمام شکلوں میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے؛ البتہ اگر ذمہ میں قضا نماز ہو تو پڑھ سکتے ہیں۔

عن حفصة - رضي الله عنها - قالت: كان رسول الله ﷺ إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين. (نسائي شريف، الصلاة، بعد طلوع الفجر، النسخة الهندية ۱ / ۲۵۴، دارالسلام، رقم: ۵۸۳)

عن ابن عمر - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلوة بعد الفجر إلا ركعتين. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين، طبع هندي ۱ / ۹۶، دارالسلام، رقم: ۴۱۹)

عن ابن عمر - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلوة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين. (مسند أحمد بن حنبل ۲ / ۲۳، رقم: ۴۷۵۶، المعجم الأوسط، دارالفکر ۱ / ۶۶، رقم: ۱۸۱، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۱۲ / ۳۴۱، رقم: ۱۳۲۹۱، ۱۳ / ۳۰، رقم: ۶۴)

وكذا الحكم من كراهة نفل، وواجب لغيره لا فرض، وواجب لعينه بعد طلوع فجر سوى سنته. (درمختار مع الشامی، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ۱ / ۳۷۵، زکریا ۲ / ۳۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۸/۱۹ھ

۱۴۱۹/۸/۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۸۳/۳۴)

طلوع شمس اور نماز فجر کے درمیان سنن و نوافل پڑھنا

سوال [۱۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”ندائے شاہی“ کے توسط سے آپ کے شذرات قلم اور شاہکار تحریریں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے دین کی خدمات کا عظیم کام لے رہا ہے، ”اللہ کرے زور قلم اور زیادہ“۔

آپ کی خدمت میں کچھ سوالات لے کر حاضر ہوا ہوں، امید ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب باصواب عنایت فرمائیں گے۔

(۱) احناف کے مسلک کے مطابق یہ مسئلہ ہے کہ جس شخص کی فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو وہ انہیں طلوع آفتاب کے بعد ادا کرے اور اسی پر ہمارا عمل ہے، مگر ہوتا یہ ہے کہ کاروبار اور دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب کا انتظار کرنا گراں ہوتا ہے اور لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے فجر کی چھوٹی ہوئی سنتوں کو ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا اور یہ سنتیں رہ جاتی ہیں، اس اندیشہ سے بچنے کے لئے اگر کوئی شخص فجر کی نماز کے بعد متصلاً ان سنتوں کو ادا کرے، تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ فجر کی نماز کے بعد نفل نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، مگر یہ تو سنت نماز ہے اور وہ بھی سنت مؤکدہ۔

المستفتی: شفیق احمد، گوگا وان، ضلع کھرگون، مدھیہ پردیش

مطابق ۵ مئی ۲۰۰۵ء بروز جمعرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی نماز اور طلوع شمس کے درمیان چھوٹی ہوئی سنتوں کا پڑھنا یا کسی طرح کی دیگر سنن و نوافل کا پڑھنا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، تجارت اور دنیاوی مشاغل کی ضروریات کی وجہ سے ان اوقات میں پڑھنے کی گنجائش نہیں ہوگی؛ بلکہ جو سنتیں پڑھنا چاہیں وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ سکتے ہیں، اگر کوئی شخص نہ پڑھ سکے تو اس پر گناہ بھی

نہیں ہے؛ اس لئے کہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھنے کی صورت میں علماء نے کہا ہے کہ سنت کے بجائے نفل میں تبدیل ہو جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ سنتیں فرض کے تابع ہوا کرتی ہیں، جب فرض کی قضاء نہیں ہوئی تو وقت نکلنے کے بعد سنت کی قضاء ساقط ہو جاتی ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ۱/ ۹۶، دار السلام، رقم: ۴۲۳) وأما إذا فاتت وحدها لا تقضى عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد: تقضى إذا ارتفعت الشمس قبل الزوال. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، السنن هل تقضى أم لا؟، مطبوعه زكريا ديوبند ۱/ ۶۴۳، كراچی ۱/ ۲۸۷، تبیین الحقائق، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، ملتان ۱/ ۱۸۳، زكريا ۱/ ۴۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۴/۲۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۸۰۶)

فجر کی سنتوں کا وقت کب تک رہتا ہے؟

سوال [۱۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی سنتوں کا وقت کب تک رہتا ہے؟ کوئی ۱۰ بجے اور کوئی گیارہ بجے تک وقت بتاتا ہے، صحیح کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد احمد ششی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی سنت چھوٹ جانے پر ان کی قضاء نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص چاہے تو بطور نفل سنت کی نیت سے طلوع آفتاب کے بعد سے لے کر زوال سے پہلے پہلے پڑھ سکتا ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ۱/ ۹۶، دارالسلام، رقم: ۴۲۳، صحيح ابن حبان، دارالفكر ۳/ ۳۲۱، رقم: ۲۴۶۹، المستدرک، کتاب التطوع، قديم ۱/ ۴۰۸، مکتبه نزار مصطفى الباز جديد ۲/ ۴۴۶، رقم: ۱۱۵۳)

لا يقضيها إلا بطريق التبعية. (درمختار) تحته في الشامية: أما إذا فاتت وحدها، فلا تقضي قبل طلوع الشمس بالإجماع -إلى- وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها إلى الزوال قيل هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله أحب إلي دليل على أنه لو لم يفعل لا لوم عليه، وقالوا: لا يقضي، وإن قضى فلا بأس به، وكان نفلاً. (شامي، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة، زكريا ۲/ ۵۱۲، كراچی ۲/ ۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۴

وقت زوال کی تحقیق

سوال [۱۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) وقت زوال ضحوة کبریٰ ہے یا نصف النہار؟
(۲) وقت زوال کتنی دیر رہتا ہے؟
(۳) وقت زوال سے کتنی دیر پہلے نماز پڑھے، کتنی دیر بعد؟

المستفتی: مستزی رفیع الدین شمسی، آریسی ریپرنگ شاپ
بجنور روڈ کولتوالی دیہات، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) نصف النہار کی دو قسمیں ہیں: (۱) نصف النہار شرعی، اس کو ضحوة کبریٰ بھی کہا جاتا ہے، جو زوال سے کچھ پہلے ہوتا ہے۔

(۲) نصف النہار عرفی: جس میں ہر چیز کا سایہ اصلی اس کے بالکل نیچے اور برابر میں ہوتا ہے، جس میں ایک انچ نہ مشرق کی طرف ہوتا ہے اور نہ مغرب کی طرف، یہی وہ وقت ہے جس میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور اسی وقت کو ہمارے عوام کے عرف میں زوال کا وقت بھی کہا جاتا ہے، جس میں نماز جائز نہیں۔

المراد بالنہار الشرعی، وهو من أول طلوع الصبح إلى غروب الشمس، وعلى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به وبأن المراد انتصاف النهار الشرعی، وهو الضحوة الكبرى إلى الزوال. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زکریا ۲/۳۱، کراچی ۱/۳۷۱)

فإذا وقف لا يزداد ولا ينتقص، فهو وقت الزوال. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ، بیان وقت الفجر والظهر، زکریا ۱/۳۱۷، الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الأول في المواقيت، زکریا ۲/۵، رقم: ۱۴۹۲)

(۲-۳) وقت زوال کی مقدار اس قدر نہیں ہوتی کہ اس میں کوئی نماز ادا کی جاسکے؛ بلکہ یہ رائج الوقت گھڑی کے اعتبار سے ایک دو منٹ بھی مشکل سے ہوتی ہے؛ لیکن احتیاطاً پانچ منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد میں کل تقریباً دس منٹ تک نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۱۳۸، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/۲۸۴، جدید زکریا ۴/۸۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۲۳۷، جدید ڈبھیل ۵/۳۶۲)

ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلوة فيه، فلعل المراد أنه لا تجوز

الصلوة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان. (شامی، کتاب الصلوة، مطلب
يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ۲/۳۱، كراچي ۱/۳۱۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شمیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
کیم ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۲۳/۳۵)

استواء شمس کی مقدار

سوال [۱۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
استواء شمس جس کو بعض حضرات وقت زوال کہتے ہیں، جس میں نماز پڑھنا منع ہے، کتنے منٹ کا
ہوتا ہے؟ اس مسئلہ کو وضاحت سے لکھ دیں کہ کتنے وقت تک نماز سے رکے رہیں۔

المستفتی: مولانا عبد الباسط مظاہری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نصف النہار کا وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے؛ لیکن علماء نے
اس کے لئے تقریباً دس منٹ کا وقت مقرر کیا ہے، پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد میں ہو اور
احتیاط اسی میں ہے کہ دس منٹ قبل اور پانچ سات منٹ بعد میں کل پندرہ سولہ منٹ کا وقفہ کیا
جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/۲۸۴، جدید زکریا ۴/۸۶)

واستواء التعبير به أولى من التعبير بوقت الزوال - إلى - وقد وقع في
عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول
الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا
فصل، وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلوة فيه - إلى - وعلى هذا
يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به. (شامی، کتاب الصلوة، مطلب

يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ۲/۳۱، كراچي ۱/۳۱۷)

فإذا وقف لا يزداد ولا ينقص، فهو وقت الزوال. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، بيان وقت الفجر والظهر، زكريا ۱/ ۳۱۷، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۵، رقم: ۱۴۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۴۱۵/۳/۱۶ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۸۲۹/۳۱)

الجواب صحیح:
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
 ۱۴۱۵/۳/۱۶ھ

زوال کی ابتدا و انتہا

سوال [۱۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زوال کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ زوال کا وقت بیس منٹ تک رہتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ زوال کا وقت صرف ایک منٹ تک رہتا ہے؛ لہذا ہمیں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

المستفتی: شہادت حسین مدرسہ سلیمانہ شیدی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نصف النہار کا اصل وقت صرف ایک ڈیڑھ منٹ کا ہوتا ہے، اس کو وقت زوال بھی کہا جاتا ہے، اس ایک ڈیڑھ منٹ کے بعد سورج کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن احتیاط کے طور پر دو تین منٹ اس سے پہلے، دو تین منٹ اس کے بعد نماز نہ پڑھی جائے، تاکہ شکوک و شبہات باقی نہ رہیں، یہ کل ملا کر سات، آٹھ منٹ کا وقت ہوتا ہے، جس میں نماز نہ پڑھنی چاہئے، اس سے پہلے بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ زوال کا وقت صرف ایک منٹ تک رہتا ہے، یہ معنی تحقیق کے اعتبار سے صحیح ہے۔

وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب

انتصاف النهار بلا فصل۔ (شامی، کتاب الصلوٰۃ، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت،

زکریا ۲/۳۱، کراچی ۱/۳۷۱، شامی نعمانیہ ۱/۲۴۸)

وأصح ما قيل في معرفة الزوال قول محمد بن شجاع البلخي: أنه يغرز
عودا مستويا في أرض مستوية، ويجعل على مبلغ الظل منه علامة، فما دام
الظل ينتقص من الخط فهو قبل الزوال، فإذا وقف لا يزداد ولا ينتقص فهو
وقت الزوال، وإذا أخذ الظل في الزيادة فالشمس قد زالت. (بدائع الصنائع،
كتاب الصلوٰۃ، بيان وقت الفجر والظهر، زکریا ۱/۳۱۷، الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب
الصلوٰۃ، الفصل الأول في المواقيت، زکریا ۲/۵، رقم: ۱۴۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۲/۱۴۲۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۹۷)

نصف النهار، وقت زوال اور ضحوة الکبریٰ کی تشریح

سوال [۱۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں کہ: ایک جنتری بہت سی جگہ دیکھنے میں آرہی ہے، جس میں زوال سے تقریباً پون گھنٹے
پہلے ضحوة الکبریٰ کا ذکر ہے، بعض مسجدوں میں اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اب نماز پڑھنا جائز نہیں
ہے؛ حالانکہ نصف النهار جس کو وقت زوال کہا جاتا ہے اس میں ابھی تقریباً پون گھنٹے باقی
ہے، تو مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ کیا وقت زوال سے پون گھنٹے پہلے کوئی بھی نماز پڑھنا
ممنوع ہو جاتا ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیے کہ نصف النهار، وقت زوال اور ضحوة الکبریٰ تینوں
ایک ہی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟ اور شریعت میں جس وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا
ہے وہ وقت کون سا ہے؟ متعین فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اصل جواب لکھنے سے پہلے یہ بات واضح کر دینا مناسب

ہے کہ نصف النہار کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں فقہاء نے واضح فرمایا ہے کہ نصف النہار دو طرح سے ہوتا ہے: نصف النہار شرعی، نصف النہار عرفی۔

(۱) نصف النہار شرعی: اس کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب کے درمیان کا وقت نصف النہار شرعی ہے اور صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ یعنی ۹۰ منٹ کا وقت ہوتا ہے، یہ وقت بھی نہار شرعی کے اندر داخل ہوتا ہے، مثلاً آج پونے پانچ بجے صبح صادق ہوتی ہے اور طلوع شمس چھ بج کر پندرہ منٹ پر ہوا ہے اور غروب آفتاب چھ بج کر ۳۵ منٹ پر ہوا ہے، تو آج کا پورا یوم شرعی ۱۳ گھنٹہ ۵۰ منٹ کا ہے، تو اس کا آدھا نصف النہار شرعی کہلائے گا، اور آدھے میں چھ گھنٹہ ۵۵ منٹ ہوئے تو اس حساب سے پونے بارہ بجے نصف النہار شرعی واقع ہوا ہے اور اسی کو ”ضحوة الکبریٰ“ بھی کہا جاتا ہے، اس کے تقریباً ۴۰-۴۵ منٹ کے بعد وقت زوال ہوگا، مثلاً ۱۲ بج کر ۲۵ منٹ پر وقت زوال ہے، تو معلوم ہوا کہ آج کے یوم کے اعتبار سے نصف النہار شرعی پونے بارہ بجے ہے اور اسی کو ”ضحوة الکبریٰ“ بھی کہا جاتا ہے اور اس ضحوة الکبریٰ سے پہلے پہلے روزہ کی نیت کرنا صحیح ہے اور اس وقت کے شروع ہونے کے بعد روزہ کی نیت کرنا درست نہیں، مگر کوئی بھی نماز پڑھنا نصف النہار شرعی کے بعد بھی جائز ہے۔

فیصح أداء صوم رمضان، والنذر المعین، والنفل بنیة من اللیل إلى الضحوة الكبرى لا بعدها ولا عندها اعتبار الأكثر اليوم. (وتحتہ فی الشامیة) المراد بها النصف النهار الشرعی، والنهار الشرعی من استطارة الضوء في أفق المشرق إلى غروب الشمس - إلى قوله - لأن الزوال نصف النهار من طلوع الشمس ووقت الصوم من طلوع الفجر كما في البحر عن المبسوط، قال في الهادية، وفي الجامع الصغير: قبل نصف النهار وهو الأصح؛ لأنه لا بد من وجود النیة في أكثر النهار، ونصفه من وقت طلوع الفجر إلى وقت الضحوة الكبرى، لا وقت الزوال، فتشترط النیة قبلها

لتتحقق في الأكثر - إلى قوله - قد علمت أن النهار الشرعي من طلوع
الفجر إلى الغروب، واعلم أن كل قطر نصف نهاره قبل زواله بنصف حصة
فجره، فمتى كان الباقي للزوال أكثر من هذا النصف صح، وإلا فلا تصح
النية - وقوله - وإذا نوى الصوم من النهار ينوى أنه صائم من أوله حتى لو
نوى قبل الزوال أنه صائم من حين نوى لا من أوله لا يصير صائماً.

(الدرالمختار مع الشامی زکریا ۳/۳۳۸-۳۴۱، کراچی ۱/۳۷۷)

(۲) نصف النہار عرفی اور نصف النہار شمسی: اس کا مطلب یہ ہے کہ طلوع شمس سے لے کر
غروب آفتاب کے درمیان کا وقت جس میں ہر چیز کا سایہ اصلی اس چیز کے ٹھیک برابر نیچے
ہوتا ہے اور ذرا سا بھی ڈھل جائے تو اسے زوال کا وقت کہا جاتا ہے؛ لہذا آج سوا چھ بجے
سورج طلوع ہوا اور چھ بج کر ۳۴ منٹ پر غروب ہوا ہے، تو آج کا پورا یوم عرفی ۱۲ گھنٹہ ۲۰
منٹ کا ہوا، تو اس کا نصف النہار ٹھیک بارہ بج کر ۳۵ منٹ ہے؛ لہذا بارہ بج کر ۳۵ منٹ پر
وقت زوال ہے؛ اس لئے یہی نصف النہار عرفی ہوا، اس وقت کوئی بھی نماز پڑھنا جائز نہیں،
اس کو اصطلاح میں ”نصف النہار“ بھی کہا جاتا ہے۔ اور وقت زوال، استواء الشمس اور فی
الزوال بھی کہا جاتا ہے، یہ صرف ایک ڈیڑھ منٹ کا وقت ہوتا ہے، جس میں نماز پڑھنا جائز
نہیں ہوتا اور احتیاطاً ۲ منٹ پہلے اور ۲ منٹ بعد کا ۵-۶ منٹ کا وقت ایسا ہوتا ہے جس میں
نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس وقت سے پہلے پہلے کوئی بھی نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ ضحوة الکبریٰ جس کو نصف النہار شرعی کہا جاتا
ہے ایک مستقل وقت ہوتا ہے، اس سے ہٹ کر وقت زوال جس کو فی الزوال اور نصف النہار
عرفی بھی کہا جاتا ہے، بالکل الگ دوسرا وقت ہوتا ہے اور دونوں کے درمیان تقریباً ۴۵ منٹ
کا فاصلہ ہوتا ہے اور نصف النہار شرعی جس کو ضحوة الکبریٰ کہا گیا ہے، اس وقت کے شروع
ہو جانے کے بعد نفل روزہ، نذر معین اور رمضان کے روزوں کی نیت درست نہیں ہوتی، مگر
کوئی بھی نماز پڑھنا بلاشبہ جائز ہوتا ہے۔ اور نصف النہار عرفی جس کو وقت زوال کہا جاتا ہے،

اس سے پہلے کوئی بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور بعض جنتریوں میں مجمل بات لکھنے کی وجہ سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ضحوة الکبریٰ شروع ہونے کے بعد نماز بھی جائز نہیں ہے، یہ راجح اور مفتی بہ قول کے خلاف ہے۔ اب حاصل یہ نکلا کہ ضحوة الکبریٰ سے پہلے پہلے روزہ کی نیت درست ہے اور اس کے شروع ہونے کے بعد روزہ کی نیت درست نہیں، مگر اس کے بعد کوئی بھی نماز وقت زوال سے پہلے پہلے تک پڑھنا جائز ہے۔

”و استواء“ التعبیر به أولى من التعبیر بوقت الزوال - إلى قوله - وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هذا القدر من الزمن لا يمكن أداء صلاة فيه، فاعل المراد أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان - إلى قوله - في القهستاني: القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ما وراء النهر. (شامی زکریا ۲ / ۳۱، کراچی ۱ / ۳۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ

۱۱/۶/۱۴۳۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۸۷/۴۱)

ظہر کی نماز کس وقت پڑھی جائے؟

سوال [۱۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں ہمیشہ بارہ مہینہ ظہر کی نماز دو بجے ہوتی چلی آئی ہے؛ لیکن اب سے قریب دو سال پہلے کچھ نمازیوں کا ارادہ ایک بجے نماز پڑھنے کا ہوا اور کچھ کا خیال یہ تھا کہ جیسے پہلے سے دو بجے ہوتی چلی آئی ہے اسی طرح دو بجے ہی ہوتی رہے، دونوں نمازیوں نے ایک شخص کے اوپر بات رکھ دی کہ جو یہ طے کر دیں گے وہ سب کو منظور ہوگا، چنانچہ مقرر کردہ شخص

نے ڈیڑھ بجے کے لئے ظہر کی نماز کا وقت مقرر کر دیا تھا اور جب سے ڈیڑھ بجے ہی نماز ظہر ہوتی چلی آئی ہے؛ لیکن اب وہ لوگ ایک بجے کا ٹائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اور دوسری طرف کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو ٹائم مقرر ہو گیا تھا اسی ٹائم پر نماز ہوتی رہے، آیا ایسی شکل میں ایک بجے ظہر کی نماز پڑھنا افضل ہے یا ڈیڑھ بجے؟ یا ان دونوں ٹائموں سے ہٹ کر کوئی اور ٹائم افضل ہے؟ اس مذکورہ مسئلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

المستفتی: شفیق احمد، مجاہد اعظم، محمد یوسف، محمد صدیق، عبداللطیف، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں آتا ہے کہ سردیوں میں ظہر میں تعجیل افضل ہے اور گرمیوں میں تاخیر افضل ہے؛ لہذا گرمیوں میں ڈیڑھ بجے پڑھنے پر اصرار کرنے والوں کی بات مانی جائے اور سردیوں میں ایک بجے پر اصرار کرنے والوں کی بات مانی جائے۔

حدثنا أبو خلدة، هو خالد بن دينار، قال: سمعت أنس بن مالك يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا اشتد البرد بكر بالصلوة، وإذا اشتد الحر أبرد بالصلوة. (بخاري، كتاب الجمعة، باب إذا اشتد الحر يوم الجمعة، طبع هندي ۱/ ۱۲۴، رقم: ۸۹۶، ف: ۹۰۶، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۲/ ۸۹۰، رقم: ۱۸۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۶/۷/۱۴۱۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ رجب ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۹۷)

جمعہ کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

سوال [۱۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جمعہ کی نماز

کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ خطبہ کی اذان سے پہلے یا خطبہ کی اذان کے بعد سے؟

المستفتی: غیاث الرحمن ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ ظہر کا وقت رہتا ہے۔ اور اس کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور جمعہ کی اذان وقت کے شروع ہو جانے کے بعد ہوتی ہے اور نماز اس وقت پڑھی جائے گی، جب کہ اذان ثانی کے بعد خطبہ ہو جائے۔

عن أنس بن مالک - رضي الله عنه - أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس، طبع هندي ۱/ ۱۲۳، رقم: ۸۹۴، ف: ۹۰۴)

عن إياس بن سلمة بن الأكوع، عن أبيه قال: كنا نجمع مع رسول الله ﷺ إذا زالت الشمس، ثم نرجع نتبع الفياء. (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، طبع هندي ۱/ ۲۸۳، بيت الأفكار، رقم: ۸۶۰)

ومن شرائطها: الوقت، فتصح في وقت الظهر، ولا تصح بعده، لقوله عليه السلام: إذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة، ومنها: الخطبة، وهي قبل الصلوة بعد الزوال. (هداية، كتاب الصلوة، باب صلوة الجمعة، جيسوري ۱/ ۱۶۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۱۴ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱/رجب ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۳۰)

نصف النہار کے وقت تلاوت قرآن، نماز جنازہ اور نکاح پڑھانے کا حکم

سوال [۱۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بارہ بجے قرآن شریف و جنازہ و نکاح پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پڑھا سکتے ہیں، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: بابو خاں، محلہ مغلیورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر ۱۲ بجے سے مراد نصف النہار کا وقت ہے، تو اس وقت میں عقد نکاح کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممنوع نہیں ہے، ہاں البتہ نماز جنازہ پڑھنا اور آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔

ولا تجوز الصلوة عند طلوع الشمس، ولا عند قيامها في الظهر: (إلى قوله) ولا صلوة جنازة لما روينا، ولا سجدة تلاوة. (هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفی دیوبند ۱ / ۸۴)

ولا يجوز صلوة وسجدة تلاوة، و صلوة جنازة عند طلوعها وقيامها، أي حال استوائها. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه إعرابيه ۱ / ۵۶) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳ھ / ۲۸ / ۱

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۳۴ / ۲۸)

مثل اول معلوم کرنے کا طریقہ

سوال [۱۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ عصر کی نماز عموماً مثلین کے بعد پڑھتے ہیں اور نقشہ اوقات نماز میں شروع وقت عصر لکھا ہوتا ہے؛ لیکن اگر ہم کو سفر کی مجبوری کی وجہ سے کبھی نماز عصر مثل اول کے بعد پڑھنی پڑے جیسا کہ مفتیان کرام نے اجازت دی ہے، تو مثل اول کے ختم کی تعیین کس طرح کریں؟ شروع وقت ظہر سے کتنے گھنٹے کے بعد مثل اول ختم ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں اگر دارالافتاء تعیین کر دے تو ہم لوگوں کو بڑی سہولت ہو جائے گی۔

المستفتی: عبدالسلام، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سفر کی مجبوری کی وجہ سے عصر کی نماز مثل اول کے ختم ہونے کے بعد مثل ثانی کے شروع میں پڑھنے کی شرعاً اجازت ہے اور مثل اول کے معلوم کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جس وقت سورج بالکل سر پر پہنچ جائے اس وقت اس زمین میں ایک لکڑی گاڑ دی جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ اس کا کتنا سایہ ہے، پھر جب اس لکڑی کا سایہ سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل ہو جائے تو یہ مثل اول ہے اور دو مثل ہو جائے تو مثلین ہے، سفر کی ضرورت کی وجہ سے صاحبین کے قول کی وجہ سے مثل اول پر عصر کی نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۱۵۳، مطبع زکریا)

ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعيده عليه السلام، كراچی ۱/۳۵۹، زکریا ۲/۱۴، ہدایہ، كتاب الصلوة، باب المواقيت، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/۸۱، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، مكتبه أشرفيه ديوبند، ص: ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱/۱۱/۱۴۲۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰/زیقعدہ ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۳۱)

عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

سوال [۱۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید، بکر، خالد وغیرہ عصر کی نماز چار بجے ادا کرتے ہیں؛ لیکن عمر کہتا ہے کہ آپ کی نماز چار بجے نہیں ہوگی؛ لہذا قرآن وحدیث سے دلیل دے کر فیصلہ فرمائیں کہ چار بجے عصر کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ نیز عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

المستفتی: محمد رضوان، محلہ پرانا بازار، ٹانڈہ، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عصر کے وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں، فقہاء نے دونوں قولوں کو صحیح اور مفتی یہ کہا ہے:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ عصر کا وقت دو مثل مکمل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اور دو مثل سے پہلے عصر کا وقت نہیں ہوتا ہے؛ لہذا اس قول کے مطابق دو مثل مکمل ہونے سے پہلے عصر کی نماز نہیں پڑھنی چاہئے اور اس قول کو امام ابوحنیفہؒ کا صحیح اور راجح قول قرار دیا گیا ہے اور یہی ظاہر الروایہ کے مطابق ہے۔ اور ہمارے برصغیر میں اسی قول پر عمل ہوتا ہے اور عوام اسی کو جانتے ہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول جمہور کے قول کے مطابق ہے کہ عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ اصلی ایک مثل مکمل ہونے کے بعد شروع ہو جاتا ہے؛ لہذا اس قول کے مطابق دو مثل سے پہلے ایک مثل مکمل ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور یہی حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور حنفیہ میں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام طحاوی رحمہم اللہ وغیرہ کا قول ہے، ان سب کے نزدیک ایک مثل مکمل ہو جانے کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور عصر کی نماز شروع ہونے کے لئے دو مثل کی تکمیل کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کو بعض کتب فقہ میں مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ لہذا اس قول ثانی کے اعتبار سے زید، بکر اور خالد وغیرہ کی عصر کی نماز چار بجے صحیح اور درست ہے۔ اور عمر کا قول امام صاحبؒ کے قول اول کے مطابق ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے قول اول میں احتیاط زیادہ ہے۔ اور ہمارے ہندوستان میں عوام الناس کے درمیان یہی قول راجح اور مشہور ہے؛ اس لئے اس قول کے خلاف دو مثل سے پہلے برصغیر میں عصر کی نماز پڑھنا احتیاط کے خلاف ہے۔ (مستفاد: ایضاح المساک، ص: ۱۷۲، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۲۹۶-۲۹۹، جدید زکریا ۲۷۸-۲۸۱، امداد الفتاویٰ، زکریا/۱۵۳)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: أمني جبرئيل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلى بي الظهر حين زالت الشمس، وكانت قدر الشراك، وصلى بي العصر حين كان ظله مثله..... فلما كان الغد صلى بي الظهر حين كان ظله مثله، وصلى بي العصر حين كان ظله مثليه. (أبو داود،

كتاب الصلوة، باب في المواقيت، مطبع هندي ١ / ٥٦، دار السلام، رقم: ٣٩٣)

عن عبدالله بن رافع مولى أم سلمة زوج النبي ﷺ أنه سأل أبا هريرة عن وقت الصلوة، فقال: أنا أخبرك صل الظهر إذا كان ظلك مثلك، والعصر إذا كان ظلك مثليک. (المؤطا للإمام مالك، باب وقوت الصلوة، اشرفي ديوبند، ص: ٣، رقم: ٩، مؤطا إمام محمد، باب وقوت الصلوة، مطبع ديوبند ١ / ٤١، رقم:

١، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ١ / ٥٤٠، رقم: ٢٠٤١)

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، لبيان جبرئيل، وهو نص في الباب، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي (الدر المختار) قوله: إلى بلوغ الظل مثليه: هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهائية، وهو الصحيح، بدائع ومحيط، وينابيع، وهو المختار غيائية - إلى - قوله: وعليه عمل الناس اليوم، أي في كثير من البلاد، والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثليين، ليكون مؤديا للصلاتين في وقتها بالإجماع. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبه عليه السلام، كراچی ١ / ٣٥٩، زكريا ٢ / ١٥، ومثله الفقه الإسلامي وأدلته، أوقات الصلوة، وقت الظهر، مطبوعه ديوبند ١ / ٥٧٠، حلي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه

دیوبند، ص: ۲۲۷، معارف السنن، باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ، أشرفی دیوبند ۲/ (۱۱)
فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۳۰۹)

حنفیہ کے نزدیک بھی ایک مثل پر عصر پڑھنا جائز ہے؟

سوال [۱۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے شہر میل و شارم میں مسلک اہل حدیث (غیر مقلدین) کی ایک مسجد ہے، اس کے امام و مؤذن اور اکثر مصلیٰ حنفی ہیں اور اس مسجد میں سال بھر نماز عصر ساڑھے چار بجے پڑھی جاتی ہے، تو کیا ان لوگوں کی نماز ہو جائے گی؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ذمہ داران مسجد میل و شارم، تامل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عصر کے ابتدائی وقت سے متعلق حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں: (۱) قول نمبر ایک یہ ہے: کہ دو مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس قول میں احتیاط کا پہلو غالب ہے۔ اور یہی حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایۃ ہے۔ اور اس کو قول صحیح بھی قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے اکثر متاخرین احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور ہمارے ہندوستان میں بھی اسی قول پر عمل جاری ہے؛ لہذا حنفی مقتدیوں کو حنفی لوگوں کی مسجد ہی کو ترجیح دینی چائے اور انہیں کے ساتھ نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے؛ البتہ اگر آس پاس میں حنفی مسجد نہ ہو تو غیر مقلدین کی مسجد میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول نمبر ۲ یہ ہے: کہ ایک مثل کے بعد سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، یہی حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام طحاوی رحمہم اللہ کا قول

ہے۔ اور حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور بہت سے متاخرین احناف نے اسی قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ نے ”فتاویٰ رشیدیہ ص: ۲۹۶، ۲۹۹“ میں اسی قول کو زیادہ راجح اور قوی قرار دیا ہے، ہاں البتہ قول اول میں احتیاط کا پہلو غالب ہے؛ لہذا اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہونے کا جو قول ہے وہ صرف ائمہ ثلاثہ کا نہیں ہے؛ بلکہ یہ حنفیہ کا بھی ایک مضبوط ترین اور مدلل قول ہے؛ اس لئے اگر حنفی امام مجبوری میں پورے سال مثل اول کے بعد عصر کی نماز پڑھاتا ہے، تو اس کی گنجائش ہوگی؛ البتہ دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھانے میں زیادہ احتیاط ہے؛ لہذا یہ اختلاف صرف احتیاط کا ہے، جائز و ناجائز کا نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۲۹۶، ۲۹۹، جدید زکریا ۸۷، ۲۸۱، ایضاح المسائلک، ۱۷۲)

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، لبيان جبرئيل، وهو نص في الباب، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي (الدر المختار) قوله: إلى بلوغ الظل مثليه: هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهائية، وهو الصحيح، بدائع ومحيط، وينابيع، وهو المختار غياثية - إلى - قوله: وعليه عمل الناس اليوم، أي في كثير من البلاد، والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام: أن الاحتياط أن لا يؤخر الظهر إلى المثل، وأن لا يصلي العصر حتى يبلغ المثليين، ليكون مؤدياً للصلاة في وقتها بالإجماع. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبه عليه السلام، كراچی ۱/ ۳۵۹، زکریا ۲/ ۱۵، ومثله الفقه الإسلامی وأدلته، أوقات الصلوة، وقت الظهر، مطبوعه ديوبند ۱/ ۵۷۰، حلبی كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۲۷، معارف السنن، باب ماجاء في مواقيت الصلوة، أشرفي ديوبند ۲/ ۱۱)

وقت الظهر من زوال الشمس إلى مصير ظل كل شيء مثله، وهذا رأى صاحبين المفتى به عند الحنفية والأئمة الثلاثة، وظاهر الرواية، وهي رأي أبي حنيفة أن آخر وقت الظهر أن يصير ظل كل شيء مثليه، إلا أن هذا الوقت هو وقت العصر بالاتفاق، فتقدم الصلاة عن هذا الوقت؛ لأن الأخذ بالأحتمال في باب العبادات أولى. (الفقه الإسلامي وأدلته، اوقات الصلوة، وقت الظهر، مطبوعه ديوبند ۱/ ۵۷۰، هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي ديوبند ۱/ ۸۱، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۲۷، البحر الرائق، كتاب الصلوة، زكريا ۱/ ۴۲۵، كوئنه ۱/ ۲۴۵، معارف السنن، باب ما جاء في مواقيت الصلوة، أشرفي ديوبند ۲/ ۱۱، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبه عليه السلام، كراچی ۱/ ۳۵۹، زكريا ۱/ ۲/ ۱۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵ھ/۷/۱۹

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۱۳/۲)

حجاز مقدس میں عصر کی نماز مثل اول پر پڑھیں یا مثلین پر؟

سوال [۱۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پوری دنیا سے ہر سال لاکھوں حنفی افراد حج کرنے کے لئے جاتے ہیں اور احناف کے یہاں عصر کا وقت مثلین پر شروع ہوتا ہے، جب کہ حجاز مقدس میں خصوصاً مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً ہر مسجد میں عصر کی نماز مثل اول پر ہی ہوتی ہے، ایسی صورت میں احناف کیا کریں؟ مثل اول پر ہی باجماعت نماز ادا کریں یا مثلین پر اپنی الگ نماز پڑھیں؟ اور جن لوگوں نے حجاز مقدس میں مثل اول پر ہی عصر کی نماز باجماعت پڑھی ہے، تو کیا ان پر عصر کی نمازوں کا اعادہ کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: مفتی نعمت اللہ صاحب عباسی، جنرل اسٹورچوک گوئڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حجاز مقدس میں حریم شریفین اور دیگر مساجد میں مثل اول کے ختم پر نماز ادا کی جاتی ہے، حنفی مسلک کے لوگوں کے لئے حریم شریفین کے ائمہ اور دیگر مساجد کے اماموں کے پیچھے عصر کی نماز ان ہی کے ساتھ ادا کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں: ایک قول وہی ہے جس پر برصغیر میں عمل ہوتا ہے، یعنی دو مثل کے بعد عصر کے وقت کا شروع ہونا اور یہی برصغیر میں مشہور اور معمول بہ ہے۔ اور امام صاحب کا دوسرا قول ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے قول کے مطابق ہے، یعنی ایک مثل کے بعد عصر کے وقت کا شروع ہو جانا اور یہی امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام طحاوی رحمہم اللہ کا قول بھی ہے؛ اس لئے حریم شریفین میں مثلین کا انتظار کر کے وہاں کی جماعت کو ترک نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ وہاں کے ائمہ کے ساتھ بڑی جماعت میں شامل ہو کر عصر کی نماز ادا کرنا زیادہ بہتر ہوگا، ہمارے اکابر میں سے حضرت گنگوہیؒ نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ، ۲۹۶-۲۹۹، جدید زکریا ۲۸۱-۲۸۱، امداد الفتاویٰ زکریا/۱۵۳)

ووقت الظہر من زوالہ، أي میل ذکاء عن کبد السماء إلى بلوغ الظل مثلیہ، وعنه مثله، وهو قولہما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوی: وبہ نأخذ، وفي غرر الأذکار: وهو المأخوذ به، وفي البرہان: وهو الأظہر، لبیان جبرئیل، وهو نص في الباب، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبہ یفتي (الدر المختار مع الرد المحتار، کتاب الصلوة، مطلب في تعبدہ علیہ الصلوة والسلام، کراچی ۱/۳۵۹، زکریا ۲/۱۵)

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أمني جبرئیل علیہ السلام عند البيت مرتین، فصلی بی الظہر حين زالت الشمس، وكانت قدر الشراک، وصلی بی العصر حين كان ظله مثله..... فلما كان الغد صلی بی الظہر حين كان ظله مثله، وصلی بی العصر حين كان ظله

مثالیہ . (أبو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی المواقیت، طبع ہندی ۱ / ۵۶، دارالسلام، رقم: ۳۹۳، سنن الترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی مواقیت الصلاة، طبع ہندی ۱ / ۳۸، دارالسلام، رقم: ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶ / ۲۲۳۱)

حرم میں حنفی شخص کے عصر میں اقتدا پر شبہ کا جواب

سوال [۱۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حرم پاک میں ائمہ حرمین غیر حنفی مقلد یا غیر مقلد ہیں، حنفی اور سلفی مسلک کے مطابق نمازوں کے اوقات میں خصوصاً نماز عصر کے وقت میں کافی فرق ہے، سلفی اور شافعی حضرات کے یہاں جب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، حنفی مسلک میں وہ وقت ابھی ظہر ہی کا ہوتا ہے، جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ حرمین میں امام کی اقتدا کی وجہ سے نماز عصر احناف کی بھی شافعی المسلمک کے مطابق اسی وقت میں ادا ہو جاتی ہے، کیا کسی بھی نماز کو قبل از وقت ادا کیا جاسکتا ہے، جب کہ ابھی سایہ مثلیں نہیں ہوا اور ابھی ظہر کا وقت ہے؟ اس مسئلہ میں تفصیلی روشنی ڈال کر جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: تسلیم احمد مولانا والی مسجد تمباکو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حجاز مقدس میں نماز عصر کا مسئلہ زیادہ اہم اور شک میں مبتلا کرنے والا نہیں ہے؛ اس لئے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام طحاویؒ وغیرہ مسلک حنفی کے اہم ترین ستون ہیں، ان کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کی طرح ایک مثل پر عصر کا وقت ہو جاتا ہے، ہاں البتہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دو قول ہیں: ایک قول حضرات صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے مطابق، ایک مثل پر عصر کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا قول دو مثل پر عصر کا

وقت ہوتا ہے اور دو مثل والے قول کو ظاہر الروایہ قرار دیا گیا ہے۔ اور متاخرین نے اس قول کو احتیاط کی بنا پر زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے؛ اس لئے حنفیہ اسی قول پر فتویٰ دیتے ہیں، ورنہ امام صاحب کا وہ قول جس میں ایک مثل پر عصر کا وقت ہونے کا ہے اور وہی حضرات صاحبین اور جمہور کا قول ہے۔ علامہ شامی نے ”غرر الاذکار“ اور ”برہان“ اور ”فیض“ کے حوالہ سے مفتی بہ نقل کیا ہے؛ اس لئے ہندوستان میں تو ظاہر الروایہ پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ ہو رہا ہے، مگر حجاز مقدس میں امام صاحب کے قول اول اور ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے قول کے مطابق حرمین شریفین کے ائمہ کے ساتھ ایک مثل پر عصر کی نماز پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہوگا۔ اور حضرت گنگوہی نے غیر حجاز میں بھی ایک مثل کے قول کو ترجیح دی ہے؛ اس لئے حجاز مقدس میں بلا تردد وہاں کے اماموں کے پیچھے عصر کی نماز پڑھ لینی چاہئے، جزئیات ملاحظہ فرمائیے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک/۲، ۱۷۲، احسن الفتاویٰ ۲/۱۳۵، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۲۹۹، جدید زکریا ۲۷۸، ۲۸۱، انوار مناسک ۳۸۸)

ووقت الظهر من زواله، أي میل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ، وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به، وفي البرهان: وهو الأظهر، وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي، وفي الشامية: وقوله: إلى بلوغ الظل مثليه: هذا ظاهر الرواية عن الإمام وهو الصحيح. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب في تعبه عليه الصلاة والسلام، كراچی ۱/۳۵۹، زکریا ۲/۱۵، ومثله الفقه الإسلامي، وأدلته، أوقات الصلوة، وقت الظهر، مطبوعه ديوبند ۱/۵۷۰، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۲۷، معارف السنن، باب ماجاء في مواقيت الصلوة، أشرفي ديوبند ۲/۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/رجب ۱۴۲۸ھ
الف فتویٰ نمبر: ۶/۲۸ (۹۳۷)

شافعی وقت میں نماز پڑھنا

سوال [۱۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر شافعی کی نماز کا وقت ہوا، اگر کسی حنفی کو ضرورت ہو یا کسی کام سے جانا ہو، تو کیا حنفی تنہا نماز شافعی وقت میں یعنی اول وقت میں پڑھ سکتا ہے، جب کہ جماعت سے نماز پڑھنے سے اس کی نماز ہو جاتی ہو؟

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل محلہ جعفر بلڈنگ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شافعی وقت سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مسائل کی مراد ظہر یا عشاء کا وقت ہے، تو ایک مثل پر جو شافعی وقت کہلاتا ہے، اسی طرح شفق احمر کے غائب ہونے پر جو شافعی وقت کہلاتا ہے، اس کے مطابق امام ابو یوسف، امام محمد اور اکثر مشائخ رحمہم اللہ کا قول بھی ہے؛ اس لئے بوقت ضرورت نماز پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ص: ۴۳، کفایت المفتی قدیم، ۲۴/۳، جدید زکریا، ۶۴/۳)

عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: أمني جبرئيل عليه السلام عند البيت مرتين، فصلی بي الظهر حين زالت الشمس، وكانت قدر الشراك، وصلی بي العصر حين كان ظله مثله..... فلما كان الغد صلی بي الظهر حين كان ظله مثله، وصلی بي العصر حين كان ظله مثليه. (أبو داؤد، كتاب الصلوة، باب في المواقيت، طبع هندي ۵۶/۱، دارالسلام، رقم: ۳۹۳)

ووقت الظهر من زواله، أي ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله، وهو قولهما، وزفر والأئمة الثلاثة، قال الطحاوي: وبه نأخذ. (الدر المختار، كتاب الصلوة، مطلب في تعبه، كراچی ۱/۳۵۹، زکریا ۱۴/۲)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ رجب الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۱۳/۲۵)

عصر کی نماز سے فراغت کے بعد سورج غروب ہو گیا

سوال [۱۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر کی نماز اس قدر تاخیر سے پڑھی کہ نماز سے فارغ ہونے پر مغرب کی اذان ہو گئی، کیا اتنی تاخیر درست ہے؟

المستفتی: محی الدین، سپور، ضلع بجنور
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: عصر کی نماز مغرب سے اتنی دیر پہلے شروع کرنے کے بعد کہ نماز سے فارغ ہونے پر مغرب کی اذان ہو جائے تو نماز ہو جائے گی؛ اس لئے کہ جس وقت نماز شروع کی تھی وہ وقت ناقص تھا اور جب ختم ہوئی تب بھی ناقص ہی تھا۔

و غروب إلا عصر یومہ، فلا یکرہ فعلہ لأدائہ، کما وجب.

(الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت، کوئٹہ ۱/ ۲۷۴، کراچی ۱/ ۳۷۲، زکریا ۲/ ۳۲)

و عند غروبها إلا عصر یومہ. (کبیری، کتاب الصلوۃ، الشرط الخامس،

أشرفیہ دیوبند، ص: ۲۳۶، شرح النقایۃ، کتاب الصلوۃ، مکتبہ اعزازیہ دیوبند ۱/ ۵۶،

ہدایہ، کتاب الصلوۃ، باب المواقیت، أشرفی ۱/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴ صفر ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۰/۲۳)

غروب آفتاب اور مغرب کا وقت ایک ہے یا الگ الگ؟

سوال [۱۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غروب آفتاب اور وقت مغرب میں کچھ فرق ہے یا دونوں باتیں ایک ہی ہیں، ایک عمل

ہے جو کہ سورج غروب ہوتے وقت کرنے کا ہے؛ اس لئے زحمت دے رہا ہوں، جواب عنایت کریں۔

المستفتی: شمس الرحمن بازار چوک، مراد آباد
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: آفتاب غروب ہونے کے ساتھ ہی مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے؛ لہذا غروب آفتاب اور مغرب کا اول وقت دونوں ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: إن للصلوة أولًا وآخرًا - إلى - وإن أول وقت المغرب حين تغرب الشمس. (سنن الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء في مواقيت الصلوة، مطبع هندي ۱/ ۳۹، دارالسلام، رقم: ۱۵۱)

و أول وقت المغرب إذا غربت الشمس. (هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفی دیوبند ۱/ ۸۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ رذیقہ ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۲۳/۳۳)

مغرب کی اذان و نماز کے درمیان فاصلہ کی مقدار

سوال [۱۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ کی ایک مسجد کے ذمہ داروں کا یہ کہنا ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد کم از کم پانچ منٹ کا وقفہ ضرور ملنا چاہئے؛ کیوں کہ اذان لوگوں کو مسجد میں آنے کی دعوت ہے؛ اس لئے اذان کے بعد نماز میں شرکت کے لئے پانچ منٹ کم از کم دینا چاہئے۔ اور جو لوگ پہلے آئے ہیں وہ اس پانچ منٹ کے وقفہ میں ۲ نفل پڑھ لیں، ہم اس سلسلہ میں دارالافتاء سے

وضاحت چاہتے ہیں، کیا مغرب میں وقتی اذان اور نماز کے درمیان کا فاصلہ اتنا کر سکتے ہیں، کوئی حرج تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان دو یا تین منٹ کا فاصلہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اور رمضان کے علاوہ دیگر ایام میں اس سے زیادہ فاصلہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے؛ اس لئے کہ عام دنوں میں نماز مغرب میں تعجیل کا حکم ہے۔

عن مرثد بن عبد اللہ قال: قدم علينا أبو أيوب غازيا، وعقبة بن عامر يومئذ على مصر، فأخبر المغرب، فقام إليه أبو أيوب، فقال: ما هذه الصلوة يا عقبة؟ قال: شغلنا، قال: أما سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تزال أمتي بخير - أو قال: على الفطرة - ما لم يؤخروا المغرب إلى أن تشتبك النجوم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب وقت المغرب، طبع هندي ۱/ ۶۰، دار السلام، رقم: ۴۱۸، صحيح ابن خزيمة، المكتبة الإسلامي ۱/ ۲۰۶، رقم: ۳۳۹، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۴/ ۱۸۳، رقم: ۴۰۸۳)

عن العباس بن عبد المطلب قال: قال رسول الله ﷺ: لا تزال أمتي على الفطرة ما لم يؤخروا المغرب حتى تشتبك النجوم. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلوة، باب وقت المغرب، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دار السلام، رقم: ۶۸۹، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۴/ ۱۳۲، رقم: ۱۳۰۶، المعجم الأوسط، دار الفکر ۱/ ۴۷۹، رقم: ۱۷۷۰)

ويجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعيًا لوقت الندب إلا في المغرب، فيسكت قائمًا قدر ثلاث آيات قصار، ويكره الوصل إجماعًا، وفي الشامية: هذا عنده، وعندهما يفصل بجلسة كجلسة الخطيب، والخلاف في الأفضلية، فلو جلس لا يكره عنده. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنائر للأذان، زكريا ۲/ ۵۶، كراچی ۱/ ۳۸۹)

والمغرب إلى اشتباك النجوم، أي كثرتها كره أي التأخير
 تحريماً إلا بعذر، كسفر وكونه على أكل، وفي الشامي: أي لكره الصلوة
 مع حضور طعام تميل إليه نفسه. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب في
 طلوع الشمس من مغربها، زكريا ۲/ ۲۷، كراچی ۱/ ۳۶۸)

وأما المغرب فيكره تأخيرها إذا غربت الشمس. (الفتاوى التاتارخانية،
 كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۱، رقم: ۱۵۱۰)

ويستحب تعجيل المغرب في كل زمان. (هندية، كتاب الصلوة، الباب
 الأول في المواقيت، زكريا قديم ۱/ ۵۲، جديد ۱/ ۱۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
 کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۲۸/ صفر ۱۴۳۳ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۴۳/۳۹)
 الجواب صحیح:
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
 ۲۳/۳/۱۴۳۳ھ

مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان کا فصل

سوال [۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
 میں: حنفی مسلک کے اعتبار سے نماز مغرب میں کتنی عجلت کا حکم ہے؟ دیکھا جا رہا ہے کہ مؤذن
 اذان دے کر صف میں شریک ہو بھی نہیں پاتا کہ تکبیر شروع کر دی جاتی ہے، کبھی پانی کی قلت
 کی وجہ سے وضو کرنے والوں کی ایک بھیڑ وضو کے انتظار میں نمبر سے کھڑی رہتی ہے اور وضو
 کرنے تک ایک یا دو رکعتیں چلی جاتی ہیں، جب کہ مقتدی مؤذن کی اذان سنتے ہی اپنے گھر
 یا دوکان سے مسجد کی طرف چل دیتے ہیں؛ لیکن یہ عجلت شریف میں نہیں اپنائی جاتی
 ہے اور نماز میں اکثر پانچ سات منٹ کی تاخیر سے جماعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، کیا
 مسئلہ رمضان یا دیگر مہینوں کے لئے الگ الگ ہے؟

المستفتی: عبدالحق صدیقی لائن ایلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان المبارک میں افطار کی وجہ سے تکبیر میں آٹھ دس منٹ تاخیر کرنا مستحب ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۸۳، فتاویٰ دارالعلوم/۲/۵۴) مگر غیر رمضان المبارک میں انی تاخیر کرنا ممنوع و مکروہ ہے بلکہ اذان و اقامت کے درمیان دو تین منٹ سے زائد تاخیر نہ کرنی چاہئے اور اتنی عجلت بھی نہ کرنی چاہئے کہ مؤذن اذان دے کر مسجد میں اطمینان سے داخل ہو کر صفوں میں کھڑے ہونے سے قبل دوسرا کوئی اقامت شروع کر دے۔

عن السائب بن يزيد أن رسول الله ﷺ قال: لا تزال أمتي على الفطرة ما صلوا المغرب قبل طلوع النجوم. (مسند أحمد: ۳/۴۴۹ رقم: ۱۵۸۰۸، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۷/۱۵۴، رقم: ۶۶۷۱)

عن مرثد بن عبد الله قال: قدم علينا أبو أيوب غازيا، وعقبه بن عامر يومئذ على مصر، فأخبر المغرب، فقام إليه أبو أيوب، فقال: ما هذه الصلوة يا عقبه؟ قال: شغلنا، قال: أما سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تزال أمتي بخير - أو قال: على الفطرة - ما لم يؤخروا المغرب إلى أن تشتبك النجوم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوة، باب وقت المغرب، طبع هندي ۱/۶۰، دار السلام، رقم: ۴۱۸، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/۲۰۶، رقم: ۳۳۹، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۴/۱۸۳، رقم: ۴۰۸۳)

يكره تاخير المغرب عند محمد. (غنية المستملى، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴/۴/۱۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۱۴/۲۹)

رمضان میں مغرب میں اذان اور جماعت میں دس منٹ کا وقفہ کرنا

سوال [۱۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک میں مغرب کی اذان کے کتنی دیر بعد جماعت کھڑی ہونی چاہئے؟ کیوں کہ لوگ اکثر گھر سے افطار کر کے آتے ہیں، رمضان کے بعد عام دنوں میں بھی مغرب کی اذان کے کتنی دیر بعد نماز ہونی چاہئے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد صلاح الدین پیرغیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عام ایام میں مغرب کی اذان و نماز کے درمیان دو رکعت مختصر سورتوں سے پڑھنے کی مقدار تاخیر کریں اور رمضان المبارک میں کھانے پینے کی غرض سے دس پندرہ منٹ تاخیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، تا کہ اطمینان سے نماز ادا کی جاسکے؛ بلکہ اس طرح تاخیر ہی افضل ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۲/۴۵، احسن الفتاویٰ زکریا ۲/۱۳۸)

عن جابر - رضی اللہ عنہ - أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال: يا بلال! إذا أنت فترسل في أذانك، وإذا أقمت فاحذر، واجعل بين أذانك قدر ما يفرغ الأكل من أكله، والشارب من شربه، والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته، ولا تقوموا حتى تروني. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الترسل في الأذان، النسخة لهندية ۱/ ۴۸، دارالسلام، رقم: ۱۹۵، المعجم الأوسط، دارالفکر ۱/ ۵۲۹، رقم: ۱۹۵۲، المستدرک، کتاب الصلاة، قديم ۱/ ۳۲۰، جديد ۱/ ۳۰۴، رقم: ۷۳۲)

والأصح أنه يكره إلا من عذر كالسفر والكون على الأكل ونحوها.

(غنية المستملى، كتاب الصلاة، الشرط الخامس: هو الوقت، ص: ۲۳۳، صغيري، ص:

۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴/۸۶۵)

عصر و فجر کے ممنوع اوقات کی انتہا

سوال [۱۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر اور فجر کے ممنوعہ اوقات کی انتہا گھڑی کی رو سے کیا ہے؟

المستفتی: محی الدین قصبہ سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعاً عصر کا وقت غروب آفتاب تک ہے، ممنوع و مکروہ وقت بوقت اصفرار شمس سے شروع ہو کر غروب پر منتهی ہوتا ہے۔ اور فجر کا ممنوع وقت بوقت طلوع آفتاب ہے اور مکمل آفتاب طلوع ہو جانے کے بعد احتیاطاً تھوڑی دیر توقف کر کے نماز پڑھی جائے، گھڑی کے لحاظ سے ابتداءً انتہاءً صحیح دائمی جنزریوں سے خود دیکھ لیجئے، گھڑی کے حساب سے احقر کو زیادہ تجربہ نہیں ہے۔

عن ابن عمر -رضی اللہ عنہ- قال: قال رسول اللہ ﷺ: إذا بدا حاجب الشمس، فأخروا الصلاة حتى تبرز، وإذا غاب حاجب الشمس فأخروا الصلاة حتى تغيب. (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، طبع هندي ۱/ ۲۷۵، بيت الأفكار، رقم: ۸۲۹)

وآخر وقت الفجر حين تطلع الشمس، فإذا طلعت الشمس خرج وقت الفجر -إلى- و آخر وقت العصر وقت غروب الشمس -إلى- وأما العصر فتأخيرها أفضل في الأزمان كلها ما لم تتغير الشمس، ولكن يكره تأخير إلى أن تتغير الشمس. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت ۲/ ۴ تا ۱۰، رقم: ۱۴۹۱، ۱۴۹۵، ۱۵۰۸، شرح النقاية، مكتب إعزازيه ۱/ ۵۰-۵۲، هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت أشرفى ديوبند ۱/ ۸۰-۸۳،

المحیط البرہانی، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الأول فی المواقیح المجلس العلمی ۲/ ۵-۸)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۰/۲۳)

غروب پر عصر جائز اور طلوع پر فجر ناجائز کیوں؟

سوال [۱۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غروب آفتاب کے وقت اگر اسی دن کی نماز عصر جائز ہے، تو بوقت طلوع آفتاب اسی دن کی نماز فجر کیوں جائز نہیں ہے؟

المستفتی: غلام محمد غفرلہ، ضلع ساہراکانٹھا گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس مسئلہ میں ہمارا عمل و فتویٰ حضرت امام صاحب کے قول پر ہے، اس کے لئے حنفیہ کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک وقت کامل ہے اور طلوع آفتاب سے وقت ناقص شروع ہو جاتا ہے۔ اور نماز عصر کے بعد تغیر شمس سے وقت ناقص شروع ہو جاتا ہے اور تغیر شمس سے غروب ہو چکنے تک وقت ناقص کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ وقت کامل میں شروع کر کے ناقص میں لے جا کر مکمل کرنا ناجائز اور مفسد صلوٰۃ ہے اور وقت ناقص میں شروع کر کے وقت ناقص میں ختم کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔ اور فجر میں کامل میں شروع کر کے ناقص میں ختم کرنا لازم آتا ہے؛ اس لئے ناجائز اور مفسد صلوٰۃ ہے۔ اور عصر میں ناقص میں شروع کر کے ناقص میں ختم کرنا پایا جاتا ہے؛ اس لئے ناجائز اور مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

والفرق بینہما أن السبب في العصر آخر الوقت، وهو وقت التغيير وهو ناقص، فإذا أداها فيه أداها كما وجبت، ووقت الفجر كله كامل،

فوجبت كاملة، فتبطل بطرو الطلوع الذي هو وقت فساد. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، زكريا ۱/ ۴۳۶، كوئته ۱/ ۲۵۱، الدر المنتقى، كتاب الصلوة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۱۰، شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ۲/ ۳۳، كراچی ۱/ ۳۷۳)

والفرق بين عصر اليوم حيث يجوز عند الغروب، وفجر اليوم حيث لا يجوز عند الطلوع، أن سبب الصلوة جزء من وقتها ملاق لأدائها، وآخر وقت العصر وهو وقت التغيير ناقص؛ لأنه وقت كراهة، وإذا شرع فيه فقد وجبت ناقصة، فلا تفسد بطرو الغروب الذي هو وقت الفساد للملائمة بينهما في النقصان، وأما الفجر فإن جميع وقتها كامل، فإذا شرع فيها فقد وجبت كاملة، فتنفسد بطروه الطلوع الذي هو وقت الفساد لعدم الملائمة بينهما.

(شرح النقاية، كتاب الصلوة، مكتبه إعزازه ديوبند ۱/ ۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/۷/۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۸۶)

نور الايضاح کی عبارت کا صحیح مجمل

سوال [۱۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر کے بعد نماز جنازہ، نفل اور قضا وغیرہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اور اگر مکروہ نہیں ہوگی تو اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟: ویصح أداء ما وجب فیہا مع الکراهة، کجنازة حضرت، و سجدة آية تليت فیہا، کما صح عصر اليوم عند الغروب مع الکراهية، والأوقات الثلاثة یکره فیہا النافلة کراهة تحريم. (نور الايضاح، إمدادیه ص: ۵۹)

المستفتی: سجاد حسین، زیارت والی مسجد، پیرغیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عصر کے بعد نفل نماز مکروہ ہے۔ اور ”نور الايضاح“ کی جو عبارت سوال نامہ میں درج ہے وہ عصر اور مغرب کے درمیانی وقت سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ طلوع شمس نصف النہار، غروب شمس سے متعلق ہے۔ اور عصر کے بعد کے حکم سے متعلق اس سے نیچے کی عبارت ہے۔

ویکروہ التنفل وبعد صلاة العصر ، وقبل صلاة المغرب .

(نور الايضاح، ص: ۵۷)

اور نماز عصر کے بعد قضا نماز بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ویکروہ أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس ، وبعد العصر حتى تغرب لماروی أنه عليه السلام نهی عن ذلك ، ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت . (هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي ديوبند ۱/ ۸۵)

ووقتان آخران : يکروہ فيهما التطوع ، وهما: بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس ، إلا ركعتي الفجر ، وما بعد صلاة العصر إلى وقت غروب الشمس ، لا يکروہ فيهما الفرائض ، ولا صلوة الجنائز ، ولا يجوز أداء المنذورة في هذين الوقتين . (المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الأول في

المواقيت، المجلس العلمي، بيروت ۲/ ۱۰، رقم: ۱۰۷۸، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵ھ / ۲۰۲۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ صفر ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۷۵)

اوقات مکروہہ میں فرض نماز پڑھنا

سوال [۱۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اوقات مکروہ طلوع آفتاب، زوال شمس ان اوقات میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکروہ اوقات میں فرض اور واجب نمازیں پڑھنا درست نہیں، ہاں اگر اسی دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت پڑھتا ہے، تو اس دن کی عصر کی نماز ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۲۳۷، جدید ڈائجیل ۵/۳۶۲)

عن عقبۃ بن عامر الجہنی یقول: ثلاث ساعات کان رسول اللہ ﷺ ینہانا أن نصلی فیہن، أو أن نقبر فیہن موتانا: حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع، و حین یقوم قائم الظہیر حتی تمیل الشمس، و حین نصف الشمس للغروب حتی تغرب. (صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب الأوقات التي نہی عن الصلاة فیہا، النسخة الهندية ۱/۲۷۶، بیت الأفكار، رقم: ۸۳۱، سنن الدارمی، دارالمغنی ۲/۸۹۸، رقم: ۱۴۷۲)

ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة، و صلاة الجنابة عند الطلوع والاستواء والغروب إلا عصر يومه. (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، کوئٹہ ۱/۲۴۹، زکریا ۱/۴۳۲، شرح النقاية، کتاب الصلوۃ، مکتبہ اعزازیہ ۱/۶۵، الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلوۃ، الفصل الأول فی المواقیت، زکریا ۲/۱۳-۱۴، رقم: ۱۵۱۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۶/۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۷ھ

عصر اور فجر کے بعد قضا نماز پڑھنا

سوال [۱۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ طلوع صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان اور عصر کے بعد سے غروب کے درمیان قضا نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ دونوں اوقات میں قضا نمازیں پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈائجیل ۵/۳۸۱، میرٹھ ۹/۸۵، فتاویٰ دارالعلوم ۳/۳۸۵، کتاب المسائل ۲/۸۷، اہم مسائل ۲/۸۷)

عن أم سلمة - رضي الله عنها - صلى النبي صلى الله عليه وسلم بعد العصر الركعتين . (بخاري، باب ما يصلى بعد العصر من الفوائت ۱/۸۳)

و كذلك كانت الصلاة بعد العصر قبل تغير الشمس، وبعد الصبح قبل طلوع الشمس مباحة على الجنائز ومباحة في قضاء الصلاة الفائتة. (طحاوي شريف، باب الصلاة للطواف بعد الصبح وبعد العصر ۱/۴۲۲)

فجوزنا الفوائت بعد العصر وما دامت الشمس نقيه ولما لم يفرق أحمد الجمهور بين ما بعد العصر وما بعد الفجر حكمنا لهذا الجواز في كلا الوقتين . (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب الأوقات المكروهة، بيروت ۲/۵۵، کراچی ۲/۵۴۴)

وأما الوقتان الآخران من الخمسة، فإنه يكره فيهما التطوع فقط، ولا يكره فيهما الفرض - يعني الفوائت - . (حلي كبير، كتاب الصلاة، فروع في شرح الطحاوي، أشرفيه ۲۳۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

طلوع شمس سے قبل فجر کی سنت کی قضاء

سوال [۱۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: طلوع صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان نفل نماز مکروہ کیوں ہے؟ اسی طرح عصر کی فرض نماز کے بعد غروب تک نفل نماز پڑھنا مکروہ کیوں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اصل علت اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان اوقات میں نوافل پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور طلوع صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیان نفل نماز نہ پڑھنے کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تشبہ بالمجوس قرار دی ہے۔

عن حفصة - رضي الله عنها - قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلع الفجر لا يصلي إلا ركعتين خفيفتين. (مسلم شريف، الصلاة، باب استحباب ركعتي ستة الفجر والحث عليها الخ ۱/ ۲۵۰، بيت الأفكار، رقم:)

قد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم نهيا عاما عن الصلاة عند طلوع الشمس، وعند غروبها، ونصف النهار، وبعد الصبح حتى تطلع الشمس. (طحاوي شريف، باب الصلاة للطواف بعد الصبح وبعد العصر ۱/ ۴۲۱)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وعن الصلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس. (بخاري شريف، المواقيت، الصلاة قبل غروب الشمس ۱/ ۸۲، رقم: ۵۸۰، ف: ۵۸۸، مسلم، كتاب الصلاة، الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها ۱/ ۲۷۵، بيت الأفكار، رقم: ۸۲۵)

وروی أربع قبل العصر وست بعد الفجر، ولم یسن بعد الفجر؛ لأن السنة فیها الجلوس فی موضع الصلاة الاشراق، فحصل المقصود؛ ولأن الصلاة بعده تفتح باب المشابهة بالمجوس، ولا بعد العصر للمشابهة المذكورة. (حجة الله البالغة ۲/ ۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

طلوع شمس سے قبل فجر کی سنت کی قضاء

سوال [۱۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید فجر کی نماز میں اس وقت شامل ہوا کہ امام آخری رکعت کے رکوع میں تھا، زید نے سنت نہیں پڑھی اور امام کے ساتھ شامل ہو گیا، اب اپنی فرض نماز پوری کر کے سنت پڑھ سکتا ہے یا سورج نکلنے کے بعد پڑھے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سورج نکلنے سے قبل سنت پڑھنا جائز نہیں ہے، بعد میں پڑھ سکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/۶۷۷)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي، كتاب الصلوة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، طبع هندي ۱/ ۹۶، دار السلام، رقم: ۴۲۳)

وإن انفردت بالفوات لم تقض عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى؛ لأن موضعها بين الأذان والإقامة، وقد فات ذلك بالفراغ من الفرض، وعند محمد رحمه الله تعالى يقضيها إذا ارتفعت الشمس قبل الزوال. (الميسوط، باب مواقيت الصلوة، مكتبة دار الكتب العلمية، بيروت ۱/ ۱۶۲)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۲۸ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۵/۴/۲۸ھ

(الف فتاویٰ نمبر:/۳۹۸۶)

بعد نماز عصر نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کرنا

سوال [۱۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: نماز عصر کے بعد نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام محمد غفرلہ الصمد، موڈاسا، ضلع ساہیوال، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز عصر کے بعد غروب شمس سے پہلے پہلے نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا / ۱، ۱۲۸، فتاویٰ دارالعلوم زکریا / ۵ / ۳۳۵)

بعد صلوة الفجر، و صلوة العصر لا یکرہ قضاء فائتة ولو و تراؤ

سجدة تلاوة، و صلوة جنازة. (الدرالمختار، کتاب الصلوة، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت، زکریا ۲ / ۳۷، کراچی ۱ / ۳۷۵، ہکذا ہدایہ، کتاب الصلوة، باب المواقیت، أشرفی دیوبند ۱ / ۸۶، البحر الرائق، کتاب الصلوة، زکریا ۱ / ۴۳۷، کوئٹہ ۱ / ۲۵۱، قاضیخان، کتاب الصلوة، باب الأذان، مکتبہ زکریا جدید ۱ / ۴۹، و علی ہامش الہندیة ۱ / ۷۴، کبیری، کتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفیہ دیوبند، ص:

۲۳۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ / ۷ / ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۸۶ / ۲۶)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ / ۷ / ۱۴۱۱ھ

نماز فجر و عصر کے بعد قضاء عمری پڑھنا

سوال [۱۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر اور عصر کی جماعت کی نماز پڑھنے کے بعد قضاء عمری پڑھنا اور اس کو معمول بنالینا کیسا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر اور عصر کی جماعت کی نماز کے بعد قضاء عمری پڑھنا مطلقاً جائز ہے، چاہے کبھی کبھی پڑھتا ہو، یا مسلسل پڑھتا ہو، ہاں البتہ نقلیں پڑھنا ممنوع اور مکروہ ہے۔

عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال: شهد عندي رجال مرضيون وأرضاهم عندي عمر، أن النبي ﷺ نهى عن الصلوة بعد الصبح حتى تشرق الشمس، وبعد العصر حتى تغرب. (صحيح البخاري، باب الصلوة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، طبع هندي ۱/ ۸۲، رقم: ۵۷۳، ف: ۵۸۱)

عن ابي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وعن الصلوة بعد الصبح حتى تطلع الشمس. (صحيح مسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلوة فيها، طبع هندي ۱/ ۲۷۵، بيت الأفكار، رقم: ۸۲۵)

وبعد صلوة فجر و صلوة عصر لا يكره قضاء فائتة ولو وترا. (درمختار

مع الشامی، کتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، کراچی ۱/ ۳۷۵، زکریا ۲/ ۳۷) و وقتان آخران يكره فيهما التطوع، وهما بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس إلا ركعتي الفجر، وما بعد صلاة العصر إلى وقت غروب الشمس، ولا يكره فيهما الفرائض. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۹، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، المجلس العلمي ۲/ ۱۰، رقم: ۱۰۷۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۱/ رجب ۱۴۳۱ھ

۱۴۳۱/۷/۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۴۱/۳۹)

بعد نماز عصر سنن کی قضاء کا حکم

سوال [۱۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز عصر کے بعد سنن کی قضاء کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: غلام محمد موڈاسا، ضلع ساہیوال، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عصر کے بعد سنتوں کی قضا مکروہ ہوتی ہے؛ اس لئے کہ سنتوں کی قضاء وقت کے اندر اندر مشروع ہوتی ہے اور وقت نکلنے کے بعد نفل ہو جاتی ہے۔ اور عصر کے بعد نفل نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا / ۱۲۸)

عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال: شهد عندي رجال مرضيون وأرضاهم عندي عمر، أن النبي ﷺ نهى عن الصلوة بعد الصبح حتى تشرق الشمس، وبعد العصر حتى تغرب. (صحيح البخاري، باب الصلوة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، طبع هندي ۱/ ۸۲، رقم: ۵۷۳، ف: ۵۸۱)

عن ابي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وعن الصلوة بعد الصبح حتى تطلع الشمس. (صحيح مسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلوة فيها، طبع هندي ۱/ ۲۷۵، بيت الأفكار، رقم: ۸۲۵)

قد علم حكم سنة الفجر والظهر والجمعة ولم يبق من النوافل القبليّة إلا سنة العصر، ومن المعلوم أنها لا تقضى لكرهة التنفل بعد صلوة العصر، وكذا سنة العشاء لكن لا تقضى؛ لأنها مندوبة. (شامي، كتاب الصلوة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة، أو افحش؟ زكريا ۲/ ۵۱۴، كراچی ۲/ ۵۹، أو حز المسالك، العمل في جامع الصلوة، قضاء الرواتب، دار القلم قديم ۲/ ۱۷۶،

حاشیة الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، الشرط الخامس، أشرفیہ دیوبند قدیم
۲۴۶، جدید دارالکتاب ۴۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/۷/۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۸۶)

طلوع شمس کے وقت اعلان کا التزام

سوال [۱۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعد نماز فجر بعض لوگ مسجد میں اور بعض عورتیں اور آدمی گھر میں وقت طلوع شمس نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور وقت معلوم نہیں کرتے، ان تمام کی سہولت اور آسانی کے لئے مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ان تمام کو مطلع کرنے کے لئے یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اب آپ حضرات نماز نہ پڑھیں، بعد طلوع شمس نماز قضا کر لیں، شریعت کی رو سے یہ اعلان جائز ہے یا نہیں؟ واضح طور پر مطلع فرمائیں، بینواتوجروا

المستفتی: محمد اسحاق متولی مسجد عزیزہ والی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح اعلانات فی نفسہ ”الأمور بمقاصدہا“ کے تحت جائز ہیں؛ لیکن پابندی اور لازم سمجھ لینا اور کر لینا غلط ہے، خیر القرون اور اس کے بعد عرب و عجم میں بہت سے جہلا اور نو مسلم موجود تھے، مگر ایسے اعلانات ثابت نہیں، اگر ہوتے تو فقہاء ضرور اس کی تصریح کرتے، بلا ضرورت یہ طریقہ جاری رکھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ یہ طریقہ کسی زمانہ میں سنت یا واجب سمجھا جانے لگے؛ اس لئے ترک ہی اولیٰ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/۲۳۵، جدید زکریا ۵/۱۹۹)

وفي الفتاوى العتايية: سئل شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم

لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاویٰ التاتارخانیة، كتاب الصلوة، الفصل الأول
في المواقيت ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸)

ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل،
فيستل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمنعون من ذلك؛ لأنهم
يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الفقه الإسلامي
وأدلتها، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مكتبة الهدى انتر نیشنل ديوبند ۱/ ۵۸۱،
۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۳/۴۳۱)

فجر کے بعد طلوع آفتاب کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: فجر کے بعد طلوع آفتاب کے وقت یہ اعلان کرنا کہ نماز کا وقت ختم ہو گیا ہے، اب نماز
پڑھنے سے رک جاؤ، ۲۰ منٹ بعد قضا نماز ادا کریں، یہ اعلان شریعت کے مطابق کیسا ہے؟
درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احقر محمد علیم الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آفتاب طلوع ہوتے وقت، اس طرح اعلان کرنا کہ اب
نماز کا ادا وقت ختم ہو گیا، ۲۰ منٹ بعد قضا نماز ادا کریں، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی
ایسا کرنے والا ثواب کا مستحق ہو سکتا ہے۔ فقہی جزئیات سے اس طرح کے اعلانات کی
ممانعت ثابت ہے؛ لہذا اس کا ترک کرنا لازم اور ضروری ہے۔

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر

عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلاً. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوثه ۱ / ۲۵۱، زكريا ۱ / ۴۳۷)

وكرهه تحريماً أصلاً مطلقاً مع شروق إلا العوام فلا يمتنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك كما في القنية. (الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب تشتط العلم بدخول الوقت كراچی ۱ / ۳۷۱، زكريا ۲ / ۳۰-۳۱) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۱۵ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۳/۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۰۳)

طلوع شمس کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلوع شمس کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: اسرار احمد نجیب آباد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلوع شمس کا اعلان دو در نبوت، دو صحابہ اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں، جب کہ اس زمانہ میں گھڑی وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ ضرورت تھی اور اس زمانہ میں گھر گھر گھڑیاں موجود ہیں، نیز دوسرے آلات بھی کثرت سے ہیں، اس کے باوجود دو راول کے مقابلہ میں اب کے زمانہ میں ضرورت زیادہ ہو یہ بات نہایت غیر معقول ہے۔

وفي الفتاوى العتابية: سئل شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالي عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم

لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الأول
فی المواقی، زکریا ۲/۱۵، رقم: ۱۵۱۸)

و کرہ تحریمًا أصلاً مطلقاً مع شروق إلا العوام، فلا یمنعون من
فعلها؛ لأنهم یتروکونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من التروک كما فی
القنیة. (الدرالمختار مع الرد المختار، کتاب الصلوة، مطلب تشتت العلم بدخول الوقت

کراچی ۱/۳۷۱، زکریا ۲/۳۰-۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴/۵/۱۴۱۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۴۳)

نماز فجر کی قضا اور طلوع شمس کا اعلان

سوال [۱۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: صبح کو فجر کی نماز کے قضا کا اعلان اور سورج طلوع ہونے کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد نبی قاسمی امام مسجد پکھا والا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دور نبوت، دور صحابہ اور ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کا یہ
دستور نہیں رہا کہ سورج طلوع ہونے کا اور فجر کی نماز کے قضا کا اعلان کیا جائے۔ اور اس زمانہ
میں گھڑی کا وجود بھی نہیں تھا؛ اس لئے آج کے دور کے مقابلہ میں اس زمانہ میں اعلان کی
زیادہ ضرورت تھی، اس کے باوجود اعلان نہیں ہوتا تھا۔ اور آج کے زمانہ میں جو اعلان ہوتا
ہے وہ حدیث و فقہ سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ سورج نکلنے وقت کسی کو نماز پڑھتے ہوئے
دیکھا جائے تو اس کو توجہ دلانے کی گنجائش ہے، مگر عام اعلان ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ

محمود قادیان، ۲۲/۱، جدید ڈائجسٹ ۱۵/۳۱)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلاً. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئته ۱ / ۲۵۱، زكريا ۱ / ۴۳۷)

ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل، فيبطل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمتنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مطبوعه ديوبند ۱ / ۵۸۱، ۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۸/۳

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ شعبان ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۲۴)

مسجد کے مانگ سے نماز فجر کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے نماز فجر کا وقت ختم ہونے کا اعلان کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اعلان نہ ہونے کی صورت میں دیکھنے میں آتا ہے کہ ختم ہونے کے باوجود معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اکثر عورتیں ممنوع وقت میں نماز پڑھتی رہتی ہیں۔

المستفتی: عبدالوحید مؤذن مسجد، نجران قصبہ سائین پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سورج نکلنے کے وقت لاؤڈ اسپیکر وغیرہ میں اس طرح کے اعلان کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے کہ اس وقت سورج نکل رہا ہے، اس وقت نماز نہ پڑھی جائے، اتنی دیر کے بعد نماز پڑھی جائے، اس طرح کا اعلان شریعت سے ثابت نہیں۔ اور دور

اول میں گھر گھر میں گھڑیاں نہیں تھیں، اس زمانہ میں لوگوں کو وقت کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اور آج کے دور میں گھر گھر میں گھڑی ہونے کے ساتھ اکثر افراد کے ہاتھوں میں بھی گھڑی ہے اور کیلنڈروں اور جنتریوں کا بھی عام رواج ہے۔ اور دور اول میں اس طرح کے وسائل نہیں تھے، اس کے باوجود اعلان کا سلسلہ جاری نہیں رہا ہے، پھر آج کے دور میں وسائل کے باوجود اس طرح کے اعلان کی بات مقتضائے شریعت کے خلاف ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے صراحت کے ساتھ اس طرح کے اعلانات سے منع فرمایا ہے، فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

سئل عن شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئثه ۱/ ۲۵۱، زكريا ۱/ ۴۳۷، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰، ۳۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ھ ۱۴۲۸/۳/۲۸

(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۴۰/۳۸)

مسجد میں طلوع شمس کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کیا مسجدوں میں یہ اعلان درست ہے کہ فجر کی نماز کا وقت ختم ہو چکا ہے، اب سے بیس منٹ بعد نماز پڑھیں، عام طور پر فجر کے بعد یہ اعلان مسجدوں میں ہوتا ہے۔

المستفتی: عبدالسلام سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجدوں میں فجر کی نماز کے بعد نماز کے وقت کے ختم ہونے کا اعلان کرنا نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفائے راشدین سے اس کا ثبوت ملتا ہے، نیز دوران اول میں وقت معلوم کرنے کے لئے ذرائع نہیں تھے، اس کے باوجود دوران اول میں اعلان نہیں کیا جاتا تھا اور آج کے دور میں گھر گھر میں گھڑی اور وقت معلوم کرنے کے ذرائع موجود ہیں؛ اس لئے اس دور میں اس اعلان کی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

و کرہ تحریمًا أصلاً مطلقاً مع شروق إلا العوام فلا یمنعون من فعلها؛ لأنہم یترونہا، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترتک. (الدر المختار مع الرد المحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب تشتت العلم بدخول الوقت کراچی ۱/ ۳۷۱، زکریا ۲/ ۳۰-۳۱)

ولا یصح أداء فجر الیوم عند الشروق، لوجوبہ فی وقت کامل، فیسطل فی وقت الفساد، إلا العوام، فلا یمنعون من ذلك؛ لأنہم یترونہا، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترتک. (الفقہ الإسلامی وأدلته، کتاب الصلوۃ، الأوقات المکروہة، مکتبہ الہدی انٹرنیشنل دیوبند ۱/ ۵۸۱، ۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۹/۱۲/۱ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱-۹۷)

کیا طلوع آفتاب کا اعلان کرنا کارِ ثواب ہے؟

سوال [۱۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں نماز فجر کے بعد جب نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے، تو ایک صاحب مسجد کے مانگ سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ”محترم حضرات! آفتاب طلوع ہو رہا ہے، نماز فجر کا ادا وقت ختم ہوا، اب سے بیس منٹ کے بعد قضاء نماز ادا کریں“۔ اور جو شخص اعلان کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں لوگوں کو نماز کے وقت سے آگاہ کر رہا ہوں اور یہ ثواب کا کام ہے۔

(۱) کیا یہ اعلان کرنا درست ہے؟ (۲) اعلان کیا جائے یا نہیں؟ (۳) اعلان کرنے والا شخص ثواب کا مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشاد دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آفتاب طلوع ہوتے وقت اس طرح اعلان کرنا کہ ”اب نماز کا ادا وقت ختم ہوا، ۲۰ منٹ کے بعد قضا نماز ادا کریں“ شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی ایسا کرنے والا ثواب کا مستحق ہو سکتا ہے۔ فقہی جزئیات سے اسی طرح کے اعلانات کی ممانعت ثابت ہے؛ لہذا اس کا ترک کرنا لازم اور ضروری ہے۔

سئل عن شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في

المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸)

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (البحر

الرائق، کتاب الصلوٰۃ، کوئٹہ ۲۰۱۱ء، زکریا ۱/ ۴۳۷ء، درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ، مطلب یشترط العلم بدخول الوقت، کراچی ۱/ ۳۷۱ء، زکریا ۲/ ۳۰، ۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۱۶)

مساجد میں فجر کی نماز کا وقت ختم ہونے کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عام طور پر یہ رواج ہے کہ فجر کی نماز کے بعد نماز کا ٹائم ختم ہونے کا مساجد میں اعلان کیا جاتا ہے، یہ اعلان کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر ٹائم ختم ہو جائے اور کوئی نماز میں مشغول ہو، تو کیا اس کو نماز سے درمیان نماز ہی روک دینا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: محمد زاہد قاسمی، امام مسجد فردوس ابوالفضل اوکھلا، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سورج نکلنے اور وقت ختم ہونے کا اعلان دور صحابہ سے لے کر سیکڑوں سال تک سلف اور خلف سے ثابت نہیں ہے، حالانکہ اس زمانہ میں گھڑی نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت زیادہ تھی۔ اور آج کل کے زمانہ میں گھر گھر گھڑی ہے، پھر اس اعلان کی پابندی کرنا شریعت کے مقتضاء کے خلاف ہے؛ اس لئے فقہاء امت نے اس کو مشروع نہیں سمجھا؛ لہذا اس عمل کو ترک کر دینا چاہئے، اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے، اثناء صلاۃ اعلان ہو جائے تو نماز نہ توڑے؛ بلکہ پوری کر کے سلام پھر دے۔

سئل عن شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالى عادتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم لو منعوا لا

یصلون بعد ذلك. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الأول فی المواقی، زکریا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸)

وفي القنیه: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلاً. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئته ۱/ ۲۵۱، زکریا ۱/ ۴۳۷، درمختار مع الشامی، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ۱/ ۳۷۱، زکریا ۲/ ۳۰، ۳۱) وكره تحريماً أصلاً مطلقاً مع شروق إلا العوام فلا يمنعون من فعلها؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الدرالمختار مع الرد المحتار، كتاب الصلوة، مطلب تشترط العلم بدخول الوقت كراچی ۱/ ۳۷۱، زکریا ۲/ ۳۰-۳۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۱۴۲۳ھ

طلوع آفتاب کا اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طلوع آفتاب کے وقت بعض لوگ اعلان کرتے ہیں کہ نماز کا وقت ختم ہو گیا، اب بیس منٹ بعد نماز پڑھیں، کیا سلف صالحین میں اس کا دستور تھا؟ اور کیا آج کل اس طرح اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد الطاف الرحمن، شریف نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلوع آفتاب کے وقت کا یہ اعلان سلف سے ثابت نہیں

ہے؛ لہذا اس کو ترک کرنا چاہئے، نیز یہ بات کتب فقہ میں موجود ہے کہ عامی آدمی اگر طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھتا ہے، تو اس کو نہ روکا جائے۔

وفي القنينة: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلاً.
(البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئنه ۱ / ۲۵۱، زكريا ۱ / ۴۳۷، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ۱ / ۳۷۱، زكريا ۲ / ۳۰، ۳۱، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مطبوعه ديوبند ۱ / ۵۸۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ / ۴۵۹۱)

طلوع شمس کا مانگ سے اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صبح کو فجر کے وقت کے ختم پر اور وقت مکروہ کے ختم پر اعلان کرنا اور سارن بجا کر لوگوں کو نماز کے وقت کے ختم کی اطلاع کرنا کیسا ہے؟ اگر درست ہے، تو فجر ہی کے وقت میں کیا خصوصیت ہے؟ اور اگر درست نہیں ہے، تو اس کے بعد بھی اعلان یا سارن بجایا جائے تو بجانے والا کتہہ گار ہو گا یا نہیں؟

المستفتی: ذمہ داران مسجد چاند والی گلشہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلوع آفتاب کے وقت فجر کا وقت ختم ہونے پر اعلان کرنا سلف سے ثابت نہیں ہے؛ لہذا اس طرح اعلان اور سارن نہ بجایا جائے، نیز کتب فقہ میں یہ بات موجود ہے کہ اگر عامی آدمی طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھیں تو ان کو نماز سے نہ روکا جائے؛ اس لئے کہ اگر ایسے لوگوں کو منع کیا جائے گا تو وہ سرے سے نماز ہی چھوڑ دیں گے۔

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلاً. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوثته ۱ / ۲۵۱، زكريا ۱ / ۴۳۷، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ۱ / ۳۷۱، زكريا ۲ / ۳۰، ۳۱، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مطبوعه ديوبند ۱ / ۵۸۱) ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل، فيسطل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمتنعون من ذلك؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مكتبة الهدى انتر نيشنل ديوبند ۱ / ۵۸۱، ۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۲۵۴)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۲۶/۱۴۱۷ھ

طلوع شمس کا ماتک سے اعلان کرنا

سوال [۱۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلوع شمس کے وقت ایک مسجد سے اعلان کیا جاتا ہے کہ سورج نکلنا شروع ہو گیا ہے؛ لہذا کوئی صاحب بھی نماز پڑھنے کی کوشش نہ کریں، طلوع شمس کے وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اس طرح کا اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عقیل ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلوع آفتاب کے وقت، اس طرح اعلان کرنا شرعاً

ثابت نہیں ہے؛ بلکہ عبارات فقہیہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعلان کرنا ہی نہیں چاہئے؛ اس لئے کہ اگر اس وقت کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوگا، تو اس اعلان کی وجہ سے وہ اپنی نماز توڑ دے گا اور یہ بھی اندیشہ لگا رہتا ہے کہ بعد میں وہ کبھی قضا بھی نہیں کرے گا، جب کہ ایسی صورت میں طلوع شمس کے وقت نماز کو مکمل کر لینا نہ پڑھنے سے بہر حال بہتر ہے، نیز اس طرح کے اعلان سے اس بدظنی کا اظہار بھی ہوگا کہ سارا معاشرہ قضاے صلوة کا عادی ہے۔ اور اس طرح کا معمول بنالینا التزام مالا یلزم کی رو سے بھی غلط ہے۔

وفي القنية: كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً ظاهراً، ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلاً. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، كوئثہ ۱ / ۲۵۱، زکریا ۱ / ۴۳۷، درمختار مع الشامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، کراچی ۱ / ۳۷۱، زکریا ۲ / ۳۰، ۳۱، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مطبوعه ديوبند ۱ / ۵۸۱)

ولا يصح أداء فجر اليوم عند الشروق، لوجوبه في وقت كامل، فيسطل في وقت الفساد، إلا العوام، فلا يمتنعون من ذلك؛ لأنهم يتركونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلوة، الأوقات المكروهة، مكتبة الهدى انتر نیشنل ديوبند ۱ / ۵۸۱، فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷ھ / ۷ / ۷

۱۴۱۷ھ / ۷ / ۷

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ / ۲۹۴۱)

اختتام فجر کے وقت طلوع شمس کے اعلان کا التزام

سوال [۱۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

کہ اختتام فجر کے بعد تقریباً ۲۰ منٹ جو وقت مکروہ ہے، اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن اختتام وقت فجر کے بعد بعض مساجد میں دستور ہے کہ باضابطہ اعلان کیا جاتا ہے، فجر کا وقت ختم ہو چکا ہے، اب سے ۲۰ منٹ کے بعد نماز پڑھی جائے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیے؛ چونکہ مستورات نماز کا اہتمام کرتی ہیں، انہیں وقت فجر کے ختم کا علم ہو جاتا ہے اور بعض ان پڑھ قسم کے لوگ سادہ لوح شخص نماز فجر ادا کرنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ وقت فجر ختم ہو چکا ہوتا ہے، انہیں بھی علم ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ عام مصلیٰ کو نماز اشراق قضا نماز پڑھنے میں سہولت ہو جاتی ہے، کیا جواز میں یہ جملہ امور صحیح ہیں؟ بینوا تو جروا۔ والسلام

المستفتی: حافظ حکمت اللہ سرانے شیخ محمود، مراد آباد

مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۸۷ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح اعلانات فی نفسہ ”الأمور بمقاصدھا“ کے تحت جائز ہیں؛ لیکن پابندی اور ضروری سمجھنا غلط ہے، خیر القرون اور اس کے بعد عرب و عجم میں بہت سے جہلا اور نو مسلم موجود تھے، مگر ایسے اعلانات ثابت نہیں، اگر ہوتے تو فقہاء اس کی تصریح ضرور کرتے، بلا ضرورت یہ طریقہ جاری رکھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ یہ طریقہ کسی زمانہ میں سنت یا واجب سمجھا جانے لگے؛ اس لئے ترک ہی اولیٰ ہے؟

وفي الفتاوى العتائية: سئل شمس الأئمة الحلواني عن قوم كسالي عاداتهم الصلوة وقت طلوع الشمس: أيمنعون عن ذلك؟ قال: لا، لأنهم لو منعوا لا يصلون بعد ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۸، وھكذا في شامي، كتاب الصلوة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچی ۱/ ۳۷۱، زكريا ۲/ ۳۰-۳۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۳/۲۳۳)

۲ / باب الأذان اذان دینے کی فضیلت

سوال [۱۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان دینے والے مؤذن کی فضیلت کیا ہے؟ قیامت کے دن اللہ کے یہاں اس کا کیا مقام ہوگا؟ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی ارشاد ہو تو کتابوں کے حوالہ سے جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: احادیث میں مؤذن کی فضیلت کے سلسلے میں بہت ساری روایتیں وارد ہیں، چنانچہ صحیح سند کے ساتھ روایت میں ہے کہ جہاں تک مؤذن کی اذان کی آواز پہنچتی ہے، وہاں تک کی وہ تمام چیزیں جو اس کی اذان سنتی ہیں سب اس کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ثواب کی امید رکھتے ہوئے سات سال تک اذان دے تو اس کے لئے جہنم سے خلاصی لکھ دی جاتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ٹیلے پر ہوں گے، جسے دیکھ کر تمام اولین و آخرین رشک کریں گے، ایک ایسا غلام جو اللہ اور اپنے آقا کے حقوق ادا کرتا ہو، دوسرے وہ امام جس سے ان کے مقتدی راضی ہوں، تیسرے وہ مؤذن جو پانچوں وقت کی اذان دیتا ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤذن کی گردن کو تمام مخلوق سے بلند فرمادیں گے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤذن کو قیامت کے دن بہت اونچا مقام عطا کریں گے۔ اور ایک روایت میں حضور ﷺ نے خاص طور پر مؤذن کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔ روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن عمر - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله

علیہ وسلم: المؤذن یغفر له مد صوته، ویستغفر له کل رطب ویابس.

(المعجم الكبير للطبراني، دار احیاء التراث العربی ۲ / ۳۰۴، رقم: ۱۳۶۹)

عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: من أذن

محتسبا سبع سنين كتبت له براءة من النار. (ترمذي شريف، الصلاة، باب ماجاء

في فضل الأذان، النسخة الهندية ۱ / ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۰۶)

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: ثلاثة على كعبان

المسك يوم القيامة رجل أم قوما وهم به راضون، ورجل يؤذن في كل يوم

وليلة خمس صلوات. الخ (مسند أحمد ۲ / ۲۶، رقم: ۴۷۹۹)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة واغفر

للمؤذنين. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن الإيمان ضامن والمؤذن مؤتمن، النسخة

الهندية ۱ / ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۰۷)

عن معاوية - رضي الله عنه - قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه

وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقاً يوم القيامة. (مسلم شريف، الصلاة،

باب فضل الأذان، النسخة الهندية ۱ / ۱۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۳۸/۴۱)

اذان کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟

سوال [۱۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ اذان کی ابتداء کیسے ہوئی اور کس سنہ میں اذان کا سلسلہ شروع ہوا؟ حدیث اور روایت

کے حوالہ سے جواب تحریر فرمائیے۔

المستفتی: مجیب الرحمن میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہجرت کے پہلے سال حضور ﷺ کو اجتماعیت کے ساتھ نماز کی ادائے گی کی فکر ہوئی، تو حضور ﷺ نے اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا تو کسی نے یہ رائے دی کہ اس کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے، کسی نے آگ روشن کرنے اور کسی نے ناقوس بجانے کی رائے دی، تو آپ ﷺ نے ان تمام آراء کو یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ اس میں غیروں کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا، آپ ﷺ اور سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے گھر چلے گئے، تو ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں ایک فرشتے کے ذریعہ اذان کے کلمات سکھلائے گئے، جب صبح ہوئی تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رویہ حق ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا: کہ تمہاری آواز پست ہے بلال کی آواز بلند ہے؛ اس لئے بلال کو یہ الفاظ سکھاؤ۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن محمد بن عبد اللہ بن زید عن أبيه قال: لما أصبحنا أتينا رسول الله ﷺ، فأخبرته بالرؤيا، فقال: إن هذه لرؤيا حق، فقم مع بلال؛ فإنه أندى وأمد صوتا منك، فألق عليه ما قيل لك، وليناد بذلك قال: فلما سمع عمر بن الخطاب نداء بلال بالصلوة خرج إلى رسول الله ﷺ وهو يجزر إزاره، وهو يقول: يا رسول الله! والذي بعثك بالحق، لقد رأيت مثل الذي قال، فقال رسول الله ﷺ: فليله الحمد فذلك أثبت. (ترمذی شریف، کتاب

الصلوة، باب ماجاء في بدء الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۴۸، دار السلام، رقم: ۱۸۹)

عن أبي عمير بن أنس، عن عمومة له من الأنصار، قال: اهتم النبي ﷺ للصلوة كيف يجمع الناس لها؟ فقل له: انصب رأية عند حضور الصلاة، فإذا رأوها أذن بعضهم بعضا، فلم يعجبه ذلك، قال: فذكر له القنع - يعني الشبور، وقال زياد: شبور اليهود - فلم يعجبه ذلك، وقال:

هو من أمر اليهود، قال: فذكر له الناقوس، فقال: هو من أمر النصارى، فانصرف عبد الله بن زيد بن عبد ربه، وهو مهتم لهم رسول الله ﷺ، فأرى الأذان في منامه، قال فغدا على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبره، فقال له: يا رسول الله! إني لبين نائم ويقظان، إذ أتاني آت، فأراني الأذان، قال: وكان عمر بن الخطاب قد رآه قبل ذلك، فكتبه عشرين يوماً، قال: ثم أخبر النبي صلى الله عليه وسلم، فقال له: ما منعك أن تخبرني؟ فقال: سبقني عبد الله بن زيد، فاستحييت، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا بلال! قم فانظر ما يأمرك به عبد الله بن زيد، فافعله، فأذن بلال. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلوة، باب بدء الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، دار السلام، رقم: ۴۹۸)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۴۳/۱۱)

کیا حضور ﷺ نے اذان دی ہے؟

سوال [۱۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اذان دی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کوئی نص موجود ہو تو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: مفتی ابو بکر قاسمی جوگیشوری، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث سے اس بات کی وضاحت ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے بنفس نفیس اپنی زندگی میں خود اذان بھی دی ہے اور خود تکبیر بھی کہی ہے، جیسا کہ صحیح اور مرفوع اور عالی سند کے ساتھ یہ روایت حدیث کی کتاب میں موجود ہے کہ عقبہ بن عامر رضی

اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں موجود تھے، طلوع صبح صادق کے بعد حضور ﷺ نے اذان دی، پھر خود اقامت بھی کہی، پھر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو نماز میں اپنے دائیں جانب کھڑا کر کے معوذتین پڑھیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عقبہ بن عامر الجهني - رضی اللہ عنہ - قال: كنت مع النبي في سفر، فلما طلع الفجر أذن وأقام ثم أقامني عن يمينه، ثم قرأ بالمعوذتين، فلما انصرف، قال: كيف رأيت؟ قلت: قد رأيت يا رسول الله! قال: فاقراً بهما كلما نمت وكلما قمت. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، باب من كان يخفف القراءة في السفر، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۲۵۴، رقم: ۳۷۰۸، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب فضائل اقرآن في المعوذتين، مؤسسة علوم القرآن ۱۵/ ۵۳۷، رقم: ۳۰۸۳۷ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۱۷ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۳۷)

اذان کے بعد دعا کی فضیلت

سوال [۱۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا حدیث شریف میں اذان کے بعد دعا کی فضیلت ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے، تو کس طرح کی فضیلت ہے؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: نسیم مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث کی کتابوں میں اذان کے بعد دعا کی فضیلت ثابت ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اذان کے بعد: ”اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة آت محمدن الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاماً محموداً“

الذي وعدته“ یہ دعا پڑھے گا تو قیامت کے دن اس کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت واجب ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اذان کے بعد یہ کلمات کہے: ”أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد رسولاً“ تو اس کے سارے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن جابر بن عبد الله - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: من قال حين يسمع النداء: ”اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلوة القائمة، آت محمد الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته“ إلا حلت له الشفاعة يوم القيامة. (ترمذي، كتاب الصلوة، باب ما يقول إذا أذن المؤذن من الدعاء؟ النسخة الهندية ۱ / ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۱۱، أبو داؤد، الصلاة، باب الدعاء عند الأذان، النسخة الهندية ۱ / ۷۸، دارالسلام، رقم: ۵۲۹، نسائي شريف، الصلاة، الدعاء عند الأذان، النسخة الهندية ۱ / ۷۹، دارالسلام، رقم: ۶۸۰، مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمع، ثم يصل على النبي ﷺ، ثم يسأل له الوسيلة، النسخة الهندية ۱ / ۱۶۶، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۴، صحيح البخاري، باب الدعاء عند النداء، النسخة الهندية ۱ / ۸۶، رقم: ۶۰۶، ف: ۶۱۴)

عن سعد بن أبي وقاص - رضي الله عنه - عن رسول الله ﷺ قال: من قال حين يسمع المؤذن: ”وأنا أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد رسولاً“ غفر الله له ذنوبه. (ترمذي، الصلاة، باب ما يقول إذا أذن المؤذن من الدعاء؟ النسخة الهندية ۱ / ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۱۰، مسلم شريف، الصلاة، استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمع، ثم يصل على النبي ﷺ، ثم يسأل له الوسيلة، النسخة الهندية ۱ / ۱۶۷، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۶، نسائي شريف، الصلاة، الدعاء عند الأذان، النسخة

الہندیہ ۱ / ۷۹، دارالسلام، رقم: ۶۷۹، أبو داؤد، الصلاة، باب الدعاء عند الأذان، النسخة
الہندیہ ۱ / ۷۸، دارالسلام، رقم: ۵۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ المحرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۴۲/۴۱)

کیا شہر کی ایک مسجد کی اذان کی آواز ریڈیو کے ذریعہ دوسری مسجدوں کے لئے کافی ہے؟

سوال [۱۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابو ذہبی وغیرہ شہروں میں یہ معمول ہو گیا ہے کہ شہر کی بڑی مسجد میں اذان دی جاتی ہے اور شہر کی دیگر تمام مسجدوں میں بیک وقت ریڈیو کے ذریعہ اس اذان کی آواز مانگ کے ہارنوں سے اسی طرح سنائی دیتی ہے، جس طرح مؤذن کے اذان دینے سے سنائی دیتی ہے، تو کیا اس طرح مؤذن ایک مسجد میں اذان دے اور دوسری مسجدوں کے مانگوں سے بذریعہ ریڈیو اذان کی آواز سنائی دے، تو دوسری مسجدوں سے اذان کی ذمہ داری ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟ کیوں کہ ان ممالک کے پورے شہر میں بیک وقت نماز ہوتی ہے۔

المستفتی: مفتی محمد ارباب شمشی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اس طرح شہر کی ایک مسجد کے مؤذن کی اذان کی آواز دوسری مسجدوں کے مانگوں میں بذریعہ ریڈیو بیک وقت پہنچ جاتی ہے۔ اور اس سے ایسا لگتا ہے کہ ہر مسجد میں اذان ہو رہی ہے، تو اس سے بعض فقہاء کی جزئیات سے پوری آبادی پر سے سنت مؤکدہ علی الکفایہ کی ذمہ داری ساقط ہو جانے کی بات سمجھ میں آتی ہے، مگر یہ متواتر اور مستحب طریقہ کے خلاف ہے، متواتر و مستحب اور افضل طریقہ یہی ہے کہ ہر مسجد کے لئے الگ الگ مؤذن کے ذریعہ مستقل طور پر اذان دی جائے۔ اور ”بدائع“ میں

اس بات کی صراحت موجود ہے کہ محلّہ کی اذان محلّہ میں جو تنہا تنہا نماز پڑھنے والے ہیں، ان کے لئے کافی ہو جائے گی؛ لیکن جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کے لئے کافی نہیں ہوگی؛ بلکہ ان کے لئے الگ اذان دینا مسنون ہے۔

روی أبو مالک عن أبي يوسف، عن أبي حنيفة في قوم صلوا في المصر في منزل، أو في مسجد منزل، فأخبروا بأذان الناس، وإقامتهم أجزأهم، وقد أسأوا وابتتر كهما فقد فرق بين الجماعة والواحد؛ لأن أذان الحي يكون أذانا للأفراد، ولا يكون أذانا للجماعة. (بدائع، الصلاة، بيان محل وجوب الأذان، زكريا ۱/۳۷۸)

الأذان والإقامة عند الجمهور غير الحنابلة، ومنهم الخرقى الحنبلي سنة مؤكدة للرجال جماعة في كل مسجد للصلوات الخمس والجمعة، دون غيرها. (الفتحة الإسلامي وأدلتها، الصلاة، حكم الأذان، هدى انترنیشنل دیوبند ۱/۵۹۴)

وفي البدائع: وعامة مشايخنا قالوا: الأذان والإقامة سنتان مؤكدتان لما روى أبو يوسف عن أبي حنيفة أنه قال في قوم صلوا في المصر جماعة بغير أذان وإقامة: أنهم أخطأوا السنة، وسماه سنة، والقولان متقاربان؛ لأن السنة المؤكدة بمنزلة الواجب في الإثم، وإنما يقاقل على تركه؛ لأنه من شعائر الإسلام وخصائص الدين، قال قاضي خان: من سنن الصلاة بالجماعة، وإنهما من الشعائر حتى لو اجتمع أهل مصر أو قرية، أو محلة على تركهما أخبرهم الإمام، فإن لم يفعلوا قاتلهم، ولم يحك خلافاً.

(البنية، الصلاة، باب الأذان، مكتبة أشرفيه ۲/۷۷)

وإذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنين واحد، لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن كما يجوز لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين، فلهم أن

يجعلوا المسجدين واحدا لإقامة الجماعات . (البحر الرائق، الصلاة، باب ما يفسد

الصلاة وما يكره؟ زكريا ۲/ ۶۲، كوئثه ۲/ ۳۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ العلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۷ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

(الف توئی نمبر: ۱۱۹۲۶/۴۱)

مؤذن متبع شریعت ہو

سوال [۱۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اذان دینے سے متعلق مساجدوں میں جو نمازی ہیں، ان میں دو قسم کے احباب ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جو تبع سنت ہیں، یعنی چہرہ پر داڑھی ہے، سر پر بال سنت کے مطابق اور لباس بھی سنت کے مطابق، ایک قسم وہ ہے کہ جن کے چہرہ پر داڑھی نہیں، سر پر بال انگریزی لباس ان کا کبھی شلوار قمیص، کبھی پتلون پینٹ ٹخنے ہر وقت ڈھکے ہوئے، اب دوسری قسم کے احباب میں سے بعض ساتھی اذان دینے کے شوقین ہیں، اب زید کا کہنا ہے کہ جب اذان دینے کے وقت متبع سنت لوگ مسجد میں موجود ہیں تو یہ غیر متبع سنت لوگ اذان کیوں دیں؟ اذان کوئی شوق کی چیز نہیں ہے، اذان دعوت نامہ ہے؛ اس لئے یہ غیر متبع سنت لوگ اذان نہ دیں؛ بلکہ متبع سنت حضرات میں سے کوئی دے تو اس سے متعلق مسئلہ دریافت طلب ہے کہ آیا زید کا کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ اور شرعی فیصلہ اس میں علماء کرام کا کیا ہے؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسحاق بے پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان واقامت کی خدمت انجام دینے والا باشرع، متبع سنت ہونا چاہئے؛ لہذا باشرع آدمی ہوتے ہوئے داڑھی منڈے شخص کا اذان دینا تکبیر کہنا مکروہ ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم أقرأكم. (سنن ابن ماجه، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين، النسخة الهندية، ص: ۵۳، دارالسلام، رقم: ۷۲۶، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱۱ / ۲۳۷، رقم: ۱۱۶۰۳، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۱ / ۴۸۷، رقم: ۱۸۷۲، ۲ / ۳۹۸، رقم: ۳۸۴۷)

ومنها: أن يكون عالما بالسنة، لقوله صلى الله عليه وسلم: يؤمكم أقرؤكم، ويؤذن لكم خياركم، وخيار الناس العلماء. (بدائع الصنائع، فصل في ما يرجع إلى صفات المؤذن، دارالكتب العلمية بيروت ۱ / ۶۴۴، زكريا ۱ / ۳۷۳، كراچی ۱ / ۱۵۰)

ويكره إقامة المحدث وأذانه (إلى قوله) وأذان فاسق؛ لأن خبره لا يقبل في الديانات، وهو الخارج عن أمر الشرع بارتكاب كبيرة. (حاشية الطحطاوي على المراقي قديم / ۱۰۸، دارالكتاب ديوبند ۱۹۹)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ رذیقعدہ ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳ / ۵۹۲۷)

مؤذن کسے بنایا جائے؟

سوال [۱۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو شخص حرام کاری کرواتا ہو، جھوٹ بولتا ہو، غیبت کرتا ہو اور غسل اور وضو کے آداب نہ جانتا ہو، جو نماز پڑھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتا ہو، کیا ایسا شخص جس کے اندر اتنی خامیاں ہوں، مؤذن بننے کے لائق ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مرغوب احمد سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: متقی، پرہیزگار آدمی کو مؤذن بنانا زیادہ بہتر ہوتا ہے، مسجد

کی انتظامیہ کی ذمہ داری ہے کہ اچھے آدمی کو مؤذن رکھے۔ حدیث شریف میں مؤذن کی بہت فضیلت آئی ہے، مگر اس سے ایسا مؤذن مراد ہے جو گناہ کبیرہ اور برائیوں سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہو۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم أقرأكم. (سنن ابن ماجه، باب فضل الأذان، وثواب المؤذنين، النسخة الهندية، ص: ۵۳، دارالسلام، رقم: ۷۲۶، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱/۲۳۷، رقم: ۱۱۶۰۳، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۱/۴۸۷، رقم: ۱۸۷۲، ۲/۳۹۸، رقم: ۳۸۴۷) قال معاوية -رضي الله عنه-: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقاً يوم القيامة. (صحيح مسلم، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، النسخة الهندية ۱/۱۶۷، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۷، سنن ابن ماجه، باب فضل الأذان و ثواب المؤذنين، النسخة الهندية/ ۵۳، دارالسلام، رقم: ۷۲۵، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۱/۴۸۳، رقم: ۱۸۶۱)

وروى عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو أقسمت لبررت، إن أحب عباد الله إلى الله لرعاة الشمس والقمر، يعني: المؤذنين، وإنهم ليعرفون يوم القيامة بطول أعناقهم. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۳/۳۴۸، رقم: ۴۸۰۸، الترغيب والترهيب ۱/۵۶، رقم: ۳۶۹، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۱۱، رقم: ۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۴ھ/۲۶

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۷۸/۴۰)

اذان دینے کا مستحق کون؟

سوال [۱۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ خلاف شرع مثلاً: داڑھی نہ رکھنے والے کا اذان و تکبیر پڑھنا کیسا ہے؟ ایک آدمی باشرع ہے اور نماز کا پابند ہے؛ لیکن حروف کی ادائے کی صحیح نہیں۔ اور ایک شخص کی حروف کی ادائے کی صحیح ہے؛ لیکن باشرع نہیں ہے، تو ان کا تکبیر و اذان پڑھنا کیسا ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: سعید احمد سیوانی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی کٹانے والے کا اذان و اقامت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، نیز جو شخص صحیح طور پر حروف کی ادائے کی نہ کر سکے، تو انہیں بگڑے الفاظ کے ساتھ اس کا اذان یا تکبیر کہنا بھی درست نہیں؛ بلکہ جو شخص باشرع ہو اور حروف کی ادائے کی صحیح طور پر کر سکتا ہو، اسی کو اذان و اقامت کہنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۲/۱۰۰، احسن الفتاویٰ زکریا ۲/۲۸۷)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم أقرأكم. (أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة، طبع هندي ۱/۸۷، دارالسلام، رقم: ۵۹۰)

وإنما يستحق ثواب المؤذنين إذا كان عالماً بالسنة، أي سنة الأذان. (شامی، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب في أذانه زكريا ۲/۵۹، کراچی ۱/۳۹۲)

وظهر من هذا أن التلحين إخراج الحروف عما يجوز له في الأداء. (کبیری، باب الأذان، أشرفيه ديوبند/ ۳۷۴، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان زكريا ۱/۴۴۶، کوئٹہ ۱/۲۵۶)

وينبغي أن يكون المؤذن: رجلاً، عاقلاً، صالحاً، تقياً، عالماً بالسنة، مواظباً على ذلك. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، جديد زكريا ۲/۱۴۴، رقم: ۱۹۷۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ رجب ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۵۴۵)

کیا بے وقت اذان دینے والے ضعیف مؤذن کو معزول کر سکتے ہیں؟

سوال [۱۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن صاحب ضعیف ہیں، اذان و اقامت میں حروف و قواعد کی صحیح ادائے گی نہیں ہوتی، تجوید تو ہے ہی نہیں اور بسا اوقات بے وقت اذان بھی دے دیا کرتے ہیں، بعض حضرات کمیٹی مسجد ہذا سے یہ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ مؤذن صاحب کے بجائے ایک اچھے حافظ صاحب کو رکھ لو جو تجوید سے اذان و اقامت بھی دے سکتا ہو، جسے موٹے موٹے مسائل بھی معلوم رہتے ہوں، وقت کا صحیح علم بھی رہتا ہو اور امام صاحب کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھا سکتا ہو، اگر کمیٹی والے اس مؤذن کو نہیں بدلتے ہیں، تو اذان و اقامت کے غلط ہونے کی وجہ سے سارے محلہ والے بالخصوص احباب کمیٹی گنہگار ہو رہے ہیں، تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن موجودہ کو ہٹا کر ایک مجدد حافظ کو رکھ لینا چاہئے یا نہیں؟ نیز اس طرح بغیر تجوید کے اذان و اقامت ہوتی رہی تو اہل محلہ اور کمیٹی والے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ نیز شرعی مؤذن کیسا ہونا چاہئے؟

المستفتی: عبدالرشید خان، منزل عادل آباد، آندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مؤذن صاحب ایسے ضعیف ہو چکے ہیں کہ بسا اوقات بے وقت اذان دیا کرتے ہیں، جس سے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے، تو مسجد کمیٹی اپنے مشورہ سے دوسرا مؤذن منتخب کر سکتی ہے، اس کا اختیار کمیٹی والوں کو حاصل ہے۔

عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: لا ضرر

ولا ضرار. (مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۱۳، رقم: ۲۸۶۷، سنن ابن ماجه، باب من بنی

فی حقہ ما یضر بجارہ، النسخة الهندیة ۲/۱۶۹، دارالسلام، رقم: ۲۳۴۰، ۲۳۴۱،

المعجم الأوسط، دارالفکر ۱/۳۰۷، رقم: ۱۰۳۳، المعجم الكبير للطبرانی، داراحیاء

التراث العربي ۲ / ۸۶، رقم: ۱۳۸۷، المستدرک قدیم ۲ / ۶۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز،
جدید ۳ / ۸۸۳، رقم: ۳۳۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۰۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶ / ۲ / ۱۴۳۳ھ

فرد و احد کا اذان و اقامت اور نماز پڑھانا

سوال [۱۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ہمارے یہاں نینی تال میں ایک ہی فرد اذان دیتے ہیں، وہی نماز پڑھاتے ہیں، وہی
تکبیر کہتے ہیں، یہ فعل مذہب کی رو سے کیسا ہے؟

المستفتی: نصر توحید تلی تال، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: امام صاحب کا خود اذان اور تکبیر کہہ دینا اور خود ہی نماز
پڑھا دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے، شرعی طور پر اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔
(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم، زکریا ۱۱۰/۳)

عن عقبۃ بن عامر الجہنی - رضی اللہ عنہ - قال: كنت مع النبي
ﷺ في سفر، فلما طلع الفجر أذن وأقام ثم أقامني عن يمينه، ثم قرأ
بالمعوذتين، فلما انصرف، قال: كيف رأيت؟ قلت: قد رأيت يا رسول الله!
قال: فاقرأ بهما كلما نمت وكلمنا قمت. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلوة،
باب من كان يخفف القراءة في السفر، مؤسسة علوم القرآن ۳ / ۲۵۴، رقم: ۳۷۰۸)

الأفضل كون الإمام هو المؤذن. (درمختار، باب الأذان، مطلب هل يبأشر
النبي ﷺ الأذان بنفسه؟ زکریا ۲ / ۷۱، کراچی ۱ / ۴۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ / صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۵۹/۳۲)

کیا مؤذن کو اذان سن کر نماز پڑھنے والوں کے بقدر ثواب ملتا ہے؟

سوال [۱۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن کے لئے اذان کا کتنا ثواب ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ جتنا ثواب اس کی اذان سن کر نماز پڑھنے والوں کو ملتا ہے، تہا اتنا ثواب مؤذن کو ہوتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: عبداللطیف، عبدالملک، نذر دلیوے اسٹیشن، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ترمذی شریف اور صحیح ابن حبان میں یہ حدیث شریف موجود ہے، ابن حبان نے عنوان: ”ذکر الخیر الدال علی أن المؤذن یکون له كأجر من صلی بأذانه“ کے تحت یہ حدیث شریف نقل کی ہے کہ:

عن أبي مسعود الأنصاري، قال: أتى النبي ﷺ رجل، فقال: يا رسول الله! إنني أبدع بي، فأحملني؟ فقال رسول الله ﷺ: ليس عندي، فقال رجل: أنا أدله على من يحمله، فقال رسول الله ﷺ: من دل على خير فله مثل أجر فاعله. (صحيح ابن حبان، دار الفکر ۳/ ۶۸، رقم: ۱۶۶۵، ترمذی شریف، أبواب العلم، باب ماجاء أن الدال على الخیر كفاعله، النسخة الهندية ۲/ ۹۵، دار السلام، رقم: ۲۶۷۰)

لہذا ان صاحب کی بات درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۱)

کیا اذان کے لئے مسجد ہونا شرط ہے؟

سوال [۱۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ قصبہ نور پور میں ایک مدرسہ ہے، جو ایسے محلہ میں واقع ہے جہاں کئی مسجدیں ہیں؛ البتہ مدرسہ کے پورب بالکل قریب میں ایک مسجد ہے، نیز مسجد کے کچھ صرف ایک یا دو گھر مسجد و مدرسہ کے درمیان واقع ہیں اور راستہ مدرسہ سے نکل کر سیدھا مسجد تک ہے، ابھی کچھ دنوں پہلے طلباء مدرسہ، مسجدوں میں ہی نماز پڑھا کرتے تھے؛ لیکن کچھ مصلحت کے تحت مدرسہ میں ہی اب طلباء کی جماعت ہونے لگی ہے، جماعت میں بالغ و نابالغ ہر طرح کے طالب علم اور ساتھ میں حضرات اساتذہ کرام بھی شریک رہتے ہیں، تو کیا مدرسہ میں نماز کے لئے جماعت کے لئے اذان پڑھنا ضروری ہوگا یا مساجد کی اذان کافی ہے؟ جب کہ محلہ کی مساجد کی اذان کی آواز کبھی آجاتی ہے، کبھی بالکل نہیں آتی، قرآن و شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد ظفر الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اذان کے لئے مسجد شرط نہیں، جہاں بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے اس کے لئے اذان دینا مسنون ہے؛ لیکن مسجد کی فضیلت مسجد میں ہی پڑھنے سے حاصل ہوگی۔

الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة، كذا في فتاوى قاضى خان،
وقيل: إنه واجب، والصحيح أنه سنة مؤكدة. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثانى
في الأذان، زكريا قديم ۱/۵۳، جديد ۱/۱۱۰)

الأذان من سنن الصلوة، وبعض المتأخرين من مشايخنا رحمهم الله
قالوا: إنه واجب، والصحيح أنه سنة، وعليه عامة المشايخ. (الفتاوى
التاريخية، كتاب الصلوة، الفصل الثانى في الأذان، زكريا ۲/۱۳۵، رقم: ۱۹۵۸)
وعامة مشايخنا قالوا: إنهما سنتان مؤكدتان. (بدائع الصنائع، كتاب

الصلوة، زكريا ۱/۳۶۴، كراچى ۱/۱۴۷)

سنة للفرائض فقط . (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند

۱/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۰/۶۱۲۸)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۷/۲/۱۴۲۰ھ

کیا اذان کے بغیر نماز صحیح ہو جائے گی؟

سوال [۱۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مسجد میں اتفاق سے کسی وقت کی اذان نہ ہو تو کیا مسجد میں اس وقت کی نماز باجماعت پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید مدرسہ شاہی مرد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان مسنون ہے، فرض یا واجب نہیں ہے، بغیر اذان کے مسجد میں نماز کی جماعت صحیح ہو جاتی ہے، مگر مسنون اذان نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگی۔ اور ترک اذان کی عادت ہو جائے، تو ترک واجب کی طرح گناہ ہوگا؛ لیکن جماعت بہر صورت صحیح ہو جاتی ہے۔

وهو سنة للرجال في مكان عال مؤكدة هي كالواجب في لحوق

الإثم للفرائض الخمس في وقتها ولو قضاء؛ لأنه سنة للصلوة. (درمختار،

كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۴۸، كراچی ۱/ ۳۸۴)

الأذان من سنن الصلوة والصحيح أنه سنة، وعليه عامة المشايخ

إلا أنه سنة مؤكدة ثبت ذلك بفعل النبي عليه السلام، وإجماع الصحابة

رضى الله عنهم، ومن بعدهم عليه، وروى أبي حنيفة في قوم صلوا في

مسجد بغير أذان ولا إقامة، أنهم أخطؤا السنة، وفي الولوالجية: أنهم

أسأوا، وروى عن محمد رحمه الله أنه قال: إذا اجتمع أهل البلدة على ترك

الأذان قاتلنا هم. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲ / ۱۳۵، رقم: ۱۹۵۸، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۱ / ۴۴۴، كوئٹہ ۱ / ۲۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۱ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۲ / ۴۳۲۵)

بغیر اذان و تکبیر کے تنہا تنہا نماز ادا کرنا

سوال [۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے، اس میں ۱۹۸۶ء سے ہم لوگ نماز باجماعت ادا کر رہے تھے؛ لیکن ۱۲ مارچ ۲۰۰۴ء کو اس میں اذان اور نماز باجماعت ادا کرنے سے کوتوال اور گاؤں کے غیر مسلموں نے روک دیا ہے اور تنہا تنہا نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا بغیر اذان و تکبیر تنہا تنہا نماز پڑھی جائے یا اذان و تکبیر اور باجماعت نماز پڑھی جائے؟ شریعت اسلامیہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسنون طریقہ کیا ہے، تحریر فرمائیں؟

المستفتی: اہالیان نیم پور، ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت اسلامیہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسنون طریقہ نماز ادا کرنے کا یہی ہے کہ باقاعدہ اذان ہو اور پھر اقامت کے بعد باجماعت نماز پڑھی جائے، یہ ہم مسلمانوں کا پرسنل لاء اور مذہبی معاملہ ہے، اس میں حکومت کے کسی ذمہ دار، کوتوال یا کسی غیر مسلم کو دخل دینے کا ہمارے ہندوستانی قانون کے اعتبار سے بھی کوئی حق نہیں، اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں: کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر صرف دو آدمی بھی ہوں تو اذان و اقامت کے بعد جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کریں۔

عن مالک بن الحویرث، قال: قدمت علی رسول اللہ ﷺ أنا وابن عم لی، فقال لنا: إذا سافرتما فأذنا وأقیما، ولیؤمكما أكبر کما. (ترمذی

شریف، باب ماجاء فی الأذان فی السفر، النسخة الهندیة ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۲۰۵)

عن مالک بن الحویرث، قال: انصرفت من عند النبی ﷺ، فقال

لنا: أنا وصاحب لی: أذنا، وأقیما، ولیؤمكما أكبر کما. (صحیح البخاری، باب

سفر الإثنین، النسخة الهندیة ۱/ ۳۹۹، رقم: ۲۷۶۳، ف: ۲۸۴۸)

عن مالک بن الحویرث، قال: أتیت النبی ﷺ، أنا وصاحب لی:

فلما أردنا الإقفال من عنده، قال لنا: إذا حضرت الصلاة، فأذنا، ثم أقیما،

ولیؤمكما أكبر کما. (صحیح مسلم، الصلوة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندیة

۱/ ۲۳۶، بیت الأفكار، رقم: ۶۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ شعبان ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۵۵/۳)

اذان پنجگانہ اندرون مسجد دی جائے یا باہر؟

سوال [۱۶۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کے اندرونی حصہ میں اذان دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیا خارج مسجد

اذان دینا ضروری ہے؟ مذکورہ مسئلہ کے بارے میں مدلل و مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نظام الدین گورکھپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد خطیب کے سامنے دینا

مسنون اور افضل ہے، اس کے علاوہ دوسری اذانیں بلا عذر اندرون مسجد ممنوع ہیں، یہی حدیث وفقہ اور دور صحابہ سے اب تک تواتر و توارث سے ثابت ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۳/۱۲۶، امداد الفتاویٰ، زکریا ۱/۷۰۵)

من حدیث السائب بن یزید قال: کان یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ إذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد، وأبی بکر وعمر۔ (معارف السنن، باب فی أذان الجمعة، بیان کون الأذان الثانی عند الخطبة، قدیم أشرفی دیوبند ۴/۴۰۲، بنایة عینی شرح ہدایہ، کتاب الصلوة، باب لجمعة، أشرفیہ دیوبند ۱/۱۰۱۴)

إذا صعد الإمام المنبر وجلس وأذن المؤذنون بین یدی المنبر بذلك جرى التوارث. (هدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، أشرفی دیوبند ۱/۱۷۱)

فی إذا جلس الإمام علی المنبر أذن بین یدیہ قائما. (ملتی، کتاب الصلوة، باب الجمعة دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۵۳، الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب الجمعة، کراچی ۲/۱۶۱، زکریا ۳/۳۸، مصری ۱/۶۰۷، عالمگیری، کتاب الصلوة، الباب السادس عشر فی صلوة الجمعة، زکریا قدیم ۱/۱۴۹، جدید ۱/۲۱۰، صغیری قدیم، ص: ۲۸۱، کبیری، باب صلوة الجمعة، أشرفیہ دیوبند، ص: ۵۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۹۴)

حدود مسجد میں اذان دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۶۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدود مسجد یعنی جس جگہ نماز اور خطبہ ہوتا ہے اس جگہ بیچ وقت نماز کی اذان دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نماز کی جگہ سے علیحدہ جگہ (جو مسجد میں ہی ہے) دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عظیم عرش صابری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: خطبہ جمعہ کی اذان کے علاوہ باقی نماز پنجگانہ کی اذان خارج مسجد بلند جگہ پر دینا مستحب و مسنون ہے۔ اور جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے سامنے دینا مسنون ہے؛ البتہ کسی عارض کی بنا پر برعکس بھی جائز ہے، مثلاً بہت بڑی مسجد میں منبر کے سامنے اذان دینے میں باہر کے لوگوں کو سنائی نہ دے، تو امام کی سیدھ میں باہر خطبہ کی اذان دینا خلاف سنت نہ ہوگا، اسی طرح نماز پنجگانہ کی اذان کے لئے بھی مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو یا بارش ہو رہی ہو یا اور کوئی معقول عذر ہو تو اندرون مسجد دینے میں خلاف سنت نہیں ہوگا، اسی طرح مانگ کے ذریعہ مسجد کے اندر اذان دینا بھی خلاف مسنون نہیں؛ کیوں کہ مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کی علت آواز کا لوگوں تک نہ پہنچنا اور اذان کا مقصد اعلان غائبین کا اس میں فوت ہو جانا ہے؛ لیکن مانگ کے ذریعہ اذان دینے کی صورت میں آواز غائبین تک پہنچ جاتی ہے؛ اس لئے مانگ سے مسجد کے اندر بھی اذان دینا مکروہ اور خلاف سنت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۱۰۰/۲)

وينبغي أن يؤذن على المئذنة، أو خارج المسجد، ولا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته. (عالمگیری، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ۱/ ۵۵، جديد ۱/ ۱۲، قاضيخان، باب الأذان، مسائل الأذان، زكريا جديد ۱/ ۵۱، وعلى هامش الهنديه ۱/ ۷۸)

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقاً كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذنين عند الخطبة كراچی ۸/ ۶۹، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۸۷)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به..... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران

کالمئذنة ونحوها ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت . (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأذان، بيروت ۱/ ۶۴۲، زكريا ۱/ ۳۶۹، كراچی ۱/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۷۵)

مسجد کے اندر محراب کے پاس اذان دینا

سوال [۱۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: اذان مسجد کے اندر دینا محراب کے پاس کیسا ہے؟ مسنون طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد ممتاز عالم، مسجد سلطان مدینہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حضرات فقہاء نے مسجد کے اندر اذان دینے کی جو ممانعت فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان کا مقصد اعلان غائبین ہے، تو مسجد کے اندر اذان دینے کی صورت میں غائبین کو اذان کی آواز نہیں پہنچے گی، اس سے اذان کا مقصد حاصل نہیں ہوگا؛ اس لئے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے؛ لیکن آج کے زمانہ میں مانک پر اذان دی جاتی ہے، حدود مسجد میں محراب کے پاس ہو یا کسی اور جگہ مانک میں اذان دینے کی صورت میں دور تک آواز پہنچ جاتی ہے؛ لہذا دونوں باتوں میں اب کوئی تعارض نہیں رہا ہے؛ اس لئے حدود مسجد میں مانک میں اذان دینے کی گنجائش ہے اور بلا کراہت جائز ہے۔

والأذان إعلام الغائبين . (السعاية ۲/ ۳۳)

الأذان هو لغة الإعلام وشرعا إعلام مخصوص . (شامي، كتاب الصلوة،

باب الأذان كراچی ۱/ ۳۸۴، زكريا ۲/ ۴۷)

منہا أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، زكريا ۱/ ۳۶۹، بيروت ۱/ ۶۴۲، كراچی ۱/ ۱۴۹)

ومن السنة أن يأتي بالأذان والإقامة جهرا رافعا بهما صوته إلا أن الإقامة أخفض منه -إلى- والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته ولا يجهد نفسه. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ۱/ ۵۵، جديد ۱/ ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۸۸/۴۰)

مسجد کے اندر اذان دینا

سوال [۱۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں کوئی بھی اذان ہو پڑھنا کیسا ہے؟ اور جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہو یا باہر، اگر باہر ہو تو بیچ میں دیوار حائل ہو تو کیا حکم ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: ایم ایچ رضاب والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جہاں مسجد کے اندر اذان دینے کی ممانعت ہے، وہاں یہ علت بیان کی جاتی ہے کہ اذان کا مقصد غائبین کو مطلع کرنا ہے اور مسجد کے اندر اذان دینے سے غائبین کو اطلاع نہیں ہو پاتی ہے، اذان کا مقصد پورا نہیں ہو پاتا؛ اس لئے منع کیا گیا۔ اور جمعہ کی اذان ثانی کا مقصد حاضرین کو متنبہ کرنا ہے، تا کہ سب خطبہ کی طرف متوجہ ہو جائیں؛ اس لئے مسجد کے اندر دینا زیادہ افضل ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ حدود

مسجد کے اندر مسجد کی چھت پر اذان دیتے تھے، جہاں سے لوگوں کو دور دور تک سنائی دیتی تھی، اگر مسجد کے اذان دینا مکروہ ہوتا تو چھت پر اذان نہ دیتے؛ کیوں کہ چھت بھی حدود مسجد کے اندر داخل ہوتی ہے، اب جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر اور باہر دونوں جائز ہے، مگر خطیب کے سامنے ہونی چاہئے۔ اور افضل یہی ہے کہ خطیب کے سامنے مسجد کے اندر منبر سے بالکل قریب ہو اور درمیان میں دیوار حائل ہو تو جائز تو ہے، مگر افضلیت کے خلاف ہے۔

فکان بلال یؤذن فوقہ من أول ما أذن إلى أن بنی رسول الله صلی الله علیہ وسلم مسجده فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد. (شامی، أبواب الأذان، مطلب فی أول من بنی المنائر للأذان، زکریا ۲/ ۵۴، کراچی ۱/ ۳۸۷)

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بین یدی المنبر.

(ہدایۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ الجمعة، أشرفی دیوبند ۱/ ۱۷۱)

عن السائب بن یزید، قال: کان یؤذن بین یدی رسول الله صلی الله علیہ وسلم إذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد، وأبی بکر و عمر. (سنن أبی داؤد، باب النداء یوم الجمعة، النسخة الهندیة ۱/ ۱۵۵، دار السلام، رقم: ۱۰۸۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ صفر ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۸۹)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۴/ ۲/ ۱۴۱۸ھ

مسجد کے اندر اذان دینا

سوال [۱۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے اندر سے اذان کہنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ہشتی زیور میں ہے کہ مسجد کے اندر سے اذان کہنا صحیح نہیں ہے، مسجد سے علیحدہ کسی اونچی جگہ سے اذان کہنا چاہئے؛ لیکن ہم میں سے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اذان کا مطلب ہے اعلان کرنا اور مسجد کے اندر سے بھی یہ مقصد

حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لئے کہ لاؤڈ اسپیکر سے اذان ہو رہی ہے۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کی دیوار جو قبلہ کی طرف سے ہے، اسی دیوار سے لگا ہوا اندر کی جانب پیش امام ہے اور اسی سے ملا ہوا منبر بھی ہے اور مقتدی کی چٹائی منبر سے ملی ہوتی ہے اور دیوار سے تقریباً دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہے، تو دیوار اور چٹائی کے درمیان جو جگہ ہے وہ داخل مسجد ہے یا خارج مسجد؟ لہذا اس کا مفصل و مدلل جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد یاسین، اسلام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد سے باہر اونچی جگہ اذان دینے کا مقصود اعلان ہے۔ اور لاؤڈ اسپیکر ہونے کی صورت میں یہ مقصود مسجد کے اندر اور دیگر مقامات پر اذان دینے سے حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لئے لاؤڈ اسپیکر ہونے کی صورت میں مسجد کے اندر بھی اذان دینا جائز اور درست ہے، جب کہ مانگ کے ہارن مسجد کے باہر ہوں، جس سے آواز دور تک پہنچ سکے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۲/۲۹۴، دارالعلوم ۲/۱۰۰)

كما يفهم من هذه العبارة: كان بلالا يؤذن فوقفه من أول ما أذن إلى أن بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مسجده فكان بعد يؤذن على ظهر المسجد، وقد رفع له شيء فوق ظهره. (شامي، باب الأذان، مطلب في أول من بنى المنائر للأذان، كراچی ۱/۳۸۷، زکریا ۲/۵۴)

واعلم أن الأذان في المسجد لا يكره مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، كراچی ۸/۶۹، دارالکتب العلمیة بیروت ۸/۸۷)

جو جگہ محراب اور صف اول کے درمیان خالی ہے، جس میں گرچہ نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن یہ جگہ بھی داخل مسجد ہے اور اس کا احترام بھی مسجد ہی کی طرح ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قیدیم ۱۵/۱۵۵، جدید ڈائجیل ۵/۱۹۲)

احترام مسجد کے خلاف کوئی فعل و عمل اس حصہ پر جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، مقدمہ ۱۰/۲۰۴، جدید ڈائجسٹ ۳۲۴/۱۵)

لأن تنظيف المسجد واجب. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتكاف، کراچی ۲/۴۴۵، زکریا ۳/۴۳۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ رذیقہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۳۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۱/۱۴۲۱ھ

مسجد کے اندر اذان دینا

سوال [۱۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو علماء مکروہ لکھتے ہیں، تو کیا لاؤڈ اسپیکر میناروں پر رکھنا صحیح ہوگا، جب کہ مسجد کا حکم زمین سے آسمان تک ہے۔

المستفتی: نسیم احمد شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی علت یہی ہے کہ اس سے غائبین کو آواز نہیں پہنچ پاتی اور لاؤڈ اسپیکر کو میناروں پر ایسی جگہ رکھا جائے جہاں سے لوگوں کو آسانی سے آواز پہنچ جائے اور اس کے تار مسجد میں ہوں اور مسجد میں اذان دے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے آواز باہر پہنچے، تو ایسی صورت میں مسجد کے اندر اذان دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۲/۲۹۴)

وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، ويرفع صوته. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۱/۴۴۴، کوئٹہ ۱/۲۵۵،

شامی، کتاب الصلوة، باب الأذان، کراچی ۱/۳۸۴، زکریا ۲/۴۸)

المقصود منه الإعلام وهو أتم فيه، ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في

موضع يكون يسمع للجيران. (البنایة، باب الأذان، أشرفیہ دیوبند ۲/۹۵)

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، کراچی ۸/۶۹، دارالکتب العلمیة بیروت ۸/۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۸۱/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۵ھ

مسجد میں اذان دینا

سوال [۱۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے، کیا داہنے طرف سے مسجد کے اندر سے اذان دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مکروہ ہے یا نہیں؟ (۲) امام کے کمرہ کے سامنے مسجد ہے اور امام کے کمرہ اور مسجد کے درمیان ۱۰ ہاتھ کا فاصلہ ہے، یعنی راستہ حائل ہے، تو کیا امام کے کمرہ سے اذان دے سکتے ہیں مانگ کے ذریعہ یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر مسجد کے اندر کا درحد و مسجد میں داخل ہے، تو اس میں اذان دینا مکروہ ترمیمی ہوگا۔ اور اگر حدود مسجد سے باہر ہے، تو بلا کراہت جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۲۹۴)

(۲) کمرہ چونکہ حدود مسجد سے باہر ہے؛ اس لئے اس میں اذان دینے میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہے، جب کہ مانگ کے ذریعہ سے دور تک آواز پہنچ رہی ہو۔ (دارالعلوم، قدیم ۲/۱۰۰)

وينبغي أن يؤذن على المئذنة، أو خارج المسجد، ولا يؤذن في المسجد، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته. (عالمگیری، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ۱/۵۵،

جدید ۱ / ۱۲، قاضیخان، باب الأذان، مسائل الأذان، زکریا جدید ۱ / ۵۱، و علی ہامش
الہندیۃ ۱ / ۷۸)

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من
بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذنين عند الخطبة
کراچی ۸ / ۶۹، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۸ / ۸۷)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام
يحصل به..... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران
كالمئذنة ونحوها..... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع
الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأذان، بیروت ۱ / ۶۴۲، زکریا ۱ / ۳۶۹، کراچی
۱ / ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۲۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۴/۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۸۶)

مسجد کے اندر بغیر مائیک کے اذان دینا

سوال [۱۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: مسجد کے اندر بغیر مائیک کے اذان دینا کیسا ہے؟

المستفتی: مولانا خورشید انور صاحب، مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کا مقصد غائبین اور دور کے لوگوں کو جماعت کے
وقت کی اطلاع دینا ہے اور مسجد کے اندر اذان دینے میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا؛ اس لئے
حضرات فقہاء نے اندرون مسجد اذان دینے کو خلاف اولیٰ کہا ہے۔

وينبغي أن يؤذن على المئذنة، أو خارج المسجد، ولا يؤذن في

المسجد. (ہندیہ، کتاب الصلوٰۃ، الباب الثانی، الفصل الثانی فی کلمات الأذان، زکریا
قدیم ۱/ ۵۵، جدید ۱/ ۱۱۲)

وبکرہ أن يؤذن في المسجد. (حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح، باب

الأذان، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۱۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

۱۴۱۶/۲/۲۸

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۴۳۷)

مانک میں اذان کی شرعی حیثیت

سوال [۱۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: کیا مانک پر اذان دینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ کیوں کہ مانک سے اذان دینے میں
مانک کا فائدہ نظر آ رہا ہے، لوگ چونکا ہو جاتے ہیں، مسجدوں میں نمازیوں کے بڑھنے کا
ذریعہ ہے، اسے قائم رکھنے کے لئے ہمارے پاس کیا دلیل ہے؟

المستفتی: حاجی سردار خاں، سنکیمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لاؤڈ اسپیکر میں بعینہ متکلم کی آواز سنائی دیتی ہے، بس
صرف اتنا ہے کہ متکلم کی آواز لاؤڈ اسپیکر میں کھل کر بلند ہوتی ہے؛ اس لئے لاؤڈ اسپیکر میں
اذان دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، رسالہ آلات جدیدہ کے شرعی
احکام، قدیم ۵/ ۳۲، جدید زکریا ۷/ ۲۹۶)

منہا: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام

يحصل به. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰۃ، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ۱/ ۶۴۲،

زکریا ۳۶۹، کراچی ۱/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۶۹)

لاؤڈ اسپیکر پر اذان کا شرعی حکم

سوال [۱۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد پٹھانوں والی میں لائوڈ اسپیکر کی ضرورت ہے، مسجد خاص سڑک پر ہے، اس قدر ٹریفک ہے کہ کان پڑے آواز نہیں آتی، اس کے علاوہ کارخانہ آس پاس بہت ہونے کی وجہ سے بھی شور بہت رہتا ہے، ایسی حالت میں لائوڈ اسپیکر لگانا ٹھیک ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب احمد سیدی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کا مقصد اپنے کاموں میں مشغول رہنے والے غائبین کو اطلاع کرنا ہے۔ اور مذکورہ حالات میں بغیر مانک کے اذان دینے میں چونکہ مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے؛ اس لئے آواز بڑھانے کے لئے لائوڈ اسپیکر میں اذان جائز ہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۱۳/۳، جدید زکریا ۵۲/۳)

منہا: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به..... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها..... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأذان، بيروت ۱/۶۴۲، زکریا ۱/۳۶۹، کراچی ۱/۱۴۹)

ويؤذن المؤذن حيث يكون أسمع للجيران؛ لأن المقصود إعلامهم، ويرفع صوته؛ لأن الإعلام لا يحصل إلا به. (المبسوط للسرخسي، باب الأذان، مكتبته دارالكتب العلمية، بيروت ۱/۱۳۸) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲ صفر ۱۴۱۵ھ

۱۴۱۵/۲/۲۲

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۷۸)

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لائوڈ اسپیکر کے ذریعہ جو مسجد میں اذان دی جاتی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارقم علی وام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان سے مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کا علم ہو جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اور اذان سن کر لوگ کثرت کے ساتھ جماعت میں حاضر ہو جائیں، پہلے یہ مقصد اس وقت حاصل ہوتا تھا جب کہ مسجد کے باہر منارہ پر کھڑے ہو کر اذان کہی جاتی تھی؛ اس لئے فقہاء نے مسجد کے اندر اذان دینے کو خلاف اولیٰ قرار دیا تھا؛ لیکن لائوڈ اسپیکر سے اذان دینے کی صورت میں مسجد کے اندر رہتے ہوئے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے؛ لہذا مسجد کے اندر مانگ کے ذریعہ سے اذان دینے میں کوئی کراہت معلوم نہیں ہوتی۔

وبنیغی أن يؤذن على المئذنة، أو خارج المسجد، ولا يؤذن في

المسجد. (ہندیہ، کتاب الصلوٰۃ، الباب الثانی، الفصل الثانی فی کلمات الأذان، زکریا

قدیم ۱/ ۵۵، جدید ۱/ ۱۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ”اذان علی المئذنة“ کی صورت میں خارج مسجد کی ضرورت نہیں، نیز جمعہ کی اذان ثانی بالاتفاق مسجد ہی میں مشروع ہے، اس سے بھی ثابت ہوا کہ دوسری اذانوں کے لئے خارج مسجد کا حکم محض لوگوں تک آواز پہنچانے کے لئے ہے؛ البتہ مسجد کے اندر جہر بالخصوص مسقف حصے میں خلاف ادب معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے بہتر یہ ہے کہ لائوڈ اسپیکر مسجد سے باہر رکھا جائے اور باہر کوئی انتظام بسہولت نہ ہو سکے تو مسجد کے اندر بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية - إلى قوله - قال الشيخ: فقوله: في المسجد صريح في عدم كراهة الأذان في داخل المسجد، وإنما هو خلاف الأولى إذا مست الحاجة إلى الإعلان البالغ، وهو المراد بالكرهية المنقولة. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذنين عند الخطبة كراچی ۸/ ۶۹، دارالکتب العلمیة بیروت ۸/ ۸۷)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به..... ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوها..... ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان الأذان، بيروت ۱/ ۶۴۲، ۶۴۳، زكريا ۱/ ۳۶۹، كراچی ۱/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۷ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۵۷)

مسجد کے اندر مانگ میں اذان پڑھنا دینا

سوال [۱۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اندرون مسجد اذان دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ امید کہ آپ ہماری اس تشویش کو مدلل و اطمینان بخش جواب دے کر رفع کریں گے۔

نوٹ:- جس مانگ میں اذان دی جاتی ہے، وہ امام کے مصلیٰ کے قریب یعنی بائیں جانب ہے اور وہیں اذان دی جاتی ہے، بائیں جانب مسجد کے کونے میں۔

المستفتی: مولانا عبد القدوس بر بھنی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اندرون مسجد اذان دینا جائز ہے۔

واعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة،

کراچی ۸/۶۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۸/۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

۱۴۱۹/۵/۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۵۹)

حیعلہ کہاں سے شروع کرے؟

سوال [۱۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان میں کلمات حیعلہ سامنے سے شروع کرے یا پہلے چہرہ پھیر لے دائیں اور بائیں جانب، پھر کلمات کہنے شروع کرے؟ فقہاء کی تشریح اور صریح عبارت کی رہنمائی فرمادیتے۔

المستفتی: عبید الرحمن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب مؤذن کلمات حیعلتین پر پہنچے تو اولاً دائیں جانب چہرہ پھیر لے، پھر ”حی علی الصلوٰۃ“ دو مرتبہ کہے، اسی طرح بائیں جانب چہرہ پھیر کر ”حی علی الفلاح“ دو مرتبہ کہے، جیسا کہ درج ذیل فقہی جزئیہ اس پر مشیر ہے۔

فإذا انتهى إلى الصلوة والفلاح حوله وجهه يمينا وشمالا، وقدما مكانهما (إلى قوله) فيستدير المؤذن في المئذنة عند الحيعلتين، ويخرج رأسه من الكوة اليمنى، ويقول: حي على الصلوة مرتين، ثم من الكوة

اليسرى، فيقول: **حي على الفلاح مرتين**. (عالمگیری، کتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني، زكريا قديم ۱/ ۵۶، جديد ۱/ ۱۱۳، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان ۲/ ۱۳۸، رقم: ۱۹۶۵)

ويحول، أي يدير وجهه، أي لا قدميه ولا صدره في الحيعلتين، أي عند قوله: **حي على الصلوة، وحي على الفلاح، يمناة ويسرة**. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند ۱/ ۶۰)

حدثنا عون بن أبي جحيفة، عن أبيه قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم بمكة وهو بالأبطح -إلى- قال: فتوضأ وأذن بلال، قال: فجعلت أتبع فاه هاهنا وهاهنا (يقول: يمينا وشمالا) يقول: **حي على الصلاة، حي على الفلاح**. (صحيح مسلم، كتاب الصلوة، باب سترة المصلي، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۵، بيت الأفكار، رقم: ۵۰۳) فقط واللهم سبحانك وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۷/۸۲۷۰)

فجر کی اذان میں ”الصلوة خیر من النوم“ کا اضافہ کس نے کیا؟

سوال [۱۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی اذان میں ”الصلوة خیر من النوم“ جو کہا جاتا ہے، صاحب اذان نے جو خواب دیکھا تھا اور ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ بلال کی آواز میں زیادہ زور اور کچھاؤ ہے؛ اس لئے بلال کو املاء کرادو، کہ وہ اذان دیں، تو اس میں ”الصلوة خیر من النوم“ شامل تھا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کو فرشتہ نے خواب میں

جو اذان سکھائی تھی، اس میں ”الصلوة خیر من النوم“ نہیں تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اس کا اضافہ فرمایا ہے۔

قال حفص : حدثني أهلي، أن بلالا أتى رسول الله ﷺ، يؤذنه لصلاة الفجر، فقالوا: إنه نائم، فنأدى بلال بأعلى صوته: ”الصلوة خیر من النوم“ فأقرت في أذان الفجر. (مسند الدارمي دارالمغني ۲/ ۷۶۲، رقم: ۱۲۲۸)

عن بلال، أنه أتى النبي ﷺ يؤذنه بصلاة الفجر، فقليل: هو نائم، فقال: ”الصلوة خیر من النوم“، ”الصلوة خیر من النوم“ فأقرت في تأذين الفجر، فثبت الأمر على ذلك. (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية، ۱/ ۵۲، دارالسلام، رقم: ۷۱۶)

عن محمد بن عبد الملك بن أبي محذورة، عن أبيه، عن جده قال: قلت: يا رسول الله! علمني سنة الأذان - إلى قوله - فإن كان صلاة الصبح قلت: ”الصلوة خیر من النوم“، ”الصلوة خیر من النوم“، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله. (سنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان؟ النسخة الهندية، ۱/ ۷۲، دارالسم، رقم: ۵۰۰-۵۰۱)

عن بلال أنه أتى النبي صلی اللہ علیہ وسلم يؤذنه بالصبح فوجده راقداً، فقال: ”الصلوة خیر من النوم“ مرتين، قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: ما أحسن هذا يا بلال! اجعله في أذانك. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱/ ۳۵۵، رقم: ۱۰۸۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

کانوں میں انگلی ڈال کر اذان دینا

سوال [۱۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کانوں میں انگلی ڈال کر یا ہاتھ کانوں پر رکھ کر اذان دینا سنت ہے یا واجب؟ وضاحت فرمائیں، نیز ایک جگہ انگلی کانوں میں ڈالے اور ہاتھ کانوں پر رکھے بغیر ہاتھ چھوڑ کر اذان دیتے ہیں، ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ اذان صحیح ہوئی یا نہیں؟ اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالمعید، بجنوری، معلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اذان کے وقت کانوں میں انگلی ڈالنا سنت ہے اور بغیر انگلی ڈالے ہاتھ چھوڑ کر اذان دے دیگا تو اذان تو صحیح ہو جائے گی، مگر خلاف سنت ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

حدثنا عبدالرحمن بن سعد بن عمار بن سعد، مؤذن رسول الله ﷺ، حدثني أبي، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله ﷺ أمر بلالا: أن يجعل إصبعه في أذنيه، وقال: إنه أرفع لصوتك. (سنن ابن ماجه، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۲، دار السلام، رقم: ۷۱۰)

عن بلال، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا أذنت فاجعل إصبعك في أذنيك؛ فإنه أرفع لصوتك. (المعجم الكبير للطبراني، دار احیاء التراث العربي ۱/ ۳۵۳، رقم: ۱۰۷۲)

ويذكر عن بلال، أنه جعل إصبعه في أذنيه، وكان ابن عمر لا يجعل إصبعه في أذنيه. (صحيح البخاري، الأذان تعليقا ۱/ ۸۸)

ويستحب أن يجعل إصبعه في أذنيه لقوله صلى الله عليه وسلم لبلال رضي الله عنه: اجعل إصبعك في أذنيك؛ فإنه أرفع لصوتك. (مراقبي) وهو ليس بسنة أصلية إذ لم يكن في أذان الملك النازل من السماء، ولم

یشرع لأصل الإعلام، بل للمبالغة فيه، وان جعل يديه على أذنيه فحسن.

(طحطحاوي على المراقي، باب الأذان، جديد، دارالكتاب ديوبند، ص: ۱۹۷، قديم/ ۱۰۶)

ونبه على الحكمة، وهي المبالغة في تحصيل المقصود، وإن لم يفعل

أجزأه لحصول أصل الإعلام بدونه. (بدائع، صفات المودن، زكريا ۱/ ۳۷۳،

كراچی ۱/ ۱۵۱، هداية وعنايه مع الفتح، باب الأذان، كوئٹہ ۱/ ۲۱۳، زكريا ۱/ ۲۴۹،

شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، كراچی ۱/ ۳۸۸، زكريا ۲/ ۵۴، البحر الرائق، باب

الأذان، زكريا ۱/ ۴۵۰، كوئٹہ ۱/ ۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۱۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۴/۳۵-۶۷)

اذان میں ”مد“ کی مقدار

سوال [۱۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: اذان میں ”اللہ“ کے ”لام“ میں اور ”حی علی الصلوة“ اور ”حی علی الفلاح“ کے ”لام“ میں

اور نماز میں رکوع کی تکبیر میں اور سجدہ کی تکبیر میں ”مد“ کی مقدار کیا ہے؟ ایک الف یا دو الف یا

تین الف؟ اگر ایک الف ہے اور تین الف مد کیا تو جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں:

کہ اذان میں ۵ الف سے ۷ الف تک مد کرنا جائز ہے۔ اور بعض عالم فرماتے ہیں کہ ایک

الف سے زیادہ مد کرنا جائز نہیں ہے۔

المستفتی: منزل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان میں راگ اور گانے کی آواز سے احتراز لازم ہے

اور ساتھ ساتھ بمقتضی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”واندی صوتا“، تحسین صوت اور رفع

صوت بھی اصل مقصد ہے، نیز شریعت میں افراط و تفریط جائز نہیں، اعتدال مقصود ہے؛ لہذا

اگر راک سے احتراز کر کے بغرض رفع صوت ایک الف سے زائد دو الف تک کھینچ دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں؛ اس لئے جو مؤذن راک اور گانے کی آواز سے احتراز کر کے محض تحسین صوت اور رفع صوت کے لئے آواز کو ایک دو الف بڑھاتا ہے، تو اس پر شدت اور نکیر مناسب نہیں ہے؛ البتہ دو الف سے زائد نہ ہونا چاہئے اور جو مؤذن آواز میں راک پیدا کرتا ہے، وہ قابل نکیر ہے۔ (مستفاد: مسائل اذان و اقامت اور اس کے شرعی احکامات، مؤلف قاری ابوالحسن صاحب اعظمی)

ولا بأس بالتطريب في الأذان، وهو تحسين الصوت من غير أن يتغير، فإن تغير بلحن أو مد، أو ما أشبه ذلك كره، وقال شمس الأئمة الحلواني: إنما يكره ذلك فيما كان من الأذكار، أما في قوله: حي على الصلوة، حي على الفلاح، لا بأس فيه بإدخال مد ونحوه. (فاضيخان، كتاب الصلوة، مسائل الأذان، زكريا جديد ۱/ ۵۱، وعلى هامش الهندية ۱/ ۷۸، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، اعزازه ديوبند ۱/ ۶۰)

اور نماز میں رکوع سجدہ کی تکبیر میں اللہ کے ”مد“ کی مقدار ایک الف ہے؛ کیوں کہ ان جگہوں میں جو مد ہے وہ مد اصلی ہے اور مد اصلی میں ایک الف سے زائد مد کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: جمال القرآن، ص: ۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/۶/۱۳۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۱۵)

اذان میں آواز میں لچک پیدا کرنا

سوال [۱۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کلمات اذان میں جہاں مد کی گنجائش ہے، ان میں مد کرتے وقت بغیر کسی حرف کی تبدیلی اور زیادتی کے آواز میں زبر و بم اور لے پیدا کرنا مکروہ، حرام یا مستحب و جائز ہے؟ ”تمطیط“

کی حقیقت کیا ہے؟ کیا منع ہے؟

المستفتی: عبد الرحمن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ بلال کو کلمات اذان سکھلا دو؛ اس لئے کہ ان کی آواز میں زیادہ زور اور زیادہ کھنچاؤ ہے، اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حروف ”مد“ کی رعایت کرتے ہوئے ضرورت کے مطابق کھینچ کر آواز بلند اذان دینا مستحب ہے، بشرطیکہ الفاظ میں کوئی تغیر و تبدیلی نہ ہو؛ البتہ آواز میں لہر پر لہر اور راگ و تنگی پیدا کرنا مکروہ ہے۔ اور سوال نامہ میں جو آواز میں لچک کی بات کہی گئی ہے، تو اگر معمولی لچک ہو تو خلاف اولیٰ ہے۔ اور اگر زیادہ تنگی و لچک ہو تو مکروہ ہے۔

عن محمد بن عبد اللہ بن زید، عن أبيه، قال: لما أصبحنا أتينار رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبرته بالرؤيا، فقال: إن هذه لرؤيا حق، فقم مع بلال؛ فإنه أندى وأمد صوتا منك. (ترمذي شريف، باب ماجاء في الأذان، النسخة الهنديّة ۱/ ۴۸، دارالسلام، رقم: ۱۸۹)

ولا لحن فيه، أي تغني بغير كلماته، أي بزيادة حركة أو حرف، أو مد، أو غيرها في الأوائل والآواخر، وبلا تغير حسن، أي والتغني بلا تغير حسن، فإن تحسين الصوت مطلوب. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۵۳، کراچی ۱/ ۳۸۷)

ولا يلحن أي يتغني فيها، بأن نقص من الحروف، أو من كيفياتها، وهى الحركات والسكنات، أو زاد في شيء منهما، وأما مجرد تحسين الصوت، فهو حسن روي أن رجلا جاء إلى ابن عمر، فقال: إني أحبك في الله، قال: إني أبغضك في الله، قال: لم؟ قال: بلغني أنك تغني في أذانك. (شرح

النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازیہ دیوبند ۱/ ۶۰)

نیز ”تمطیط“ کیا چیز ہے؟ یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا: اس لئے جواب لکھنے سے قاصر ہوں، یا آپ نے ”عطیط“ کو ”تمطیط“ سمجھ لیا ہے، اس کو بھی واضح فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۵/۳/۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۰)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵/۵/۱۷ھ

اذان میں راگ پیدا کرنا

سوال [۱۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہ مسجدوں میں جو مؤذن اذان پڑھتے ہیں، اس میں وہ گلے بازی دوسانسوں میں کر رہے ہیں اور مسجد کے امام صاحب اور نمازی بھی سنتے ہیں اور خاموش ہیں، تو ایسی صورت میں مسئلہ بیان فرمائیں اور سننے والوں کے بارے میں بھی فرمائیں؟

المستفتی: راحت جان جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان میں راگ پیدا کرنا اور اس طرح کھینچ تان کر آواز کو بڑھاتے چلے جانا کہ ایک الف کی جگہ تین تین چار چار الف پیدا ہو جائیں، مکروہ ہے، اس سے باز آجانا چاہئے۔

إعلم أن المد إن كان في الله (إلى قوله) فإن بالغ حتى حدث ألف

ثانية بين اللام والهاء كره. (شامی، آداب الصلوة، فصل في بيان تالیف الصلوة إلى انتهائها، کراچی ۱/ ۴۸۰، زکریا ۲/ ۱۷۹، شرح النقاية، کتاب الصلوة، باب الأذان، مکتبہ إعزازیہ دیوبند ۱/ ۶۰، بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، بیروت ۱/ ۶۴۴، کراچی ۱/ ۱۵۰، زکریا ۱/ ۳۷۱، المبسوط للسرْحسي، کتاب

الصلوة، باب الأذان، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/ ۱۳۸)

عن یحییٰ البکاء، قال: كنت أخذاً بید ابن عمر وهو یطوف
بالکعبة، فلقیه رجل من مؤذنی الکعبة، فقال: إني لأحبک فی الله، فقال
ابن عمر: إني لأبغضک فی الله، إنک تحسن صوتک لأخذ الدرهم.
(المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الأذان، مؤسسة علوم القرآن، جدید ۲/ ۳۸۶، رقم:
۲۳۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۶۵/۲۹)

اذان میں تجوید کی رعایت مقصود نہیں

سوال [۱۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: مؤذن جب اذان کہے تو کلمات اذان کی ادائے گی میں تجوید و قراءت کے قاعدوں کا
انتیاز کرتے ہوئے اذان کہے یا یوں ہی عربی لہجہ میں صرف اعلام پیش نظر رکھتے ہوئے
اذان کہے؟ حضرات فقہاء کرام کی عبارات کے حوالہ سے جواب دیں۔

المستفتی: محمد سلمان، مدرسہ سیدنا عمر فاروق، گلوتلیہ چوک، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان میں اصل مقصد اعلام اور اعلان ہے؛ لیکن الفاظ کی
ادائے گی میں الفاظ کے صحت کی ادائے گی بھی ضروری ہے، تلاوت قرآن کی تجوید کی رعایت
اذان میں مقصود نہیں ہے؛ بلکہ اصل مقصد اعلام اور اعلان ہے۔

لأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت، وذا في الترسل أبلغ.

(بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل فی سنن الأذان، زکریا ۱/ ۳۶۹، کراچی ۱/ ۱۴۹)

المحیط البرہانی، قدیم ۱/ ۳۴۲، المجلس العلمی ۲/ ۹۰، رقم: ۱۲۹۶)

لیس فیہ تلحین (إلى قوله) أن التلحین هو إخراج الحرف عما يجوز له في الأداء من نقص من الحروف، أو من کیفیاتہا، وهي الحركات والسکنات، أو زیادة شیء فیہا، وقیدہ بالتلحین؛ لأن التفخیم لا بأس به؛ لأنه أحد اللغتين. (البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان، کوئٹہ ۱/ ۲۵۶، زکریا ۱/ ۴۴۶)

ولا یلحن، أي لا یتغنی فیہا بأن نقص من الحروف، أو من کیفیاتہا، وهي الحركات والسکنات، أو زاد فیہ شیء منہما، وأما مجرد تحسین الصوت فهو حسن. (شرح النقایة، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان، إعزازیہ دیوبند ۱/ ۶۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۳

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۶۷)

غلط خواں کی اذان

سوال [۱۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مؤذن اذان غلط پڑھتا ہو، مثلاً شہادتین میں بجائے ”اشہد“ کے ”اغد“ یا ”اشہد“ اور جمعیتین میں ”صلوٰۃ“ اور ”فلاح“ کے بجائے ”صلا“ اور ”فلا“ پڑھتا ہو اور باوجود فہمائش و تنبیہ کے بھی تصحیح کلمات اذان کی کوشش نہ کرتا ہو، آیا ایسے مؤذن کی اذان باوجود اغلاط مندرجہ بالا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کو یا اس جیسے مؤذن کو کسی بھی مسجد کا مستقل مؤذن منتخب اور تجویز کرنا درست ہے، خصوصاً جب کہ وہ اوقات نماز سے بالکل غافل و جاہل ہو، حتیٰ کہ نماز بھی صحیح یاد نہ ہو؟ ان تفصیلات و اغلاط مندرجہ بالا کا حامل مؤذن جب کہ اس کے عزل پر قدرت تامہ حاصل ہو واجب العزل ہے یا نہیں؟ براہ کرم مدلل و بحوالہ جواب ارقام فرمائیں۔

المستفتی: رحمت اللہ مظاہری، تاج پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غلط اذان پڑھنے والے کی اذان مکروہ ہوتی ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم أقرأكم. (سنن ابن ماجة، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين، النسخة الهندية، ص: ۵۳، دارالسلام، رقم: ۱۷۲۶، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱/۱ / ۲۳۷، رقم: ۱۱۶۰۳، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۱/ ۴۸۷، رقم: ۱۸۷۲، ۲/ ۳۹۸، رقم: ۳۸۴۷)

والأفضل أن يكون المؤذن عالماً بالسنة، وبمواقيت الصلاة. (حاشية

چلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصلوة، باب الأذان، ملتان، قديم ۱/ ۸۹، زكريا ۱/ ۲۳۸) ويكره التلحين، وهو التطريب، والخطأ في الإعراب. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي قديم، ص: ۱۰۷، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۹۹)

ولا يلحن أي يتغني فيها، بأن نقص من الحروف، أو من كيفياتها، وهي الحركات والسكنات، أو زاد في شيء منهما. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند ۱/ ۶۰)

ومنها: أن يكون تقياً ومنها: أن يكون عالماً بالسنة ومنها:

أن يكون عالماً بأوقات الصلوة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ۶۴۶، کراچی ۱/ ۱۵۰، زكريا ۱/ ۳۷۲)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۰۰)

لا علمی میں پورب کی طرف رخ کر کے اذان دینا

سوال [۱۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنا رخ اذان میں پورب کی طرف کر لیا، اذان ہوئی یا نہیں؟ اس سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ فوراً جواب دیا کہ مجھے رخ کا پتہ نہیں چلا، معلوم ہونے کے بعد اذان کو لوٹانا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد انور، منڈا اور ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان میں قبلہ کی طرف رخ کرنا مسنون ہے، اس کے برعکس خلاف سنت ہے؛ لہذا بے خیالی اور ناواقفیت میں دوسری طرف رخ کر کے جو اذان دی گئی ہے وہ صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، جیسا کہ انجان علاقہ میں دوسری طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز بھی صحیح ہو جاتی ہے اور ناواقفیت کی وجہ سے اذان میں کراہت اور گناہ بھی نہیں ہے۔

ويتحرى هو بذل المجهود لنيل المقصود عاجز عن معرفة القبلة بما مر، فإن ظهر خطؤه لم يعد لما مر. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، مطلب کرامات الأولیاء ثابتہ، زکریا ۲/ ۱۱۵، کراچی ۱/ ۴۳۳)

ومنها: أن يأتي بالأذان والإقامة مستقبل القبلة؛ لأن النازل من السماء هكذا فعل، وعليه إجماع الأمة، ولو ترك الاستقبال يجزيه؛ لحصول المقصود وهو الإعلام؛ لكنه يكره لتركه السنة المتواترة. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ۱/ ۶۴۳، کراچی ۱/ ۴۹، زکریا ۱/ ۳۷۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲ھ/۳۱/۱۸

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۸۲/۳۶)

اذان کے بعد مسجد سے نکل کر بلا عذر دوسری مسجد جانا

سوال [۱۶۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد میں اذان ہوگئی ہے، ایک شخص اس مسجد میں وضو کرنے کے بعد دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھتا ہے، تو یہ کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مسجد میں اذان ہونے کے بعد وضو کر کے بغیر عذر کے مسجد سے نکلنا مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی عذر ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يسمع النداء في مسجدي هذا، ثم يخرج منه، إلا لحاجة، ثم لا يرجع إليه إلا منافق. (المعجم الأوسط، دار الفكر ۳/ ۵۲، رقم: ۳۸۴۲، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۵/ ۲)

عن أبي الشعشاء، قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه بالعصر، فقال أبو هريرة: أما هذا فقد عصى أبا القاسم صلى الله عليه وسلم وعلى هذا العمل عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ومن بعدهم، أن لا يخرج أحد من المسجد بعد الأذان، إلا من عذر: أن يكون على غير وضوء، أو أمر لا بد منه. (ترمذي، باب ماجاء في كراهية الخروج من المسجد بعد الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دار السلام، رقم: ۲۰۴)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا الله عنه

۴ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

اذان و تکبیر کہہ کر جماعت سے الگ ہو جانا

سوال [۱۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید اذان دیتا ہے اور تکبیر بھی کہتا ہے، جب کوئی نماز پڑھانے کھڑے ہوتے ہیں امام کے علاوہ تو زید الگ ہو جاتا ہے، تو زید کی اذان اور تکبیر سے جو باقی حضرات جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو باقی لوگوں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: رستم علی مدرس مدرسہ انصار العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کے اذان و تکبیر کہنے کے بعد جماعت سے علیحدہ ہو جانے سے بقیہ حضرات کی نماز درست ہے؛ البتہ زید کا ایسا عمل کرنا اس کے لئے گناہ کا باعث ہوگا۔ اور پھر ہر شخص کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے اگرچہ امام کا علم متقی ہونا بہتر ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم، برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داؤد، الجهاد، باب الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية، ۲/ ۳۴۳، دار السلام، رقم: ۲۵۳۳)

وإن أذن وأقام، ولم يصل مع القوم يكره؛ لأنه إن كان صلى فهذا تنفل بالأذان، وإنه غير مشروع، وإن كان لم يصل فقد جمعهم على الخير وفارقهم فيكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، جديد زكريا ۲/ ۱۴۶، رقم: ۱۹۸۸، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ۲/ ۹۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۰/۱/۲۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۰/۱/۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۹)

ایک مسجد میں فرض پڑھ کر دوسری میں اذان و اقامت کہنا

سوال [۱۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوسری مسجد میں اذان و اقامت بھی کہتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، تو اس کی اذان و اقامت اور نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالقدوس جگر کالونی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک مسجد میں نماز پڑھ کر دوسری مسجد کی جماعت کے

ساتھ ظہر اور عشاء میں شرکت کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ/۱/۳۹۱)

البتہ ایک مسجد میں فرض پڑھ کر دوسری مسجد میں اذان و اقامت کہنا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ اذان و اقامت اصلاً فرض پڑھنے والے کے لئے ہے اور یہ شخص منتفل ہے، اس نے اپنا فرض پڑھ لیا ہے؛ لہذا ایسا شخص اذان و اقامت نہ کہے۔

وبكره أن يؤذن في مسجدین، ویصلي في أحدهما؛ لأنه إذا صلی في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني، والنفل بالأذان

غير مشروع. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، صفات المؤذن، زكريا ۱/۳۷۵، كراچی

۱/۱۵۱، البناية، كتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفیہ دیوبند ۲/۹۷)

يكره له أن يؤذن في مسجدین (وتحتہ في الشامیة): لأنه إذا صلی

في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني، والتنفل

بالأذان غير مشروع، ولأن الأذان للمكتوبة وهو في المسجد الثاني یصلی

النافلة، فلا ينبغي أن يدعو الناس إلى المكتوبة، وهو لا يساعدهم فيها.

(شامی، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، زكريا

۲/۷۱، كراچی ۱/۴۰۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۶/۵ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۲۶)

کیا با وضو اذان دینا ضروری ہے؟

سوال [۱۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا مؤذن کو اذان پڑھتے وقت با وضو ہونا ضروری ہے، یعنی اذان بلا وضو کئے ہوئے پڑھی جاسکتی ہے؟

(۲) اگر اذان بلا وضو پڑھی جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ فقط والسلام
المستفتی: عزیز الرحمن خان، حرم منزل، محلہ قانون گویاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) راجح اور صحیح قول کے مطابق بغیر وضو اذان دینا بلا کراہت جائز ہے، اذان لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ با وضو اذان دیا کریں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: کہ با وضو شخص ہی اذان دیا کرے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي ﷺ قال: لا يؤذن إلا متوضي.
(سنن الترمذی، باب ماجاء في كراهية الأذان بغير وضوء، النسخة الهندية ۱ / ۵۰، دار السلام، رقم: ۲۰۰، السنن الكبرى للبيهقي، باب لا يؤذن إلا طاهر، دار الفکر ۲ / ۱۴۷، رقم: ۱۸۹۷)

ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية، هكذا في الكافي، وهو الصحيح.
(فتاویٰ عالمگیری، باب الأذان، الفصل الأول، زكريا قديم ۱ / ۵۴، جديد ۱ / ۱۱۰، هكنا في درالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إلا كان غير محتسب، زكريا ۲ / ۶۰، كراچی ۱ / ۳۹۲)
قال أصحابنا: إن أذن وهو على غير وضوء لم يعد، ويجزئه.
(مختصر اختلاف العلماء، كتاب الصلوة، باب في الأذان على غير طهارة، بيروت ۱ / ۱۸۵)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶ / ۲۱۳۵)

بلا و وضو اذان دینا کیسا ہے؟

سوال [۱۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعد آداب کے گزارش ہے کہ محلّہ کی مسجد میں ایک صاحب اذان دیتے ہیں اور وہ صاحب اکثر روزانہ کسی نہ کسی وقت کی اذان بنا وضو کے دیتے ہیں اور اس بات کو میں نے کئی مرتبہ دیکھا اور میں نے ان کو سمجھایا کہ اذان بنا وضو کے نہیں دینا چاہئے، مگر اس بات کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ لہذا آپ مہربانی فرما کر حدیث سے اس بات کو بتانے کی زحمت گوارہ کریں کہ بنا وضو کے اذان دینا درست ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر جو بات ہو صاف صاف لکھنا، تاکہ میں اس کی فوٹو اسٹیٹ کا پی کرا کر مسجد کے چاروں دروازوں پر لگا دوں، آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی۔ فقط

المستفتی: محمد رئیس، ولد حافظ محمد شفیق قریشی، محلّہ فیل خانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بغیر وضو کے بھی اذان دینا بلا کراہت صحیح اور درست ہے، مستحق ملامت نہیں ہے؛ البتہ با وضو مستحب اور اچھا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں اس بات کی تاکید آئی ہے کہ آدمی وضو کی حالت میں اذان دیا کرے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

لا يؤذن إلا متوضئاً. (سنن الترمذي، باب ماجاء في كراهية الأذان بغير وضوء، النسخة الهندية، ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۲۰۰، السنن الكبرى للبيهقي، باب لا يؤذن إلا طاهر،

دارالفکر ۲/ ۱۴۷، رقم: ۱۸۹۷)

فإن أذن على غير وضوء جائز؛ لأن قراءة القرآن أفضل منه، وهي تجوز مع الحدث، فالأذان أولى لكن الوضوء فيه مستحب كما في القراءة.

(الجوهرة، باب الأذان، إمداديه ملتان ۱/ ۵۳، جديد دارالكتاب ديوبند ۱/ ۵۴)

لأن أذان المحدث لا يكره في ظاهر الرواية، وهو الصحيح. (البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ۱/ ۴۵۸، كوئته ۱/ ۲۶۳، فتاوى عالمگیری، باب الأذان، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۵۴، جديد ۱/ ۱۱۰، فتاوى الدر المختار، باب الأذان، مطلب فى المؤذن إذا كان غير محتسب كراچى ۱/ ۳۹۲، ۲/ ۶۰، غنية المستملى، سنن الصلاة، أشرفيه ديوبند، ص: ۳۷۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۷/۲۳)

بغیر وضو کے اذان دینے کا شرعی حکم

سوال [۱۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے آج فجر کی اذان وقت نہ ہونے کی وجہ سے بغیر وضو کے دے دی، تو اب وہ اذان ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو مکروہ ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: ہارون رشید مؤذن مسجد ٹال والی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اتفاقی طور پر بلا وضو اذان دی جائے تو بلا کراہت اذان صحیح ہو جاتی ہے؛ لہذا مذکورہ صورت میں اذان مکروہ نہیں ہوئی۔

ولا يكره أذان المحدث في ظاهر الرواية. (عالمگیری، باب الأذان،

الفصل الأول، زكريا قديم ۱/ ۵۴، جديد ۱/ ۱۱۰)

فإن ترك الوضوء في الأذان جاز، وهو الصحيح. (الجوهرة، باب

الأذان، مكتبه إمداديه ملتان ۱/ ۵۳، جديد، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۵۴)

وجاز أذان المحدث لحصول المقصد، ولا يكره في الصحيح.

(مجمع الأنهر، باب الأذان، قديم ۱ / ۷۷، دارالکتب العلمیة بیروت ۱ / ۱۱۷) فقط واللہ
سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۳۹ / ۲۵)

مؤذن کا دوسرے شخص کو اذان کی اجازت دینا

سوال [۱۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان دینے کے لئے کوئی نمازی اجازت طلب کرے تو مؤذن کے لئے ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز، برتن بازار، شاہی مسجد مراد آباد
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان دینا مؤذن کا حق ہے، اس کو اختیار ہے کہ دوسرے کو اجازت دے یا نہ دے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳ / ۱۷، جدید زکریا ۳ / ۵۶، زکریا مطول ۳ / ۵۱۰)

أقام غیر من أذن بغیثہ، أي المؤذن لا یکره مطلقاً، وإن بحضوره کره إن لحقه وحشة، كما کره مشیه فی إقامته. (درمختار مع الشامی، باب الأذان، مطلب فی المؤذن إذا کان غیر محتسب فی أذانه، زکریا ۲ / ۶۴، کراچی ۱ / ۳۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۸ / ۲۳)

مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کا اذان دینا

سوال [۱۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: یہ کہ مسجد میں مؤذن مقرر ہے، اس کی موجودگی میں کسی کو اذان دینا بغیر اجازت مؤذن جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اذان دینا بہتر اور مناسب نہیں؛ کیوں کہ مؤذن کا حق ہے؛ لیکن اذان ہر حال میں درست ہو جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/۱۷، جدید زکریا ۳/۵۶)

أقام غیر من أذن بغیبتہ، أي المؤذن لا یکرہ مطلقاً، وإن بحضورہ کرہ إن لحقہ وحشۃ، كما کرہ مشیہ فی إقامتہ. (درمختار مع الشامی، باب الأذان، مطلب فی المؤذن إذا کان غیر محتسب فی أذانه، زکریا ۲/۶۴، کراچی ۱/۳۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۹۸)

کیا دس سالہ بچہ اذان و اقامت کہہ سکتا ہے؟

سوال [۱۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دس سال کا بے ریش لڑکا اذان و اقامت پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور صرف اذان کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اور ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو جس وقت آپ ﷺ نے اذان کی تعلیم فرمائی تھی اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟

المستفتی: محمد جلال الدین پاکبڑہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دس سال کا لڑکا جب کہ سمجھ دار ہو اذان و اقامت کہہ سکتا ہے۔

أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية. (عالمگیری، باب

الأذان، الفصل الأول، قديم ۱/ ۵۴، جدید ۱/ ۱۱۰)

لیکن بالغ کا اذان دینا بچے کے مقابلہ میں بہتر اور افضل ہے۔

ولكن أذان البالغ أفضل. (عالمگیری ۱/ ۵۴، جدید ۱/ ۱۱۰)

وكذلك أذان الصبي العاقل، وإن كان جائزاً حتى لا يعاد، ذكره في

ظاهر الرواية لحصول المقصود وهو الإعلام، لكن أذان البالغ أفضل. (بدائع

الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ۶۴۶، کراچی

۱/ ۱۵۰، زکریا ۱/ ۳۷۲)

وأذان الصبي العاقل يجوز بلا كراهة في ظاهر الرواية، لكن أذان

الرجل أفضل. (حاشیة چلپی علی تبیین الحقائق، ملتان ۱/ ۹۴، زکریا ۱/ ۲۴۹،

الفتاویٰ التاتارخانیة، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زکریا ۲/ ۴۵، رقم: ۱۹۸۳)

اور ابو محمد ورہ کی عمر اس وقت تقریباً سولہ برس کی تھی (سیرت مصطفیٰ ۳/ ۳۲) فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴/۲۹: ۳۴۷)

ناپیدنا شخص کی اذان واقامت

سوال [۱۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: میں ایک ناپیدنا شخص ہوں اور حافظ بھی ہوں، اس صورت میں اذان اور تکبیر کہہ سکتا ہوں

یا نہیں؟ اگر کہہ سکتا ہوں تو مستقل کہہ سکتا ہوں یا جب کوئی اور نہ ہو جب کہوں؟

المستفتی: نور محمد محلہ بارہ دری، مہرپور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے لئے اذان و تکبیر دونوں کہنا جائز ہے، کبھی کبھار

اور مستقل طور سے بھی کہنے کی گنجائش ہے، جب کہ دیگر نمازیوں کو آپ کی اذان و تکبیر سے ناگواری نہ ہو اور جب کہ آپ ٹھیک وقت پر اذان و اقامت کہیں اور اس وقت آپ کو جماعت سے نماز پڑھنی ہوگی جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیا کرتے تھے اور جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔

عن عائشة - رضي الله عنها- قالت: كان ابن أم مكتوم يؤذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم وهو أعمى. (مسلم، الصلاة، باب جواز أذان الأعمى إذا كان معه بصير، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۵، بيت الأفكار رقم: ۳۸۱، بخاري شريف، كتاب الأذان، باب أذان الأعمى إذا كان له من يخبره، النسخة الهندية ۱/ ۸۶، رقم: ۶۰۹، ف: ۶۱۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۳۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

عورتوں کی اذان و اقامت

سوال [۱۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیچ وقتہ نمازوں کی اذان عورتوں کا دینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کے لئے عورتوں کا اذان دینا مکروہ ہے؛ لہذا اگر عورتوں نے اذان پڑھ دی ہے، تو اعادہ مستحب ہے؛ اس لئے کہ ان کے لئے آواز ایسا بلند کرنا جو غیر محرم سن لیں جائز نہیں۔

وكره إقامته وأذان الجنب، ويعاد كأذان المرأة؛ لأن المرأة إن رفعت صوتها فقد باشرت منكراً؛ لأن صوتها عورة، وإن لم ترفع فقد أخلت بالإعلام، فيعاد أذانها ندباً. (مجمع الأنهر، باب الأذان، دارالكتب

العلمیة بیروت ۱/ ۱۱۸، مصری قدیم ۱/ ۷۸، تبیین الحقائق، باب الأذان، ملتان ۱/ ۹۴، زکریا ۱/ ۲۴۹، حاشیة الطحطاوی علی المراقی، باب الأذان، قدیم ۱۰۸، جدید دارالکتاب دیوبند (۱۹۹)

والمرأة إذا أذنت يعاد أذانها، وإن لم يعيدوا جاز، و ذكر في الأصل: ويكره أذان المرأة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۴۵، رقم: ۱۹۸۲)

فيكره أذان المرأة باتفاق الروايات؛ لأنها إن رفعت صوتها فقد ارتكبت معصية، وإن خفضت فقد تركت سنة الجهر - إلى - ولو أذنت للقوم أجزاءهم حتى لا تعاد؛ لحصول المقصود، وهو الإعلام. وروى عن أبي حنيفة: أنه يستحب الإعادة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ۶۴۵، كراچی ۱/ ۱۵۰، زكريا ۱/ ۳۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

بیٹھ کر اذان و اقامت کہنا

سوال [۱۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص معذور ہے وہ بیٹھ کر اذان دیتا ہے، تو اس کا اذان دینا کیسا ہے؟ اگر اذان دے سکتا ہے تو تکبیر کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیٹھ کر اذان و اقامت پڑھنا مکروہ ہے؛ لہذا معذور آدمی اذان و اقامت نہ پڑھے، جو آدمی سنت طریقہ پر اذان و اقامت کہہ سکے اسی کو اس کا ذمہ دار بنایا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۱۰۴/۲)

عن الحسن بن محمد قال: دخلت على أبي زيد الأنصاري، فأذن وأقام وهو جالس -إلى- عن عطاء بن أبي رباح أنه قال: يكره أن يؤذن قاعدا إلا من عذر. (السنن الكبرى للبيهقي دارالفكر ۲/ ۱۴۱، رقم: ۱۸۸۳، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ۳۴۱، رقم: قديم ۲۲۱۸، جديد ۲۲۳۲)

عن الثوري، عن أبي إسحاق قال: يكره للمؤذن أن يؤذن وهو قاعد. (مصنف عبدالرزاق، باب الأذان قاعدا وهل يؤذن الصبي؟ المجلس العلمي ۱/ ۴۶۹، رقم: ۱۸۱۳)

ويكره أذان جنب وإقامة محدث لا أذانه، وأذان امرأة وفاسق وقاعد، إلا إذا أذن لنفسه. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۰، كراچی ۱/ ۳۹۲)

والإقامة كالأذان. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب: في أول من بنى المنابر للأذان، زكريا ۲/ ۵۵، كراچی ۱/ ۳۸۸) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۸۱/۳۳)

اذان میں صرف ”علی الصلوة“ یا ”الصلوة“ کہنا

سوال [۱۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی نے اذان میں ”حی علی الصلاة“ کے بجائے ”علی الصلوة یاالصلوة“ پڑھ دیا (علی کو حذف کر کے) تو اس کا کیا حکم ہے؟ اذان دہرائی پڑے گی یا نہیں؟ اور نماز میں کوئی کراہت آئے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد راغب محلہ شیخان سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کلمات اذان صحیح ادائیگی کے ساتھ کہنے چاہئے، اگر کوئی

قادر نہ ہو تو اس کو اذان نہیں دینی چاہئے؛ بلکہ دوسرا آدمی جو صحیح طریقہ سے اذان دے سکتا ہے وہی اذان دیا کرے؛ البتہ اعادہ واجب نہیں اور نماز میں بھی کوئی کراہت نہیں آئے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۷/۳۶، جدید ڈائجیل ۵/۴۴۷)

ولا يلحن أي لا يتغنى فيها بأن نقص من الحروف أو من كيفياتها، وهي الحركات والسكنات، أو زاد في شيء منهما. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند ۱/ ۶۰)

ولا غير الألتغ به: أي بالألتغ على الأصح كما في البحر عن المجتبي، وحرر الحلبي وابن الشحنة، أنه بعد بذل جهده دائما حتما كالأمي فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الإقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده، أو وجد قدر الفرض مما لا لتغ فيه، هذا هو الصحيح المختار في حكم الألتغ. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الإقامة، كراچی ۱/ ۵۸۱، زكريا ۲/ ۳۲۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۸)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۸/۱۴۲۰ھ

الفاظ چبانے والے کی اذان واقامت

سوال [۱۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مؤذن کی زبان سے قرآن حکیم کے الفاظ صحیح معنی میں نہیں نکلتے ہوں اور وہ الفاظوں کو چباتا ہو، جس سے معنی بدل جاتے ہوں اور اچھے مقتدیوں کے منع کرنے پر بھی وہ برابر تکبیر یا اذان کہے تو کیا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: گلفام بکر قصاب مغلوپورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر وہ شخص مسجد کمیٹی کی طرف سے مقرر کردہ مؤذن نہیں ہے اور اذان و اقامت کے الفاظ صحیح طور پر ادا نہ کر سکتا ہو، تو اہل مسجد کو صحیح اذان کہنے والے با شرع شخص کو مؤذن بنانا چاہئے؛ لیکن اگر قرآن کریم کے الفاظ صحیح نہ نکلیں اور اذان و اقامت کے الفاظ صحیح نکلتے ہوں، تو اس کا اذان یا تکبیر کہنا صحیح اور درست ہے، بہر حال ایسے حالات میں مسجد کی کمیٹی کے افراد کو چاہئے کہ کسی اچھے مؤذن کا انتخاب کر لیں، تاکہ مقتدیوں میں اختلاف پیدا نہ ہو۔

ویکرہ التلحین وهو التطریب، والخطأ فی الإعراب. (مراقی الفلاح مع

حاشیة الطحطاوی، باب الأذان، قدیم ۱۰۷، جدید دارالکتاب دیوبند ۱۹۹)

والتلحین فی الأذان مکروہ. (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلوۃ، باب

الأذان، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/۱۳۸)

ولا یلحن أي لا یتغنی فیها بأن نقص من الحروف، أو من کیفیاتھا،

وهی الحركات أو السکنات، أو زاد فی شیء منھما. (شرح النقایة، کتاب

الصلوۃ، باب الأذان، إعزازیہ دیوبند ۱/۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴/۳/۱۴۱۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۹۷۷)

تاش کھیلنے والے کی اذان و اقامت

سوال [۱۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: داڑھی منڈانا اور تاش کھیلنا مکروہ تحریمی ہے، اگر داڑھی منڈانے والے یا تاش کھیلنے

والے لوگ اذان و اقامت کہیں تو اذان و اقامت ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: منزل حق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: داڑھی منڈانا اور تاش کھیلنا حرام ہے اور اس کا مرتکب فاسق ہے، اگر یہ لوگ اذان و اقامت پڑھیں تو اذان و اقامت کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی۔

ویکرہ اذان جنب و اقامتہ (وکذا) اذان امرأه و خنثی و فاسق. (شامی، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، نعمانية ۱/۲۶۳، زکریا ۲/۶۰، کراچی ۱/۳۹۲) یکرہ اذان الفاسق؛ لأنه أمانة شرعية، فلا يؤتمن الفاسق عليه، ولا يعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (المحیط البرهانی، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ۲/۹۵ رقم: ۱۳۰۳)

یکرہ اذان الفاسق. (هندیة، باب الأذان، الفصل الأول، زکریا قدیم ۱/۵۴،

جدید ۱/۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۷۴۹۵)

ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والے کی اذان و اقامت

سوال [۱۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہنتا ہے اور داڑھی کٹواتا ہے، تو کیا ایسا فاسق شخص اذان و اقامت کہہ سکتا ہے؟ کیا باشرع لوگوں کی موجودگی میں اس کی اذان و اقامت میں کوئی کراہت تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: افتخار احمد قاسمی، خادم دارالعلوم مقبرہ اول مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: داڑھی منڈانے والا اور ایک مشت سے کم کرنے والا اور ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا لنگی لٹکانے والا شریعت کی نظر میں فاسق ہے، اس کی اقامت کے

لوٹانے کا حکم نہیں ہے؛ لیکن اس کی اذان کا لوٹنا فقہاء نے مستحب اور افضل لکھا ہے؛ لہذا ایسے آدمی کو اذان و اقامت کی ذمہ داری نہیں لینی چاہئے؛ بلکہ باشرع آدمی کو اذان و اقامت کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/۲۸۷، رجمیہ قدیم ۳/۱۳، جدید زکریا ۴/۹۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۶۶، جدید ڈائجیل ۵/۴۳۸)

ویکرہ اذان جنب و اقامتہ، و اقامة محدث لا اذانه و اذان امرأة و فاسق، و في الشامية: و ظاهره أن الكراهة تحريمية، و يعاد اذان جنب ندبا، لا اقامتہ، و في الشامية: زاد القهستاني: و الفاجر. (شامی، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، کراچی ۱/۳۹۲، زکریا ۲/۶۰)

وقال الحنفية: يكره اذان الفاسق، ويستحب إعادته. (الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثاني الأذان و الإقامة، شروط الأذان، مطبوعه ديوبند ۱/۶۰۰)

يكره اذان الفاسق، و لا يعاد اذانه؛ لحصول المقصود به. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زکریا ۱/۱۴۵، رقم: ۱۹۸۴) و صرح بکراهة اذان الفاسق، و لا يعاد، فالإعادة فيه ليقع على وجه السنة. (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۱/۲۵۹، كوئٹہ ۱/۲۲۰، دارالفکر ۱/۲۵۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۷۷)

فاسق کی اذان

سوال [۱۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر شرعی دائرہ رکھنے والے کا اذان دینا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے، تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔

المستفتی: حکیم شاکر علی خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: غیر شرعی داڑھی رکھنے والا شرعاً فاسق ہے، اس کی اذان مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۲۵۷)

عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم قراؤكم. (سنن أبي داؤد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۱/ ۸۷، دارالسلام، رقم: ۵۹۰)

ويكره أذان جنب - إلى قوله - وفاسق ولو عالماً، وفي الشامية: وظاهره أن الكراهة تحريمية. (الدرالمختار مع الشامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان، كراچی ۱/ ۳۹۲)

ومنها: أن يكون تقياً، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، والأمانة لا يؤديها إلا التقى، ومنها: أن يكون عالماً بالسنة، لقوله صلى الله عليه وسلم: يؤمكم أقرؤكم، ويؤذن لكم خياركم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ۶۴۶، كراچی ۱/ ۱۵۰، زكريا ۱/ ۳۷۲) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ رمضان المبارک

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۶۸)

بغیر داڑھی والے کی اذان واقامت

سوال [۱۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بغیر داڑھی والے کی اذان واقامت کیا بلا کراہت جائز ہے؟ اگر بلا کراہت جائز ہے تو فیہا، اگر کچھ کراہت ہے تو اس کی دلیل مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد اقبال شیرکوٹہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: بغیر داڑھی والے سے اگر داڑھی منڈانے والا مراد ہے، تو وہ شرعی طور پر فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی اذان و اقامت مکروہ ہے۔

وكره أذان الجنب وإقامته - إلى قوله - وأذان المرأة والفاسق.

(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۱/ ۴۵۸، كوئٹہ ۱/ ۲۶۳)

لیکن اگر بغیر داڑھی والے سے ایسا باشعور بالغ بچہ مراد ہے، جس کی داڑھی ابھی نہیں آئی ہے، تو ایسی صورت میں اس کی اذان و اقامت بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

و صرح بکراهة أذان الفاسق وروى مثله في الصبي العاقل أيضا، لكن في ظاهر الرواية في الصبي العاقل عدم الكراهة. (فتح القدير، كتاب

الصلوة، باب الأذان، زكريا ۱/ ۲۵۱، كوئٹہ ۱/ ۲۱۶، دارالفکر ۱/ ۲۴۷)

ويجوز بلا كراهة أذان صبي مراهق (تحتته في الشامية): المراد به العاقل: وإن لم يراهق كما هو ظاهر البحر وغيره، وقيل: يكره، لكنه خلاف ظاهر الرواية كما في الإمداد وغيره، وعلى هذا يصح تقريره في وظيفة الأذان. (شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في أذان الجوق، زكريا ۲/ ۵۹، كراچی ۱/ ۳۹۱)

وفي السراجية: أذان الصبي المراهق لا يكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب

الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۴۵، رقم: ۱۹۸۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۳۳)

داڑھی کٹانے والے کی اذان دینا

سوال [۱۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید ایک مسجد میں مستقل اذان دیتا ہے اور کبھی ناعہ بھی ہو جاتی ہے، زید داڑھی منڈاتا ہے اور پتلون شرٹ پہنتا ہے اور کوشش میں رہتا ہے کہ میں ہی اذان دوں، جب کہ مسجد میں باشرع لوگ بھی موجود ہوتے ہیں اور امام مسجد کا بھی یہی کہنا ہے کہ زید کو اذان پڑھنے دی جائے، کوئی حرج نہیں ہے، تو ایسی حالت میں اذان ہو جائے گی یا نہیں؟ اور امام کا زید کے لئے کہنا کیسا ہے؟ اور ایک امام کا یہ کہنا کہ بغیر داڑھی والے کی اذان ہو جائے گی، ایسی کوئی بات نہیں ہے، کیسا ہے؟۔

المستفتی: عبدالشکور قریشی چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مؤذن صالح دیندار ہونا چاہئے اور داڑھی منڈانے والا شرعاً فاسق ہوتا ہے؛ اس لئے ایسا شخص اذان کہنے کا مستحق نہیں ہے۔ اور اس کی اذان اگرچہ واجب الاعادہ نہیں ہے؛ لیکن مکروہ ضرور ہوتی ہے اس اذان کا اعادہ مستحب ہے۔
ويستحب أن يكون المؤذن صالحاً، أي متقياً؛ لأنه أمين في الدين.

(طحطاوي على المراقي، باب الأذان، قديم ۱۰۶، جديد دارالكتاب ديوبند ۱۹۷)

اذان ہو جاتی ہے؛ لیکن خلاف سنت اور مکروہ ہوتی ہے۔ اور اذان کا لوٹانا مستحب ہے۔

ويكره أذان جنب وإقامته -إلى قوله- وفاسق ولو عالماً. (الدرالمختار،

باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۰، كراچی ص: ۳۹۲)

ويستحب كون المؤذن عالماً بالسنة والأوقات، وكره أذان

الفاسق؛ لعدم الاعتماد؛ ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب

الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۱۸، مصري قديم ۱/ ۷۸)

وصرح بکراهة أذان الفاسق، ولا يعاد، فالإعادة فيه؛ ليقع على وجه

السنة. (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان زكريا ۱/ ۲۵۹، كوئٹہ ۱/ ۲۲۰،

دارالفکر ۱/ ۲۵۳)

وقال الحنفية: يكره أذان الفاسق، ويستحب إعادته. (الفقه الإسلامي وأدلته،

الفصل الثاني الأذان والإقامة، شروط الأذان، مطبوعه ديوبند ۱/ ۶۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۱۲)

داڑھی منڈانے والے کی اذان و اقامت

سوال [۱۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جناب خالد صاحب کسی مسجد کا مؤذن ہے اور ماشاء اللہ خالد صاحب کی آواز بھی بلند ہے؛ لیکن خالد صاحب اپنی داڑھی کو بالکل جڑ سے صاف کروا دیتے ہیں اور شریعت کے مطابق لباس بھی نہیں ہے۔

(۲) بوقت اذان یا تکبیر کہتے وقت شریعت کے مطابق لباس اور سنت کے مطابق داڑھی رکھنے والے موجود ہوں ایسے وقت میں خالد صاحب اذان یا تکبیر کہیں تو کیا خالد صاحب کی اذان یا تکبیر کا اعادہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) جناب خالد صاحب سے تاکید کی جاتی ہے کہ آپ شریعت کے مطابق لباس یا داڑھی رکھیں، تو خالد صاحب مسجد میں آنے سے یا نماز پڑھنے سے رک جاتے ہیں، تو کیا خالد صاحب کے نماز نہ پڑھنے کا گناہ کہنے والے کو ہوگا؟

المستفتی: شبیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: داڑھی منڈانا اور جڑ سے صاف کروانا دونوں موجب فسق ہیں اور فاسق کی اذان و اقامت مکروہ ہے؛ اس لئے اگر خالد صاحب کو اذان و اقامت کا شوق ہے، تو بہت اچھا ہے، ہر مسلمان کو شوق ہونا چاہئے، مگر اس کے لئے پہلے اپنی داڑھی وغیرہ شرعی کر لے، ورنہ کسی باشرع آدمی کو اذان و اقامت کے لئے مقرر کر لیا جائے۔

ویکروہ أذان جنب وإقامته -إلى قوله- وفاسق ولو عالما. (الدرالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۰، كراچی ص: ۳۹۲)
 وكره أذان الفاسق لعدم الاعتماد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۱۸، قديم ۱/ ۷۸)

ویکروہ أذان الفاسق. (البنایة، باب الأذان، أشرفیہ دیوبند ۲/ ۹۸)
 اس کو شرعی داڑھی اور شرعی لباس کی ترغیب دینے کی وجہ سے اس کا نماز یا جماعت ترک کرنا اس کے لئے بڑا گناہ ہے، اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
 کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۵/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
 (الف توئی نمبر: ۳۲/ ۲۷۱۱)
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
 ۵/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

داڑھی منڈے کی اذان

سوال [۱۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: داڑھی منڈے والے انسان سے اذان دلوائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: کاتب ابرار حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے والے کو مؤذن رکھنا ممنوع ہے، اس کی اذان و اقامت بھی مکروہ تحریمی ہے؛ لہذا کسی باشرع آدمی سے اذان و اقامت کی خدمت لی جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۸۷)

ویکروہ أذان جنب وإقامته -إلى قوله- وفاسق ولو عالما. (الدرالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۰، كراچی ص: ۳۹۲)
 يكره أذان الفاسق، ولا يعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۴۵، رقم: ۱۹۸۴)

ویکرہ اذان الفاسق. (البنایة، باب الأذان، أشرفیہ دیوبند ۲ / ۹۸) فقط واللہ
سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کاتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹ / ۳۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴ / ۷ / ۱۴۱۳ھ

سوال [۱۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ایک شخص جو داڑھی منڈاتا ہے، وہ اذان کہتا ہے، جب کہ داڑھی والے لوگ بھی موجود
ہوتے ہیں، تو داڑھی منڈانے والے کے لئے اذان دینا کیسا ہے؟ ایسے شخص کے لئے اذان
دینے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی عبدالرحمن، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے والا شریعت کے نزدیک فاسق ہے، اس کی
اذان مکروہ ہے؛ لہذا اگر کوئی داڑھی والا باشرع موجود ہو تو اسی سے اذان دلوانی چاہئے۔

ویکرہ اذان جنب وإقامتہ - إلی قوله - وفاسق ولو عالما. (الدرالمختار،

باب الأذان، مطلب فی المؤذن إذا کان غیر محتسب، زکریا ۲ / ۶۰، کراچی ص: ۳۹۲)

وکرہ اذان الفاسق لعدم الاعتماد. (مجمع الأنهر، کتاب الصلوۃ، باب

الأذان، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱ / ۱۱۸، قدیم ۱ / ۷۸)

ویکرہ اذان الفاسق. (البنایة، باب الأذان، أشرفیہ دیوبند ۲ / ۹۸) فقط واللہ
سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کاتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / ۹ / ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱ / ۳۵۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴ / ۹ / ۱۴۱۴ھ

سوال [۱۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: داڑھی منڈانا یا کتر وانا ایک حکم میں ہے یا جداگانہ؟ اور یہ دونوں شخص فاسق مععلن ہیں یا نہیں؟ فاسق مععلن کا اذان و اقامت کہنا اور اس کو مکبر بنانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ظہیر الحق، افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: داڑھی منڈانا اور کتر وانا دونوں حرام ہے، مگر منڈانا کترانے سے زیادہ شدید ترین گناہ ہے، شرعاً دونوں فاسق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تاکید سے داڑھی کو بڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔

عن ابن عمر، عن النبي ﷺ قال: احفوا الشوارب، واعفوا اللحى۔ (صحيح مسلم، باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/ ۲۹، بيت الأفكار، رقم: ۲۵۹، نسائي شريف، باب إحصاء الشارب وإعفاء اللحى، النسخة الهندية ۱/ ۴، دار السلام، رقم: ۱۵) ایسے شخص کا اذان و اقامت کہنا اور اس کو مکبر بنانا مکروہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۸۷)

يكره أذن الفاسق؛ لأنه أمانة شرعية، فلا يؤتمن الفاسق عليه، ولا يعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (الحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي جديد ۲/ ۹۵، رقم: ۱۳۰۳)

و كره أذان الفاسق، لعدم الاعتماد، ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸، مصري قديم ۱/ ۷۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ شوال ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۷۰/۳۳)

سوال [۱۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: داڑھی منڈانے والا شخص اذان یا تکبیر پڑھے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ داڑھی والے موجود ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مرحت فرمائیں۔ بیوا تو جروا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے والا شرعاً فاسق ہے، اس کی اذان اور تکبیر مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۲/۲۸۷)

وصرح بکراهة أذان الفاسق. (فتح القدير، كتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲۵۹، کوئٹہ ۱/ ۲۲۰، دارالفکر ۱/ ۲۵۳، الدر المننقی، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۱۸، مصری قدیم ۱/ ۷۸)

صرحوا بکراهة أذان الفاسق من غیر تقييد. (البحر الرائق، باب الأذان، زکریا ۱/ ۴۴۲، کوئٹہ ۱/ ۲۵۴)

لہذا جو داڑھی والے پابند شرع حضرات موجود ہیں وہ اذان و تکبیر کہا کریں۔

ومنها: أن يكون تقياً؛ لقول النبي صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، والأمانة لا يؤديها إلا التقي، ومنها: أن يكون عالماً بالسنة، لقوله صلى الله عليه وسلم: يؤمكم أقرؤكم، ويؤذن لكم خياركم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بیروت ۱/ ۶۶۶، کراچی ۱/ ۱۵۰، زکریا ۱/ ۳۷۲)، المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/ ۱۳۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲ صفر ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۸۳)

سوال [۱۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن کے لئے داڑھی ضروری ہے اور اگر مؤذن با شرع داڑھی والا نہ ہو تو دوسرا شخص جو کہ مشرع ہو وہ تکبیر کہہ سکتا ہے؟

المستفتی: گلغام بکر قصاب مغلیورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں مؤذن داڑھی والا با شرع ہونا چاہئے، داڑھی

منڈانے والا یا کترانے والے کا اذان دینا اور اقامت کہنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔
 ویکرہ اذان جنب و اقامتہ - الی قولہ - وفاسق ولو عالما. (درمختار،
 باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زکریا ۲/ ۶۰، کراچی ۱/ ۳۹۲)
 وصرح بکراهة أذان الفاسق. (فتح القدیر، کتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا
 ۱/ ۲۵۹، کوئٹہ ۱/ ۲۲۰، دارالفکر ۱/ ۲۵۳)
 نیز اگر بے شرع نے اذان دی ہے اور باشرع آدمی تکبیر کہنا چاہتا ہے تو مؤذن سے اجازت
 لے کر ہی تکبیر کہنا بہتر ہے۔

عن زیادة بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله ﷺ أن أؤذن
 في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه
 وسلم: إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي، باب ماجاء أن
 من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۹۹، سنن أبي داؤد، باب
 الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ۱/ ۷۶، دارالسلام، رقم: ۵۱۴، سنن ابن ماجه،
 باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۲، دارالسلام، رقم: ۷۱۷)

ومنها: أن من أذن فهو الذي يقيم، وإن أقام غيره، فإن كان يتأذى
 بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لا يكره.
 (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ۶۴۸،

کراچی ۱/ ۱۵۱، زکریا ۱/ ۳۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷ھ/۳/۱۴

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ رجب الاول ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۹۷)

داڑھی کو حد شرع سے کم کرنے والے کی اذان و اقامت

سوال [۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: فاسق (داڑھی کو حد شرع سے کم کرنے والے) کی اذان و اقامت درست ہے؟ کوئی کراہت ہے یا نہیں؟

المستفتی: مصلیان مسجد گلاب باڑی، مراد آباد
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسے شخص کی اذان و اقامت مکروہ ہے، واجب الاعداء نہیں؛ اس لئے بہتر اور افضل یہی ہے کہ ایسا شخص اذان و اقامت کی ذمہ داری لے جو باشرع اور متبع شریعت ہو اور اس کی داڑھی بھی ایک مشت سے کم نہ ہو۔ (حسن الفتاویٰ، زکریا ۲/۲۸۷، محمودیہ قدیم ۲/۲۶، جدید ڈائجیل ۵/۲۳۸)

ویکرہ اذان جنب وإقامته، وإمامة محدث لا أذانه، وأذان امرأة وفاسق. (تنویر الأبصار مع الشامی، باب الأذان، مطلب فی المؤذن إذا كان غیر محتسب، کراچی ۱/۳۹۲، زکریا ۲/۶۰)

ویستحب کون المؤذن عالما بالسنة والأوقات، وکرہ اذان الفاسق لعدم الاعتماد، ولكن لا یعاد. (مجمع الأنهر، کتاب الصلوة، باب الأذان، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۱۱۸، مصری قدیم ۱/۷۸)

یکرہ اذان الفاسق، ولا یعاد أذانه؛ لحصول المقصود به. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی الاذان، زکریا ۲/۱۴۵، رقم: ۱۹۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتاویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۶/۱۴۲۳ھ

مدعی نبوت کی اذان و اقامت

سوال [۱۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقام دہلا والا میں ایک شخص بظاہر باشرع ہے، نماز روزہ کا بھی پابند ہے، مگر اپنے آپ کو نبی کرشن کہتا ہے، جنت اور دوزخ کا قائل نہیں، دوسرے جنم کا قائل ہے، لوگوں کو دعوت بھی

دیتا ہے؛ لیکن قرآن وحدیث کا ترجمہ من مانی سے کرتا ہے، اگر ایسا شخص اذان واقامت کہتا ہے، تو آیا اس کی اذان واقامت کی بنا پر عوام کی نماز میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں؟ اس کی یہ باتیں تو تکبر کی بنا پر ہیں یا دماغ میں خلل واقع ہونے کی بنا پر ہیں۔ اور اگر وہ اذان واقامت کہتا ہے۔ اور امام صاحب اور وہ اشخاص جو کہ پڑھے لکھے ہیں، شر واقع ہونے کی وجہ سے اس کو منع نہیں کرتے، تو گناہ کس پر ہوگا؟

المستفتی: محمد اختر ندیم، معلم ریاض العلوم دہلا پور، رہنما، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص ہوش وحواس کی حالت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور جنت و جہنم کا انکار کرے، اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، وہ کافر و زندیق ہے، اس کی اذان واقامت معتبر نہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ.

[الأحزاب: ۲۳]

عن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وإنه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون، كلهم يزعم أنه نبي، وأنا خاتم النبيين، لا نبي بعدي. (سنن الترمذي، باب ماجاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون، النسخة الهندية ۱/ ۴۵، دارالسلام، رقم: ۲۲۱۹، سنن أبي داؤد، الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۴، دارالسلام، رقم: ۴۲۵۲، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۲۷۸، رقم: ۲۲۷۵۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۳/۸/۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکم شعبان ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۵)

صبح صادق کے بعد فوراً اذان دینے کا حکم

سوال [۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ہمارے یہاں فجر کی اذان صبح صادق کے فوراً بعد ہی ہو جاتی ہے، جب کہ بعض لوگ صبح صادق کے پانچ منٹ بعد اور بعض لوگ دس منٹ بعد بھی اذان دینے میں کراہت سمجھتے ہیں؛ لہذا صبح صادق کے فوراً بعد اذان دینا کیسا ہے؟ یا اس کا صحیح وقت کیا ہے؟ نیز واضح ہو کہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے اپنے رسالہ ”صبح صادق“ میں تحریر فرمایا ہے کہ رمضان المبارک میں جنتریوں میں دئے ہوئے وقت سے صرف دس منٹ کے بعد کراچی کی عام مساجد میں فجر کی جماعت قائم ہو جاتی ہے، یعنی رمضان میں نماز فجر وقت شروع ہونے سے قبل ہی پڑھی جاتی ہے اور اذانیں تو تقریباً ہمیشہ ہی قبل از وقت ہوتی ہیں، رسالہ ”صبح صادق“ ص: ۸۸ میرے خیال میں ہندوستان کے شہروں میں بھی تقریباً رمضان میں یہی صورت حال ہوگی، براہ کرم آپ واضح طور پر بتائیں کہ اوقات سحر کے ختم کے بعد کتنے وقفہ سے اذان دی جائے، امید ہے کہ جناب مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: عبدالعلیم عیسیٰ وصی اللہ خطیب جامع مسجد فیروز آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب کے فتویٰ کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے؛ لیکن اس کا مدار اس زمانہ میں کراچی کی جنتری کے ناقابل اعتبار ہونے پر تھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی کراچی کی پرانی جنتری کے مشکوک ہونے کی وضاحت فرمائی ہے؛ اس لئے کراچی کی جنتری سے متعلق مفتی رشید احمد صاحب نے جو لکھا ہے، وہ وہاں کا مسئلہ ہے، مگر آنجناب کا یہ خیال کرنا کہ ہندوستان کے شہروں میں بھی تقریباً صبح صادق سے پہلے نماز فجر پڑھی جائے، یہ نہیں ہے؛ بلکہ صبح صادق کا ثبوت ہر علاقہ میں وہاں کے طلوع صبح صادق سے ہوتا ہے؛ اس لئے آپ کے یہاں بھی جس وقت صبح صادق ہوتی ہے، اسی کا اعتبار ہوگا؛ لہذا اس سے دو چار منٹ پہلے احتیاطاً سحری کھانے کا سلسلہ ختم کر دیا جائے اور اس کے دو تین منٹ بعد فجر کی اذان دی جائے اور پھر اذان کے فوراً بعد نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہی اصل مسئلہ ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: إن للصلاة
أولاً وآخرًا - إلى - وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر، وإن آخر وقتها
حين تطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلوة، باب مواقيت الصلاة، النسخة الهندية ۱/
۳۹، دار السلام، رقم: ۱۵۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۳۲، رقم: ۷۱۷۲، المصنف لابن
أبي شيبة، كتاب الصلوة، مؤسسة علوم القرآن ۳/۱۱۶، رقم: ۳۲۴۱)

أول وقت الفجر إذا طلع الفجر الثاني، وهو المعترض في الأفق،
وآخر وقتها ما لم تطلع الشمس. (هداية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، أشرفي
ديوبند ۱/۸۰، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/۴،
رقم: ۱۴۸۹، ۱۴۹۱، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب المواقيت، إعزازيه ديوبند ۱/۵۲)
فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۳ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۷۳/۲)

ظہر کی اذان کا وقت

سوال [۱۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ہمارے یہاں ظہر کی اذان جاڑے اور گرمی میں بارہ بج کر پچاس منٹ پر ہوتی ہے اور
جماعت ایک بج کر ۲۰ منٹ پر ہوتی ہے، کچھ لوگوں کا اعتراض ہے کہ وقت بڑھنا چاہئے،
کچھ لوگ سابق اوقات کے حق میں ہیں، صحیح اوقات شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: محمود الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کے یہاں سردی و گرمی میں ۱۲ بج کر ۵ منٹ
پر زوال شمس ہو جاتا ہے، تو اذان شرعاً جائز ہے، ورنہ اذان لوٹنا نا واجب ہوگا۔

ووقت الظهر من زواله. (الدرالمختار، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی تعبدہ علیہ

السلام، زکریا ۲ / ۱۴، کراچی ۱ / ۳۵۹)

وسببہ بقاء دخول الوقت، وهو سنة -إلى قوله- فيعاد أذان وقع بعضه قبله كالإقامة، وتحتہ فی الشامی: أي فی أنها تعاد إذا وقعت قبل الوقت، أما بعده فلا تعاد. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان، کراچی

۱ / ۳۸۴، زکریا ۲ / ۴۸، ۵۰)

والظهر: أي وقت صلوته من الزوال: أي زوال الشمس عن وسط

السماء ممتدا. (شرح النقاية، کتاب الصلوٰۃ، باب المواقیت، مکتبہ اعزازیہ دیوبند ۱ / ۵۱)

سنة للفرائض فقط في وقتها، أي أوقات الفرائض سواء كان وقتا لأدائها أو لقضائها، ويعاد، أي الأذن لو أذن قبله، أي قبل وقت الأداء، لعدم الاعتداء بما قبله. (شرح النقاية، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان، إعزازیہ دیوبند

۱ / ۵۹ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ / رمضان ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۲۵ / ۲۵)

تہجد کی نماز کے لئے اذان دینا

سوال [۱۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کیا اذان دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حافظ ایوب، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تہجد دیگر نوافل کے لئے اذان و اقامت مشروع نہیں

ولیس لغیر الصلوات الخمس والجمعة نحو: السنن، والوتر، والتطوعات، والترایح، والعیدين، أذان ولا إقامة. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلوة، الباب الثانی فی الأذان، زکریا قدیم ۱/ ۵۳، جدید ۱/ ۱۱۰، المحيط البرہانی، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي، جدید ۲/ ۹۶، رقم: ۱۳۰۵)

سنة للفرائض فقط، أي لا للواجبات، كالعيدين، والوتر، ولا لفرض الكفاية، وهو الجنابة، ولا للسنن كالترایح. (شرح النقاية، کتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند ۱/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۱/۲۳)

تیز آندھی کے وقت اذان دینا

سوال [۱۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب آندھی آتی ہے یا تیز بارش ہوتی ہے، تو بعض علاقوں میں اس وقت اذان پڑھتے ہیں اور وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اذان پڑھنے سے آندھی یا بارش کم ہو جاتی ہے، کیا یہ اعتقاد رکھنا اور آندھی یا بارش کے وقت اذان پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ایسے موقع پر کیا عمل کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد ضیاء الدین دینا چور، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: آندھی کے وقت اذان ثابت نہیں؛ البتہ نماز ثابت ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا/۱۶۵)

وصلی الناس فرادی فی منازلہم تحرراً عن الفتنة، كالحسوف

للقمر، والريح الشديدة، والظلمة القوية. (درمختار، باب الكسوف، کراچی ۱۸۳/۲، زکریا ۳/۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۳۲/۳۲)

قبر پر اذان

سوال [۱۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میت کو دفن کرنے کے بعد یا پہلے یا کسی وقت قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: خادم محمد لازم لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان علی القبر دفن سے قبل یا بعد کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، محض من گھڑت ایجادی چیز ہے؛ اس لئے بدعت سیدہ محرمہ ہے، اس کا ترک کر دینا لازم و ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۱/۲۳۷، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۲۰۲، ۱/۳۶۵، جدید زکریا ۲/۱۲۲، ۱۲۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۱۹۶، جدید میرٹھ ۵/۲۳۳، فتاویٰ دارالعلوم، زکریا ۵/۳۸۲)

لا یسن الأذان عند إدخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر فی فتاواہ: بأنه بدعة. (شامی، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن

المیت، کوئٹہ ۱/۶۶۰، مصری ۱/۸۳۷، کراچی ۲/۲۳۵، زکریا ۳/۱۴۱)

من البدع التي شاعت في الهند الأذان على القبر. (درر البحار، بحوالہ

احسن الفتاویٰ، زکریا ۱/۳۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۳/۲۴)

ٹرین میں اذان و اقامت کہنے میں جنگل کی اذان و اقامت کا ثواب

سوال [۱۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مصنف عبد الرزاق ۱/۵۱۰ کے حوالہ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنگل میں ہو اور نماز کا وقت ہو جائے اور اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھے، تو اس کے پیچھے فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد نماز پڑھتی ہے کہ جن کے دونوں کنارے دیکھے نہیں جاسکتے، معلوم یہ کرنا ہے کیا یہ فضیلت مسافر کو ٹرین کے سفر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی حاصل ہو جائے گی؟ ہم لوگوں کا بمبئی، پونہ، احمد آباد جانا ہوتا رہتا ہے۔

المستفتی: سعید احمد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ نے سوال نامہ میں مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے حدیث شریف کا جو مضمون نقل کیا ہے، اسی مضمون کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۵۷، رقم: ۲۲۹۱ میں بھی ”باب فی الرجل یکون وحدہ فی وزن و یقیم“ کے تحت موجود ہے۔ اس حدیث میں بظاہر جنگل میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے کہ جہاں ظاہری طور پر اذان و اقامت کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا وہاں اللہ تعالیٰ اس کے اذان و اقامت کہنے کی وجہ سے فرشتوں کو اس کی اذان کا جواب دینے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے دیتے ہیں اور فرشتے اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور یہ بات چونکہ جنگل میں ٹرین پر اذان و اقامت کہنے میں بھی پائی جاسکتی ہے؛ اس لئے اگر کوئی شخص جنگل میں ٹرین پر اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھتا ہے، تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ اس کو بھی مذکورہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

عن سلمان الفارسی، قال: قال رسول اللہ ﷺ: إذا كان الرجل

بأرض قبي فحانت الصلوة، فليتوضأ، فإن لم يجد ماء فليتمم، فإن أقام صلى معه ملكاه، وإن أذن وأقام صلى خلفه من جنود الله ما لا يرى طرفاه. (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يصلي بإقامة وحده، المجلس العلمي ۱/ ۵۱۰، رقم: ۱۹۵۵، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۶/ ۲۴۹، رقم: ۶۱۲۰) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۱۳ ۱۴۲۹ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۳۲)

گاؤں کی اذان تین بیگھا دوری پر واقع مدرسہ کے لئے کافی ہے؟

سوال [۱۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ گاؤں سے ڈھائی تین بیگھا کی دوری پر ہے، بلا اذان کے نماز ادا کی جاتی ہے، فقط گاؤں کی اذان پر نماز ادا کر لی جاتی ہے، تو کیا یہ بہتر ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا لطف اللہ قاسمی، سپول بہار
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر گاؤں کی اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، تو گاؤں کی مسجد کی اذان کافی ہے، مگر افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ مدرسہ میں بھی باقاعدہ اذان دے کر جماعت کی جائے۔

وإن كان في كرم أو ضيعة يكتفى بأذان القرية، أو البلدة إن كان قريبا، وإلا فلا، وحد القريب أن يبلغ الأذان إليه منها، كذا في مختار الفتاوى، وإن أذنوا كان أولى. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ۱/ ۵۴، جديد ۱/ ۱۱۱، شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، كراچی ۱/ ۳۹۵، زكريا ۲/ ۶۳)

و في مسجد الجماعة، أي وكذا كره تركهما في مسجد جماعة، وكذا ترك واحد منهما؛ لأن كل واحد منهما سنة مؤكدة فيها لا في بيته، أي لا يكره تركهما مصل في بيته في مصر، أي إذا فعلا في مسجد محلته؛ لأنهم لما نصبوا مؤذنا صار فعله كفعلهم حكما، كما يشير إليه ابن مسعود حين صلى بعلقمة والأسود في داره بلا أذان ولا إقامة حيث قال: أذان الحي يكفيننا، رواه الأثرم حكاه سبط ابن الجوزي وغيره. (شرح الشقاية، شروط الصلوة، مكتبه إعزازه ديوبند ۱/ ۶۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹/صفر/۱۴۱۷ھ

۱۴۱۷/۲/۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۶۶۵)

ایک مسجد کی اذان سب مسجدوں کے لئے کافی نہیں

سوال [۱۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلہ کی کئی مسجدوں میں باجماعت نماز ہوتی ہے، تو ان میں سے ہر ایک مسجد میں اذان دی جائے یا ایک مسجد کی اذان تمام مساجد کے لئے کافی ہے؟
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب محلہ کی کئی مسجدوں میں باجماعت نماز ہوتی ہے، تو ان مساجد میں سے ہر ایک میں علیحدہ علیحدہ اذان دینا مسنون ہے؛ لہذا صرف ایک مسجد کی اذان پر اکتفا کرنا خلاف سنت ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈائجیل ۵/۳۹۹، میرٹھ ۹/۱۰۹)

قال ابن المنذر: (الأذان) فرض في حق الجماعة في الحضر والسفر، وقال مالك: يجب في مسجد الجماعة، وفي العارضة: وهو على البلد، وليس بواجب في كل سجدة، ولكنه يستحب في مساجد الجماعات. (البنایة شرح الهدایة، باب الأذان، اشرفیہ دیوبند ۲/۷۷)

وإذا قسم أهل المحلة المسجد وضربوا فيه حائطاً، ولكل منهم إمام على حدة، ومؤذنهم واحد لا بأس به، والأولى أن يكون لكل طائفة مؤذن. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، كونه ۲ / ۳۵، زكريا ۲ / ۶۲، كذا في المبسوط، كتاب الصلوة، باب الأذان، دارالكتب العلمية، بيروت ۱ / ۱۴۰)

وروى ابن أبي مالك عن أبي يوسف، عن أبي حنيفة: في قوم صلوا في المصر في منزل، أو في مسجد منزل، فأخبروا بأذان الناس وإقامتهم أجزاءهم، وقد أسأوا بتركهما، فقد فرق بين الجماعة والواحد؛ لأن أذان الحي يكون أذاناً للأفراد، ولا يكون أذاناً للجماعة، هذا في المقيمين. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، كراچی ۱ / ۱۵۳، زكريا ۱ / ۳۷۸، بيروت ۱ / ۶۵۳)

وفي جماعة المسجد، أي وكذا كره تركهما في مسجد جماعة، وكذا ترك واحد منهما؛ لأن كل واحد منهما سنة مؤكدة فيها. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديو بند ۱ / ۶۳) فقط واللهم سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

فرم میں اذان دینا

سوال [۱۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر فرم میں نماز باجماعت ادا کی جائے تو اذان کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد سلیم منصور، گونیاں باغ پرنس روڈ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس فرم کا سوال نامہ میں ذکر ہے، اگر یہ فرم محلہ کے اندر

ہے اور اس کے قریب آس پاس میں مسجد شرعی موجود ہے، تو مسجد میں نماز کے لئے نہ جا کر گھر یا فرم میں باضابطہ مستقل جماعت کا سلسلہ قائم کرنا ممنوع ہے، اس سے احتیاط لازم ہے۔ اور جب مسجد میں اذان ہو جائے تو محلہ کے مردوں اور فرم والوں سب پر ضروری ہے کہ مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں، ہاں البتہ اگر کسی موقع پر خاص عذر پیش آجائے، مثلاً سخت بارش ہو رہی ہے، یا راستہ کچھڑکی وجہ سے چلنے کے قابل نہیں ہے، تو اس طرح کے اعذار کی بنا پر وقتی طور پر مسجد نہ جا کر گھر یا فرم میں جماعت قائم کر کے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے، تو ایسی صورت میں اذان بھی دینی چاہئے، جب اس طرح کا کوئی عذر نہ ہو تو شرعی طور پر سب مردوں پر ضروری ہے کہ مسجد ہی میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي ﷺ قال: لقد هممت أن أمر بالصلوة، فتقام، ثم أخالف إلى منازل قوم لا يشهدون الصلاة، فأحرق عليهم. (صحيح البخاري، باب إخراج أهل المعاصي والخصوم من البيوت بعد المعرفة، النسخة الهندية ۱/ ۳۲۶، رقم: ۲۳۵۶، ف: ۲۴۲۰)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ قال: لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد. (المستدرک قدیم ۱/ ۳۷۳، مکتبہ نزار مصطفی الباز جدید ۱/ ۳۶۴، رقم: ۸۹۸)

عن علي - رضي الله عنه - قال: لا صلوة لجار المسجد إلا في المسجد، قال: قيل له: ومن جار المسجد؟ قال: من أسمع المنادي. (المصنف لابن أبي شيبة، باب من قال إذا سمع المنادي فليجب، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۱۹۶، رقم: ۳۴۸۸، مصنف عبدالرزاق، باب من سمع النداء، المجلس العلمي ۱/ ۴۹۷، رقم: ۱۹۱۵)

عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال: من سمع المنادي، ثم لم يجب من غير عذر فلا صلوة له. (مصنف ابن أبي شيبة، باب من قال: إذا سمع المنادي فليجب، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۱۹۴، رقم: ۳۴۸۳)

الجماعة سنة مؤكدة كذا في المتن، والخلاصة، والمحيط
السرخسي، وفي الغاية: قال عامة مشايخنا: إنها واجبة، وفي المفيد:
وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة، وفي البدائع: تجب على الرجال العقلاء
البالغين الأحرار القادرين على الصلوة بالجماعة من غير حرج. (عالمگیری،
كتاب الصلوة، الباب الخمس، زكريا قديم ۱/ ۸۲، جديد ۱/ ۱۴۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳۲۷/۶/۲۴ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳۲۷/۶/۲۴ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۱۸)

اذان سے قبل فرائض و نوافل پڑھنا

سوال [۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ہم مراد آباد جیل کے گیارہ نمبر کے احاطہ میں رہتے ہیں اور اس میں دو جگہ جماعت سے
نماز ہوتی ہے اور دونوں ہی جگہ اذان بھی ہوتی ہے، بریلوی مسلک کی اذان ڈیڑھ بجے
ہوتی ہے اور دیوبندی مسلک کی اذان ڈھائی بجے ہوتی ہے، تو کیا جب ڈیڑھ بجے بریلوی
مسجد کی اذان ہوگی تو دیوبندی مسلک کی مسجد میں کوئی آدمی جا کر نماز پڑھتا ہو روزانہ اس
مسجد کی اذان سے پہلے تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی، بغیر کسی عذر کے؟ اس کا فتویٰ دینے کی
زحمت گوارہ کریں۔

المستفتی: احمد حسن گلاب باڑی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دیوبندی مسلک کی اذان سے پہلے اس مسجد میں انفرادی
طور پر فرائض و نوافل کا پڑھنا بلاشبہ جائز و درست ہے؛ لیکن مقامی لوگوں کے لئے الگ سے
جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ممنوع ہے؛ بلکہ اذان کے بعد جو جماعت ہوتی ہے، اسی
جماعت کا انتظار کرنا ضروری ہے۔

روى عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا إذا فاتتهم الجماعة صلوا في المسجد فرادى. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، تکرار الجماعة في المسجد، زکریا ۱ / ۳۷۹، کراچی ۱ / ۱۵۳، البناية، أشرفیه دیوبند ۲ / ۵۸۱)

عن الحسن قال: كان أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم إذا دخلوا المسجد، وقد صلي فيه، صلوا فرادى. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلوة، باب من قال يصلون فرادى ولا يجمعون ۵ / ۵۵، رقم: ۷۱۸۸، مكتبه مؤسسة علوم القرآن) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۶/۱۴۳۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۳۹)

شافعی مسجد میں حنفی کی اذان کا حکم

سوال [۱۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شافعی المسلمک والی مسجد میں عصر کے وقت اگر حنفی المسلمک مؤذن اذان دے تو اذان صحیح ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل اور مفتی بہ جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالرشید اعظمی رتناگری، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفی نے شافعی وقت کے مطابق ایک مثل پر عصر کی جو اذان دی ہے، اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ حضرات ائمہ ثلاثہ، حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور امام طحاوی رحمہم اللہ کے نزدیک وہ اذان درست ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ ان سب حضرات کے نزدیک ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور یہی

امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول بھی ہے، جس کو بعض فقہاء نے مفتی بہ لکھا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول جو مشہور و معروف اور ظاہر الروایہ کے مطابق ہے، یعنی عصر کا وقت دو مثل کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، جس پر برصغیر میں عمل ہے؛ لہذا یہاں کے لوگ اسی کو عصر کا وقت سمجھتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے اس قول میں احتیاط کا پہلو بھی ہے؛ اس لئے دو مثل کے بعد اذان کا اعادہ کر لینا بہتر اور افضل ہوگا، تاکہ دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھنے والوں کو نماز کے وقت کا پتہ چل جائے اور وہ اپنے وقت پر آکر نماز میں شریک ہو جائیں، حضرات فقہاء نے اذان کے تکرار کو جائز لکھا ہے، مگر اقامت کا تکرار مشروع نہیں ہے۔

لأن تکرار الأذان مشروع دون الإقامة. (هدایة، کتاب الصلوة، باب

الأذان، أشرفی دیوبند ۱/۹۱)

لأن تکرار الأذان مشروع، أي كما في يوم الجمعة، بخلاف الإقامة.

(شامی، کتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲/۵۵، کراچی ۱/۳۸۹)

لأن تکرار الأذان مشروع في الجملة، كما في الجمعة، فأما تکرار

الإقامة، فغير مشروع أصلاً. (الفتاویٰ التاتاریخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في

الأذان، زکریا ۲/۱۴۴، رقم: ۱۹۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۴۴/۳۴)

غم اور برے اخلاق کو دور کرنے کے لئے کان میں اذان دینا

سوال [۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا

غم کے دور کرنے اور برے اخلاق کو اچھا بنانے میں کان میں اذان پڑھنا مؤثر ہے؟

المستفتی: عقیل احمد قاسمی، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کوئی شخص غمگین ہو تو اس کے کان میں اذان پڑھنا اس کے غم کو دور کر دیتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے مجھے غمگین دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن ابی طالب! میں تم کو غمگین دیکھ رہا ہوں، تم اپنے اہل کو حکم کرو کہ وہ تمہارے کان میں اذان دیں، یہ عمل تمہارے غم کو دور کر دے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس کو آزما یا تو اس کو اسی طرح پایا، اسی طرح اگر کسی کے اخلاق برے ہوں تو اس کے کان میں اذان دینے سے برے اخلاق دور ہو جاتے ہیں۔

عن علي - رضي الله عنه - رآني النبي صلى الله عليه وسلم حزينا، فقال: يا ابن أبي طالب! إنني أراك حزينا، فمر بعض أهلک يؤذن في أذنك؛ فإنه درأ اللهم، قال: فجزبته فوجدته كذلك، وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ساء خلقه من إنسان أو دابة فأذنوا في أذنيه. (رواه الديلمي، بحواله مرقاة، باب الأذان، قديم ۱ / ۱۴-۱۵، إمداديه، ملتان ۲ / ۴۹)

لیکن واضح رہے کہ یہ روایت صحاح ستہ میں مذکور نہیں؛ البتہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس کو مسند دیلمی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، جس کی روایت بہت زیادہ معتبر نہیں ہے، اگر کوئی چاہے تو اس اذان کا تجربہ کر کے دیکھنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵ / ۶۶۸۱)

”الصلاة خير من النوم“ کہنا بھول گیا تو کیا اذان کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

اگر اذان فجر میں ”الصلاة خير من النوم“ کہنا بھول گیا تو کیا اذان کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ثناء احمد بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ”الصلاة خير من النوم“ کہنا مندوب اور مستحب ہے؛ لہذا اگر اذان ختم ہونے سے قبل یا ختم ہوتے ہی فوراً یاد آجائے تو وہیں سے اعادہ کرے جہاں سے چھوٹ گیا ہے اور یہ مستحب ہے اور اذان ختم ہونے کے کافی دیر بعد یاد آجائے تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اذان صحیح ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/۲۹۷، جدید زکریا ۴/۱۰۳، احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/۲۸۶)

و یتسرسل فیہ بسکتۃ بین کلمتین، و یکرہ ترکہ، و تندب إعادته
ولو قدم فیہما مؤخرًا أعاد ما قدم، و تحته کما لو قدم الفلاح علی الصلوۃ
یعیده فقط، أي ولا یستأنف الأذان من أوله. (شامی، کتاب الصلاة، باب الأذان،
زکریا ۲/۵۳-۵۶، کراچی ۱/۳۸۷-۳۸۹)

و یزید بعد فلاح أذان الفجر الصلاة خیر من النوم لحديث بلال
حيث ذكرها حين وجد النبي صلى الله عليه وسلم نائمًا فلما انتبه أخبره به
فاستحسنه، وقال: اجعله في أذانك وهو للندب بقريته قوله ما أحسن هذا.
(البحر الرائق، زکریا ۱/۴۴۶، کوئٹہ ۱/۲۵۶)

و یزاد في أذان الصبح بعد حي علی الفلاح، ”الصلاة خير من النوم“
مرتین ندباً. (الفقه علی المذاهب الأربعة، مباحث الأذان، الفاظ الأذان، دارالفکر بیروت
۱/۳۱۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۶/۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۳۷)

اذان کے کلمات چھوٹ جانے پر اعادہ کا حکم

سوال [۱۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کلماتِ اذان میں سے کوئی کلمہ چھوٹ جائے تو اذان کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح فجر کی اذان میں ”الصلاة خیر من النوم“ چھوٹ جائے تو اعادہ لازم ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے کلمات میں سے کوئی کلمہ چھوٹ جائے تو اگر اسی وقت یاد آجائے تو اعادہ کر کے بعد کے کلمات بھی دہرائے جائیں تو اذان صحیح ہو جائے گی اور اگر بعد میں یاد آئے تو دوبارہ اذان دی جائے گی اور اذان فجر میں ”الصلاة خیر من النوم“ کہنا مستحب اور مندوب ہے؛ لہذا اگر یہ چھوٹ جائے تو فوراً یاد آنے پر اعادہ بہتر ہے اور اگر بعد میں یاد آئے تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/۲۸۵، ۲۸۶)

ویرسل فیہ بسکتة بین کلمتین، ویکرہ ترکہ، و تندب إعادته
ولو قدم فیہما مؤخرًا أعاد ما قدم، وتحتہ کما لو قدم الفلاح علی الصلوة
یعیده فقط، أي ولا یستأنف الأذان من أوله. (شامی، کتاب الصلوة، باب الأذان،
زکریا ۲/۵۳-۵۶، کراچی ۱/۳۸۷-۳۸۹)

ویقول ندبا بعد فلاح أذان الفجر ”الصلاة خیر من النوم“ (تحتہ فی
الشامی) فیہ رد علی من یقول: إن محلہ بعد الأذان بتمامہ. (شامی، کتاب
الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲/۵۴، کراچی ۱/۳۸۷-۳۸۸)

ویزید بعد فلاح أذان الفجر الصلاة خیر من النوم، وهو للندب
بقرینة قوله: ما أحسن هذا، وفي قوله: بعد فلاح أذان الفجر رد علی من
یقول أن محلها بعد الأذان بتمامہ. (البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا
۱/۴۴۶، کوئٹہ ۱/۲۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر:)

دوران اذان بجلی کا چلا جانا

سوال [۱۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کبھی کبھی اذان مسجد میں شروع ہوتے ہی بجلی غائب ہو جاتی ہے، تو دوبارہ مسجد کے باہر اذان دینی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا خورشید انور صاحب، مدرس مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کمرے یا مسجد میں اذان دیتے وقت بجلی بھاگ جائے اور آواز باہر نہ پہنچے، تو درمیان میں منقطع کر کے باہر آکر باقاعدہ اذان دینی ضروری ہے؛ کیوں کہ بغیر آواز کے مقصد اذان فوت ہو جاتا ہے، جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

سئل عن من یقف فی خلال الأذان، قال: یعید الأذان. (الفتاویٰ

التاتارخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی الأذان، زکریا ۲/۱۴۹، رقم: ۱۹۹۹)

إذا وقف فی خلال الأذان یعیده. (ہندیة، الباب الثانی فی الأذان، زکریا قدیم

۱/ ۵۵، جدید ۱/ ۱۱۲)

إذا عرض للمؤذن ما یمنعه عن الإتمام، وأراد آخر أن یؤذن یلزمه استقبال الأذان من أوله إن أراد إقامة سنة الأذان، فلو بنی علی ما مضی من أذان الأول لم یصح. (شامی، باب الأذان، مطلب فی المؤذن إذا کان غیر محتسب، زکریا ۲/ ۶۱، کراچی ۱/ ۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶ھ/۲۷/۲۸

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۳۳)

دوران اذان بجلی چلی جائے تو اذان کا حکم

سوال [۱۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مؤذن کے اذان دینے کے وقت، درمیان اذان میں بجلی چلی جائے، تو مؤذن اس اذان کو اسی حجرے میں مکمل کرے جہاں اذان دے رہا ہے یا پھر باہر آکر اذان مکمل کرے؟ اگر باہر آکر مکمل کرے تو از سر نو اذان کہے یا پھر اسی اذان پر بنا کرے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: راحت علی رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئلہ میں اگر درمیان اذان بجلی چلی جائے تو مؤذن کو چاہئے کہ فوراً باہر نکل کر بلند جگہ پر اذان پوری کرے؛ کیوں کہ اذان کا مقصود اعلام غائبین ہے؛ اس لئے بعض فقہاء نے مسجد کے اندر اذان دینے سے بھی منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ اس سے مقصد اذان حاصل نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اور مانک کی اذان غائبین تک اچھی طرح پہنچ جاتی ہے؛ اس لئے مسجد کے اندر اذان دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور اب جب مانک کی آواز ہی ختم ہوگئی تو اب وہاں اذان نہیں دینی چاہئے؛ بلکہ باہر آکر مکمل اذان دے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/۲۳۳، جدید ڈبھیل ۵/۳۹۰، امداد الاحکام، زکریا ۲/۳۲)

وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع للجيران.

(شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان، زکریا ۲/۴۸، کراچی ۱/۳۸۴، فتاویٰ ہندیہ، باب

الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زکریا قدیم ۱/۵۵، جدید ۱/۱۱۲)

سئل عمن يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاویٰ

التاتارخانية، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثاني في الأذان ۲/۱۴۹، رقم: ۱۹۹۹)

إذا وقف في خلال الأذان يعيده. (ہندیہ، الباب الثاني في الأذان، زکریا قدیم

۱/۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۷)

دوران اذان بجلی چلی جائے تو تکمیل کا طریقہ

سوال [۱۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مؤذن اذان دے رہا ہے مانک سے، بجلی بھاگ گئی اذان کا کچھ حصہ کہہ چکا تھا، کیا وہ اذان چھوڑ کر باہر اذان دینے جائے گا؟ کیا صحیح ہے؟

المستفتی: محمد بدرالدین مسجد میدان والی، رفعت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اذان کا مقصد غائبین کے لئے اعلان ہے اور جس کمرہ میں مانک ہے وہاں کی آواز لوگوں کو سنائی نہیں دے سکتی؛ اس لئے بہتر یہی ہے کہ باہر آ کر دوبارہ شروع سے اذان دے۔

كما استفادہ قاضیخان: إذا حضر المؤذن في خلال الأذان أو في الإقامة، وعجز عن الإتمام ولم يكن هناك من يلقيه يجب الاستقبال. (قاضی خان، باب الأذان، مسائل الأذان، زكريا جديد ۱ / ۵۱، وعلى هامش الهندية ۱ / ۷۷، عالمگیری، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ۱ / ۵۵، جديد ۱ / ۱۱۲) وقد يقال فيه إذا شرع فيه ثم قطع تبادر إلى السامعين - إلى قوله - المراد أنه إذا عرض للمؤذن ما يمنعه عن الإتمام، وأراد آخر أن يؤذن يلزمه استقبال الأذان من أوله إن أراد إقامة سنة الأذان، فلو بنى على ما مضى من أذان الأول لم يصح، فلذا قال في الخانية: لو عجز عن الإتمام استقبال غيره. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب..... زكريا ۲ / ۶۱، كراچی ۱ / ۳۹۳)، كوئٹہ ۱ / ۲۸۹)

سئل عمن يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاوى

التاتارخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۴۹، رقم: ۱۹۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۵/۲۳)

دوران اذان لاؤڈ اسپیکر خراب ہونے پر تکمیل کا طریقہ

سوال [۱۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لاؤڈ اسپیکر میں اذان شروع کی، مگر دو چار کلمہ کے بعد لاؤڈ اسپیکر خراب ہو گیا، تو مؤذن نے اذان دینا بند کر دیا، پھر لاؤڈ اسپیکر کو ٹھیک کر کے اذان پوری کیا یا لاؤڈ اسپیکر میں اذان شروع کی اور پوری اذان دے دی، مگر آواز باہر نہیں گئی، اس لئے پھر سے دوبارہ اذان دی تو اس طرح اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزل حق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دوران اذان جب لاؤڈ اسپیکر بند ہو جائے تو بلند جگہ پر اذان دینا چاہئے، یا لاؤڈ اسپیکر صحیح کر کے اذان دینا چاہئے؛ اس لئے کہ اذان کا مقصد دور دور کے لوگوں کے لئے وقت نماز کا اعلان کرنا ہے۔

سئل عن من يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاوى

التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۴۹، رقم: ۱۹۹۹)

إذا وقف في خلال الأذان يعيده. (هندية، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم

۱/ ۵۵، جديد ۱/ ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۲۳/۳۶)

بجلی جانے پر ازسرنو اذان دینا

سوال [۱۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن نے اذان شروع کی، بجلی چلی گئی، اذان مانک سے ہو رہی تھی، تو ایسی صورت میں مؤذن کیا وہیں پر اذان دیتا رہے جہاں اذان پڑھ رہا تھا، جب کہ وہاں سے بعض لوگوں کو آواز نہیں جاسکتی یا یہ کہ باہر آکر اذان دے؟ باہر دینے کی صورت میں دوبارہ ازسرنو پڑھے یا کیا کرے؟

المستفتی: انضال احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ایسی صورت میں مؤذن کو چاہئے باہر آکر بلند جگہ سے ازسرنو اذان دے؛ کیوں کہ اذان کا مقصود لوگوں کے لئے نماز کا اعلان کرنا ہے اور جہاں سے لوگوں کو اذان کی آواز نہیں پہنچ سکتی وہاں سے اذان کا مقصود حاصل نہیں ہوتا؛ اس لئے باہر آکر بلند مقام سے دوبارہ اذان دے۔

إذ عرض للمؤذن ما يمنعه من الإتمام أو أراد آخر أن يؤذن يلزمه استقبال الأذان من أوله إن أراد إقامة سنة الأذان، فلو بنى على ما مضى من الأذان الأول لم يصح، ولذا قال في الخانية: لو عجز عن الإتمام استقبال غيره لثلا يكون آتيا ببعض الأذان. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، كراچی ۱/ ۳۹۳، زكريا ۲/ ۶۱، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۴۵۹، كوئٹہ ۱/ ۲۶۴، خانیه، باب الأذان، مسائل الأذان، زكريا جديد ۱/ ۵۱، وعلى هامش الهندية ۱/ ۷۷)

سئل عمن يقف في خلال الأذان، قال: يعيد الأذان. (الفتاوى

التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۴۹، رقم: ۱۹۹۹)

إذا وقف في خلال الأذان يعيده. (هندية، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم

۱/ ۵۵، جديد ۱/ ۱۱۲) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربيع الثاني ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۸۵)

سوال [۱۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے اندر مانک میں اذان دینا کیسا ہے، جب کہ مانک کے ہارن مسجد کی چھت پر یا میناروں پر لگے ہیں، جن کے ذریعہ آواز ہر جگہ پہنچتی ہے؟

المستفتی: مولانا خورشید انور، مدرس مدرسہ شامی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر مانک میں اذان دینا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان کو فقہاء نے اس لئے خلاف اولیٰ اور مکروہ تزیہی کہا تھا کہ اس سے مقصد اذان حاصل نہیں ہوتا، ورنہ جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد ہی میں دینے کا حکم ہے؛ کیوں کہ اس سے غائبین کو مطلع کرنا مقصد نہیں؛ بلکہ حاضرین کو آگاہ کرنا مقصد ہوتا ہے۔ اور مسجد کے اندر مانک میں اذان دینے سے مقصد اذان حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لئے بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/ ۲۹۴)

إعلم أن الأذان لا يكره في المسجد مطلقا كما فهم بعضهم من بعض العبارات الفقهية، وعمومه هذا الأذان، بل مقيدا بما إذا كان المقصود إعلام ناس غير حاضرين (قوله:) أما من أذن لنفسه أو لجماعة حاضرين، فالظاهر أنه لا يسن له المكان العالي، لعدم الحاجة. (إعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، كراچی ۸/ ۸۷، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۸۷، شامی، كتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲/ ۴۸، كراچی ۱/ ۳۸۴)

منها: أن يجهر بالأذان، فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام

يحصل به ولهذا كان الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران
كالمثذنة، ونحوها ولأن الأذان لإعلام الغائبين بهجوم الوقت. (بدائع
الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ۱/ ۶۴۲، زكريا ۱/ ۳۶۹،
کراچی ۱/ ۱۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۶/۲/۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۳۷)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۲/۲۸ھ

اذان کا جواب دینا واجب ہے یا سنت؟

سوال [۱۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ایک شخص کہتا ہے کہ اذان کے وقت مسجد کے باہر ہوں تو جواب دینا واجب ہے۔ اور اگر
مسجد کے حدود کے اندر ہوں تو جواب دینا سنت ہے، صحیح کیا ہے تحریر فرمائیں؟

المستفتی: شان عالم گلشہید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جواب کی دو قسم ہے: اجابت بالقول۔ اور اجابت
بالفعل۔ اجابت بالقول سب کے نزدیک سنت ہے اور اجابت بالفعل کا مطلب یہ ہے: کہ
اذان سن کر فوراً مسجد آنے کے لئے تیاری شروع کر دیں، یہ بعض علماء کے نزدیک واجب
ہے۔ اور جو شخص مسجد میں پہلے ہی سے موجود ہے، اس کے ذمہ صرف اجابت قولی ہے، جو
سب کے نزدیک سنت ہے۔

أما الإجابة فظاهر الخلاصة والفتاوى والتحفة وجوبها، وقول
الحلواني: الإجابة بالقدم فلو أجاب بلسانه ولم يمش لا يكون مجيباً، ولو
كان في المسجد فليس عليه أن يجيب باللسان، حاصله نفي وجوب
الإجابة باللسان، وبه صرح جماعة، وأنه مستحب. (فتح القدير، باب الأذان،

کوئٹہ ۱/۲۱۷، زکریا ۱/۲۵۴، دارالفکر ۱/۲۴۸

ویجیب وجوبا، وقال الحلواني: ندبا، والواجب الإجابة بالقدم. (تحتہ فی الشامیة): قال الحلواني: إن الإجابة باللسان مندوبة، والواجبة هي الإجابة بالقدم. (شامی، کتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲/۶۵، کراچی ۱/۳۹۶) ”ویجیب وجوبا“ علی المعتمد للأمر به، فی قوله علیه الصلاة والسلام: فقولوا مثل ما يقول. ”قوله ندبا“: أي إجابة اللسان مندوبة. (حاشیة الطحطاوی علی الدر، کتاب الصلوة، باب الأذان، کوئٹہ ۱/۱۸۸، الفتاوی التاتاریخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی الأذان، زکریا ۲/۱۵۲، رقم: ۲۰۰۷، المحيط البرهانی، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی الفرائض، المجلس العلمي، جدید ۲/۱۰۲، رقم: ۱۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۸ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۶/۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۱۹۳)

اذان کے جواب کی شرعی حیثیت

سوال [۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان ہو رہی ہے، تو اس کا جواب دینا سنت ہے یا واجب؟ اور جو لوگ گھر میں بیٹھے اذان سن رہے ہیں ان پر بھی اذان کا جواب دینا سنت ہے یا واجب؟ جو بھی حکم ہو مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حکمت اللہ محلہ سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان سننے والا اگر تلاوت یا تقریر یا تعلیم میں مشغول نہ ہو تو اس پر اذان کا جواب دینا واجب ہے، نیز جو شخص گھر میں بیٹھ کر اذان سن رہا ہے اس پر بھی

جواب اذان واجب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۲/۶۲، جدید ڈائجیل ۵/۴۴۲)

عن ابن عباس - رضي الله عنه - أن النبي ﷺ قال: من سمع النداء فلم يجب فلا صلاة له. (المستدرک، کتاب الصلوٰۃ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۱/۳۶۳، رقم: ۸۹۳، سنن الترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فیمن سمع النداء فلا یجیب، النسخة الهندیة ۱/۵۲، دارالسلام رقم: ۲۱۷، المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربی ۱۸/۱۲، رقم: ۱۲۳۴۴)

يجب على السامعين عند الأذان الإجابة. (فتاویٰ عالمگیری، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم ۱/۵۷، جديد زكريا ۱/۱۱۴، البحر الرائق، باب الأذان، كوئته ۱/۲۵۹، زكريا ۱/۴۵۱)

ومن سمع الأذان فعليه أن يجيب. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/۱۵۲، رقم: ۲۰۰۷، المحيط البرهاني، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثاني في الفرائض المجلس العلمي، جديد ۲/۱۰۲، رقم: ۱۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۵۷)

اذان کے جواب کا مسنون طریقہ

سوال [۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن اذان دیتے وقت ”أشهد أن محمد رسول الله“ کہے، تو جواب میں اسی کے مثل کلمات لوٹانے کے بارے میں آتا ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص شہادتین کے بعد درود پڑھے، تو کیا حکم ہے؟ دریافت طلب بات یہ ہے کہ آیا شہادتین کے جواب میں صرف شہادتین پڑھے یا صرف درود پڑھے یا دونوں پڑھے؟ اسی طرح کوئی شخص اذان کے وقت سلام کرے، تو سلام

کرنا کیسا ہے اور سلام کرنے کے بعد جواب دینا کیسا ہے؟ جواب دے یا نہ دے؟

المستفتی: محمد محفوظ ملکوالا، لکھنؤ پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حدیث شریف میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جواباً وہی کلمات کہو جو مؤذن کہہ رہا ہے، صرف حیعیین کے جواب میں حوقلہ یعنی ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہو، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ شہادتین کے وقت جواباً صرف شہادتین ہی کہا جائے گا، اس کے ساتھ درود شریف کا ثبوت نہیں، ہاں البتہ اذان کے ختم ہونے کے بعد دعا وسیلہ سے پہلے درود شریف پڑھنا، پھر اس کے بعد دعا وسیلہ پڑھنا حدیث کی کتابوں سے ثابت ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن، فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة. (صحيح مسلم، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه النسخة الهندية ١ / ١٦٦، بيت الأفكار، رقم: ٣٨٤، سنن الترمذي، باب ما يقول أذان المؤذن من الدعاء؟ النسخة الهندية ١ / ٥١، دار السلام، رقم: ٣٦١٤، سنن النسائي، باب الصلاة على النبي بعد الأذان، النسخة الهندية ١ / ٧٨، ٧٩، دار السلام، رقم: ٦٧٨)

عند مسلم بلفظ ”قولوا مثل ما يقول“ ثم صلوا علي، ثم سلوا الله لي الوسيلة، ففي هذا أن ذلك يقال عند فراغ الأذان. (فتح الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، دار الريان بيروت ٢ / ١١٢، دار الفكر ٢ / ٩٤، أشرفيه ديوبند ٢ / ١٢٠، عمدة القاري، باب الدعاء عند النداء دار احياء التراث العربي ٥ / ١٢٢، زكريا ٤ / ١٧٢، شامي، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، كراچی ١ / ٣٩٨، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند ١ / ٦١)

اذان کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر کسی نے اذان کے وقت سلام کیا تو جواب دینا لازم نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/۳۶)

لا یسلم ولا یرد السلام، ولا یشغل بشیء سوی الإجابة. (البحر الرائق، باب الأذان، زکریا ۱/۴۵۰، کوئٹہ ۱/۲۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۳۳/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲۹

”لا حول ولا قوۃ“ کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال [۱۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان کے جواب میں جیعلتین کی جگہ ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ پڑھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے جواب میں جیعلتین کی جگہ ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ پڑھنا مندرجہ ذیل حدیث شریف سے ثابت ہے۔

عن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن أبيه، عن جده عمر بن الخطاب، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قال المؤذن: الله أكبر الله أكبر، فقال: أحدكم الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوۃ إلا باللہ، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوۃ إلا باللہ. الخ (مسلم، شریف، الصلاة، باب

استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية ۱/ ۶۷، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۵)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: إذا أذن المؤذن فقولوا مثل قوله. (ابن ماجه، باب ما يقال إذا أذن المؤذن،
النسخة الهندية، ص: ۵۲، دارالسلام، رقم: ۷۱۸)

فقولوا مثل قوله عام مخصوص بحديث عمر أنه يقول في الحيعتين
لا حول ولا قوة إلا بالله، أعلم أنه يستحب للسامع إذا أذن المؤذن أن يقول
مثل قوله إلا في الحيعتين؛ فإنه يقول لا حول ولا قوة إلا بالله. (انجاح الحاجة،
حاشية ابن ماجه، ص: ۵۲)

قال يحيى: وحدثني بعض إخواننا، أنه قال: لما قال: حي على
الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، وقال: هكذا سمعنا نبيكم صلى الله
عليه وسلم يقول. (بخاري شريف، باب ما يقول إذا سمع المنادي؟ النسخة الهندية
۸۶/۱، رقم: ۶۰۵، ف: ۶۱۳)

عن عبد الله بن الحارث بن نوفل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم
كان إذا سمع المؤذن يؤذن، قال: الله أكبر الله أكبر -إلى قوله- وإذا قال:
حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (مصنف
عبدالرزاق، المجلس العلمي ۱/ ۴۷۸، رقم: ۱۸۴۳)

عن معاوية، أن النبي ﷺ سمع المؤذن، فقال كما قال، حتى قال:
حي على الصلاة، فقال: لا حول ولا قوة إلا بالله. (المعجم الأوسط، دارالفكر
۱۶۱/۶، رقم: ۸۳۶۴، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱۹/ ۳۲۱، رقم:
۷۳۰، مسند الدارمي، دارالمغني ۲/ ۷۶۷، رقم: ۱۲۳۸، صحيح ابن خزيمة، المكتب
الإسلامي ۱/ ۲۴۶، رقم: ۴۱۴) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاوّلیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتاویٰ نمبر:)

حیعتین میں ”لا حول“ کیوں پڑھا جاتا ہے؟

سوال [۱۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان کے دوران ”حی علی الصلاة“ اور ”حی علی الفلاح“ کے دوران میں ”لا حول“ پڑھتے ہیں اور اسی طرح برے ماحول اور کاموں کے وقت میں ”لا حول“ ہی کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اگر شیطان سے پناہ مقصود ہے تو تعویذ یا دوسرے کلمات بھی تو پڑھ سکتے ہیں؟ آپ صحیح جواب عنایت فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: زیر عالم تجویدی، قصبہ ڈھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح اور صریح حدیث شریف میں ”حی علی الصلاة“ اور ”حی علی الفلاح“ کے دوران ”لا حول ولا قوة الا باللہ“ پڑھنے کا حکم اور ترغیب آئی ہے۔ اور تعویذ پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے: اس لئے ”لا حول ولا قوة الا باللہ“ پڑھتے ہیں۔ اور بعض برے کاموں میں تعویذ پڑھنے کا بھی حکم ہے اور ”حی علی الصلاة“ اور ”حی علی الفلاح“ میں برے کام کے لئے نہیں بلایا جاتا؛ بلکہ نماز اور فلاح کی طرف بلایا جاتا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ملاحظہ ہو:

عن عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا باللہ، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا باللہ، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله من قلبه دخل الجنة. (صحيح

مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ۱/ ۱۶۷، بيت

الأفكار، رقم: ۳۸۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۲ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۶۴)

”الصلاة خیر من النوم“ کا جواب کس جملہ سے دیا جائے؟

سوال [۱۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”الصلاة خیر من النوم“ کے جواب میں حضرت تھانوی صدقت و بررت لکھتے ہیں۔ اور حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی کتاب میں وہی الفاظ دہرانا لکھا ہے، کیا ”صدقت و بررت“ بناؤی جواب ہے؟

المستفتی: محمد یونس احمد گڑھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: فجر کی اذان میں ”الصلاة خیر من النوم“ کے جواب ”صدقت و بررت“ کہنا مستنون ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ، قدیم/۳۰۴، جدید، زکریا ۲۸۷، تعلیم الاسلام ۳/۶۰)

وفي ”الصلاة خیر من النوم“، فيقول: صدقت و بررت. (درمختار،

كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۶۷، كراچی ۱/ ۳۹۷)

إذا قال المؤذن ”الصلاة خیر من النوم“ لا يعيده السامع؛ لما قلنا، ولكنه يقول: صدقت و بررت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يجب على السامعين، بيروت ۱/ ۶۶۰، كراچی ۱/ ۱۵۵، زكريا ۱/ ۳۸۳، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند ۱/ ۶۱، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الأذان، قديم، ص: ۱۱۰، جديد دار الكتاب ديوبند، البناية، باب الأذان، أشرفيه ديوبند ۲/ ۹۸، الفتاوى التاتار حائية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۵۳، رقم: ۲۰۰۸)

اور حضرت مفتی سعید احمد صاحب کی تحریر شاید عمومی اذان سے متعلق ہے۔ اور اگر انہوں نے ”الصلاة خیر من النوم“ کی جگہ میں وہی الفاظ دہرانے کا ذکر کیا ہے، تو وہ کتاب ہمارے پاس نہیں ہے، کتاب دیکھ کر کچھ بات کہی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

۱۴۲۱/۵/۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶۸۸/۳۵)

کیا تالی پر اذان کا جواب دینا واجب ہے؟

سوال [۱۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے، اس پر اذان کا جواب دینا سنت ہے یا واجب؟ فقط

المستفتی: حکمت اللہ محلہ سرانے گلزاری مل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تلاوت، علمی مسائل، تعلیم وغیرہ میں اگر کوئی مشغول ہے، تو اس پر اذان کا جواب دینا واجب نہیں؛ بلکہ اولیٰ اور افضل ہے، اگرچہ مسجد میں کیوں نہ ہو۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ، قدیم ۴/۲۸۹، جدید زکریا ۴/۹۸)

أمسک حتی عن التلاوة، لیجیب المؤذن ولو فی المسجد، وهو

الأفضل. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، قدیم ۱۰۹، جدید، دارالکتاب ۲۰۲)

ولو کان فی القراءة ینبغی أن یقطع، ویشتغل بالاستماع والإجابة.

(فتاویٰ عالمگیری، الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی فی کلمات الاذان، زکریا قدیم ۱/۵۷، جدید ۱/۱۱۴، البحر الرائق، باب الأذان، زکریا ۱/۵۱، کوئٹہ ۱/۲۵۹)

ویستحب إجابة المؤذن بإحسان، فیمسک عن التلاوة وغیرها فی

المسجد وغیرہ. (شرح النقایة، کتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازیہ دیوبند ۱/۶۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۵۷)

کیا حائضہ ونفساء پر اذان کا جواب دینا واجب ہے؟

سوال [۱۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حائضہ ونفساء کلمات اذان کا جواب دے سکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: اسلام الدین مدناپور، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حائضہ اور نساء کے لئے کلمات اذان کا جواب دینا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۲۱۰)

ویجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان، ونحو ذلك.

(ہندیہ، کتاب الطہارۃ، الباب السادس في الدعاء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زکریا

قدیم ۱/۳۸، جدید ۱/۹۳)

ویجوز لهما الدعوات وقراءة ”اللهم إنا نستعينك“ وجواب الأذان

ونحو ذلك. (فتاویٰ سراجیہ، دار الأیمان سہارن پور ۱/۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳ھ/۷/۱۹

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ رجب ۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۵۲)

جنبی کا اذان و سلام کا جواب دینا

سوال [۱۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ فرض غسل کرنا ہے، اذان کی آواز آنے لگے تو ایسی حالت میں اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟ (۲) یہ کہ مذکورہ حالت میں سلام کرنا یا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز، دوکاندار برتن بازار، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) اس حالت میں بھی اذان کا جواب دینا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم، زکریا/۲/۸۶)

ویجیب وجوبا، وقال الحلواني: ندبا، والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان ولو جنبا. (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲/۶۵، کراچی ۱/۳۹۶، کوئٹہ ۱/۲۹۱، مصري ۱/۳۶۷)

(۲) حالت جنابت میں سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/۳۳۳/۳۸۲، ۳۸۲)

ویجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان، ونحو ذلك. (هندیة، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدعاء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، زکریا قدیم ۱/۳۸، جدید ۱/۹۳)

ویجوز لهما الدعوات وقراءة "اللهم إنا نستعينك" وجواب الأذان ونحو ذلك. (فتاویٰ سراجیہ، دار الأیمان سہان پور ۱/۵۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۴/۲۳)

دوران اذان بیت الخلاء میں داخل ہونا

سوال [۱۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ کہ بیت الخلاء جانا ہے، قبل داخلہ بیت الخلاء اذان کی آواز آنے لگی، تو بیت الخلاء میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز، شاہی مسجد بازار، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر ضرورت زیادہ ہو تو فوراً پوری کرے، ختم اذان کا انتظار نہ کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم، زکریا/۱۳۰)

وقوله تعالى: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. [الآية:]

المشقة تجلب التيسير. (الأشباه والنظائر، ص: ۱۲۵)

اور اگر سخت ضرورت نہ ہو تو اذان ختم ہونے پر ضرورت پوری کرنا بہتر اور مستحب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم، زکریا/۱۳۰)

ويندب القيام عند سماع الأذان. (الدر المختار، باب الأذان، مصري ۱/۳۶۹،

کراچی ۱/۳۹۷، زکریا/۲/۶۷)

ويندب عند الحنفية، القيام عند سماع الأذان. (الفقہ الإسلامی وأدلته،

الفصل الثالث في الأذان والإقامة، إجابة المؤذن والمقيم، مطبوعه ديوبند ۱/۶۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۸/۲۳)

اذان میں تشہد پر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھنا

سوال [۱۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان میں کلمہ شہادت پر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے کلمہ شہادت پر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ بعینہ وہی کلمہ دہرانا حدیث سے ثابت ہے جو کلمہ مؤذن کہتا ہے۔ اور حدیث شریف سے پوری اذان ختم ہونے کے بعد درود شریف پڑھنا ثابت ہے؛ اس لئے مکمل اذان ختم ہونے کے بعد درود شریف پڑھے، پھر دعائے وسیلہ پڑھے۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة؛ فإنها منزلة في الجنة لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة. (مسلم شریف، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية ۱/ ۶۶، ۱، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۴، أبو داؤد شریف، باب ما يقول إذا سمع المؤذن، النسخة الهندية، ۱/ ۷۷، ۷۸، دار السلام، رقم: ۵۲۳، الترغيب والترهيب ۱/ ۲۵۳، رقم: ۳۸۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۰۸)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۵/ ۱۴۳۴ھ

سوال [۱۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عالم صاحب نے تقریر کے دوران یہ بات بتائی کہ اذان کا جواب انہیں کلمات سے دینا چاہئے جو اذان میں کہے جاتے ہیں، صرف جمعہ کے جواب میں ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہا جائے۔ اور انہوں نے یہ کہا کہ اگر ”اشہدان محمد رسول اللہ“ کے جواب میں ”صلی

اللہ علیہ وسلم، کہا تو یہ کہنا بدعت ہوگا، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: کفیل احمد، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عالم صاحب کی بات درست ہے؛ کیوں کہ حدیث پاک میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جواباً وہی کلمات کہو جو مؤذن کہہ رہا ہے، صرف جمیعتین کے جواب میں حوقلہ یعنی ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہو، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ شہادتین کے وقت جواباً شہادتین کہا جائے اور شہادتین کے الفاظ استعمال نہ کر کے جواب میں صرف ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہہ دینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ شہادتین کے الفاظ کہنا لازم ہے، جب ہی جواب صحیح ہو سکتا ہے، ہاں البتہ اذان کے ختم ہونے کے بعد ”صلی اللہ علیہ وسلم“ یا درود شریف کے کوئی الفاظ استعمال کرنا حدیث سے ثابت ہے، اس کے بعد دعائے وسیلہ کے الفاظ سے دعا کی جائے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/۱۸۲)

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة؛ فإنها منزلة في الجنة لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة. (مسلم شريف، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۶، بيروت، رقم: ۳۸۴، فتح الباري، كتاب الأذان، باب ما يقول عند النداء؟ دارالريان قديم ۲/ ۱۱۲، جديد أشرفيه ديوبند ۲/ ۱۲۰، دارالفكر ۱/ ۹۴، عمدة القاري، كتاب الأذان، باب ما يقول عند النداء، زكريا ۴/ ۱۷۲، دار احياء التراث العربي بيروت ۵/ ۱۲۲)

عن عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله من قلبه دخل الجنة. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ۱/ ۱۶۷، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۵۰)

”أشهد أن“ کے جواب میں صرف درود پڑھے یا ”أشهد أن“ بھی کہے؟

سوال [۱۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”أشهد أن“ کے وقت ”صلى الله عليه وسلم“ کہنا چاہئے یا صرف ”أشهد أن“ کہنا چاہئے؟ ان دونوں باتوں پر چند لوگوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے؛ لہذا برائے کرم ان دونوں باتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے تسلی بخش جواب عنایت کریں؟

المستفتی: محمد اشیر الدین قاسمی دینا چپوری، بنگالہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”أشهد أن محمدا رسول الله“ کی جگہ جواب اذان میں ”أشهد أن محمدا رسول الله“ ہی کہنا حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح اذان کے دیگر الفاظ کے جواب میں بھی وہی الفاظ استعمال کرنا مسنون ہے جو مؤذن کہتا

ہے، ہاں البتہ صرف ”حي على الصلوة“ اور ”حي على الفلاح“ کی جگہ پر ”لا حول ولا قوة إلا بالله“ پڑھنے کا حکم ہے۔

عن عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمداً رسول الله، قال: أشهد أن محمداً رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله من قلبه دخل الجنة. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب لقول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ۱/ ۶۷، ۱، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۵)

يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة: صلى الله عليك يا رسول الله، وعند الثانية، منها: قرت عيني بك يا رسول الله - إلى قوله - ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. (شامي، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد، كراچی ۱/ ۳۹۸، زكريا ۲/ ۶۸) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۹۸/۳۷)

مؤذن کے تشہد پڑھنے پر سامع کا ”صلى الله عليه وسلم“ کہنا

سوال [۱۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب مؤذن اذان کے دوران ”أشهد أن محمداً رسول الله“ پڑھے، تو کیا سامع کے لئے ”صلى الله عليه وسلم“ کہنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مرسلین، مدناپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: جب مؤذن ”أشهد أن محمدا رسول الله“ کہے تو سامع کے لئے مسنون یہی ہے کہ وہ بھی ”أشهد أن محمدا رسول الله“ کہے۔ اور اسی طرح پوری اذان کا جواب دینے کے بعد آخر میں دعائے وسیلہ جو عام طور پر اذان کے بعد پڑھی جاتی ہے وہ بھی پڑھے، نیز یہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے: ”أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، رضيت بالله ربا، وبمحمد رسولا، وبالإسلام ديناً“ اور پورا درود شریف پڑھنا بھی مسنون ہے؛ لیکن جواب کے ساتھ ساتھ ”صلى الله عليه وسلم“ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قال المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، فقال أحدكم: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله، قال: أشهد أن لا إله إلا الله، ثم قال: أشهد أن محمدا رسول الله، قال: أشهد أن محمدا رسول الله، ثم قال: حي على الصلاة، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: حي على الفلاح، قال: لا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: الله أكبر الله أكبر، قال: الله أكبر الله أكبر، ثم قال: لا إله إلا الله، قال: لا إله إلا الله من قلبه دخل الجنة. (صحيح مسلم،

الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ۱/ ۱۶۷، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۵)

عن رسول الله ﷺ أنه قال: من قال حين يسمع المؤذن: ”أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، رضيت بالله ربا، وبمحمد رسولا، وبالإسلام ديناً“ غفر له ذنبه. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، النسخة الهندية، ۱/ ۱۶۷، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۶، أبو داؤد، باب ما يقول إذا سمع المؤذن؟ النسخة الهندية ۱/ ۷۸، دار السلام، رقم: ۵۲۵)

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة؛ فإنها منزلة في الجنة الخ. (مسلم شريف، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۶، بيت الأفكار، رقم: ۳۸۴، نسائي شريف، باب الصلاة على النبي بعد الأذان،

النسخة الهندية ۱/ ۷۸، ۷۹، دار السلام، رقم: ۶۷۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۲ھ

۱۴۳۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۹۲)

تلاوت کے دوران اذان شروع ہونے کا حکم

سوال [۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی شخص قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہے، دوران تلاوت اذان شروع ہو جائے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ تلاوت جاری رکھنا افضل ہے یا تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دینا افضل ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شمیم قاسمی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تلاوت کے دوران اذان شروع ہونے کی صورت میں مناسب اور افضل یہی ہے کہ تلاوت بند کر کے اذان کا جواب دے؛ اس لئے کہ تلاوت بعد میں دوبارہ ہو سکتی ہے، مگر جواب اذان کا موقع پھر نہیں ملے گا۔

عن ابن جریج، قال: حدثت أن ناسا كانوا فيما مضى، كانوا ينصتون لتأذنين كانوا ينصتونهم للقرآن، فلا يقول المؤذن شيئا إلا قالوا مثله. (مصنف

عبدالرزاق، أبواب الأذان، باب القول إذا سمع الأذان والإنصات له، المجلس العلمي
/۱، ۴۸۰، رقم: ۱۸۴۹)

ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشغل بالاستماع والإجابة.
(بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يجب على السامعين، زكريا /۱، ۳۸۳، بيروت،
/۱، ۶۶۰، كراچی، قديم /۱، ۱۵۵، حاشية چلبی، باب الأذان، ملتان /۱، ۸۹، زكريا /۱، ۲۳۹)
ولو كان السامع يقرأ يقطع القراءة ويجيب. (البحر الرائق، كوئته
/۱، ۲۵۹، زكريا /۱، ۴۵۰)

ويستحب إجابة المؤذن باللسان، فيمسك عن التلاوة وغيرها
في المسجد وغيره. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند /۱، ۶۱،
هندية، زكريا قديم /۱، ۵۷، جديد /۱، ۱۱۴، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، باب
الأذان، زكريا /۲، ۱۵۴، رقم: ۲۰۱۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
/۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
/۶، ۱۴۲۱ھ

اذان کے وقت دنیاوی باتیں کرنا

سوال [۱۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: اذان کے وقت بجائے اذان کے جواب دینے کے دنیاوی گفتگو میں مشغول ہونا، کیا
شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟

المستفتی: اشیر الدین قاسمی، دینا چپوری، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے وقت یکسوئی سے اذان کا جواب دینا لازم

ہے، دنیوی گفتگو میں مصروف ہو کر اذان کا جواب نہ دینا سنت رسول کے خلاف عمل کا ارتکاب ہے، جس سے بچنا ضروری ہے، ہاں البتہ اگر مسئلہ مسائل یا دینی گفتگو ہو رہی ہے تو خلاف سنت عمل کا ارتکاب نہیں ہے، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہے، تب بھی خلاف سنت عمل کا ارتکاب نہیں ہے، ہاں البتہ اس میں بھی افضل اور بہتر یہی ہے کہ اذان کا جواب دے۔

عن ابن جریر، قال: حدثت أن ناسا كانوا فيما مضى، كانوا ينصتون للتأذین كإنصاتهم للقرآن، فلا يقول المؤمن شيئا إلا قالوا مثله. (مصنف عبدالرزاق، أبواب الأذان، باب القول إذا سمع الأذان والإنصات له، المجلس العلمي ۱/ ۴۸۰، رقم: ۱۸۴۹)

ولا ينبغي أن يتكلم السامع في حال الأذان والإقامة، ولا يشتغل بقراءة القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويستغل بالاستماع والإجابة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يجب على السامعين، زكريا ۱/ ۳۸۳، بيروت، ۱/ ۶۶۰، كراچی ۱/ ۱۵۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۸)

اذان کے بعد دعا کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان کے بعد دعا کی مقبولیت کا وقت ہوتا ہے، کیا یہ بات صحیح ہے اذان کے بعد دعا مانگنی چاہئے؟

المستفتی: محمد احمد خان، فیض گنج مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اذان و اقامت کے درمیان دعا کی اجابت اور قبولیت کے سلسلہ میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اذان و اقامت کے درمیان کی جانے والی دعا رد نہیں کی جاتی؛ لہذا اگر کوئی صاحب اذان کے بعد دعا کا اہتمام کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، مگر اس موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں، بغیر ہاتھ اٹھائے ثابت ہے۔

عن أنس رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يرد الدعاء بين الأذان والإقامة. (مشکوٰۃ ۶۶، ترمذی شریف، باب ماجاء في أن الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة، النسخة الهندية، ۱ / ۵۱، دار السلام، رقم: ۲۱۲، أبو داؤد شریف، باب في الدعاء بين الأذان والإقامة، النسخة الهندية ۱ / ۷۷، دار السلام رقم: ۵۲۱، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱ / ۲۲۱، رقم: ۴۲۵)

والمسنون في هذا الدعاء ألا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم رفعها. (فيض الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، كوئٹہ ۲ / ۶۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۲ھ/۷/۱۵

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۲ھ/۷/۱۴

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۱۹)

اذان کے بعد کی دعا ہاتھ اٹھا کر پڑھنا

سوال [۱۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان کے بعد جو دعا ہے اس وقت بہت سے لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھتے ہیں اور بہت سارے لوگ ہاتھ اٹھائے بغیر پڑھتے ہیں، جو ہاتھ اٹھا کر پڑھتے ہیں یہ ثابت ہے کہ نہیں؟ یا وہ جو ہاتھ اٹھا کر نہیں پڑھتے یہ ثابت ہے؛ لہذا مسئلہ ذیل کے بارے میں شرع و دلائل سے

نوازیں کرم ہوگا، فقط

المستفتی: عبدالوہاب، ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زبانی دعا پڑھنا ثابت ہے، اس میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں؛ اس لئے ہاتھ نہ اٹھانا افضل ہے۔

والمسنون في هذا الدعاء ألا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي

ﷺ رفعها. (فيض الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، كوثه ۲/ ۱۶۷)

ويستحب إجابة المؤذن باللسان - إلى - ثم دعا بعد الفراغ

بالوسيلة للنبي ﷺ. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب الأذان، إعزازه ديوبند ۱/ ۶۱)

البتہ اگر کوئی دعائے منتقول کے علاوہ اپنی حاجت کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعائے تکمیل تو بلا التزام کوئی

مضا کفہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/ ۱۶۳، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۶۶، جدید ڈائجیل ۵/ ۴۳۳)

عن سلمان عن النبي ﷺ قال: إن ربكم حي كريم، يستحي من

عبده أن يرفع إليه يديه فيردهما صفراء، أو قال: خائبتين. (سنن ابن ماجه، باب

رفع اليدين في الدعاء، النسخة الهندية ۲/ ۲۷۵، دارالسلام، رقم: ۳۸۶۵، صحيح ابن

حبان، دارالفكر بيروت ۲/ ۹۳، رقم: ۸۷۷، المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ۳/ ۲۸۰،

رقم: ۴۵۹۱، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۶/ ۲۵۲، رقم: ۶۱۳۰)

والمستحب أن يرفع يديه عند الدعاء بحذاء صدره. (هندية، كتاب

الكرهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح، وقراءة القرآن والذكر والدعاء، زكريا قديم

۵/ ۳۱۸، جديد ۵/ ۳۶۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸/ صفر ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۳۱)

مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان دعائے مانگنا

سوال [۱۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ لوگ ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتے ہیں اور فرماتے ہیں: اذان اور اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی ہے۔ (الحدیث) جب کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اذان کے بعد کی دعائے وسیلہ پڑھتے وقت ہاتھ نہ اٹھائیں، کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ اذان کے ختم پر درود شریف اور دعائے وسیلہ تو بغیر ہاتھ اٹھائے پڑھ لیں اور حدیث کے پیش نظر باقی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگ لیں، شرعاً کیا طریقہ بہتر ہے؟

المستفتی: عبدالرشید، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے بعد جو دعا ثابت ہے وہ متعین ہے، اس میں تین چیزیں ہیں: (۱) درود شریف پڑھنا (۲) دعائے وسیلہ پڑھنا (۳) ”رضیت باللہ ربنا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا“ پڑھنا، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں ہے اور عمومی دعائیں اپنے مقصد سے متعلق کسی بھی وقت ہاتھ اٹھا کر مانگنا جائز ہے، لیکن بہت سے مقامات ایسے ہیں جن میں خصوصی اور متعین دعائیں بغیر ہاتھ اٹھائے پڑھنا ثابت ہیں، جیسا کہ وضو کے بعد ”أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله“ پڑھنا۔ اور نماز کی نیت باندھتے وقت ”إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفا وما أنا من المشركين“ پڑھنا۔ اور گھر سے نکلنے وقت ”بسم الله توكلت على الله لا حول ولا قوة إلا بالله“ پڑھنا۔ اور مسجد میں داخل ہوتے وقت ”بسم الله والصلاة والسلام على رسول الله، اللهم افتح لي أبواب رحمتك“ پڑھنا۔ اور مسجد سے نکلنے وقت ”بسم الله والصلاة والسلام على رسول الله اللهم إني أسئلك من فضلك“ پڑھنا، اسی طرح بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت ”اللهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث“ پڑھنا، اسی طرح

سوتے وقت ”اللهم باسمک أموت وأحیی“ پڑھنا۔ اور سونے سے بیدار ہوتے وقت ”الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور“ پڑھنا، اسی طرح دودھ وغیرہ پیتے وقت ”اللهم بارک لنا فيه وزدنا منه“ پڑھنا۔ ان دعاؤں کو پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے، اسی طرح اذان کے بعد کی دعا میں بھی ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے، ان سب مقامات پر دعائیں ہاتھ اٹھائے بغیر پڑھی جاتی ہیں، ان میں اپنی طرف سے بڑھانے کھٹانے میں کسی ثواب کی امید نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، ذکر یا/یا، ۱۶۱، ۱۶۴)

عن سلمان عن النبي ﷺ قال: إن ربکم حي کریم، يستحي من عبده أن يرفع إليه يديه فيردهما صفراء، أو قال: خائبتين. (سنن ابن ماجه، باب رفع اليدين في الدعاء، النسخة الهندية ۲۷۵، دارالسلام، رقم: ۳۸۶۵، صحيح ابن حبان، دارالفکر بيروت ۲/۹۳، رقم: ۸۷۷، المعجم الأوسط، دارالفکر بيروت ۳/۲۸۰، رقم: ۴۵۹۱، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۶/۲۵۲، رقم: ۶۱۳۰)

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله رحيم، حي، كريم، يستحي من عبده أن يرفع إليه يديه، ثم لا يضع فيهما خيرا. (مستدرک قديم ۱/۴۹۸، مکتبہ نزار المصطفی الباز ۲/۶۹۹، رقم: ۱۸۳۲)

الدعاء عند النداء، والمسنون في هذا الدعاء ألا ترفع الأيدي؛ لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم وينبغي لمن أراد أن يستن بسنة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكتفي بتلك الكلمات، ولا يزيد عليها. (فيض الباري، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، كوثنه ۲/۱۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۲/۴/۱۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۶۲/۳۹)

اذان میں شہادت کے وقت انگلی اٹھانا

سوال [۱۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤذن صاحب جب اذان دیتے ہیں اور اذان میں جب ”أشهد أن لا إله إلا الله“ آتا ہے، تو چند حضرات شہادت کی انگلی اسی طرح دوزانو بیٹھ کر اٹھاتے ہیں، جیسے نماز میں التحیات میں ”أشهد أن لا إله إلا الله“ آنے پر اٹھاتے ہیں، یہ نیا عمل ہے؛ اس سے قبل کسی کو یہ عمل کرتے نہیں دیکھا کہ اذان کے وقت بھی کلمہ شہادت کے وقت شہادت والی انگلی اٹھاتے ہوں، برائے کرم وضاحت فرمائیں۔

کیا اذان میں ”أشهد أن لا إله إلا الله“ آنے پر جس طرح التحیات میں شہادت کی انگلی اٹھائی جاتی ہے، اسی طرح دوزانو بیٹھ کر شہادت والی انگلی اٹھانا سنت ہے؟

المستفتی: مصلیان مسجد محلہ یوسف نگر چیون گڈھ، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نہ یہ سنت ہے اور نہ ہی کسی حدیث اور کتب فقہ میں اس کا ثبوت ہے، یہ محض من گھڑت چیز ہے، اس کا ترک لازم ہے، حدیث میں ایسی چیزوں کے اختیار کرنے سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔

عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: قال رسول الله ﷺ: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد. (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحو على جور فالصلح مردود، النسخة الهندية ۱/ ۳۷۱، رقم: ۲۶۱۹، ف: ۲۶۹۷، صحيح مسلم، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية، ۲/ ۷۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۷۱۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۷ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۷۹)



۳ / باب الإقامة و التثویب

اذان و اقامت کے لئے کوئی جہت متعین نہیں

سوال [۱۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے نماز کے لئے تکبیر بائیں طرف سے کہہ دی، دوسرے صاحب نے روک دیا اور فرمایا کہ بائیں طرف سے نماز کے لئے تکبیر اور دائیں طرف سے اذان مسجد میں نہیں ہو سکتی کسی بھی حالت میں، دوسرے صاحب نے جواباً کہا ایسی کوئی قید نہیں ہے اذان و تکبیر کے لئے، برائے کرم مدلل واضح فرمائیں کہ کیا دائیں طرف کھڑے ہو کر اذان مسجد میں نہیں دی جاسکتی (اذان نہیں ہوتی) اور بائیں طرف سے نماز کے لئے تکبیر نہیں کہی جاسکتی؟

المستفتی: از طرف مصلیان مسجد محلہ یوسف نگر چیون گڈھ، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان مسجد کی دائیں جانب یا بائیں جانب ہر طرف سے سنت طریقہ سے دینا جائز ہے، اور اسی طرح تکبیر مسجد کے اندر محراب کی دائیں اور بائیں جانب ہر طرح جائز ہے، بس حدود مسجد میں ہونا تکبیر کے لئے کافی ہے، دوسرے صاحب کی بات بلا دلیل کے محض دعویٰ ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۲/۶۱، جدید ڈا بھیل ۵/۴۶۴، کفایت المفتی، قدیم ۳/۹، جدید زکریا ۳/۴۸، زکریا مطول ۳/۵۲۵)

والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه، ويرفع صوته.

(ہندیہ، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زکریا قدیم ۱/۵۵، جدید ۱/۱۱۲)

ويقيم على الأرض هكذا في القنينة، وفي المسجد. (ہندیہ، باب الأذان،

الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقام، زکریا قدیم ۱/۵۶، جدید ۱/۱۱۲)

الأفضل أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران. (بدائع الصنائع، کتاب

الصلاة، فصل في بيان سنن الأذان، بيروت ۱/ ۶۴۲، کراچی ۱/ ۱۴۹، زکریا ۱/ ۳۶۹، البناء، کتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفیہ دیوبند ۲/ ۹۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/ ۱۹۳)

ويسن الأذان في موضع عال، والإقامة على الأرض. (شامي، كتاب

الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲/ ۴۸، کراچی ۱/ ۳۸۴) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ

۱۴۱۲/۱۱/۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۰۷)

تیسری صف میں کھڑے شخص کا تکبیر کہنا

سوال [۱۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب جماعت کھڑی ہوئی، تو صف اول میں جگہ نہیں تھی تو مکمر نے تیسری صف میں کھڑے ہو کر تکبیر کہہ دی، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بھورے خان، پاکپڑہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدود مسجد کے اندر کہیں پر بھی تکبیر کہی جاسکتی ہے، اندر باہر دائیں بائیں ہر جگہ درست ہے، البتہ نمازی کم ہوں اور صف اول میں تکبیر کہنے سے سب کو آواز پہنچتی ہو تو اقامت صف اول میں کہنا بہتر ہے۔ اور اگر کثیر ہیں اور صف اول میں تکبیر کہنے سے تمام لوگوں کو آواز نہ پہنچتی ہو تو درمیان صف میں تکبیر کہہ دینے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ، قدیم ۴/ ۲۹۱، جدید زکریا ۴/ ۹۹)

السنة: أن يكون الأذان في المنارة، والإقامة في المسجد. (تبيين

الحقائق، باب الأذان، ملتان ۱/ ۹۲، زکریا ۱/ ۲۴۶)

ويسن الأذان في موضع عال، والإقامة على الأرض. (شامي، كتاب

الصلوة، باب الأذان زکریا ۲/ ۴۸، کراچی ۱/ ۳۸۴)

ويقیم علی الأرض هكذا فی القنیه، وفي المسجد، هكذا فی البحر الرائق.

(ہندیہ، کتاب الصلوٰۃ، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی، زکریا قدیم ۱/ ۵۶، جدید

۱/ ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶/ رجب ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۱۵)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴/۷/۶ھ

کیا امام کے دائیں جانب ہی کھڑے ہو کر تکبیر پڑھنا ضروری ہے؟

سوال [۱۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ دائیں جانب سے تکبیر پڑھی جائے، کیا یہ ضروری ہے کہ تکبیر دائیں جانب ہی سے پڑھی جائے؟ اگر بائیں جانب سے پڑھ دی تو کیا صحیح ہے؟

المستفتی: محمد بدرالدین مسجد میدان والی، محلہ رفعت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اقامت کے لئے شرعاً کوئی جگہ امام کے دائیں بائیں، پیچھے متعین نہیں ہے؛ بلکہ حدود مسجد میں جہاں جی چاہے کھڑے ہو کر تکبیر کہنا درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/ ۲۸۲، فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۲/ ۶۱، جدید ڈبھیل ۵/ ۴۶۳،، فتاویٰ دارالعلوم، زکریا ۲/ ۸۶)

ویسن الأذان فی موضع عال، والإقامة علی الأرض. (البحر الرائق،

کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان کوئٹہ ۱/ ۲۵۵، زکریا ۱/ ۴۴۳)

السنة: أن يكون الأذان في المنارة، والإقامة في المسجد. (تبيين

الحقائق، باب الأذان، ملتان ۱/ ۹۲، زکریا ۱/ ۴۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۲۸)

تکبیر اقامت کے لئے مسجد میں کوئی جگہ متعین نہیں

سوال [۱۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت کے لئے مسجد میں کوئی جگہ متعین ہے یا کسی بھی جگہ کھڑے ہو کر پڑھی جاسکتی ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ اقامت امام کے پیچھے کھڑے ہو کر کہنا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ جو بھی جواب ہو مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: انعام علیٰ غفرلہ ٹائٹڈ، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اقامت کے لئے شرعاً کوئی جگہ امام کے پیچھے یا جانب یمن یا جانب شمال متعین نہیں ہے، حسب موقع جس جگہ اور جس طرف بھی کھڑے ہو کر تکبیر کہے درست ہے، چاہے امام کے پیچھے ہو یا دائیں بائیں، حدود مسجد میں کہیں بھی ہو، زید کا کہنا غلط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۲۸۲، فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۲/۶۱، جدید ڈائجیل ۵/۳۶۴)

ویسن الأذان في موضع عال، والإقامة على الأرض. (شامی، کتاب

الصلوة، باب الأذان زکریا ۲/۴۸، کراچی ۱/۳۸۴، البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب الأذان کوئٹہ ۱/۲۵۵، زکریا ۱/۴۴۳)

ويقيم على الأرض هكذا في القنية، وفي المسجد، هكذا في البحر

الرائق. (ہندیہ، کتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني، زکریا قدیم ۱/۵۶، جدید ۱/۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۷۶)

امام کے بائیں طرف کھڑے ہونے والے کا اقامت کہنا

سوال [۱۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: تکبیر کہنے والے کو امام کے پیچھے کس طرف کھڑا ہونا چاہئے؟ اگر وہ بائیں طرف کھڑا ہو جائے تو تکبیر ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر کہنے کے لئے شرعاً کوئی جگہ امام کے پیچھے یا جانب یمیں یا جانب شمال متعین نہیں ہے، حسب موقع جس جگہ اور جس طرف بھی کھڑے ہو کر تکبیر کہے درست ہے، حدود مسجد میں امام کے پیچھے دائیں، بائیں، یا کہیں بھی درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۲۱۲، فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۲/۶۱، جدید ڈائجیل ۵/۴۶۴)

السنة: أن يكون الأذان في المنارة، والإقامة في المسجد. (تبيين

الحقائق، باب الأذان، ملتان ۱/۹۲، زکریا ۱/۴۶۶)

ويقیم علی الأرض هكذا فی القنیه، وفي المسجد، هكذا فی البحر الرائق.

(ہندیہ، کتاب الصلوٰۃ، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الثانی، زکریا قدیم ۱/۵۶، جدید

۱/۱۱۲، البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان کوئٹہ ۱/۲۵۵، زکریا ۱/۴۴۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۶۸۸)

منفرد کے لئے اقامت کا شرعی حکم

سوال [۱۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کیا منفرد کے لئے بھی اقامت کا حکم ہے، خواہ گھر میں پڑھے، خواہ مسجد میں پڑھے، جس

میں جماعت بھی ہو چکی ہو؟

المستفتی: عرفان احمد قاسمی، گونڈوی، داراپور، پرتاپگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: منفر داکرمسافر ہے تو اس کے لئے ترک اقامت مکروہ ہے، اور اگر مقيم ہے اور گھر میں نماز پڑھتا ہے، تو اقامت افضل و احسن ہے؛ لیکن مقيم کے لئے ترک کرنا مکروہ بھی نہیں ہے، اور اگر مسجد میں پڑھتا ہے تو بلا اقامت افضل ہے۔

عن علقمة قال: صلى عبد الله بن مسعود بي وبالأسود بغير أذان ولا إقامة و ربما، قال: يجزئنا أذان الحي وإقامتهم. (السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب الإكتفاء بأذان الجماعة وإقامتهم، دارالفكر ۲/ ۱۶۶، رقم: ۱۹۵۰)

عن أم ورقة الأنصارية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: انطلقوا بنا إلى الشهيدة، فنزورها، فأمر أن يؤذن لها ويقام وتؤم أهل دارها في الفرائض. (السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب الإكتفاء بأذان الجماعة وإقامتهم، دارالفكر ۲/ ۱۶۶، رقم: ۱۹۴۸)

إذا صلى رجل في بيته واكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزأه من غير كراهة..... والمسافر إذا صلى وحده وترك الأذان والإقامة، أو ترك الإقامة، فإنه يكره له ذلك، والمقيم إذا صلى وحده بغير أذان ولا إقامة، لا يكرهه. (الفتاوى التاتارخانية، قديم ۱/ ۵۲۴، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، ذكرها ۲/ ۱۵۱، رقم: ۲۰۰۵-۲۰۰۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۱/۱۱/۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۳۸/۲)

تنہا فرض پڑھتے وقت اقامت کہنا

سوال [۱۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: تنہا فرض نماز پڑھنے کے وقت اقامت کہنا ضروری ہے یا بغیر اقامت نیت باندھ لے تو نماز ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد ابراہیم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان و اقامت اس فرض نماز کے لئے ہے جو کہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے؛ لہذا بغیر اذان و اقامت کے تنہا ادا کی گئی فرض نماز بلاشبہ ادا ہو جائے گی۔

و الإقامة مثل الأذان في كونه سنة للفرائض فقط. (عالمگیریہ، کتاب

الصلوة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول، زكريا قديم ۱/۵۳، جديد ۱/۱۱۰)

لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے والا شخص بھی اذان و اقامت کہہ کر فرض نماز ادا کرے۔

وأما المنفرد، فالأفضل له أن يأتي بهما ليكون أداؤه على هيئة

الجماعة. (حلبی، باب سنن الصلاة، أشرفی دیوبند/ ۳۷۲)

إذا صلى الرجل في بيته واكتفى بأذان الناس وإقامتهم أجزاءه، وإن

أقام فهو حسن. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوة، فصل في بيان محل وجوب الأذان،

بيروت ۱/۶۵۲، زكريا ۱/۳۷۷، كراچی ۱/۱۵۲، المبسوط للسرخسي، باب الأذان،

مكتبة دار الكتب العلمية، بيروت ۱/۱۳۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۱/۱/۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۳۵)

اقامت کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”آداب اذان و اقامت“ میں مفتی امین صاحب پالن پوری ص: ۴۰ پر اقامت کا

مسنون طریقہ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ: ”قد قامت الصلوة“ دوسانس میں کہے، جب کہ ”خیر الفتاویٰ ۲/۲۳۶“ پر لکھا ہے کہ ”قد قامت الصلوة“ کے دونوں کلمے ایک سانس میں کہے، دونوں قولوں میں راجح اور مسنون عمل فقہاء کے نزدیک کیا ہے؟

المستفتی: محمد اصغر، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت مولانا امین صاحب کی کتاب ”آداب اذان واقامت“ براہ راست دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا؛ البتہ ”خیر الفتاویٰ“ براہ راست دیکھنے کا اتفاق ہو گیا۔ اور ”خیر الفتاویٰ“ میں ”قد قامت الصلوة“ کے دونوں کلمے ایک سانس میں کہنے پر بعض کتب فقہ کی عمومی عبارات سے استدلال کیا گیا ہے، کوئی صریح عبارت نقل نہیں کی گئی ہے؛ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ ”قد قامت الصلوة“ کو دوسانس میں ہی کہنا مسنون ہے، اس کی صریح دلیل حدیث کی کتابوں سے ثابت ہوتی ہے کہ ”بخاری شریف“ اور ”مسلم شریف“ میں حدیث کے الفاظ ہیں:

أمر بلال أن يشفع الأذان، وأن يؤتر الإقامة إلا الإقامة. (بخاري شريف،

باب الأذان مثنى مثنى، النسخة الهندية ۱ / ۸۵، رقم: ۵۹۷، ف: ۶۰۵، مسلم شريف، باب

الأمر بشفع الأذان وإيتار الإقامة، النسخة الهندية ۱ / ۱۶۴، بيت الأفكار، رقم: ۳۷۸)

اس حدیث شریف میں ”إلا الإقامة“ سے ”قد قامت الصلوة“ مراد ہے؛ اس لئے کہ اس لفظ کے علاوہ دیگر تمام الفاظ اذان واقامت میں یکساں ہیں، اس کو مستثنیٰ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس لفظ کو دوسانس میں کہا جائے، چنانچہ ”فیض الباری“ میں علامہ نور شاہ کشمیری نے یہی ثابت فرمایا ہے، نیز علامہ ظفر احمد عثمانی نے ”اعلاء السنن“ میں بھی اسی کو ثابت فرمایا ہے، عبارت اس طرح ہے:

وأن يؤتر الإقامة، أي الإيتار في النفس، والصوت لا في الكلمات،

إلا الإقامة، فيقول: قد قامت الصلوة في نفسين مترسلا؛ لأنه هو

روح الإقامة. (إعلاء السنن ۲/ ۹۸، فیض الباری، کتاب الأذان، ترجیع الأذان وإفراد الإقامة، کوئٹہ ۱۶۰/ ۲)

لہذا مفتی امین صاحب پالن پوری نے جو لکھا ہے وہ زیادہ صحیح ہے کہ ”قد قامت الصلوٰۃ“ کو دوسانسوں میں کہنا مسنون ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۴/ ۹۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۸ھ

بحالت وصل اقامت کے کلمات کہنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت میں لفظ ”حي على الصلوة، وحي على الفلاح“ پر حالت وصل میں ”على الصلوة“ کی ”تا“ کو اور ”على الفلاح“ کے ”حا“ کو کسرہ کے ساتھ تجوید کے قاعدہ کے مطابق پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا پڑھنا جائز ہے؟ حدیث یا فقہ کی کون سی کتاب میں ”ہ“ اور ”ح“ کا سکون حالت وصل میں بھی مذکور ہے اور کیوں ہے؟ کیوں کہ تجوید کی رعایت کے خلاف ہے اور صرف اس میں کیوں ہے اور جگہ کیوں نہیں؟ مہربانی فرما کر مع الدلائل حدیث کے مذکورہ الفاظ کو درج فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا جسیم الدین بروالان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اقامت میں ”حي على الصلوة“ اور ”حي على الفلاح“ کہتے وقت ”الصلوة“ کی ”تا“ اور ”الفلاح“ کی ”حا“ کو وصل کی حالت میں بھی ساکن پڑھا جائے گا، انہیں دو کلمات میں نہیں؛ بلکہ سارے کلمات اقامت ساکن پڑھے

جاویں گے، چونکہ سکون بغیر وقف کے ممکن نہیں اور اقامت میں وقف نہیں؛ بلکہ حد شروع ہے؛ لہذا حد مع الوقف پڑھے جائیں۔

عن جابر - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لبلال: يا بلال! إذا أذنت فترسل في أذانك، وإذا أقيمت فاحذر. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الترسل في الأذان، النسخة الهندية ۱ / ۴۸، دارالسلام، رقم: ۱۹۵، المستدرک قدیم ۱ / ۶۲۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز جدید ۱ / ۳۰۴، رقم: ۷۳۲) ويسكن كلمات الأذان والإقامة في الأذان حقيقة، وبنوى الوقف في الإقامة لقوله عليه السلام: ”الأذان جزم، والإقامة جزم والتكبير جزم“. (طحطاوي على المراقي، قدیم ۱۰۵، دارالكتاب ديوبند ۱۹۵، تبیین الحقائق، باب الأذان، ملتان ۱ / ۹۱، زكريا ۱ / ۲۴۴، هندية، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قدیم ۱ / ۵۶، جدید ۱ / ۱۱۲، البحر الرائق، باب الأذان، كونه ۱ / ۲۵۸، زكريا ۱ / ۴۴۸)

و حاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول، أو يصلها بالله أكبر الثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة. (شامي، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم، زكريا ۲ / ۵۲، كراچی ۱ / ۳۸۶) فقط واللهم سبحانك وتعالى أعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ / ۴۷۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷ / ۲ / ۱۶ھ

اقامت میں جیعلتین پر چہرہ دائیں بائیں گھمانا

سوال [۱۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) کیا تحویل چہرہ اذان کی طرح اقامت میں بھی ہے؟ ”قدوری“ کے حاشیہ میں ”لا یحول فی الا قلمۃ“ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اور ہم نے کہیں مشاہدہ بھی نہیں کیا، سیکڑوں بلکہ ہزاروں مسجدوں میں نماز پڑھنے کا اتفاق پڑا ہوگا اور بہت سی مسجدوں میں محدثین حضرات، فقہاء عظام علماء کرام موجود رہے، اقامت میں تحویل وجہ نہیں ہوا اور کسی نے جرح و قدح بھی نہیں کی۔ مسئلہ پوچھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ہمارے مدرسہ میں مدرسہ شاہی مراد آباد سے افتاء پڑھ کر ایک مفتی صاحب آئے اور مؤذن کو بڑی سختی کے ساتھ تحویل وجہ پر عمل کرا رہے ہیں، جو عوام و خواص کی نظر میں ایک نئی چیز معلوم ہو رہی ہے؛ اس لئے سنت پر ریتہ کیا ہے؟ صحیح مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کرم ہوگا۔

(۲) سود کی حرمت تو نص قطعی سے ثابت ہے، اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، مگر ایک عالم دین فارغ التحصیل کا کہنا ہے کہ سود کے جواز کی ایک شکل ہے، وہ یہ کہ کسی کافر سے قرض لے لیا جائے اور اسے اپنے کام میں خرچ کر لیا جائے اور قرض کی ادائیگی سود کی رقم سے کر دی جائے تو جائز ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس شکل میں سود کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس الاعظمی، خادم تدریس مدرسہ دارالرشاد، بارہ بنکی (یوپی)

یکم ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) تحویل کے سلسلہ میں تین قول ہیں: (۱) تحویل نہ کرے؛ اس لئے کہ اقامت حاضرین کے اعلام کے لئے ہے (۲) اگر جگہ وسیع ہو، یعنی مسجد بڑی ہو تو تحویل کرے، ورنہ نہ کرے (۳) خواہ وہ وسیع ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں تحویل کرے۔ علامہ شامی نے ”منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق“ میں، ”المنہر الفائق شرح کنز الدقائق“ سے پہلے تو تحویل نہ کرنے کی ترجیح نقل کی ہے۔ اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ”سعیہ“ میں اس کو حق کہا ہے اور اس کے مطابق لوگوں کا عمل ہے۔ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے

”محمود الروایہ حاشیہ شرح نقایہ“ میں اذان و اوقات کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ”وکنذ الا تحویل فیہا“ کہ اذان میں تحویل ہے، اقامت میں نہیں۔

(۲) سود کی حرمت نص سے ثابت ہے اور بینک وغیرہ سے ملنے والی سودی رقم کا حکم یہ ہے کہ وصول کر کے بلا نیت ثواب غرباء و مساکین کو دے دی جائے، خود استعمال کرنا، مذکور فی السوال طریقہ سے بھی درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
محمود حسین غفرلہ
بلند شہری

حبیب الرحمن
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
۱۴۲۳/۳/۱۲ھ

سوال [۱۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خدمت عالیہ میں درخواست ہے کہ اقامت میں جیعلتین پر چہرہ دائیں بائیں پھیرنے کے متعلق ”حسن الفتاویٰ، امداد الفتاویٰ، شامی، البحر الرائق“ وغیرہ میں مذکور ہے کہ چہرہ پھیرنا چاہئے، راقم الحروف نے آنجناب کا فتویٰ اور عمل اسی قول کے مطابق دیکھا، اسی وجہ سے احقر اسی قول پر عمل کرتا ہے۔ اور دوسروں کو تلقین بھی کرتا ہے؛ لیکن احقر کے اس عمل پر بعض اساتذہ کو سخت اعتراض ہے، چنانچہ انہوں نے ایک تحریر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند بھیجی، جس کو میں اس استفتاء کے ساتھ بھیج رہا ہوں، اس تحریر میں سوال اور اس کے جواب کو ملاحظہ فرما کر راجح روایت کو مع الدلائل تحریر فرمادیں، تاکہ ہم لوگوں کے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں۔

المستفتی: جمال الدین مدرس مدرسہ دارالرشاد، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اقامت میں بوقت جیعلتین دائیں اور بائیں اذان کی طرح

چہرہ موڑنے کے بارے میں فقہائے احناف کے تین اقوال ہمارے سامنے ہیں:

قول ۱: علامہ شامی اور علامہ طحاوی علیہما الرحمہ نے نقل فرمایا ہے کہ مکان یا مسجد وسیع ہو یا

تنگ، ہر صورت میں اقامت میں بھی اذان کی طرح تحویل مستحب ہے۔ طحاوی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

كان المحل متسعا أو لا بدليل ما بعد. (طحطاوي على الدر، باب الأذان، كوئٹہ ۱/۱۸۵)

شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وكذا فيها مطلقا، أي في الإقامة سواء كان المحل متسعا أو لا. (شامی، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم، زكريا ديوبند ۲/۵۳، كراچی ۱/۳۸۷)

امام ابراہیم حلبیؒ نے ”غنیۃ المستملی شرح کبیری“ میں نقل فرمایا ہے کہ اذان کی طرح اقامت میں بھی تحویل مطلقاً سلف سے توارث اور تواتر کے طور پر ثابت ہے، مکان وسیع ہو یا تنگ اس کی کوئی قید نہیں ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ويحول وجهه يمينا عند حي على الصلاة، وشمالا عند حي على الفلاح في الأذان، والإقامة؛ لأنه يخاطب بهما الناس، فيواجههم وهو المتوارث. (غنية المستملی شرح کبیری، کتاب الصلوة، سنن الصلوة، سهيل اكيثمي لاهور، وأشرفی دیوبند/۳۷۴)

اور امام ابراہیم حلبیؒ نے ”شرح صغیری“ میں بھی اذان کی طرح اقامت میں مطلقاً اثبات تحویل کو لکھا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ويحول وجهه يمينا عند حي على الصلاة، وشمالا عند حي على الفلاح في الأذان والإقامة. (صغیری، مطبع محتبائی/۱۹۶)

قول ۲: امام علاء الدین حصکفیؒ نے ”الدر المختار“ میں دقول نقل فرمائے ہیں: (۱) اقامت میں تحویل کا حکم اذان کی طرح ہے، چاہے مکان وسیع ہو یا تنگ (۲) اگر مکان وسیع ہے تب اذان کی طرح تحویل کا حکم ہے، اور اگر مکان یا مسجد تنگ ہو تو اذان کی طرح اقامت میں تحویل کا حکم نہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

و یلتفت فیہ، و کذا فیہا مطلقاً، وقیل: إن المحل متسعاً. (الدرالمختار مع الشامی، باب الأذان، مطلب فی الکلام علی حدیث الأذان جزم، مطبع زکریا ۲/ ۵۳، کراچی / ۳۸۷)

اور یہی دو قول اسی طرح صاحب الجوہرۃ النیرہ نے نقل فرمائے ہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

و هل یحول فی الإقامة؟ قیل: لا؛ لأنها إعلام للحاضرين، بخلاف الأذان، فإنه إعلام للغائبين، وقیل: یحول إذا كان الموضوع متسعاً. (الجوہرۃ النیرۃ، باب الأذان، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ۱/ ۵۳، إمدادیہ ملتان ۱/ ۵۲)

قول ۳: عدم تحویل کا ہے؛ لیکن اس قول کو جن لوگوں نے ذکر کیا ہے وہ نہایت تشنہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے ”شرح وقایہ“ کے حاشیہ میں یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

و کذا لا تحویل فیہا. (حاشیۃ شرح وقایہ، باب الأذان، یاسر ندیم کمپنی

دیوبند ۱/ ۳۵)

اور اسی عبارت کو حضرت مولانا اعجاز علی صاحبؒ نے ”شرح نقایہ“ کے حاشیہ ”مجمود الروایہ“ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

و کذا لا تحویل فیہا. (حاشیۃ شرح نقایہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان، إعجازیہ دیوبند / ۶۱)

اس تیسرے قول یعنی اس عدم تحویل کے قول کو حضرات فقہاء میں سے کسی نے نہ راجح کہا ہے اور نہ ہی اعدل الاقوال کہا ہے، صاحب بحر نے ان تینوں اقوال کو نقل فرمایا ہے:

(۱) ”غنیۃ“ کے حوالہ سے اقامت میں اذان کی طرح مطلقاً تحویل کو ثابت فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو:

وقد مناعن الغنیة أنه یحول فی الإقامة أيضا. (البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الأذان، زکریا ۱/ ۴۵۰، کوئٹہ ۱/ ۲۵۸)

اور ”السراج الوہاج“ کے حوالہ سے دو قول نقل کئے ہیں: ایک قول اقامت میں تحویل نہ کرنے کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر نماز کی جگہ وسیع ہو تو اذان کی طرح اقامت میں بھی تحویل وجہ کیا جائے، تو صاحب بحر کی عبارت سے یہ تین اقوال ثابت ہوئے، ایک قول غنیہ

کی عبارت سے اور دو قول ”السراج الوہاج“ کی عبارت سے، ”السراج الوہاج“ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفي السراج الوهاج: لا يحول فيها؛ لأنها لإعلام الحاضرين، بخلاف الأذان، فإنها إعلام للغائبين، وقيل: يحول إذا كان الموضوع متسعا.

(البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ۱/ ۴۵۰، كوئٹہ ۱/ ۲۵۸)

اور پھر علامہ شامی نے بحر کے حاشیہ ”منحۃ الخالق“ میں ”السراج الوہاج“ کے دوسرے قول یعنی جب جگہ وسیع ہو تو اذان کی طرح اقامت میں بھی تحویل وجہ کیا جائے، اس کو ”النہر الفائق“ کے حوالہ سے عدل الاقوال کہہ کر ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال في النهر الثاني: أعدل الأقوال. (البحر الرائق، باب الأذان، زكريا

۱/ ۴۵۰، كوئٹہ ۱/ ۲۵۸)

لہذا معلوم ہوا کہ اقامت میں تحویل وجہ سے متعلق جو تین اقوال ہیں، ان میں سے اس قول کو فقہاء نے راجح اور عدل الاقوال قرار دیا ہے، جس میں جگہ وسیع ہونے کی صورت میں اذان کی طرح اقامت میں تحویل وجہ کو ثابت کیا گیا ہے، یہی قول مفتی بہ اور سلف کا معمول بہ ہے؛ اس لئے ہم بھی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اور ہماری شاہی مسجد اور مدنی مسجد وسیع مسجدیں ہیں؛ اس لئے عام طور پر اسی قول پر عمل ہوتا ہے اور چونکہ اذان میں تحویل سے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اقامت میں تحویل سے متعلق اختلاف ہے؛ اس لئے جتنی تاکید اذان میں ہے، اتنی تاکید اقامت میں نہیں ہے؛ اس لئے اس کو محل نزاع نہ بنایا جائے۔ اور قابل احترام مفتی دارالعلوم دیوبند کو ”منحۃ الخالق“ کی عبارت کے سمجھنے میں دھوکہ ہوا ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بعض بڑوں کو بھی ”منحۃ الخالق“ کی اس عبارت سے دھوکہ ہوا ہے، جیسا کہ بعض اردو کی کتابوں کے حواشی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علامہ شامی نے ”النہر الفائق“ کے حوالہ سے ”الثانی عدل الاقوال“ کے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں، اس میں ”الثانی“ سے ”السراج الوہاج“ کے حوالہ سے صاحب بحر نے جو دو قول نقل کئے ہیں، ان میں سے قول ثانی مراد ہے، موصوف

مفتی صاحب نے ”السرّاج الوہاج“ کے قول اول کو بحر کی عبارت کے تین قولوں میں سے قول ثانی سمجھ کر ”الثانی“ کا مصداق متعین کیا ہے، جو اپنی جگہ درست نہیں ہے؛ بلکہ ”الثانی“ کا مصداق ”السرّاج الوہاج“ کا قول ثانی ہے، جو ”البحر الرائق“ کا قول ثالث بنتا ہے۔ علامہ طحاوی نے ”طحاوی علی المراقی“ میں ”النہر الفائق“ کی پوری عبارت نقل فرمائی ہے، اس سے اعدل الاقوال کا مصداق خوب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ويحول في الإقامة إذا كان المكان متسعاً، وهو أعدل الأقوال كما في النهر. (طحاوی علی المراقی، باب الأذان، قدیم ۲۰۷، جدید دارالکتاب دیوبند ۱۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۹ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۶۸/۳۶)

اقامت میں جمعیتین پر چہرہ گھمانا

سوال [۱۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت صلوٰۃ میں ”حی علی الصلوٰۃ“ کہتے وقت دائیں جانب اور ”حی علی الفلاح“ کہتے وقت بائیں جانب چہرہ گھمانا مثل اذان کیسا ہے؟

المستفتی: بشیر الدین مونگیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس طرح اذان میں دائیں بائیں چہرہ گھمانا مستحب ہے، اسی طرح اقامت میں بھی مستحب ہے۔

ویلتفت فیہ، وکذا فیہا مطلقاً، وفي الشامية: أي في الإقامة. (درمختار،

باب الأذان، مطلب في الكلام علی حدیث الأذان جزم، زکریا ۲/۵۳، کراچی ۱/۳۸۷)

ويحول وجهه يميناً عند حي على الصلاة، وشمالاً عند حي على

الفلاح في الأذان، والإقامة؛ لأنه يخاطب بهما الناس، فيواجههم وهو المتوارث. (غنية المستملی شرح کبیری، أشرفی دیوبند/ ۳۷۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۸/۱۱/۱۴۱۵ھ

۱۴۱۵/۱۱/۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۲۱۹)

اقامت میں دائیں بائیں گردن پھیرنا

سوال [۱۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تکبیر جو اعلان ہے، جماعت کھڑی ہونے کا اس میں ”حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح“ پر دائیں بائیں گردن یا رخ گھمانا جو ابھی کچھ ہی دنوں سے رائج ہوا ہے، اس کی کیا اصل یا سند ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: جس طرح اذان میں ”حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح“ پر دائیں بائیں گردن موڑنا مسنون یا مستحب ہے، اسی طرح اقامت کے وقت میں ”حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح“ پر دائیں بائیں گردن موڑنا مستحب ہے۔

وبحول وجهه یمینا عند حی علی الصلاة، وشمالا عند حی علی الفلاح في الأذان، والإقامة؛ لأنه يخاطب بهما الناس، فيواجههم وهو المتوارث. (غنية المستملی شرح کبیری، أشرفی دیوبند/ ۳۷۴)

وقدمنا عن الغنية أنه يحول في الإقامة أيضا. (البحر الرائق، كتاب الصلوٰۃ،

باب الأذان، كوئته ۱/ ۲۵۸، زكريا ۱/ ۴۵۰)

ويلتفت فيه، وكذا فيها مطلقا، وفي الشامية: أي في الإقامة.

(درمختار، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم، زكريا ۲/ ۵۳، كراچی

۱/ ۳۸۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۹ھ/۱/۱۴

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۲۱)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۹ھ/۱/۱۸

امام صاحب کا اقامت کہنا

سوال [۱۷۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مؤذن صاحب کو تجوید سے اذان و اقامت دینا نہیں آتی، حروف و قواعد کی صحیح ادائیگی نہیں ہوتی، امام صاحب مقررہ کی عدم موجودگی میں محلہ کے مفتی صاحب نے خود ہی تجوید سے اقامت دے کر نماز پڑھائی، جب کہ غیر مجود مؤذن مسجد ہذا موجود ہے (مصلیوں میں بھی کوئی مجود موجود نہیں ہے) تو کیا اس طرح مفتی صاحب کا اقامت دے کر نماز پڑھانا درست ہے یا غیر مجود مؤذن سے اقامت کھلو کر نماز پڑھانی چاہئے؟ بہر دو صورت کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: منزل عادل آباد اندھر پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: نماز میں اقامت کہنے کا زیادہ حقدار امام ہی ہوتا ہے؛ لیکن یہ حق امام کی طرف سے مؤذن کو ملتا ہے؛ اس لئے سوال میں ذکر کردہ صورت میں امام صاحب کا خود اقامت کہہ کر کے نماز پڑھا دینا بلا کراہت صحیح اور درست ہے۔

عن عقبۃ بن عامر الجہنی قال: كنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر، فلما طلع الفجر اذن و اقام، ثم اقامنی عن یمینہ.
(المصنف لابن ابي شيبة، كتاب الصلوة، باب من كان يخفف القراءة في السفر، مؤسسه
علوم القرآن ۳/ ۲۵۴، رقم: ۳۷۰۸)

الأفضل كون الإمام هو المؤذن، وفي الضياء: أنه عليه الصلاة

والسلام أذن في سفر بنفسه وأقام وصلى الظهر. (وتحتة في الشامية): وقد أخرج الترمذي أنه عليه الصلاة والسلام أذن في سفر وصلى بأصحابه. (الدرالمختار مع الشامي، باب الأذان، مطلب هل بأثر النبي صلى الله عليه وسلم الأذان بنفسه، كراچی ۱/ ۴۰۱، زکریا ۲/ ۷۱)

وهذا إذا كان المؤذن غير الإمام، فإن كان هو الإمام لم يقوموا حتى يفرغ من الإقامة. (المبسوط، باب الأذان، مكتبته دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۳۹) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳ھ/۱۲/۲۶

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۳ھ/۱۲/۲۶
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۰۴/۴۰)

داڑھی منڈے کی اقامت

سوال [۱۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جن کی داڑھی شرعی نہ ہو یا داڑھی منڈے کی تکبیر اقامت پڑھنا مکروہ ہے یا حرام؟ اگر مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی یا تنزیہی، کیا استرہ سے داڑھی کے چاروں طرف کے بال کاٹنا جسے قلم بنانا کہتے ہیں، تو ایسے شخص کا تکبیر پڑھنا درست ہے، جب کہ شخص مذکور شرعی داڑھی بھی رکھتا ہو؟

المستفتی: محمد یامین خدادند پور، بیگوسرائے، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: غیر شرعی داڑھی رکھنے والا شرعاً فاسق ہے، اس کی اذان و تکبیر مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۸۷، فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۶۶۸، احیاء العلوم/ ۳۰۸) وفي البحر: وصر حوا بکراهة أذان الفاسق من غير تقييد. (البحر الرائق،

کوئٹہ ۱/ ۲۵۴، زکریا ۱/ ۴۴۲)

البتہ ایک مشمت ہونے کے ساتھ گولائی کرنا درست ہے۔

ولا بأس بنشف الشيب، وأخذ أطراف اللحية، والسنة فيها القبضة.

(درمختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، کوئٹہ ۵/ ۲۸۸، کراچی ۶/

۴۰۷، زکریا ۹/)

ويكره أذان جنب وإقامته، وإقامة محدث لا أذانه، وأذان امرأة،

وفاسق. (تنوير الأبصار مع الشامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب،

کراچی ۱/ ۳۹۲، زکریا ۲/ ۶۰)

ويستحب كون المؤذن عالما بالسنة والأوقات، وكره أذان

الفاسق لعدم الاعتماد، ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب الأذان،

دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۱۸، مصري قديم ۱/ ۷۸)

ويكره أذان الفاسق، ولا يعاد أذانه، لحصول المقصود به.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زکریا ۲/ ۱۴۵، رقم:

۱۹۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ محرم ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۸۱)

مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا تکبیر کہنا

سوال [۱۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: بغیر مؤذن کی اجازت کے تکبیر کہنا جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: سردار حسین اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مؤذن موجود نہ ہو اور جماعت کا وقت ہو جائے تو جو بھی لوگ چاہیں تکبیر کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر مؤذن جماعت کے وقت موجود ہو تو مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا تکبیر کہنا مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۷/۲۹، جدید ڈائجیل ۴۶۰/۵)

عن زیاد بن الحارث الصدائي، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فأمرني، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخوا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن ابن ماجه، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دارالسلام، رقم: ۷۱۷، سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۹۹)

وأقام غير من أذن بغيبته، أي المؤذن لا يكره مطلقاً، وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة كما كره مشيه في إقامته. (الدر المختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۴، كراچی ۱/ ۳۹۶، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ۶۳۸، زكريا ۱/ ۳۷۵، كراچی ۱/ ۱۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۲۳/۲۵)

مؤذن کے علاوہ دوسرے پر تکبیر کہنے کی پابندی لگانا

سوال [۱۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے، جس میں یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ جو شخص اذان پڑھے گا وہی تکبیر پڑھے گا، اگر کوئی دوسرا شخص تکبیر پڑھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کو فوراً روک دیا جاتا

ہے، تو ایسی پابندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عباد الرحمن دھامپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں ایسی پابندی لگانا شرعاً جائز ہے، جب کہ دوسرے کے تکبیر کہنے پر مؤذن راضی نہ ہو، حدیث شریف سے اس کا ثبوت ہے کہ ایک دفعہ حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ تکبیر کہنا شروع فرما رہے تھے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت ارشاد فرمایا کہ تمہارے صدائی بھائی نے اذان دی ہے؛ اس لئے وہی تکبیر بھی کہیں گے۔

عن زیاد بن الحارث الصدائي، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فأمرني، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخوا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن ابن ماجه، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دار السلام، رقم: ۷۱۷، سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دار السلام، رقم: ۱۹۹، مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۱۶۹، رقم: ۱۷۶۷۸، أبوداؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ۱/ ۷۶، دار السلام، رقم: ۵۱۴، مصنف عبد الرزاق، باب من أذن فهو يقيم، المجلس العلمي ۱/ ۴۷۵، رقم: ۱۸۳۳، مصنف ابن أبي شيبة، باب الرجل يؤذن ويقيم غيره، قديم ۱/ ۲۱۶، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ۴۸، رقم: ۲۲۶۰، السنن الكبرى للبيهقي، قديم ۱/ ۳۹۹، دار الفكر ۲/ ۱۵۱، رقم: ۱۹۰۸، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۵/ ۲۶۳، رقم: ۵۲۸۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۱۱/۳۰

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۲۲۳۳)

مؤذن کی اجازت کے بغیر کسی اور کا تکبیر کہنا

سوال [۱۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مؤذن کے علاوہ دوسرا شخص تکبیر بغیر اجازت کہے تو درست ہے یا نہیں جبکہ مؤذن بھی امام کے پیچھے موجود ہو؟

المستفتی: گفام بکر قصاب مغلوپورہ، مراد آباد
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں حضور ﷺ نے دوسرے شخص کو تکبیر کہنے سے منع فرمایا ہے؛ لہذا مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کو تکبیر نہیں کہنا چاہئے۔

عن زیاد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحبا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دار السلام، رقم: ۱۹۹،

مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۱۶۹، رقم: ۱۷۶۷۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/ ربيع الاول ۱۴۱۷ھ

۱۴/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۲۹/ ۴)

تکبیر کہنے کا زیادہ حق دار کون؟

سوال [۱۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تکبیر کہنے کا حق مؤذن کو ہے؛ لیکن تکبیر اگر دوسرا کہہ دے تو کیسا ہے؟ نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ (۲) اگر امام کے بائیں ہاتھ کی طرف تکبیر کہہ دی جائے تو کیا کوئی حرج ہے یا دائیں ہاتھ کی طرف کہنا ضروری ہے؟

المستفتی: بھورے خان پاکپڑہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر جماعت کا وقت ہو جائے اور مؤذن موجود نہ ہو تو جس کا جی چاہے تکبیر کہہ دے، اور اگر مؤذن کی موجودگی میں بغیر اس کی رضا کے دوسرا شخص تکبیر کہہ دے تو مکروہ ہے اور اس کی اجازت سے بلا کراہت درست ہے۔ اور اگر تکبیر بائیں جانب کہہ دی جائے جب بھی نماز صحیح ہو جائے گی، دائیں جانب کہنا ضروری نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۷/۲۹، جدید ڈائجیل ۵/۴۶۰)

عن زیاد بن الحارث الصدائي، قال: لما كان أول أذان الصبح، أمرني يعني النبي صلى الله عليه وسلم فأذنت، فجعلت أقول: أقيم يا رسول الله؟ فجعل ينظر إلى ناحية المشرق إلى الفجر، فيقول: لا، حتى إذا طلع الفجر نزل فبرز، ثم انصرف إليّ، وقد تلاحق أصحابه، يعني فتوضأ، فأراد بلال أن يقيم، فقال له النبي الله -صلى الله عليه وسلم-: إن أخطأ صداء هو أذن، ومن أذن فهو يقيم، قال: فأقمت. (سنن أبي داؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ۱/ ۷۶، دارالسلام، رقم: ۵۱۴، السنن الكبرى للبيهقي، قدیم ۱/ ۳۹۹، دارالفكر ۲/ ۱۵۱، رقم: ۱۹۰۸)

أقام غير من أذن بغيبته، أي المؤذن لا يكره مطلقاً، وإن بحضوره كره إن لحقه وحشة، أي بأن لم يرض به. (شامي، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۴، نعمانيه ۱/ ۲۶۵، كراچی ۱/ ۳۹۵، البحر الرائق، باب الأذان، كوئٹہ ۱/ ۲۵۷، زكريا ۱/ ۴۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۲ھ رجب

۱۴۱۲ھ/۷/۱۶

(الف توئی نمبر: ۳۱/۳۵۱۵)

مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا

سوال [۱۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جب چاہتا ہے تکبیر کہہ دیتا ہے، جب کہ مؤذن صاحب شاہد ہیں کہ انہوں نے کبھی بھی تکبیر کہنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور مصلیٰ بھی جب چاہتا ہے زید اپنی منشا سے اندر باہر بچھا دیتا ہے قطع نظر اس کے کہ بقایہ مصلیٰ باہر تپش دھوپ میں کھڑے ہوں یا حکم خداوندی کے مطابق بارش میں بھیگ جائیں، تو اس کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟۔

المستفتی: تنزیل الرحمن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کے لئے تکبیر کہنا مکروہ ہے؛ لہذا زید کا طرز عمل مکروہ ہے۔

کرہ إن لحقه وحشة (قال ابن عابدین) أي بأن لم يرض به. (درمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ديوبند ۲/ ۶۴، كراچي ۱/ ۳۹۵، تاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، قديم ۱/ ۵۴، زكريا ۲/ ۱۴۶، رقم: ۱۹۸۷، بدائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن كراچي ۱/ ۱۵۱، بيروت ۱/ ۶۳۸، زكريا ۱/ ۳۷۵)

عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأمرني، فأذنت الفجر، فجاء بلال، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا بلال! إن أخا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (مصنف عبد الرزاق، باب من أذن فهو يقيم، المجلس العلمي ۱/ ۴۷۵، رقم: ۱۸۳۳، المصنف لابن أبي شيبة، باب في الرجل يؤذن ويقيم غيره، قديم ۱/ ۲۱۶، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ۳۴۸، رقم: ۲۲۶۰)

مسجد کے داخلی امور میں وجہ اللہ کوئی شخص حصہ لیتا رہتا ہے، تو باعث اجر و ثواب ہے؛ لیکن اگر لوگوں میں اختلاف یا کسی کو تکلیف ہو تو ذمہ داران مسجد کی اجازت سے ان کے زیر انتظام خدمت کیا کرے، تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔

عن ابن عباس - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار. (مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۱۳، رقم: ۲۸۶۷، سنن ابن ماجه، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية، ص: ۱۶۹، دارالسلام، رقم: ۲۳۴۰، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۳۰۷، رقم: ۱۰۳۳، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۲/ ۸۶، رقم: ۱۳۸۷، المستدرک، قديم ۲/ ۶۶، مكتبة نزار مصطفى ۳/ ۸۸۳، رقم: ۲۳۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتابتہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۱۰ھ

مؤذن کے علاوہ دوسرے شخص کا ہمیشہ تکبیر کہنا

سوال [۱۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلہ کی مسجد میں دو مؤذن ہیں، کبھی ایک اذان دیتا ہے، کبھی دوسرا، مگر ہر دو صورت میں مؤذن تکبیر نہیں کہتا؛ بلکہ مسجد کا جو متولی ہے وہی تکبیر کہتا ہے۔ اور مغرب کی نماز میں اتنی جلدی کرتا ہے کہ ابھی مؤذن اذان ختم کر کے صف میں آ کر پہنچا بھی نہیں کہ ادھر متولی جلدی سے تکبیر شروع کر دیتا ہے، تو کیا ایک شخص کا اذان دینا اور دوسرے کا تکبیر کہنا اور ہمیشہ اس طرح کا معمول بنا لینا جائز ہے؟ نیز کیا مغرب کی نماز میں اتنی جلدی کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد اللہ ۲۲ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر مؤذن کا حق ہے؛ اس لئے مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص تکبیر نہ کہے، اگر بغیر اس کی اجازت کے دوسرا شخص تکبیر کہے تو یہ مکروہ ہے، نیز مؤذن کی اجازت کے بغیر متولی کا ایسا کرنا مزید کراہت کا سبب بنے گا۔ اور موجودہ مسئلہ میں

تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر مؤذن اجازت بھی دیتا ہے تو دباؤ کی وجہ سے اجازت دیتا ہے؛ اس لئے کہ تسلسل کے ساتھ کوئی مؤذن ایک فرد کے لئے اس طرح کی اجازت نہیں دیا کرتا؛ اس لئے اس میں مزید کراہت کی بات سمجھ میں آتی ہے؛ لہذا یہ عمل فوراً ترک کر دینا چاہئے۔ اور جو اذان دیتا ہے، وہی تکبیر کہے، نیز مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان جس قدر عجلت کی بات سوال نامہ میں لکھی ہے، شریعت میں اس قدر عجلت کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ مؤذن اذان خانہ میں اذان دینے کے بعد اطمینان سے داخل ہو کر صفوں میں آجائے، اس کے بعد وہ اطمینان و سکون سے تکبیر شروع کرے گا، یہ حکم بڑی سے بڑی مسجد کا بھی ہے، مثلاً دلی کی جامع مسجد ہے، اگر اس کا اذان خانہ صدر گیٹ پر ہو تو وہاں سے اذان دے کر پورا صحن چل کر کے مغربی جانب جہاں صفیں بنی ہوئی ہیں، وہاں تک پہنچنے میں کئی منٹ لگیں گے، تو تمام مقتدیوں پر اس کا انتظار کرنا لازم ہے؛ لہذا بڑی سے بڑی مسجد اور چھوٹی سے چھوٹی مسجد سب کے اندر مؤذن کے صفوں کے اندر پہنچنے کا انتظار کرنا مقتدیوں پر لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا/۱۸۳، فتاویٰ محمودیہ، قدیم/۷، ۲۹، جدید ڈائجیل ۵/۳۶۰، فتاویٰ دارالعلوم بڑکریا ۲/۹۷)

عن زیاد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أخوا صداء قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۹۹، مسند أحمد بن حنبل ۴/۱۶۹، رقم: ۱۷۶۷۸، سنن ابن ماجه، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ۱/۵۳، دارالسلام، رقم: ۷۱۷، أبوداؤد، باب الرجل يؤذن ويقيم آخر، النسخة الهندية ۱/۷۶، دارالسلام، رقم: ۵۱۴، مصنف عبدالرزاق، باب من أذن فهو يقيم، المجلس العلمي ۱/۴۷۵، رقم: ۱۸۳۳، مصنف ابن أبي شيبة، باب الرجل يؤذن ويقيم غيره، قدیم ۱/۲۱۶، مؤسسة علوم القرآن ۲/۴۸، رقم: ۲۲۶۰، السنن الكبرى للبيهقي، قدیم ۱/۳۹۹، دارالفکر جدید ۲/۱۵۱، رقم: ۱۹۰۸، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي

۵/۲۶۳، رقم: ۵۲۸۶)

ومنها: أن من أذن فهو الذي يقيم، وإن أقام غيره، فإن كان يتأذى بذلك يكره؛ لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لا يكره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل فيما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/۶۳۸، زكريا ۱/۳۷۵، كراچی ۱/۱۵۵، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض المجلس العلمي، جديد ۲/۹۵، رقم: ۱۳۰۳، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/۱۴۶، رقم: ۱۹۸۷، البناية، كتاب الصلوة، باب في الأذان ۲/۹۷، هندية، باب الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن، زكريا قديم ۱/۵۴، جديد ۱/۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم
 کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۳/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۷۵۶۲/۳۶)

مؤذن کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا

سوال [۱۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خواہ مؤذن مستقل ہو یا غیر مستقل ہو، اگر کوئی تکبیر پڑھ دے بغیر اس کی اجازت کے تو کیا ہے؟

المستفتی: حافظ اسلام الدین خان، قصبہ بلاسپور، ضلع بلندشہر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر دوسرے کے تکبیر کہنے سے وہ راضی نہیں ہے، تو اس کی اجازت کے بغیر مکروہ ہے۔

عن زیاد بن الحارث الصدائي، قال: كنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فأمرني، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم : إن أذا صداء قد أذن ، ومن أذن فهو يقيم . (سنن ابن ماجہ، باب السنة في الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دارالسلام، رقم: ۷۱۷، سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۹۹) **وإن بحضوره كرهه إن لحقه وحشة، كما كره مشيه في إقامته .**

(الدرالمختار، باب الأذان، مطلب في المؤذن إذا كان غير محتسب، زكريا ۲/ ۶۴، كراچی ۱/ ۳۹۵، بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في ما يرجع إلى صفات المؤذن، بيروت ۱/ ۶۳۸، زكريا ۱/ ۳۷۵، كراچی ۱/ ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم**

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ربيع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۵/۲۵)

داڑھی منڈے کا تکبیر پڑھنا

سوال [۱۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا امام کے پیچھے بغیر داڑھی والا تکبیر نہیں پڑھ سکتا؟۔

المستفتی: محمد ایوب، مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے والے شخص کی اذان و اقامت مکروہ ہے؛ لہذا اگر باشرع اور نیک لوگ موجود ہوں، تو ایسے شخص کو اذان و اقامت نہ کہنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ، قدیم ۳/ ۱۴، جدید زکریا ۴/ ۹۴)

ویکرہ التلحین و أذان الجنب و إقامته، و أذان صبی، و مجنون، و سکران، و امرأة، و فاسق . (نور الإيضاح، کتاب الصلوة، باب الأذان ۵۹) **و يستحب كون المؤذن عالما بالسنة والأوقات، و كره أذان الفاسق، لعدم الاعتماد، ولكن لا يعاد .** (مجمع الأنهر، کتاب الصلوة، باب الأذان، دار الکتب

العلمیة بیروت ۱/ ۱۱۸، مصری قدیم ۱/ ۷۸)

وقال الحنفیة: یکره أذان الفاسق، ویستحب إعادته. (الفقه الإسلامی

وأدلته، الفصل الثانی فی الأذان والإقامة، وشروط الأذان، مطبوعه دیوبند ۱/ ۶۰۰)

ویکره أذان الفاسق. (البنایة، باب الأذان، أشرفیه ۲/ ۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۳۵)

اقامت کے جواب کا مسنون طریقہ

سوال [۱۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب نماز کے لئے اقامت کہی جاتی ہے، تو بعض آدمی پوری اقامت کا جواب نہیں دیتے صرف ”أشهد أن محمداً رسول الله“ سن کر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھ لیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کیا اقامت ہوتے وقت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھ لینا درست ہے؟ ایک عالم منع کرتے ہیں کہ یا تو ”أشهد أن محمداً رسول الله“ ہی کہو، صرف ”صلی اللہ علیہ وسلم“ نہ کہو، ورنہ پوری اقامت کا جواب دو، صحیح صورت حال واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد اصغر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اقامت کے وقت مقتدیوں کے لئے مستحب یہی ہے کہ مؤذن کے ساتھ ساتھ اسی طرح اقامت کا جواب دیں جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے اور حیثیتین پر ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہیں۔ اور جب اقامت کہنے والا ”قد قامت الصلوۃ“ پر پہنچے تو ”أقامها اللہ وأدامها“ کہے۔ اور صرف ”صلی اللہ علیہ وسلم“ پڑھنا ثابت نہیں ہے، یہ عوام کا اپنا اجتہاد ہے۔

عن أبي أمامة، أو عن بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أن بلالا أخذ في الإقامة، فلما أن قال: قد قامت الصلاة، قال النبي صلى الله عليه وسلم: أقامها الله وأدامها، وقال في سائر الإقامة، كنعو حديث عمر في الأذان. (أبو داؤد شريف، الصلاة، باب ما يقول إذا سمع الإقامة، النسخة الهندية ۱/ ۷۸، دار السلام، رقم: ۵۲۸) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۸ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴/۹۴۷)

اقامت کا جواب دینا مستحب ہے

سوال [۱۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت کے جواب دینے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: روح الامین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کی طرح اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے؛ البتہ ”قد قامت الصلاة“ کے جواب میں ”أقامها الله وأدامها“ کہا جائے، جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أبي أمامة، أو عن بعض أصحاب النبي ﷺ أن بلالا أخذ في الإقامة، فلما أن قال: قد قامت الصلاة، قال النبي ﷺ: أقامها الله وأدامها، وقال في سائر الإقامة، كنعو حديث عمر في الأذان. (أبو داؤد شريف، الصلاة، باب ما يقول إذا سمع الإقامة، النسخة الهندية ۱/ ۷۸، دار السلام، رقم: ۵۲۸)

ويجب الإقامة ندبا إجماعا، كالأذان، ويقول: عند قد قامت الصلاة، أقامها الله وأدامها. (شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۷۱،

کراچی ۱ / ۴۰۰، ہندیہ، باب الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، زكريا قديم
 ۱ / ۵۷، جدید ۱ / ۱۱۴، البنایة، كتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفیہ دیوبند ۲ / ۹۹) فقط
 واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۷ / صفر ۱۴۱۹ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۳ / ۵۶۱۹)

دو مرتبہ تکبیر کہنے کا حکم

سوال [۱۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
 میں: مؤذن کے صف میں آنے سے پہلے کسی دوسرے شخص نے تکبیر پڑھ دی، مؤذن نے
 صف میں آ کر دوبارہ تکبیر پڑھی، کیا اس طرح ایک جماعت کی نماز میں دو تکبیریں ہونے پر
 نماز میں کچھ نقص یا کمی تو نہیں آئی؟ کیا مؤذن کی بلا اجازت تکبیر پڑھنا مکروہ ہے؟ کیا
 حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو روک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی صحابی سے تکبیر
 پڑھوائی، جنہوں نے اذان دی تھی؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، بلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک سفر میں ایسا ہوا کہ حضرت زیاد بن حارث صدائی
 رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی، جب تکبیر کہنے کا وقت آیا، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر
 پڑھنا شروع کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ
 تمہارے صدائی بھائی نے اذان دی ہے، تو تکبیر کا حق بھی ان ہی کو ہے؛ لہذا ان ہی کو تکبیر
 کہنے کا موقع بھی دے دو۔ اس حدیث شریف کی رو سے فقہاء نے بھی یہی مسئلہ بیان کیا ہے
 کہ تکبیر کہنے کا حق اسی کو ہے جس نے اذان دی ہو؛ لہذا جب مقررہ مؤذن نے اذان دی، تو
 اس کے صف میں آ کر کھڑے ہو کر تکبیر کہنے کا انتظار کرنا چاہئے، اس کی مرضی کے بغیر تکبیر

کہنے کا حق نہیں؛ لیکن جب تکبیر کہہ دی گئی تو تکبیر ہوگئی، اب مؤذن کو دوبارہ تکبیر نہیں کہنی چاہئے۔ اور اس آدمی کو سمجھا دیا جائے کہ تکبیر کہنا مؤذن کا حق ہے۔

عن زیاد بن الحارث الصدائي، قال: لما كان أول أذان الصبح، أمرني يعني النبي صلى الله عليه وسلم فأذنت، فجعلت أقول: أقيم يا رسول الله؟ فجعل ينظر إلى ناحية المشرق إلى الفجر، فيقول: لا، حتى إذا طلع الفجر نزل فيروز، ثم انصرف إليّ، وقد تلاحق أصحابه، يعني فتوضاً، فأراد بلال أن يقيم، فقال له النبي الله -صلى الله عليه وسلم-: إن أخوا صداء هو أذن، ومن أذن فهو يقيم، قال: فأقيمت. (سنن أبي داؤد، باب الرجل يؤذن و يقيم آخر، النسخة الهندية ۱/ ۷۶، دارالسلام، رقم: ۵۱۴، سنن الترمذي، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰، دارالسلام، رقم: ۱۹۹)

وإن أذن رجل، وأقام رجل آخر، إن غاب الأول جاز من غير كراهة، وإن كان حاضراً وتلحقه الوحشة بإقامة غيره يكره، وإن رضي به لا يكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱۴۶، برقم: ۱۹۸۷)

وإن أذن رجل وأقام آخر بإذنه لا بأس به، وإن لم يرض به الأول يكره. (البحر الرائق، باب الأذان، زكريا ۱/ ۴۴۷، كوئته ۱/ ۲۵۷)

فإن الحديث الأول يفيد استحباب كون المؤذن هو المقيم، وترك المستحب خلاف الأولى فافهم. (إعلاء السنن، باب من أذن فهو يقيم، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۰/۲۲/۱۴۳۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ شوال ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۸۹/۳۹)

کیا حضور ﷺ ”حي على الفلاح“ پر وصلے پر جایا کرتے تھے؟

سوال [۱۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور اکرم ﷺ ”حي على الفلاح“ پر مصلیٰ پر جایا کرتے تھے؟ اور مقتدیوں کو تکبیر کے شروع میں کھڑا ہونا چاہئے یا ”حي على الفلاح“ پر کھڑا ہونا چاہئے؟

المستفتی: سردار حسین، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضور ﷺ کبھی تکبیر ختم ہونے کے بعد مصلیٰ پر تشریف لے جاتے تھے اور کبھی حضور ﷺ کے مصلیٰ پر تشریف لے جانے کے بعد تکبیر شروع ہوتی تھی۔ اور مقتدیوں کا شروع میں کھڑے ہو جانا حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

عن جابر بن سمرة كان بلال يؤذن إذا دحضت فلا يقيم حتى يخرج النبي ﷺ، فإذا خرج أقام الصلوة حين يراه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱ / ۲۲۱، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ / رمضان ۱۴۰۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵ / ۱۴۰۷)

اقامت میں حضور ﷺ مصلیٰ پر کب تشریف لے جاتے تھے؟

سوال [۱۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکبر کے اللہ اکبر کہنے پر مصلیٰ پر کھڑے ہوتے تھے یا ”حي على الصلوة“ پر کھڑے ہوتے تھے؟ یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حجرۃ اقدس سے آتا ہوا دیکھ کر صحابہ کرام فوراً کھڑے ہو جاتے تھے؟ آپ کے زمانہ میں کون سا طریقہ رائج تھا؟ اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ کا ان مسائل مذکورہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ قرآن و حدیث کی

روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ زیر بحث میں ہم پر ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اور طرز عمل دیکھیں، چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

(۱) عن جابر بن سمرۃ کان بلال یؤذن إذا دحضت فلا یقیم حتی ینخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، فإذا خرج أقام الصلوۃ حین یراہ۔ (مسلم شریف، باب متى یقوم الناس للصلوۃ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۱، بیت الأفكار، رقم: ۶۰۶)

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت اس وقت کہتے تھے جب کہ حضور ﷺ حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لے آتے تھے، نیز صحیح مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں مروی ہے:

(۲) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن الصلوۃ كانت تقام لرسول الله ﷺ فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه۔ (مسلم شریف، باب متى یقوم الناس للصلوۃ؟ النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۰، بیت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی اور لوگ آپ کے کھڑے ہونے سے پہلے اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

(۳) عن أبي قتادة قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إذا أقيمت الصلوۃ فلا تقوموا حتی تروني۔ (مسلم شریف، باب متى یقوم الناس للصلوۃ؟ النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۰، بیت الأفكار، رقم: ۶۰۴)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ پر پہنچنے سے پہلے تکبیر شروع ہو جاتی تھی اور مکبر کی تکبیر کے ساتھ ساتھ تمام لوگ کھڑے ہو جاتے تھے، زیر بحث مسئلہ سے متعلق تین حدیثیں ذکر کی گئیں، ان میں سے پہلی حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی

عادت یہ تھی کہ حجرہ شریفہ کی طرف مسلسل نظر رکھتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لاکچے ہیں تو اقامت شروع کر دیتے تھے، دوسری اور تیسری حدیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت یہ تھی کہ جب مؤذن تکبیر شروع کرتا تو سارے لوگ کھڑے ہو کر صفوں کی درستگی کر لیتے تھے، چنانچہ احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں درست فرماتے تھے اور جب صف سیدھی ہو جاتی تھی تو پھر تکبیر تحریمہ کہتے تھے، اسی طرح خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل یہی تھا کہ وہ صفوں کی درستگی کا خود بھی اہتمام اور نگرانی کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو باقاعدہ صفیں درست کرانے کے لئے ایک آدمی مقرر کر رکھا تھا، جب تک وہ صفوں کی درستگی کی خبر نہ دے دیتا اس وقت تک آپ تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

عن سماک بن حرب، قال: سمعت النعمان بن بشیر، يقول: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی صفوفنا حتی کانما یسوی بہا القداح، حتی رأى أنا قد عقلنا عنہ، ثم خرج یوما فقام، ”حتی کادیکبر“ فرأى رجالا بادیبا صدره من الصف، فقال: عباد اللہ لستون صفوفکم، أو لیخالفن اللہ بین وجوهکم. (صحیح مسلم، الصلوٰۃ، باب تسویۃ الصفوف،، النسخة الهندیة، ۱/ ۱۸۲، بیت الأفكار، رقم: ۴۳۶)

عن نعمان بن بشیر -رضی اللہ عنہ- قال: کان رسول اللہ ﷺ یسوی صفوفنا، إذا قمنا للصلوة، فإذا استوینا کبر. (أبو داؤد شریف، الصلوٰۃ، باب تسویۃ الصفوف، النسخة الهندیة ۱/ ۹۷، دار السلام، رقم: ۶۶۵)

روی عن عمر أنه کان یؤکل رجالا یاقامة الصفوف، ولا یکبر حتی یخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذی شریف، الصلوٰۃ، باب ماجاء فی إقامة

الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

وروی عن علي وعثمان - رضي الله عنهما - أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استورا. (ترمذی، الصلوة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

اور جب مؤذن ”قد قامت الصلوة“ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہہ دے، یہ مسئلہ حنفیہ کی تمام کتب فقہ میں ہے، اب اس مسئلہ پر غور کرنا ہے کہ اس میں دو جملے ہیں: پہلا جملہ تو یہ ہے کہ ”حي على الفلاح“ پر کھڑا ہو جائے۔ اور دوسرا جملہ یہ ہے کہ امام ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر تحریمہ باندھ لے۔ اور دوسرے جملہ پر کبھی بھی عمل نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ اگر امام ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر تحریمہ کہہ دے گا تو مقتدی لوگ امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے سے محروم ہو جائیں گے، اسی طرح اگر پہلے جملہ پر عمل کیا جائے گا۔ اور ”حي على الفلاح“ پر کھڑے ہونے کا اہتمام کیا جائے گا، تو کھڑے ہو کر مقتدی صف سیدھی نہ کر پائیں گے، حالانکہ صف سیدھی کرنا واجب ہے، اس وقت اگر صف سیدھی کرنے میں لگ جائیں گے تو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کوئی نہیں کہہ پائے گا، جس طرح امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی رعایت میں دوسرے جملہ پر عمل نہیں ہے، اسی طرح پہلے جملہ پر بھی عمل نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و خلفائے راشدین کے عمل کو پیش نظر رکھ کر مؤذن کی تکبیر کے ساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کا کھڑے ہو کر صف سیدھی کرنا بہتر قرار دیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۹ھ / ۲۰۲۹ء

(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۳۵/۳۴)

اقامت کے وقت مقتدی صف سیدھی کب کریں؟

سوال [۱۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا اقامت کے وقت امام اور مقتدیوں کا بیٹھے رہنا سنت ہے یا حدیث شریف اور فقہ میں کھڑے ہونے کی ممانعت ہے؟ کیا بخاری شریف کی حدیث سے بیٹھنا سنت ثابت ہے، بیٹھے رہنے کی سنت کو رواج دینا کیسا ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب دیا جائے۔

المستفتی: حبیب الرحمن، امام جامع مسجد سبزی، ضلع بیٹول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: بخاری شریف کی حدیث سے بوقت اقامت امام و مقتدیوں کا بیٹھے رہنا سنت ثابت نہیں ہوتا، بخاری شریف میں صرف اتنا ہے کہ امام کے مصلے پر پہنچنے تک مقتدی بیٹھے رہ سکتے ہیں۔

عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه، قال: قال: رسول الله ﷺ: إذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني. (صحيح بخاري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رآوا الإمام عند الإقامة؟ النسخة الهندية ۱/ ۸۸، رقم: ۶۲۸، ف: ۶۳۷)

بلکہ بخاری شریف ص: ۲۲ میں اور مسلم شریف ص: ۲۲ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ اقامت کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کھڑے ہو کر صف سیدھی کیا کرتے تھے: اس لئے بیٹھے رہنا سنت نہیں ہوگا؛ بلکہ کھڑے ہو کر صف سیدھی کرنا ہی سنت ہوگا۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - يقول: أقيمت الصلاة فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ. (مسلم شريف، الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه قال: أقيمت الصلاة، فسوى الناس صفوفهم، فخرج رسول الله ﷺ. (بخاري شريف، باب إذا قال الإمام: مكانكم حتى يرجع انظروا، النسخة الهندية ۱/ ۸۹، رقم: ۶۳۱، ف: ۶۴۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۱۳/۲۵)

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں (جامع فتویٰ)

سوال [۱۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے لئے اقامت ہو رہی تھی، عمر اور ان کے ہمراہ کچھ لوگ بیٹھے اور ”حی علی الفلاح“ کے وقت کھڑے ہوئے، اور زید اور ان کے ہمراہ کچھ لوگ ابتداء اقامت میں کھڑے ہو گئے، اور بعد نماز عمر نے زید سے کہا کہ تم ابتداء اقامت سے کیوں کھڑے ہو جاتے ہو؟ عمر ابتداء اقامت میں کھڑے ہونے کو مکروہ اور خلاف سنت بتاتے ہوئے حوالہ پیش کرتے ہیں:

(۱) علامہ نوویؒ ”شرح مسلم“ جلد اول ص: ۲۲۱ پر فرماتے ہیں: وهل قوله صلى الله عليه وسلم: فلا تقوموا حتى تروني بعد ذلك.

(۲) پھر یہی حضرت علامہ نووی علیہ الرحمہ ”شرح مسلم“ جلد اول ص: ۲۲۱ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل نقل فرماتے ہیں: وكان أنس رحمة الله عليه يقوم إذا قال المؤذن قد قامت الصلاة.

(۳) پھر یہی علامہ نوویؒ روایت مختلفہ کی توضیح و تشریح کے بعد ائمہ کرام کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے سیدنا امام اعظمؒ کا مسلک ”شرح مسلم“ جلد اول ص: ۲۲۱ پر نقل فرماتے ہیں: قال أبو حنيفة رحمه الله: والكوفيون يقومون في الصف إذا قال: حي على الصلاة.....

(۴) نیز ”فتح الباری“ شرح بخاری جلد دوم ص: ۱۰۰ پر ہے: وعن أبي حنيفة يقومون إذا قال: حي على الفلاح.

(۵) چلی حاشیہ زیلعی ص: ۱۰۸ پر ہے: قال في الوجيز: والسنة أن يقوم الإمام والقوم إذا قال المؤذن: حي على الفلاح.

(۶) فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”شرح وقایہ“ جلد اول ص: ۱۵۵ پر ہے: ويقوم الإمام والقوم عند حي على الصلاة، وكذا في نور الإيضاح.

(۷) ”رد المحتار“ کے ص: ۲۹۳ پر ہے: ويكره له الانتظار قائما، ولكن يقعد ثم يقوم إذا بلغ المؤذن: حي على الفلاح.

(۸) ”فتاویٰ عالمگیری“ جلد اول ص: ۲۹ پر ہے: إذا دخل الرجل عند الإقامة، يكره له الانتظار قائما، ولكن يقعد، ثم يقوم إذا بلغ المؤذن حي على الفلاح.

(۹) ”طحاوی“ مطبوعہ قسطنطنیہ ص: ۱۵۱ پر ہے: وإذا أخذ المؤذن في الإقامة، ودخل رجل في المسجد، فإنه يقعد ولا ينتظر قائما، فإنه مكروه، وكذا في المضمرة قهستاني: ولم يفهم منه كراهية القيام ابتداء الإقامة، والناس عنه غافلون.

(۱۰) نواب قطب الدین خان ”مشکوٰۃ شریف“ کے اردو ترجمہ ”مظاہر حق“ جدید مطبوعہ ادارہ اسلامیات دیوبند قسط ہشتم کے ص: ۳۴ پر لکھتے ہیں: فقہاء نے لکھا ہے کہ جب مؤذن ”حي على الصلوة“ کہے مقتدیوں کو اس وقت کھڑے ہو جانا چاہئے۔

(۱۱) قاضی ثناء اللہ اپنی کتاب ”مالا بدمنہ“ کے ص: ۲۴ پر فرماتے ہیں: ”زاد“ حي على الصلوة“ امام برخیزد۔

(۱۲) ”صراط مستقیم“ مصدقہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مولوی عبدالماجد صاحب مطبوعہ مینارہ بکڈ پوچارکمان حیدرآباد کے ص: ۱۸۲ پر فرماتے ہیں: ”ائمہ احناف نے کہا ہے کہ امام و مقتدی سب ”حي على الفلاح“ کے وقت کھڑے ہو جائیں۔

(۱۳) ”فتاویٰ عالمگیری“ اردو جدید جزو ۲/۲ جس کے مترجم و محشی مفتی کفیل الرحمن صاحب نشاط عثمانی فاضل دیوبند ہیں، فرماتے ہیں: ”نمازی امام سمیت مسجد میں ہے، تو اس صورت میں

جب مؤذن اقامت کہتے ہوئے ”حی الفلاح“ پر پہنچے تو ہمارے تینوں ائمہ کرام کے نزدیک امام و مقتدیوں کو کھڑے ہونا چاہئے، درست یہی ہے، عمر نے زید کے سامنے یہ تمام حوالے پیش کئے، مگر زید ماننے کو تیار نہیں، اب آپ سے گزارش ہے کہ عمر متبع سنت ہے یا زید متبع سنت ہے؟ اگر زید متبع سنت ہے، تو ان حوالہ جات کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ نیز ہم ان حوالوں پر عمل کریں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

المستفتی: سرفراز احمد مسجد محبوب الہی موگا نگر مصطفیٰ آباد، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سوال کے جواب میں اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا عمل رہا ہے، اس کو سمجھنے کے بعد مسئلہ کی حقیقت، بسہولت واضح ہو جائے گی۔ اور سوال نامہ میں درج کی ہوئی فقہاء کی عبارات کا مطلب بھی صحیح طریقہ سے واضح ہو جائے گا اور سوال کا جواب بھی ثابت ہو جائے گا، سرکارِ دو عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

(۱) صحیح ”مسلم شریف“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إن الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه. (مسلم شریف، باب متى

يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

حضور ﷺ کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی اور لوگ آپ ﷺ کے کھڑے ہونے سے قبل اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

(۲) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة وصف

الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم

شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

نماز کی اقامت ہوتی تو لوگ اپنی صفوں کی درستگی اور صف بندی کر لیتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تشریف لا کر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۳) أقيمت الصلاة، فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱ / ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

نماز قائم کی جاتی تو ہم لوگ کھڑے ہو کر حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل صفوں کی درستگی کر لیا کرتے تھے، پھر تکبیر سے قبل حضور ﷺ تشریف لا کر مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۴) إذا أقيمت فلا تقوموا حتى تروني. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱ / ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۴)

جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم کھڑے کھڑے انتظار مت کرو، جب تک تم مجھے اپنی طرف آتا ہوا نہ دیکھ لو۔

(۵) كان بلال يؤذن إذا دحضت، فلا يقيم حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم، فإذا خرج أقام الصلاة، حين يراه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱ / ۲۲۱، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ زوال کے بعد اذان دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باہر تشریف آوری کا انتظار کرتے رہتے تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھ لیتے تب اقامت شروع فرماتے تھے۔

(۶) ”فتح الباری“ اور ”عمدة القاری“ میں حضرت امام سعید بن المسیب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے:

إذا قال المؤذن: الله أكبر وجب القيام، وإذا قال: حي على الصلاة اعتدلت الصفوف، وإذا قال: لا إله إلا الله كبر الإمام، وذهبت عامة العلماء إلى أنه لا يكبر حتى يفرغ المؤذن من الإقامة. (عمدة القاري، باب متى يقوم

الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ / ۱۵۳، زکریا / ۴ / ۲۱۵، فتح الباری، باب متى یقوم إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ دار الفکر بیروت ۳ / ۱۴۱، اشرفیہ دیوبند ۲ / ۱۵۳، رقم: ۶۳۷)

جب مؤذن ”اللہ اکبر“ کہے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جانا لازم ہے اور جب ”حسی علی الصلوٰۃ“ کہے تو صفوف کی درستگی ہو جائے۔ اور جب ”لا الہ الا اللہ“ کہے تو امام تکبیر تحریر کہے۔ اور جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ مؤذن کے تکبیر اور اقامت سے فراغت حاصل کرنے سے قبل امام تکبیر تحریر نہ کہے۔

(۷) إن بلالا كان يراقب خروج النبي صلى الله عليه وسلم، فأول ما يراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا فلا يقوم مقامه حتى تعدل صفوفهم. (زرقاني على المؤطا، دار الكتب العلمية بيروت ۱ / ۱۳۴)

زرقانی کی یہ عبارت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا آخری حصہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر لوگوں سے قبل حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری دیکھ لیتے اور فوراً اقامت شروع کر دیتے تھے اور لوگ بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور حضور ﷺ صفوں کو درست کرنے سے قبل اپنی جگہ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

(۸) عن نعمان بن بشير - رضي الله عنه - قال: كان رسول الله ﷺ يسوي يعني صفوفنا إذا قمنا للصلوة، فإذا استويينا فكبر. (أبو داود شريف، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱ / ۹۷، دار السلام، رقم: ۶۶۵)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ ہماری صفوں کو درست کرنے سے قبل حضور ﷺ نماز کے لئے تکبیر تحریر نہ کہتے تھے۔

(۹) حضور ﷺ کا ارشاد ہے: صفوں کو درست کرنا کمال صلوٰۃ کے لئے شرط ہے۔

(۱۰) عن عمر - رضي الله عنه - أنه كان يؤكل رجلاً بإقامة

الصفوف، ولا یکبر حتی یخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذی، باب ماجاء

في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱ / ۳۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

حضرت حضرت عمرؓ نے چند آدمیوں کو باقاعدہ صفوں کو درست کرنے پر مامور فرمایا تھا اور جب تک صفوں کی درستگی کی خبر نہ دی جاتی نماز کے لئے تکبیر تحریر نہیں کہتے تھے۔

(۱۱) روی عن علي وعثمان - رضي الله عنهما - أنهما كانا

ينعاهدان ذلك، ويقولان: استتوا. (ترمذی، باب ماجاء في إقامة الصفوف،

النسخة الهندية ۱ / ۳۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما از خود صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے اور باقاعدہ زور دیتے تھے کہ صف سیدھی کر لو۔ اور مذکورہ گیارہ روایات سے ذیل کے چھ امور خوب اچھی طرح واضح ہو جائیں گے:

(۱) حضور ﷺ کے زمانہ میں معمول اور دستور یہی رہا ہے کہ اقامت کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہو کر صفوں کی درستگی فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ پہلی دوسری تیسری چھٹی حدیث سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے۔

(۲) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کے لئے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارکہ سے نکلنے کا انتظار فرمایا کرتے تھے اور آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھنے کے بعد ہی اقامت کہنا شروع کرتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ حدیث ۵ سے واضح ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اقامت کہنے کا معمول اور دستور نہیں تھا۔

(۳) حضور ﷺ کو دیکھنے سے قبل اقامت شروع نہیں کی جاتی تھی اور حضور ﷺ کو دیکھتے ہی اقامت شروع ہو جاتی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ حدیث ۷ سے صاف طور پر واضح ہو رہا ہے۔

(۴) کبھی ایسا بھی ہوا کہ اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اقامت کہہ دی اور لوگ بھی ہمیشہ کے دستور کے مطابق اقامت کے ساتھ

ساتھ کھڑے ہو گئے اور کھڑے کھڑے انتظار کرتے رہے، ایسے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شفقت فرمایا جب میرے نکلنے سے قبل اقامت ہو جائے تو کھڑے کھڑے انتظار نہ کیا کرو۔ اور جب مجھے دیکھو تب کھڑے ہو جایا کرو اور یہی مطلب ہے حدیث ۴۲ میں: ”اذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني“ کا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقامت ختم ہونے تک یا ”حي على الفلاح“ تک کھڑے نہ ہو۔

(۵) صفوں کو درست کرنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ اور ”قد قامت الصلاة“ پر تکبیر تحریمہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل سے ثابت نہیں ہے۔ اور تکبیر تحریمہ سے قبل نہایت اہتمام کے ساتھ صفوں کو درست کیا جاتا تھا، جیسا کہ حدیث ۸ اور ۹ سے واضح ہو رہا ہے۔

(۶) خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسویہ صفوف کے لئے باقاعدہ چند آدمیوں کو مقرر کر دیا تھا اور جب تک صفوں کی درستگی کا اعلان نہیں ہو جاتا تکبیر تحریمہ شروع نہیں فرماتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری کا اہتمام خود فرمایا ہے، جیسا کہ روایت ۱۰، اور اسے واضح ہوتا ہے، نیز تسویہ صفوف تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور چاروں ائمہ مذاہب کے نزدیک لازم اور ضروریات صلوٰۃ میں سے ہے۔ اور اوپر جو گیارہ احادیث شریف نقل کی گئیں ہیں، وہ سب اقامت اور تسویہ صفوف اور امام و مقتدی کے قیام الی الصلوٰۃ سے متعلق ہیں، ان میں سے کسی بھی روایت میں ”حي على الفلاح“ پر بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے اور ابتداء اقامت میں کھڑے نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ ان روایات سے سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی ثابت ہوا کہ اقامت شروع کرنے کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہو کر تسویہ صفوف فرمایا کرتے تھے، جو ”إن الصلاة تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس صفوفهم“ اور ”أقيمت الصلاة، وصف الناس مصافهم“ اور ”أقيمت الصلاة، فقمنا فعد لنا الصفوف“ وغیرہ جیسے الفاظ حدیث سے صاف واضح

ہوتا ہے، اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو سمجھ لینے کے بعد کتب فقہ کی ان عبارات پر غور کرنا ہے، جو سوال نامہ میں تیرہ حوالوں سے پیش کی گئی ہیں۔ حضرات فقہاء نے ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے اور ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر امام کے تکبیر تحریر یہ کہنے کو آداب صلوٰۃ کی فہرست میں ایک مربوط انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں آداب وہ افعال ہوتے ہیں، جن کا کر لینا افضل اور ترک کر دینا کسی قسم کی کراہت یا عتاب کا موجب نہیں ہوتا اور نہ کرنے والے پر نکیر کرنا بھی جائز نہیں؛ بلکہ نکیر کرنا التزام مالا یلزم کی وجہ سے ممنوع اور بدعت ہے۔ ”درمختار“ کراچی میں علامہ علاء الدین حصکفیؒ نے آداب کے متعلق نقل فرمایا ہے:

ولها آداب، وتركه لا یوجب إساءة، ولا عتابا، كترك سنة الزوائد،

لكن فعله أفضل الخ.

اور اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے ادب کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

آداب: جمع أدب، وهو في الصلوة ما فعله رسول الله ﷺ مرة أو

مرتين، ولم يواظب عليه، كزيادة على الثلث في تسيحات الركوع والسجود. (شامی، باب صفة الصلوة، آداب الصلوة، زکریا ۲/ ۱۷۵، کراچی ۱/ ۴۷۷)

”آداب“ ادب کی جمع ہے اور وہ نماز میں وہ عمل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ کیا ہو اور اس پر مداومت نہ فرمائی ہو، جیسے رکوع اور سجود کی تسیحات کو تین مرتبہ سے زائد کہنا آداب میں سے ہے۔ اور زیادہ نہ کہنے والوں پر نکیر کو کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا ہے۔ حضرات فقہاء نے دو ادب کو ان تمام کتابوں میں مربوط طریقہ سے ایک ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کو سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے: (۱) ”حی علی الفلاح“ پر کھڑا ہونا (۲) امام کا نماز کے لئے ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریر یہ کہنا۔ معلوم ہوا کہ جس درجہ کا ادب ”حی علی الفلاح“ پر کھڑا ہونا ہے، اسی درجہ کا ادب ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریر یہ کا کہہ دینا بھی ہے۔ ”تنویر الابصار“ میں ہے:

والقیام حین قیل: حی علی الفلاح إن کان الإمام بقرب المحراب،
وإلا فیقوم کل صف ینتهی إلیه الإمام علی الأظهر، وشرع الإمام فی
الصلوة مذ قیل: قد قامت الصلوة. (تنویر الأبصار مع الدر، باب صفة الصلوة، قیل
فصل فی بیان تالیف الصلوة إلی انتهائہا، کراچی ۱/ ۴۷۹، زکریا ۲/ ۱۷۷)

اور اسی قسم کی عبارات اکثر کتب فقہ میں موجود ہیں؛ لہذا اگر ”حی علی الفلاح“ تک
انتظار نہ کرنا قابل اعتراض ہے، تو ”قد قامت الصلوة“ پر امام کا تکبیر تحریمہ نہ کہنا بھی قابل
اعتراض ہے۔ اور اگر ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر نہ کہنا خلاف سنت نہیں ہے تو ”حی علی
الصلوة“ پر کھڑے ہونے کا انتظار نہ کرنا بھی خلاف سنت نہ ہوگا؛ بلکہ ما قبل میں ذکر کردہ
احادیث صحیحہ سے ”حی علی الفلاح“ تک انتظار نہ کرنا اور ابتدائے اقامت سے کھڑے
ہو جانا ہی سنت ثابت ہوتا ہے، نیز تسویہ صفوف تمام صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک لازم
اور ضروری ہے۔ اور تسویہ صفوف نہ کرنا مکروہ تحریمی اور استحقاق و عید ہے، نیز تکبیر اولیٰ کی
فضیلت سب کے نزدیک مسلم ہے؛ لہذا اگر ”حی علی الفلاح“ کے انتظار میں بیٹھے
رہیں اور ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ سے قبل صفوف کی درستگی میں لگ
جائیں گے، تو امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ نہیں مل پائے گی؛ لہذا اگر ”قد قامت الصلوة“ پر امام کا
تکبیر تحریمہ نہ کہنا قابل تکبیر نہیں ہے، تو تسویہ صفوف کی رعایت میں ابتدائے اقامت میں کھڑا
ہو جانا بھی قابل تکبیر نہ ہوگا؛ بلکہ اس کو بھس حدیث سنت کہا جا سکتا ہے، نیز امام کا اقامت کے
وقت مصلیٰ پر جا کر بیٹھ جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین
میں سے کسی کے عمل سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کتب فقہ میں سے کسی میں موجود ہے؛ لہذا
اس کا خلاف سنت اور قابل تکبیر ہونا لازمی ہے، تو ایسے غیر ثابت اور قابل تکبیر عمل کرنے والوں
کے لئے حدیث شریف سے ثابت شدہ عمل پر تکبیر کرنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ اس لئے
سوال نامہ میں زید و عمر و کا جو مسئلہ معلوم کیا گیا ہے اس میں کسی ایک کو دوسرے پر تکبیر کا حق نہیں
ہے اور دونوں میں سے کسی کے عمل کو خلاف سنت کہنا بھی درست نہ ہوگا۔ اور عمر و تکبیر کرنے

میں غلطی پر ہے اور زید کا عمل ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا تکبیر اولیٰ اور تسویہ صفوف کی رعایت میں ہنس حدیث سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۳۴)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۱/۳/۱۴۱۵ھ

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بوقت اقامت امام و مقتدی بیٹھ کر تکبیر سنیں یا کھڑے ہو کر؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ کر تکبیر سننا یہ نیا مسئلہ ہے، صرف بریلوی ہی اس وقت بیٹھتے ہیں، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا اس سلسلہ میں کیا فتویٰ ہے؟ سیدنا امام محمدؒ کا کیا قول ہے؟ شہنشاہ اورنگ زیبؒ کے زمانہ میں علماء ہند کا کیا معمول رہا؟ قدوۃ المحدثین حامل لواء الحق علامہ شیخ محقق امام عبدالحق محدث دہلویؒ کا عمل اس بارے میں کیا ہے؟ قابل فخر مدرس حثی الاصباح علی نور الایضاح مولوی اعجاز علی کا قول حاشیہ نور الایضاح میں کیا ہے؟ ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف، بخاری شریف، ابن ماجہ شریف، نسائی شریف میں کیا ہے؟ حقائق سے بہرہ ور فرماتے ہوئے صرف کتب مذکورہ سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد انیس ٹھاکر دوارہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال کے جواب میں اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس عمل میں حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا معمول رہا ہے؟ اس کے بعد سوال کا جواب خود بخود واضح ہو جائے گا اور حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے معمولات سے متعلق

اولاً گیارہ روایتیں اس مسئلہ میں پیش کریں گے اس کے بعد ان روایات سے حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمولات میں سے چھ باتیں سمجھ میں آئیں گی، اس کے بعد اصل سوال کا جواب پیش کرنا ہے۔ گیارہ روایات حسب ذیل ہیں:

(۱) صحیح ”مسلم شریف“ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی روایات حسب ذیل ہیں:

عن أبي هريرة- رضي الله عنه- أن الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

حضور ﷺ کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی اور لوگ آپ ﷺ کے کھڑے ہونے سے قبل اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

(۲) عن أبي هريرة- رضي الله عنه- قال: أقيمت الصلوة و صف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵) نماز کی اقامت ہوتی تو لوگ اپنی صفوں کی درستگی اور صف بندی کر لیتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۳) أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

نماز قائم کی جاتی تھی تو ہم لوگ کھڑے ہو کر حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل صفوں کی درستگی کر لیا کرتے تھے، پھر تکبیر سے قبل حضور ﷺ تشریف لا کر مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۴) إذا أقيمت الصلاة، فلا تقوموا حتى تروني. (مسلم شريف، باب

متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۴)

جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم کھڑے کھڑے انتظار مت کرو، جب تک تم مجھے اپنی طرف آتا ہوا نہ دیکھ لو۔

(۵) کان بلال یؤذن إذا دحضت، فلا یقیم حتی ینخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فإذا خرج أقام الصلوة، حین یراہ۔ (مسلم شریف، باب متى یقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱ / ۲۲۱، بیت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ زوال کے بعد اذان دیتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باہر تشریف آوری کا انتظار کرتے رہتے تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھ لیتے تب اقامت شروع فرماتے تھے۔

(۶) ”فتح الباری“ اور ”عمدة القاری“ میں حضرت امام سعید بن المسیب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

إذا قال المؤذن: الله أكبر وجب القيام، وإذا قال: حي على الصلوة اعتدلت الصفوف، وإذا قال: لا إله إلا الله كبر الإمام، وذهبت عامة العلماء إلى أنه لا يكبر حتى يفرغ المؤذن من الإقامة. (عمدة القاري، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ / ۱۵۳، زکریا ۴ / ۲۱۵، فتح الباری، باب متى يقوم إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ دارالفکر بیروت ۳ / ۱۴۱، اشرفیہ دیوبند ۲ / ۱۵۳، رقم: ۶۳۷)

جب مؤذن ”اللہ اکبر“ کہے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جانا لازم ہے اور جب ”حی علی الصلوة“ کہے تو صفوف کی درستگی ہو جائے۔ اور جب ”لا الہ الا اللہ“ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے۔ اور جمہور علماء اس کے قائل ہیں کہ مؤذن کے تکبیر اور اقامت سے فراغت حاصل کرنے سے قبل امام تکبیر تحریمہ نہ کہے۔

(۷) إن بلالا كان يراقب خروج النبي صلی اللہ علیہ وسلم، فأول ما یراه یشرع فی الإقامة قبل أن یراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا فلا یقوم

مقامہ حتی تعدل صفوفہم۔ (زرقانی علی المؤطا، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۳۴)
 زرقانی کی یہ عبارت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا آخری حصہ ہے کہ حضرت
 بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر
 لوگوں سے قبل حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری دیکھ لیتے اور
 فوراً اقامت شروع کر دیتے تھے اور لوگ بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے۔ اور حضور
 ﷺ صفوں کو درست کرنے سے قبل اپنی جگہ کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

(۸) عن نعمان بن بشیر - رضي الله عنه - قال: كان رسول الله صلى
 الله عليه وسلم يسوي صفوفنا إذا قمنا للصلوة، فإذا استويينا فكبر. (أبو داؤد
 شريف، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۶۶۵ المعجم
 الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۱/ ۱۰۷، رقم: ۱۱۸)
 حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ ہماری صفوں کی درستگی کرتے تھے
 جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور صفوں کو درست کرنے سے قبل حضور ﷺ نماز
 کے لئے تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

(۹) عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ:
 سوا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من تمام الصلوة. (سنن ابن ماجه، الصلوة،
 باب إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، دارالسلام، رقم: ۹۹۳، مسند الدارمي،
 دارالمغني ۲/ ۸۰۳، رقم: ۱۲۹۸، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۱۷۷، رقم: ۱۲۸۴۴)
 حضور ﷺ کا ارشاد ہے: صفوں کو درست کرنا کمال صلوٰۃ کے لئے شرط ہے۔

(۱۰) عن عمر - رضي الله عنه - أنه كان يؤكل رجالاً بإقامة
 الصفوف، ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذي، باب ماجاء
 في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۳۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

حضرت عمرؓ نے چند آدمیوں کو باقاعدہ صفوں کو درست کرنے پر مامور فرمایا تھا اور جب تک صفوں کی درستگی کی خبر نہ دی جاتی نماز کے لئے تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔

(۱۱) روی عن علي وعثمان - رضي الله عنهما - أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استوا. (ترمذی، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱ / ۳۱، دارالسلام، رقم: ۲۲۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما از خود صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے اور باقاعدہ زور دیتے تھے کہ صف سیدھی کر لو۔

اب مذکورہ گیارہ روایات سے ذیل کے چھ امور خوب اچھی طرح واضح ہو جائیں گے:

(۱) حضور ﷺ کے زمانہ میں معمول اور دستور یہی رہا ہے کہ اقامت کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہو کر صفوں کی درستگی فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ پہلی دوسری تیسری چھٹی حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔

(۲) حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کے لئے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارکہ سے نکلنے کا انتظار فرمایا کرتے تھے اور آپ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھنے کے بعد ہی اقامت کہنا شروع کرتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ حدیث ۵ سے واضح ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اقامت کہنے کا معمول اور دستور نہیں تھا۔

(۳) حضور ﷺ کو دیکھنے سے قبل اقامت شروع نہیں کی جاتی تھی اور حضور ﷺ کو دیکھتے ہی اقامت شروع ہو جاتی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، جیسا کہ اوپر نقل کردہ حدیث ۷ سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے۔

(۴) کبھی ایسا بھی ہوا کہ اتفاق سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اقامت کہہ دی اور لوگ بھی ہمیشہ کے دستور کے مطابق اقامت کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو گئے اور کھڑے کھڑے انتظار کرتے رہے، ایسے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شفقت فرمایا جب میرے نکلنے سے قبل اقامت ہو جائے تو کھڑے کھڑے انتظار نہ

کیا کرو۔ اور مجھے دیکھ لو تب کھڑے ہو جایا کرو اور یہی مطلب ہے حدیث ۴ میں: ”اذا أقيمت الصلاة فلا تقوموا حتى تروني“ کا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اقامت ختم ہونے تک یا ”حي على الفلاح“ تک کھڑے نہ ہو۔

(۵) صفوں کو درست کرنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ اور ”قد قامت الصلاة“ پر تکبیر تحریمہ کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل سے ثابت نہیں ہے۔ اور تکبیر تحریمہ سے قبل نہایت اہتمام کے ساتھ صفوں کو درست کیا جاتا تھا، جیسا کہ حدیث ۸ اور ۹ سے واضح ہو رہا ہے۔

(۶) خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تسویہ صفوف کے لئے باقاعدہ چند آدمیوں کو مقرر کر دیا تھا اور جب تک صفوں کی درستگی کا اعلان نہیں ہو جاتا تکبیر تحریمہ شروع نہیں فرماتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری کا اہتمام خود فرمایا ہے، جیسا کہ روایت ۱۰ اور ۱۱ سے واضح ہوتا ہے، نیز تسویہ صفوف تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور چاروں ائمہ مذاہب کے نزدیک لازم اور ضروریات صلوٰۃ میں سے ہے۔ اور اوپر جو گیارہ احادیث شریف نقل کی گئیں ہیں، وہ سب اقامت اور تسویہ صفوف اور امام و مقتدی کے قیام الی الصلوٰۃ سے متعلق ہیں، ان میں سے کسی بھی روایت میں ”حي على الفلاح“ پر بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے اور ابتداء اقامت میں کھڑے نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ ان روایات سے سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل یہی ثابت ہوا کہ اقامت شروع کرنے کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہو کر تسویہ صفوف فرمایا کرتے تھے، جو ”إن الصلاة تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه“ (مسلم شریف ہندی ۱/ ۲۲۰) اور ”أقيمت الصلاة، وصف الناس صفوفهم“ الحدیث (مسلم شریف ہندی ۲/ ۲۲۰) اور ”أقيمت الصلاة، فقمنا فعد لنا الصفوف“ (مسلم شریف ہندی ۱/ ۲۲۰) وغیرہ جیسے الفاظ حدیث سے

صاف واضح ہوتا ہے، اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو سمجھ لینے کے بعد کتب فقہ کی ان عبارات پر غور کرنا ہے، جو حضرات فقہاء نے ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے اور ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر امام کو تکبیر تحریمہ کہنے کو آداب صلوٰۃ کی فہرست میں ایک مربوط انداز سے بیان فرمایا ہے۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں آداب وہ افعال ہوتے ہیں، جن کا کر لینا افضل اور ترک کر دینا کسی قسم کی کراہت یا عتاب کا موجب نہیں ہوتا اور نہ کرنے والے پر نکیر کرنا بھی جائز نہیں؛ بلکہ نکیر کرنا التزام مالا یلزم کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے ممنوع اور بدعت ہے۔ ”درمختار“ کراچی میں علامہ علاء الدین ہسکفی رحمۃ اللہ علیہ نے آداب کے متعلق نقل فرمایا ہے:

ولها آداب، وترکہ لا یوجب إساءة، ولا عتابا، کترک سنة الزوائد،
لکن فعله أفضل الخ.

اور اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے ادب کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

آداب: جمع أدب، وهو في الصلوٰۃ ما فعله رسول اللہ ﷺ مرة أو مرتین، ولم یواظب علیہ، کزیادة علی الثلث في تسيحات الركوع والسجود. (شامی، باب صفة الصلوٰۃ، آداب الصلوٰۃ، زکریا ۲/ ۱۷۵، کراچی ۱/ ۴۷۷)

”آداب“ ادب کی جمع ہے اور وہ نماز میں وہ عمل ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ کیا ہو اور اس پر مداومت نہ فرمائی ہو، جیسے رکوع اور سجود کی تسیحات کو تین مرتبہ سے زائد کہنا آداب میں سے ہے۔ اور زیادہ نہ کہنے والوں پر نکیر کو کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا ہے۔ حضرات فقہاء نے دو ادب کو تمام کتابوں میں مربوط انداز سے ایک ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کو سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے: (۱) ”حی علی الفلاح“ پر کھڑا ہونا (۲) امام کا نماز کے لئے ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریمہ کہنا۔ معلوم ہوا کہ جس درجہ کا ادب ”حی علی الفلاح“ پر کھڑا ہونا ہے، اسی درجہ کا ادب ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھنے کا بھی ہے۔ فقہ کی مشہور کتاب ”درمختار“ اور ”شامی“ کا متن

”تنویر الابصار“ میں ہے:

والقیام حین قیل: حی علی الفلاح إن کان الإمام بقرب المحراب،
والإقیوم کل صف ینتھی إلیه الإمام علی الأظھر، وشرع الإمام فی
الصلوة مذ قیل: قد قامت الصلوة. (تنویر الأبصار مع الدر، باب صفة الصلوة، قبیل

فصل فی بیان تالیف الصلوة إلی انتھائھا، کراچی ۱/ ۴۷۹، زکریا ۲/ ۱۷۷)

اور اسی قسم کی عبارات اکثر کتب فقہ میں موجود ہیں؛ لہذا اگر ”حی علی الفلاح“ تک
انتظار نہ کرنا قابل اعتراض ہے، تو ”قد قامت الصلوة“ پر امام کا تکبیر تحریمہ نہ کہنا بھی قابل
اعتراض ہے۔ اور اگر ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر نہ کہنا خلاف سنت نہیں ہے تو ”حی علی
الصلوة“ پر کھڑے ہونے کا انتظار نہ کرنا بھی خلاف سنت نہ ہوگا؛ بلکہ ما قبل میں ذکر کردہ
احادیث صحیحہ سے ”حی علی الفلاح“ تک انتظار نہ کرنا اور ابتدائے اقامت سے کھڑا
ہو جانا ہی سنت ثابت ہوتا ہے، نیز تسویہ صفوف تمام صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک لازم
اور ضروری ہے۔ اور تسویہ صفوف نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اور استحقاق وعید ہے، نیز تکبیر اولیٰ کی
فضیلت سب کے نزدیک مسلم ہے؛ لہذا اگر ”حی علی الفلاح“ کے انتظار میں بیٹھے
رہیں اور ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ سے قبل صفوف کی درستگی میں لگ
جائیں، تو امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ نہیں مل پائے گی؛ لہذا اگر ”قد قامت الصلوة“ پر امام کا
تکبیر تحریمہ نہ کہنا قابل نکیر نہیں ہے، تو تسویہ صفوف کی رعایت میں ابتدائے اقامت میں کھڑا
ہو جانا بھی قابل نکیر نہ ہوگا؛ بلکہ اس کو بعض حدیث سنت کہا جاسکتا ہے، نیز امام کا اقامت کے
وقت مصلیٰ پر جا کر بیٹھ جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین
میں سے کسی کے عمل سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کتب فقہ میں سے کسی میں موجود ہے؛ لہذا
اس کا خلاف سنت اور قابل نکیر ہونا لازمی ہے، تو ایسے غیر ثابت اور قابل نکیر عمل کرنے والوں
کے لئے حدیث شریف سے ثابت شدہ عمل پر نکیر کرنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ نیز

اقامت کے شروع میں کھڑے ہو جانے میں تسویہ صفوف اور تکبیر اولیٰ دونوں کی رعایت ہوتی ہے۔ اور ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے سے ان میں سے کسی کی رعایت نہیں ہوتی؛ اس لئے تکبیر کے شروع ہی سے تمام مقتدیوں کو کھڑے ہو کر صف سیدھی کرنا چاہئے اور امام کو مصلیٰ پر بیٹھ جانے کے بجائے کھڑے ہو کر مقتدیوں کی صف سیدھی ہونے کی نگرانی کرے، اس کے بعد تکبیر تحریر یہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ دے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جس طرح ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے کو فرمایا ہے، اسی طرح ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریر یہ کہنے کو بھی فرمایا ہے۔ اور اسی کو حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علیؒ نے ”نور الايضاح“ کے حاشیہ میں درج فرمایا ہے، مگر جس طرح تکبیر تحریر یہ کی رعایت میں ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریر یہ باندھنے پر عمل نہیں کیا جاتا ہے، اسی طرح تسویہ صفوف کی رعایت میں ”حی علی الفلاح“ کا بھی انتظار نہیں کیا جاتا ہے، اس کی تفصیل اوپر کی عبارات سے خوب واضح ہو جاتی ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ”مشکوٰۃ“ کی شرح میں اپنی کوئی رائے نہیں پیش فرمائی؛ بلکہ صرف ”مشکوٰۃ شریف“ کی عبارات کا حل پیش فرمایا ہے۔ اور ”مشکوٰۃ شریف“ میں وہ روایات موجود نہیں ہیں جو مسلم شریف وغیرہ میں بوقت اقامت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کھڑے ہو کر صف سیدھی کرنے کا ذکر ہے، اگر وہ روایات مشکوٰۃ میں ہوتیں تو حضرت شیخ ان کی بھی تشریح فرماتے۔ اور ان کا مطلب بھی واضح فرماتے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۶ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۵۲۰)

مقتدی حضرات نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب مکبر تکبیر کہے اس وقت نہ کھڑا ہوا جائے؛ بلکہ جب ”حی علی الصلوٰۃ“ پر پہنچے اس وقت کھڑا ہوا جائے؟ اور وہ لوگ حوالہ دیتے ہیں کہ بخاری شریف جلد اول میں یہ حدیث ہے کہ ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑا ہوا جائے۔ اور حضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ جب مکبر تکبیر کہتے وقت ”حی علی الصلوٰۃ“ پر پہنچے تو اس وقت کھڑے ہوا کرو، تو صحابہ کرام نے اتباع کی۔ اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ”نور الايضاح“ کے حاشیہ ”باب حق الصلوٰۃ“ میں اس بات کو تحریر کیا ہے کہ ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑا ہوا جائے۔ اصل کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن و حدیث و فقہ کی روشنی میں مکمل اور مدلل تحریر فرمائیں۔ اور جلد اور صفحہ نمبر بھی تحریر فرمائیں۔ اور خاص کر کے اگر صحاح کے دلائل ہوں تو بہت ہی اچھا ہوگا۔

المستفتی: محمد کلیم الدین گورکھپوری، ساٹ پورناسک، مہاراشٹر
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”بخاری شریف“ میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑا ہوا جائے۔ اور اس کا بھی ثبوت نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو حکم دیا ہو کہ جب مکبر تکبیر کہتے وقت ”حی علی الصلوٰۃ“ پر پہنچے اس وقت کھڑے ہوا کرو؛ بلکہ صرف اس کا ثبوت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے مسجد میں آنے سے پہلے تم لوگ نہ کھڑے ہوا کرو؛ بلکہ جب مجھے آتے ہوئے دیکھ لو تو کھڑے ہو جایا کرو، یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مؤذن نے حضور ﷺ کے مسجد میں تشریف لانے سے پہلے تکبیر کہہ دی تھی۔

عن عبد اللہ بن أبي قتادة، عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقيمت الصلوة، فلا تقوموا حتى تروني. (صحيح البخاري، الصلوة، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام عند الإقامة؟ السننحة الهندية ۱/ ۸۸، رقم: ۶۲۸، ف: ۶۳۷)

اور ”نور الایضاح“ کے حاشیہ کا مطلب یہ ہے کہ مقتدیوں کو ”حي على الصلوة“ کہنے تک بیٹھے رہنا نہیں چاہئے؛ بلکہ ”حي على الصلوة“ تک ضرور کھڑے ہو جانا چاہئے، اس سے زیادہ تاخیر نہ کرنی چاہئے۔ اور صحیح حدیث میں واضح الفاظ کے ساتھ یہ حکم ثابت ہے کہ مؤذن کے تکبیر کہنے کے ساتھ ساتھ مقتدی بھی کھڑے ہو جائیں؛ اس لئے مستحب اور مسنون طریقہ یہی ہے کہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ مقتدی بھی کھڑے ہو جایا کریں۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

أقيمت الصلوة وصف الناس صفوفهم، وخرج النبي صلى الله عليه وسلم فقام مقامه. (مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

نیز تسویہ صفوف واجب ہے اور تکبیر اولیٰ حاصل کرنا افضل ہے۔ اور ان دونوں پر عمل جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب ابتداء تکبیر سے مقتدی کھڑے ہو جائیں، ورنہ صفوف کی درستی حاصل کرتے کرتے تکبیر اولیٰ فوت ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲۷ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۱۹)

نماز میں کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں تکبیر کے شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا ٹھیک ہے یا ”حي على الفلاح“ کے آنے پر کھڑا ہونا چاہئے؟، یہ مسئلہ حل کر کے عنایت فرمائیے گا۔

المستفتی: کوثر علی ہاشمی، محلہ فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دونوں طرح جائز ہے؛ البتہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑا ہونا زیادہ افضل ہے، تاکہ باسانی صف سیدھی کر کے تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شرکت ہو سکے؛ کیوں کہ صف سیدھی کرنا واجب ہے، نیز تکبیر کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کی ہیں۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - يقول: أقيمت الصلوة فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقول الناس للصلوة؟ السنخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دارالفکر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة، فسوى الناس صفوفهم، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم. الخ (صحيح البخاري، الصلوة، باب إذا قال الإمام: مكانكم حتى رجع انتظروا۔ السنخة الهندية ۱/ ۸۹، رقم: ۶۳۱، ف: ۶۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ شعبان ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۱۱/۲۶)

مقدمی کب کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جماعت کے لئے تکبیر کے شروع یعنی اللہ اکبر سے کھڑا ہوا جائے یا ”حي على الفلاح“ پر؟ اس سوال کا جواب معتبر حدیثوں سے براہ کرم تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: ذکی اللہ مدرسہ امدادیہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تکبیر شروع ہونے پر کھڑا نہ ہو جائے اور ”حی علی الفلاح“ تک انتظار کیا جائے تو ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہو کر یا تو امام کے ساتھ ساتھ تکبیر اولیٰ میں شریک ہو جائے اور تسویہ صفوف ترک کر دے یا تکبیر اولیٰ ترک کر کے صفوں کی درستگی میں لگ جائے، تو یہ دونوں عمل مذموم ہیں؛ بلکہ صفوں کی درستگی واجب ہے، اب اگر ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہو کر تسویہ صفوف کے وجوب کو ادا کرنے میں لگ جائے تو لازمی طور پر امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کی فضیلت سے محرومی ہوتی ہے؛ اس لئے مؤذن کے اقامت شروع کرنے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر صفوں کی درستگی لازم ہے۔ صحیح مسلم کے اندر اس کی صراحت موجود ہے کہ حضور ﷺ کے مصلیٰ پر تشریف لانے سے قبل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مؤذن کی اقامت کے ساتھ کھڑے ہو کر صفوف درست کرنے میں لگ جایا کرتے تھے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا فعد لنا

الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ. (صحیح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بیت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دار الفکر ۶/ ۲۹۷، رقم: ۱۹۲)

عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: سووا صفوفكم، فإن

تسوية الصفوف من تمام الصلاة. (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب إقامة الصفوف،

النسخة الهندية ۱/ ۷۱، دار السلام، رقم: ۹۹۳، مسند الدارمي، دار المغني ۲/ ۸۰۳، رقم:

۱۲۹۸، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۱۷۷، رقم: ۱۲۸۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۸۶/۲۵)

سوال [۱۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صفوف کی درستگی کی نیت سے قبل از تکبیر امام و مقتدیان کا کھڑا ہونا یا امام یا مقتدیان کا

”حي على الصلاة“ پر کھڑا ہونا، ان دونوں میں سے کون سا مسئلہ افضل ہے؟ قرآن پاک و صحاح ستہ کی مستند حوالہ سے جلد و صفحہ نمبر تحریر فرما کر جواب سے نوازیں۔

المستفتی: خادم اہل سنت مظفر حسین، مسجد قصبہ بسولی، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر سے قبل یا اثناء تکبیر میں ختم تکبیر سے پہلے پہلے کھڑے ہو کر صفوف درست کر لینا افضل ہے؛ بلکہ ضروری و واجب ہے، حدیث شریف میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

يجب أن يقوم قبل الإقامة، أو في وسطه، فإن تسوية الصفوف واجبة من إقامته الصلوة وإتمامها. (معارف السنن شرح ترمذي، الصلاة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة، مكتبة أشرفي ديوبند ۲/ ۲۱۲)

عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: سووا صفوفكم، فإن تسوية الصفوف من تمام الصلوة. (سنن ابن ماجه، الصلوة، باب إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، دار السلام، رقم: ۹۹۳، مسند الدارمي، دار المغني ۲/ ۸۰۳، رقم: ۱۲۹۸، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۱۷۷، رقم: ۱۲۸۴۴)

صفوف کی درستگی تکبیر سے قبل یا تکبیر کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے، ورنہ تکبیر اولیٰ ترک ہو جائے گی، نیز حدیث شریف میں تکبیر سے پہلے اور تکبیر کے ساتھ ساتھ صفوف کی درستگی کی صراحت آئی ہے۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ. (صحيح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

أقيمت الصلاة و صف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (صحيح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت

الأفکار، رقم: ۶۰۵، مسند احمد ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

.....
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۸۹)

سوال [۱۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہیں تو امام اور مقتدی بیٹھ کر تکبیر سنتے ہیں اور کبتر کھڑے ہو کر تکبیر پڑھتا ہے اور کہیں کبتر کھڑے ہو کر تکبیر پڑھتا ہے اور امام و مقتدی سبھی کھڑے ہو کر تکبیر سنتے ہیں، تو یہ کب بیٹھ کر سنی جائے اور کب کھڑے ہو کر سنی جائے؟ اس بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: نظار الاسلام کمال پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر پڑھنے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو جانا زیادہ صحیح ہے، حضرات صحابہ کرام کا عمل بھی یہی تھا اور مؤذن کے ساتھ کھڑے ہو کر صرف سیدھی کرنا حدیث سے ثابت ہے:

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ. (صحيح مسلم، باب متى يقوم الناس للصلاة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

۲۹/۲/۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۲۷)

امام اور مقتدی تکبیر میں کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال [۱۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت کے وقت امام اور مقتدیوں کو تکبیر میں کس وقت اٹھنا چاہئے؟ آیا شروع تکبیر میں کھڑے ہوں یا ”حي على الصلاة“ پر کھڑا ہونا چاہئے جیسا کہ ”مالا بدمنہ فارسی“ میں

ہے کہ: ”طریق خواندن نماز بروجہ سنت آنت کہ اذان گفتہ شود و اقامت و نزاجی علی الصلوٰۃ امام بر خیزد و زدا بی حنفیہ رضی اللہ عنہ“ (ص: ۳۱، مطبوعہ مرکز ادب جامع مسجد دیوبند) مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد ساجد انصاری پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر شروع ہوتے وقت اگر امام مسجد کے اندر موجود ہے، تو تکبیر کے ساتھ ساتھ امام اور مقتدی سب کو کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کر لینی چاہئے اور امام کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس وقت کھڑے ہو کر صفوں کا معائنہ کرے اور جہاں صف ٹیڑھی میڑھی ہو وہاں صف سیدھی کر دے، یہی مسنون طریقہ ہے اور یہی طریقہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ اور جہاں ”مالا بدمنہ“ یا فقہ کی دوسری کتابوں میں ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑے ہونے کی بات ہے، یہ اس وقت ہے جب کہ امام مسجد میں نہ ہو، اگر امام موجود بھی ہو تو انہیں کتابوں میں اسی جملہ کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر امام تکبیر تحریر شروع کر دے، حالانکہ اس پر کوئی بھی عمل نہیں کرتا اور اس عذر کی وجہ سے عمل نہیں کرتا کہ ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریر یہ کہنے کی صورت میں خود تکبیر کہنے والا مؤذن امام کے ساتھ ساتھ تکبیر تحریر شروع نہیں کر پائے گا، تو جس طرح اس عذر کی وجہ سے ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریر نہیں کہی جاسکتی ہے، اسی طرح صفیں سیدھی کرنا واجب ہے، اس واجب کی ادائیگی کے عذر کی وجہ سے ”حی علی الصلوٰۃ“ تک انتظار کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے؛ لہذا فقہاء کرام کی ان عبارات میں سے چاہے دونوں پر عمل کیا جائے یا ایک پر عمل کیا جائے، کچھ نہ کچھ دشواریاں پیش آتی ہیں؛ اس لئے اس مسئلہ میں بجائے فقہاء کرام کی عبارات پر عمل کرنے کے صحیح حدیث شریف پر ہی عمل کرنا بہتر ہوگا کہ صحیح حدیث شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تکبیر کے شروع میں کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرنے کا ثبوت موجود ہے۔

أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف سمع أبا هريرة يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. الخ (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟

النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

نیز بعض امام تکبیر کے وقت مصلیٰ پر بیٹھ جاتے ہیں، یہ بالکل خلاف سنت ہے کہیں سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ اس وقت امام کا کھڑے ہو کر صفوں کی نگرانی کرنا ثابت ہے۔

وروی عن عمر أنه كان يؤكل رجلاً بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. وروى عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استوا و كان علي يقول تقدم يا فلان تأخر يا فلان.

(ترمذی شریف، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دار السلام، رقم:

۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲/ رجب ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۶۲۹۸)

اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے یا کھڑے ہو کر؟

سوال [۱۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت بیٹھ کر سننا سنت ہے یا کھڑے ہو کر؟ زید کہتا ہے کہ بیٹھ کر سننا سنت ہے اور بکر کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر سننا سنت ہے، جب کہ امام صاحب بیٹھ کر اقامت سنتے ہیں اور کچھ حضرات مؤذن صاحب کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں، اس طریقہ کے پیش نظر قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم واضح فرمائیں؟

المستفتی: محمد ارشد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح حدیث شریف میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مؤذن

کے تکبیر کہنے کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے اور اپنی صفیں درست کر لینی چاہئے، تکبیر شروع ہونے کے بعد امام کا مصلیٰ پر بیٹھا رہنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

عن ابن شہاب، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه. الخ (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ^{صلی اللہ علیہ وسلم}، فقام مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷، ۲/ ۲۸۳، رقم: ۷۷۹۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۶۵)

امام تکبیر سے قبل کھڑا ہو گا یا ”حي على الفلاح“ پر؟

سوال [۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ امام حضرات نماز والی تکبیر اقامت ”حي على الصلوة“ سے پہلے تک بیٹھ کر سنتے ہیں اور ”حي على الصلوة“ پر نماز پڑھانے کھڑے ہوتے ہیں، ایسے اماموں نے دوسرے لوگوں کو بتایا کہ جو امام نماز والی تکبیر میں شروع ہی سے کھڑا ہو جائے ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھو، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ کتنی تکبیر بیٹھ کر سننا چاہئے؟ مصلیٰ پر امام کو آ کر بیٹھنا چاہئے یا کھڑا ہونا چاہئے؟ اور ”حي على الصلوة“ پر امام کا کھڑا ہونا فرض ہے یا واجب یا سنت؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ماسٹر راحت علی، این پی آر سی بلاک سیدنگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح حدیث شریف میں یہ وضاحت ہے کہ مؤذن کے تکبیر شروع کرنے کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کو اپنی صفوں کو کھڑے ہو کر درست کر لینا چاہئے۔ اور امام کا مصلیٰ پر بیٹھے رہنا کسی حدیث اور فقہ کے جزئیہ سے ثابت نہیں۔ اور فقہ کی جن جزئیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ مقتدی ”حی علی الصلوٰۃ“ یا ”حی علی الفلاح“ تک کھڑے ہو جائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی ان کلمات تک ضرور کھڑے ہو جائیں، ایسی صورت میں فقہ کی یہ جزئیات حدیث کے مخالف نہیں ہوں گی۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه، فأوما إليهم بيده أن مكانكم. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکم صفر ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴/۹۸۷)

مقتدی تکبیر کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوں یا ”حی علی الصلوٰۃ“ پر؟

سوال [۱۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تکبیر کے ساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے یا ”حي على الصلوة“ پر کھڑے ہونا چاہئے؟ قرآن و حدیث سے کیا ثابت ہے؟ بیان فرما کر مشکور فرمائیں

المستفتی: مختار احمد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسنون یہی ہے کہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر تمام مقتدی صفوف درست کر لیں اور امام بھی نہ بیٹھے؛ بلکہ کھڑے ہو کر مقتدیوں کی صفوں کی درستگی دیکھے، یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور رہا ہے۔ اور صحیح حدیث سے یہی ثابت ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹ رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۰۶۵)

تکبیر کے شروع ہونے کے وقت مقتدی کھڑے ہوں یا بیٹھے رہیں؟

سوال [۱۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تکبیر اولیٰ کے شروع ہونے کے وقت مقتدیوں کو کھڑا رہنا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے اور بیٹھ جانے میں کیا فضیلت ہے؟ اور کھڑے رہنے میں کیا نقصان ہے؟

المستفتی: مولانا محمد علی قصبہ شیر گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: صفوف کی درستگی کی غرض سے کھڑا ہو جانا چاہئے، بیٹھے رہنے یا بیٹھ جانے میں فضیلت نہیں؛ بلکہ تسویہ صفوف کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے نقصان ہے۔ اور روایات میں تسویہ صفوف کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ اور اگر تکبیر کے وقت بیٹھ جائے اور ختم پر کھڑا ہو جائے تو صفوف درست کرتے کرتے تکبیر اولیٰ چھوٹ جائے گی اور تکبیر اولیٰ میں شریک ہو جائے تو صفوف کی درستگی باقی نہ رہے گی، جس کی سخت تاکید آئی ہے؛ اس لئے علماء نے تکبیر شروع ہونے سے قبل یا اثنائے تکبیر کھڑے ہونے کو لازم اور واجب کہا ہے:

يجب أن يقوموا قبل الإقامة، أو في وسطها، فإن تسوية الصفوف واجبة من إقامة الصلوة وتمامها. (معارف السنن، الصلوة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة، مکتبہ اشرفیہ ۲ / ۲۱۲)

عن أبي هريرة^{رض}، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱ / ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱ / ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵،

مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن الصلاة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷)

اور جن کتب فقہ کے اندر ”حي على الصلاة“ پر کھڑے ہو جانے کا حکم آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ”حي على الصلاة“ تک ضرور کھڑے ہو جانا چاہئے، ورنہ مذکورہ احادیث شریفہ کا کوئی مطلب نہیں ہو سکے گا۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۴۱۶)

امام کے مصلیٰ پر آنے سے قبل تکبیر کہنا

سوال [۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے وقت مصلیٰ پر امام صاحب کے آنے سے پہلے تکبیر کا پڑھنا درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: سردار حسین اصالت پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ پر تشریف لانے سے قبل اقامت صلوٰۃ کہنا ثابت نہیں ہے۔

عن ابن شہاب، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف،

سمع أبا هريرة، يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن

یخرج إلینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فأتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی إذا قام فی مصلاه قبل أن یکبر، ذکر فانصرف، وقال لنا: مکانکم، فلم نزل قیاما ننتظره حتی خرج إلینا، وقد اغتسل ینظف رأسه ماء، فکبر، فصلى بنا. (مسلم شریف، الصلوة، باب متى یقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۰، بیت الأفکار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دارالفکر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۷/۲۵)

تکبیر کھڑے ہو کر سننا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

سوال [۱۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں تکبیر کھڑے ہو کر سننا افضل ہے یا بیٹھ کر؟ اور اگر امام بیٹھا ہو تو مقتدی تکبیر کھڑا ہو کر سننے تو کیسا ہے؟ امام کی اتباع رہی یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تکبیر بیٹھ کر سننا افضل ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر سننا افضل ہے، آپ سے گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد اسلم اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح سننا جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا؛ البتہ چونکہ صف سیدھی کرنا واجب ہوتا ہے، تو اگر پوری تکبیر بیٹھ کر سنی جائے اور کھڑے ہوتے ہی تکبیر اولیٰ میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے، تو صف سیدھی کرنا رہ جائے گا؛ اس لئے کھڑے ہو کر سننا زیادہ افضل ہوگا۔ اور حضرات صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل رہا ہے۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. ذكر: فانصرف، وقال لنا: مكانكم، فلم نزل قياما ننتظره حتى خرج إلينا، وقد اغتسل ينظف رأسه ماء، فكبر، فصلى بنا. (مسلم شريف، الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دارالفکر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۴۶)

قیام جماعت کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟

سوال [۱۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت کے قائم ہونے کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟ اور اگر کوئی شخص بیٹھ کر تکبیر سنے تو کیا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فاروق کشمیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: حدیث میں کہیں بھی ایسا ثابت نہیں ہے کہ مؤذن تکبیر شروع کر دے اور مقتدی حضرات بیٹھے رہیں؛ بلکہ صحیح حدیث سے یہی ثابت ہے کہ جب مؤذن تکبیر شروع کر دیتا تو تمام مقتدی کھڑے ہو کر صفیں سیدھی فرماتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس کا بڑا اہتمام ہوتا تھا؛ لہذا فقہ کی جن کتابوں میں ”حي على الصلاة“ اور ”حي على الفلاح“ پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے، اس کا

مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی بیٹھا رہا ہو تو ”حي على الصلوة“ یا ”حي على الفلاح“ پر ضرور کھڑا ہو جائے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ”حي على الصلوة“ سے پہلے کھڑا نہ ہو بیٹھا ہے، بلکہ اس سے پہلے ضرور کھڑا ہو جانا چاہئے، ورنہ حدیث پاک کی مخالفت لازم آئے گی۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة - رضي الله عنه - يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. ذكر: فانصرف، وقال لنا: مكانكم. الخ (صحيح مسلم، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دار السلام ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲)

عن أبي سلمة، عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه، فأوما إليهم. الخ (صحيح مسلم، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

روى عن عمر: أنه كان يؤكل رجلا بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. وروى عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استووا وكان على يقول تقدم يا فلان، تأخر يا فلان.

(ترمذي شريف، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دار السلام، رقم: ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۳۸/۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۶/۲۰۲۳ھ

”حي على الصلوة“ پر کھڑا ہونا

سوال [۱۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلہ کی مسجد میں بریلوی و دیوبندی دونوں فرقوں کے لوگ نماز پڑھتے ہیں، چند برسوں سے اس مسجد میں طلبا پڑھ رہے تھے، جنہوں نے اٹی سیدھی باتیں اور تقریریں کر کے نمازیوں میں خاصا انتشار پیدا کر دیا، جس کے سبب دونوں فرقے اب پارٹی کی شکل اختیار کر گئے؛ اس لئے آپ سے درخواست ہے مندرجہ ذیل سوالات کا مفصل و مدلل جواب تحریر فرمادیں، نیز ایسی کتابوں کے نام بھی تحریر فرمادیں جن کو وقتاً فوقتاً مصلیان کے سامنے پڑھ کر تیجہ، دسواں، چالیسواں، تعزیہ داری، کونڈے، شب براءت کی رسومات کو ختم کیا جاسکے، متنازعہ دریافت مسائل یہ ہیں: تکبیر میں ”حي على الصلوة“ پر کھڑا ہونا امام و مقتدیوں کے لئے کب سے اور کیوں سلسلہ شروع ہوا؟

المستفتی: شہاب الدین سرانے ترین، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ایسا عمل نہیں تھا، اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا ہے، صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں معمول اور دستور یہی رہا کہ اقامت کے ساتھ ساتھ سب لوگ کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور کھڑے ہو کر صف سیدھی کرتے تھے۔ اور صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اقامت شروع ہو جاتی تھی، تو ساتھ میں مقتدی بھی کھڑے ہو کر اپنی اپنی جگہ لے لیتے تھے اور صف سیدھی کرتے تھے۔

أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ بمقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهنديّة ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

نماز کی اقامت ہوتی تو لوگ اپنی صفوں کی درستی اور صف بندی کر لیتے تھے۔ اور حضور ﷺ تشریف لا کر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے تھے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (صحيح مسلم، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهنديّة ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، نیز صفوں کا سیدھا کرنا تمام صحابہ اور تابعین اور چاروں ائمہ کے نزدیک لازم اور ضروریات صلوٰۃ میں سے ہے، اگر ”حي على الصلوة“ پر کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کی جائیں تو امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ نہ ملے گی۔ اور فقہاء نے ”حي على الصلوة“ پر کھڑے ہونے کو محض ادب اور مستحب قرار دیا ہے۔ اور صفوں کا سیدھا کرنا واجب ہے؛ لہذا واجب کی ادائے گی کے وقت مستحب کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ اور جن عبارتوں میں ”حي على الصلوة“ پر کھڑا ہونا ادب اور مستحب لکھا ہے، اسی کے ساتھ امام کا نماز کے لئے ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر تحریر یہ کہنے کو بھی مستحب لکھا ہے؛ لہذا اگر ”حي على الصلوة“ پر کھڑا نہ ہونا قابل اعتراض ہے تو ”قد قامت الصلوة“ پر امام کا تکبیر تحریر یہ نہ کہنا بھی قابل اعتراض ہے۔ اور ان فقہی عبارتوں کا مطلب خود علامہ طحاوی نے یہ بیان کیا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں ”حي على الصلوة“ سے تاخیر نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہی نہ ہو۔ الحاصل ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ تکبیر کے وقت ”حي على الصلوة“ پر کھڑے ہونے کو ضروری سمجھنا اور اسے اسلامی شعار قرار دینا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ابتدائے تکبیر سے کھڑے ہو کر صفوں کی درستی کرنا اور نماز کی طرف مسارعت کا ثبوت دینا چاہئے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا ۱/ ۱۸۴، جواہر الفقہ، قدیم ۱/ ۳۱۴،

جدید ۲/۲۲۹، فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۲/۱۱۳

والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لأبأس.
طحطاوي على الدر، باب صفة الصلوة، قبيل فصل وإذا أراد الشروع فيها كبر، كوئته
۱/ ۲۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۷/۶/۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۲۸۹۰)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۷/۶/۲ھ

”حي على الصلوة“ تک بیٹھے رہنا

سوال [۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

”حي على الصلوة“ تک بیٹھے رہنا کیسا ہے؟ کیا شریعت میں اس کی کوئی حیثیت ہے؟

المستفتی: صادق حسین آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بعض فقہ کی کتابوں میں اس طرح کی بات موجود ہے؛ لیکن جہاں ”حي على الصلوة“ تک بیٹھے رہنے کی بات انہوں نے لکھی ہے، وہاں ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر تحریر یہ کہنے کی بات بھی لکھی ہے؛ لیکن ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر تحریر یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اقامت کہنے والا امام کے ساتھ تکبیر تحریر یہ کہنے سے محروم ہو جاتا ہے؛ لہذا اس عذر کی وجہ سے جب ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر تحریر یہ نہیں کہی جاتی ہے تو اس سے بھی اہم عذر صنفوں کو سیدھا کرنا ہے، تو اگر ابتداء میں کھڑے ہو کر صفیں سیدھی نہ کی جائیں اور ”حي على الصلوة“ پر کھڑے ہوں تو صفیں سیدھی نہ ہو پائیں گی؛ اس لئے ”حي على الصلوة“ کا انتظار بھی نہیں کیا جاتا ہے، توفیق کی اس عبارت کے دونوں پہلوؤں کو چھوڑ دیا گیا ہے اور براہ راست حدیث پر غور کیا گیا، تو حدیث پاک کے اندر اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اقامت شروع ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کر لیا کرتے تھے؛ لہذا فقہ کی اس عبارت کے مقابلہ میں حدیث پاک پر عمل کرنا زیادہ افضل اور بہتر ہوگا؛ اس لئے تکبیر کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو جانا مسنون ہے۔
حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عن ابن شہاب، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة، يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دار الفكر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲)

(۲) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: أقيمت الصلاة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (صحيح مسلم، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷، ۲/ ۲۸۳، رقم: ۷۷۹۱)

(۳) عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن الصلاة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)
فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۱۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۰۷)

سوال [۱۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد قصبہ انخوان پور محلہ نیادیان میں واقع ہے کہ جس میں ایک مولانا حضرت دین

محمد صاحب جو مدرسہ شاہی کے تعلیم یافتہ فارغ شدہ مولوی تھے، جنہوں نے تقریباً چالیس سال امامت کی، ان کا طریقہ نماز کے لئے تکبیر اولیٰ پر کھڑے ہونے کا رہا تھا، وہ کبھی اپنے مصلیٰ پر تکبیر کے وقت بیٹھے نہیں تھے اور نہ ہی مقتدی بیٹھتے تھے، ان کی وفات کے بعد جناب حافظ محمد ہارون صاحب کو امامت کے لئے مقرر کیا گیا، جن کو آج تقریباً ۲۰ سال ہو گئے اور اس طریقہ پر عمل کرتے چلے آ رہے تھے؛ لیکن اب انہوں نے چند لوگوں کے کہنے پر تکبیر اولیٰ کا طریقہ بدل دیا ہے، اب وہ ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑے ہونے لگے، کیا یہ طریقہ قرآن و حدیث و فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کیا رہا تھا اور صحابہ کرام، خلفائے راشدین کے زمانہ میں کیا طرز عمل رہا تھا؟ خلاصہ فرمادیتے، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: اصغر علی اغوان پور، ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقہ کی بعض کتابوں میں ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے کو جن مقامات میں لکھا ہے وہاں پر یہ بھی لکھا ہے کہ ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر امام تکبیر تحریمہ کہے، حیرت کی بات ہے کہ فقہ کی ایک عبارت کے پہلے جزو پر عمل کرنے کا بعض لوگوں کو بہت شوق ہے اور دوسرے جزو کو بھول جاتے ہیں، اگر پہلے جزو پر عمل کرنا بہتر سمجھتے ہیں تو دوسرے جزو پر بھی عمل کر کے دکھائیں، نیز ان کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تکبیر کے وقت امام مصلیٰ پر بیٹھ جاتے ہیں، یہ قرآن کریم، حدیث رسول، فقہ اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں، سنجیدگی کی بات تو یہ ہے کہ فقہ کی اس عبارت کے آخری جزو ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر امام کے تکبیر تحریمہ کہنے سے مؤذن کو امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کا موقع نہیں ملے گا؛ اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور صفوں کا درست کرنا واجب ہے، اگر امامت کی اقتدا میں مقتدی کھڑے ہو کر صفیں سیدھی نہ کریں گے اور ”حی علی الفلاح“ تک انتظار کرتے رہیں گے تو صفیں سیدھی کرنے کا وجوب ترک ہو جائے گا؛ اس لئے فقہ کی اس عبارت کے پہلے جزو کو بھی چھوڑ دیا جاتا ہے اور براہ راست حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور حدیث میں صاف الفاظ کے ساتھ یہ بات آئی ہے کہ اقامت شروع ہونے کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کر لیا کرتے تھے؛ اس لئے بہتر اور افضل شکل یہی ہے کہ اقامت شروع ہونے کے ساتھ ہی تمام مقتدی صفیں سیدھی کریں اور امام بھی کھڑے ہو کر صفوں کی نگرانی کرے، حضرت عثمان غنی، حضرت عمر فاروق، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین تکبیر شروع ہونے کے ساتھ سب لوگوں کو صفیں سیدھی کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور خود اس کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔ احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن شہاب، قال: أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، سمع أبا هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. ذكر: فانصرف. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، المعجم الأوسط، دار الفكر ۶/ ۳۹۷، رقم: ۹۱۹۲)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلوة، وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله ﷺ، فقام مقامه. (صحيح مسلم، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷، ۲/ ۲۸۳، رقم: ۷۷۹۱)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

وقد روى عن النبي ﷺ أنه قال: من تمام الصلوة إقامة الصفوف.

وروى عن عمر: أنه كان يؤكل رجالا بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت.

وروی عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استنوا
وكان علي يقول تقدم يا فلان، تأخر يا فلان. (ترمذي شريف، باب ماجاء في إقامة
الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دارالسلام، رقم: ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۰۵/۳۵)

کیا تکبیر کے وقت کبوتر کے علاوہ مقتدیان کا کھڑا ہونا ممنوع ہے؟

سوال [۱۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: کیا تکبیر کہنے والے کے سوا اوروں کا کھڑا ہونا خلاف سنت ہے؟ باقی مقتدیان اور امام کو
”حي على الفلاح“ پر کھڑا ہونا چاہئے جیسا کہ بعض مصنف عالمگیری کے حوالہ سے لکھتے ہیں،
حدیث اور امام صاحبان کے حوالہ سے مع تفصیل لکھ کر ہماری مشکل آسان فرمائیں۔

المستفتی: مقصود احمد قاسمی، الگابھیکن پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کی جماعت کے لئے اقامت کے وقت تمام
مقتدیوں کا کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرنا مسنون ہے، یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی
اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے؛ لہذا مؤذن کی تکبیر کے ساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کو اپنی اپنی
جگہ کھڑے ہو کر صفیں درست کرنا چاہئے۔

عن أبي هريرة، يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف،
قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله ﷺ
حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم
الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن الصلوة كانت تقام لرسول الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ بمقامه. (مسلم شريف، الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

فقہ کی جن جزئیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ ”حي على الصلوة“ یا ”حي على الفلاح“ پر کھڑے ہو جائیں وہیں پر ساتھ ہی یہ حکم بھی لکھا ہوا ہے کہ امام ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر تحریر یہ کہہ لے، اب سوال ان لوگوں سے ہے جو لوگ ”حي على الفلاح“ سے پہلے مقتدیوں کے کھڑے ہونے کو منع کرتے ہیں، ان کا امام ”قد قامت الصلوة“ پر تکبیر تحریر کیوں نہیں کہتا ہے؟ ایک مسئلہ کے ایک جزو پر اس قدر پابندی اور دوسرے جزو سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ نیز تکبیر کے وقت امام کا مصلیٰ پر بیٹھ جانا کس حدیث میں ہے؟ اور فقہ کے کس جزئیہ میں ہے؟ یہ سب باتیں ضد بندی کی ہیں؛ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ تکبیر کے وقت امام کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرنے میں لگ جائے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے لئے چند آدمیوں کو باضابطہ مقرر کر رکھا تھا اور اس وقت تک تکبیر نہیں کہتے تھے جب تک صفیں سیدھی ہونے کا اعلان نہ ہو جاتا تھا۔ اور حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما از خود کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کیا کرتے تھے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تکبیر کے وقت ان حضرات میں سے کوئی بھی مصلیٰ پر بیٹھے رہے ہوں، حضور ﷺ کا عمل اور خلفائے راشدین کا عمل ہی حجت اور قابل اتباع ہے؛ اس لئے مؤذن کی اقامت کے ساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کو کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرنے میں لگ جانا چاہئے۔

عن عمر: أنه كان يؤكل رجلا ياقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذي شريف، الصلوة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دار السلام، رقم: ۲۲۷)

وروى عن علي وعثمان أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استنوا
وكان علي يقول تقدم يا فلان، تأخر يا فلان. (ترمذي شريف، الصلوة، باب ماجاء

فی إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/۵۳، دارالسلام، رقم: ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۶۰)

تکبیر ہوتے ہی مصلیوں کے کھڑے ہونے کی دلیل

سوال [۱۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز جماعت کے لئے تکبیر ہوتے ہی تمام مصلیوں کا کھڑا ہوجانا کس آیت یا حدیث، فقہ کی کس معتبر کتاب سے ثابت ہے؟ مدلل باحوالہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حکیم محمد اسحاق، لالباغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”مسلم شریف“ ۱/۲۲۰ میں اس مسئلہ کی کئی حدیثیں موجود ہیں۔ ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نماز کے لئے اقامت شروع ہوتی تو ہم فوراً کھڑے ہو کر صف سیدھی کرتے تھے“۔ اور اس مضمون کی روایات حدیث کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں، ہم دور روایتیں نقل کر دیتے ہیں:

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: أقيمت الصلاة، وصف

الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، النسخة الهندية ۱/۲۲۰، بيت الأفكار،

رقم: ۶۰۵، مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۳۷، رقم: ۷۲۳۷)

(۲) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن الصلاة كانت تقام لرسول

الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شريف،

الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، النسخة الهندية ۱/۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۷۴/۳۵)

تکبیر کے وقت مقتدی کو کب کھڑا ہونا چاہئے

سوال [۱۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے اور ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑا ہوتا ہے؛ لیکن بکر اس کے خلاف ہے اور وہ کہتا ہے کہ شروع سے ہی کھڑا ہونا چاہئے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کب کھڑا ہونا چاہئے اور اولیٰ کیا ہے؟ نیز یہ کہ زید ”حی علی الفلاح“ پر کھڑا ہونے کی وجہ سے گنہگار تو نہ ہوگا؟ جواب قرآن وحدیث اور مع ائمہ کے افعال واقوال، نیز اسلاف کے اقوال و افعال کی روشنی میں مفصل ومدلل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: انیس الرحمن امرت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر کے شروع میں کھڑا ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اور ”حی علی الصلوٰۃ“ تک انتظار کر کے کھڑا ہونا یہ بھی فقہ کی کتابوں سے ثابت ہے، مگر بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ حدیث کے مطابق اقامت کے شروع میں کھڑے ہو جائیں اور تکبیر اولیٰ سے پہلے پہلے صفیں سیدھی کر لی جائیں؛ اس لئے کہ صفیں سیدھی کرنا واجب ہے، نیز صورت مسئلہ میں زید ”حی علی الصلوٰۃ“ پر کھڑا ہونے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا؛ بلکہ خلاف اولیٰ کا مرتکب ہوگا۔

أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف سمع أبا هريرة يقول:
أقيمت الصلوة، فقمنا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى
الله عليه وسلم. الخ (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟

السنة الهندية ۱ / ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵

عن عبدالرزاق، عن ابن جريج، عن ابن شهاب، أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله أكبر يقومون إلى الصلوة، فلا يأتي النبي ﷺ مقامه حتى تعدل الصفوف. (فتح الباري، باب متى يقوم الناس إذا رؤوا الإمام عند الإقامة، دار الفكر بيروت ۲ / ۱۴۱، اشرفيه ديوبند ۲ / ۱۵۳) فقط واللهم سبحانك وتعالى أعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۱۱۵/۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۲۰ھ

اقامت میں جیعلتین پردائیں بائیں جانب منہ پھیرنا

سوال [۱۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا اذان کی طرح تکبیر میں بھی یعنی اقامت میں ”حي على الصلوة“ اور ”حي على الفلاح“ پردائیں بائیں جانب منہ پھیرنا سنت ہے یا صرف اذان میں؟ (۲) اقامت کہنے والوں کو امام کے داہنے جانب کھڑا ہونا افضل ہے یا جہاں دل چاہے کھڑے ہو کر اقامت کہے کوئی فرق نہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق لائن نمبر، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں اقامت میں بھی ”حي على الصلوة“ اور ”حي على الفلاح“ پردائیں بائیں جانب منہ پھیرنا مشروع ہے۔

ويختلف فيه، وكذا فيها: أي في الإقامة سواء كان المحل متسعاً أو لا.

(شامي، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث الأذان جزم، كراچی ۱ / ۳۸۷، زكريا ديوبند ۲ / ۵۳)

كان المحل متسعاً أو لا بدليل ما بعد. (طحطاوي على الدر، باب الأذان،

ويحول وجهه يمينا عند حي الصلوة، وشمالا عند حي الفلاح
في الأذان والإقامة؛ لأنه يخاطب بهما الناس، فيواجههم، وهو المتوارث.

(غنية المستملی شرح کبیری، کتاب الصلوة، سنن الصلوة، اشرفیہ دیوبند/ ۳۷۴)
تکبیر کے لئے کوئی جہت متعین نہیں، پوری مسجد میں کہیں بھی کہی جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی،
قدیم ۳/۹، جدید زکریا ۳/۴۸، زکریا مطول ۳/۵۲۴)

ويقيم على الأرض هكذا في القنية، وفي المسجد. (هنديّة، باب الأذان،

الفصل الثاني في كلمات الأذان، زکریا قدیم ۱/۵۶، جدید ۱/۱۱۴)

ويسن الأذان في موضع عال، والإقامة على الأرض. (شامي، كتاب

الصلوة، باب الأذان، زکریا ۲/۴۸، کراچی ۱/۳۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۷۸)

تکبیر کے شروع ہی میں کھڑے ہو جانا

سوال [۱۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز
میں تکبیر کے وقت کھڑے ہونے کے بارے میں کسی حدیث شریف میں ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں تکبیر کے ساتھ کھڑے ہونے کے بارے میں مسلم
شریف میں کئی حدیثیں موجود ہیں، دو حدیثیں ہم نقل کر دیتے ہیں:

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن الصلوة كانت تقام لرسول

الله ﷺ، فيأخذ الناس مصافهم قبل أن يقوم النبي ﷺ مقامه. (مسلم شریف،

الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵ (۲) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - يقول: أقيمت الصلوة، فقمننا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵) فقط والله سبحانه وتعالى اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۹۲/۲۹)

تکبیر کہتے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟

سوال [۱۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد کے امام کا کہنا ہے کہ جو لوگ تکبیر میں نماز کے واسطے ”اللہ اکبر“ پر کھڑے ہوتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، نماز ان کے منہ پر ماردی جاتی ہے، امام کا کہنا ہے ”حی علی الصلوة“ پر کھڑے ہونا چاہئے، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقادر قریشی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس وقت مؤذن تکبیر کہے اس وقت تمام لوگوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے، تاکہ صفوں کی درستگی کا واجب ادا کیا جاسکے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام کا ابتداء اقامت سے کھڑا ہونا منقول ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - يقول: أقيمت الصلوة، فقمننا، فعد لنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

اور سعید بن المسیب رضی اللہ عنہما سے تو یہ منقول ہے کہ جب مؤذن ”اللہ اکبر“ کہے تو کھڑا ہو جانا واجب ہے۔

عن سعید بن المسیب قال: إذا قال المؤذن: الله أكبر، وجب القيام، وإذا قال: حي على الصلوة عدلت الصفوف، وإذا قال: لا إله إلا الله كبر الإمام. (فتح الباري، باب متى يقوم الناس إذا رآ الإمام عند الإقامة، دار الفكر بيروت ۲ / ۱۴۱، اشرفیہ دیوبند ۲ / ۱۵۳، رقم: ۶۳۷، بذل المجہود، باب فی الصلوة تقام ولم یأت الإمام ینتظرونہ فعدوا، مطبوعہ سہارن پور، قدیم ۱ / ۳۰۷، دار البشائر الإسلامیة ۴ / ۱۱۶)

اور کتب حنفیہ میں ”حي على الصلوة“ پر کھڑے ہونے کا جو استحبابی حکم مذکور ہے اس کے بارے میں علامہ طحاوی نے صراحت کی ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ ”حي على الصلوة“ سے تاخیر نہ ہو پہلے کھڑے ہونے سے ممانعت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا / ۱۸۹)

قال الطحاوي تحتہ قولہ: والقيام لإمام ومؤتم، والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم، حتى لو قال أول الإقامة لا بأس. (طحطاوي على الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، کوئٹہ ۱ / ۲۱۵)

امام کا ایک استحبابی حکم کے متعلق یہ کہنا کہ جو شخص اس پر عمل پیرا نہیں ہوگا اور اول اقامت سے کھڑا ہو جائے گا اس کی نماز نہیں ہوگی، یہ بات امام صاحب کی جہالت پر مبنی ہے۔ اور امر مستحب کے تارک پر نکیر کرنا اور اسے واجب اور فرض کے درجہ میں رکھنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ جب امر مستحب کو واجب اور ضروری سمجھا جانے لگے تو امر مستحب مکروہ میں بدل جاتا ہے۔

إن المندوب ربما انقلب مكر وها إذا خيف على الناس أن يرفعوه عن رتبته. (إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب الانتقال والانصراف عن اليمين والشمال تحت، دار الفكر ۲ / ۵۸۶، رقم: ۸۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱/۳۵۴)

شروع تکبیر میں کھڑا ہونا مسنون ہے

سوال [۱۸۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز باجماعت پڑھنے کے لئے امام و مقتدی دونوں کو شروع تکبیر پر کھڑا ہونا چاہئے یا ”حي على الصلوة“ پر کھڑا ہونا چاہئے؟ وضاحت فرمائیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، احناف اور علماء کرام کا کیا طریقہ ہے؟ (۲) اگر ”حي على الصلوة“ پر کھڑا ہونا صحیح ہے، تو پھر علمائے دیوبند اس پر کیوں عمل نہیں کرتے؟

المستفتی: آفاق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”حي على الصلوة“ پر امام کا کھڑا ہونا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ سے؛ بلکہ صحابہ کا معمول یہ تھا کہ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ شریفہ سے باہر نکلتے صحابہ کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرتے تھے؛ لہذا تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہو کر صفیں سیدھی کرنا ہی سنت کے موافق ہے۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يقوم النبي ﷺ حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، كتاب الصلاة ۱/ ۲۲، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أقيمت الصلوة، وصف الناس مصافهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ السنخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۲ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۶۹۸۳/۵)

اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں؟

سوال [۱۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اقامت کے شروع ہوتے ہی امام اور سب مقتدیوں کو بیک وقت کھڑا ہونا سنت ہے یا بدعت؟ اگر بدعت ہے تو مسنون طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: یہی مسنون طریقہ ہے کہ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جائیں، تاکہ تکبیر اولیٰ سے قبل صفوف کی درستگی ہو جائے۔ اور صفوف کی درستگی واجب ہے۔
 يجب أن يقوموا قبل الإقامة، أو في وسطها، فإن تسوية الصفوف واجبة من إقامة الصلوة وتمامها. (معارف السنن، الصلوة، باب ما جاء أن الإمام أحق بالإقامة، مكتبة أشرفيه ۲/ ۲۱۲)
 حدیث میں آیا ہے:

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- يقول: أقيمت الصلوة، فقمنا، فعدلنا الصفوف قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. الخ (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أقيمت الصلوة، وصف الناس مصافهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار، رقم: ۶۰۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۸/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۵۶۳)

امام ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر کہے گا تو مقتدی صف سیدھی کر کے امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کیسے باندھے؟

سوال [۱۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتب فقہ میں لکھا ہے کہ امام ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر تکبیر تحریمہ کہے، تو اس صورت میں مقتدی صف درست کب کریں گے؟ دوسری بات یہ ہے کہ جب امام ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر نماز شروع کر دے تو مقتدی تکبیر پوری ہونے کا انتظار کریں گے یا امام کے ساتھ نیت باندھ لیں گے؟ ایسی صورت میں صف سیدھی کرنا پوری تکبیر کا سننا اور امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ باندھنا ان سب پر کیسے عمل ہو سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقہاء نے جو لکھا ہے کہ امام ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر نماز شروع کر دے یہ نہ واجب ہے نہ سنت؛ بلکہ یہ بیان جواز کے لئے ہے۔ اور جس روایت سے ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر نماز شروع کرنے کا ثبوت ہے، وہ بہت کمزور ہے، جب کہ صحیح احادیث سے تکبیر مکمل ہونے کے بعد نماز شروع کرنا ثابت ہے؛ اس لئے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اصح اعدل اور افضل یہ ہے کہ تکبیر مکمل ہونے پر امام نماز شروع کرے، تاکہ تکبیر کہنے والا امام کے ساتھ نماز شروع کر سکے، تو جس طرح تکبیر کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے فقہاء نے ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر نماز شروع کرنے کو ترک کر دیا، اسی طرح تسویہ صفوف کی اہمیت کے پیش نظر جو واجب ہے ”حي على الصلوٰۃ“ سے پہلے کھڑے ہونے کو راجح کہا جائے گا، اس طرح عمل کرنے سے صف سیدھی کرنا امام کے

ساتھ تکبیر تحریر کا باندھنا اور مکمل تکبیر کا سننا سب پر عمل ہو جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا
۱۸۴/۱)

ولها آداب تركه لا يوجب إساءة، ولا عتاباً، كترك سنة الزوائد،
لكن فعله أفضل والقيام لإمام ومؤتم حين قيل: حي على الفلاح
شروع الإمام في الصلوة مذ قيل: قد قامت الصلوة، ولو أحر حتى أتمها لا
بأس به إجماعاً، وهو أعدل المذاهب، وفي القهستاني معزيا للخلاصة: أنه
الأصح. وتحتة في الشامية: لأن فيه محافظة على فضيلة المؤذن، وإعانة له
على الشروع مع الإمام. (شامي، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، مطلب في آداب
الصلوة، زكريا ۲/ ۱۷۵-۱۷۸، كراچی ۴۷۷-۴۷۹)

ومن الأدب شروع الإمام إلى إحرامه مذ قيل أي عند قول المقيم: قد
قامت الصلوة عندهما، وقال أبو يوسف: يشرع إذا فرغ من الإقامة، فلو
أخر حتى يفرغ من الإقامة لا بأس به في قولهم جميعاً. (مراقي الفلاح، كتاب
الصلوة، قبيل فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلوة، مطبوعه ديوبند، ص: ۱۰۳، مع حاشية
الطحطاوي، دار الكتاب ديوبند ۲۷۸)

قال جمهور العلماء من السلف والخلف: لا يكبر الإمام حتى يفرغ
المؤذن من الإقامة. (نووي، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة؟ ۱/ ۲۲۱)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ صفر مظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

اوقات نماز میں سونے والے کوچگانا

سوال [۱۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص نماز کے اوقات میں سوتا رہے اور اسے جگایا جائے تو وہ ناراض ہو جائے اور بولنا چھوڑ دے، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبداللہ خان، ملاوان، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: نماز کے اوقات میں اگر کوئی بے خبری کی نیند میں ہو تو اس کو جگانا گناہ نہیں ہے؛ بلکہ کا رثا ہے۔ اور سونے والے کو ناراض نہ ہونا چاہئے اور وقت پر پابندی سے نماز باجماعت پڑھنا ہر مومن پر لازم ہے؛ لہذا جماعت تک سونے والے کو ضرور جگانا چاہئے، جگانے والے کو ثواب ملے گا۔ اور سونے والا اگر ناراض ہو جائے تو وہی گنہگار ہوگا۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْفُوتًا. [النساء: ۱۰۳]

عن أنس بن مالك، أن رسول الله ﷺ كان يمر بباب فاطمة ستة أشهر، إذا خرج لصلوة الفجر يقول: الصلوة يا أهل البيت! إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا. (سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، النسخة الهندية ۲ / ۱۵۶، دار السلام، رقم: ۳۲۰۶، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الفضائل، باب ما ذكر في فضل فاطمة، مؤسسة علوم القرآن ۱۷ / ۲۱۴، رقم: ۳۲۹۳۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ رمضان ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۵۰)

اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانا

سوال [۱۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے موضع میں ایک محترم جن کی عمر تقریباً ۶۰ سال کے اوپر ہو چکی ہے اور بینائی ۱۹۸۳ء میں اللہ تعالیٰ نے قبول کر لی؛ لیکن اس سے پہلے اور اب بھی دعوت الی اللہ کی خدمت کو انجام دیتا رہا، اب بینائی نہ ہونے کی وجہ سے کسی کسی دن فجر کی اذان کے بعد کچھ دین کی باتیں نماز کے فضائل پر بول دیتا ہے اور مانگ پر اذان کی خدمت بھی انجام دیتا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ اس حال میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے پانچوں وقت مسجد میں حاضری کی توفیق دے رہا ہے، تو کیا بعدہ اذان کے اپنے بھائیوں کو بیدار کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: خلیل احمد شوق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بیدار کرنا، اسی طرح فجر کے علاوہ دیگر تمام نمازوں میں اذان کے بعد لوگوں کو نماز کی دعوت دینا درست ہے؛ لیکن اذان کے بعد اسی مانگ پر یہ کام نہ کریں؛ بلکہ اذان کے بعد نرمی سے خوشامد کر کے لوگوں کو لائیں، تو اس کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ اذان شرعی سے اعلان شرعی ہو چکا ہے، اب صرف دعوت کے طور پر ہر گھر جا کر خوشامد کر کے لانے کی گنجائش ہے، اسی مانگ پر اعلان کرنے کی گنجائش نہیں۔

عن أنس بن مالک، أن رسول الله ﷺ كان يمر ببیت فاطمة إذا خرج لصلوة الفجر يقول: يا أهل البيت! الصلوة، إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۴ / ۲۱، رقم: ۷۴۱۹، مسند أحمد بن حنبل ۳ / ۲۵۹، رقم: ۱۳۷۶۴)

ويثوب بين الأذان والإقامة في الكل للكل بما تعارفوه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الأذان، كراچی ۱ / ۳۸۹، زكريا ۲ / ۵۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۵۹۹۳/۳۴)

اذان کے بعد بے نمازیوں کو بلا بلا کر مسجد لے جانا

سوال [۱۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید صبح کو اذان کے بعد محلہ میں آواز دے کر لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے ہیں اور نوجوانوں کو بھیج بھیج کر لوگوں کو بلاتے ہیں، تو مسجد میں ۳۰-۴۰ تک نمازی ہو جاتے ہیں، نہ آواز دیں اور نہ بلائیں تو ۲، ۳، ۴ نمازی ہی صرف رہتے ہیں، ایسی صورت میں زید کا یہ عمل عند اللہ مشاب و عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض اہل خانہ کو اپنے بچوں اور بیماری کی وجہ سے شکایت بھی ہو جاتی ہے اور اکثر اہل محلہ درخواست کرتے ہیں کہ صوفی جی (زید صاحب) اٹھا دیا کرو، تا کہ ہمیں بھی نماز کی توفیق ہو جائے اور اس کوشش کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ بہت سے ایسے بے نمازی جو صرف عید بقر عید کی نماز پڑھتے تھے، انہوں نے بھی نماز پڑھنی شروع کر دی ہے، پوری صورت حال آپ کے سامنے ہے، صحیح رہنمائی فرمائیں کہ زید اور اس کے پر جوش نوجوان ساتھیوں کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد سعید صاحب، لالباغ حسن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے بعد نماز نہ پڑھنے والے لوگوں کو ان کے یہاں جا جا کر نماز پڑھنے کے لئے بلانا اور فجر کی جماعت سے پہلے خواب غفلت میں مبتلا رہنے والے لوگوں کو نماز کے لئے بلا بلا کر مسجد میں لانا بہت بڑا خیر اور کار ثواب ہے، زید کا یہ عمل حدیث کے مطابق ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی اذان کے بعد نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے وقت لوگوں کو نماز کے لئے آواز دیا کرتے تھے، اس میں یہ خیال رکھا

جائے کہ کسی سے اختلاف اور لوٹ پھیر نہ ہو، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالك، أن رسول الله ﷺ كان يمر بباب فاطمة ستة أشهر، إذا خرج لصلوة الفجر يقول: الصلوة يا أهل البيت! إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا. (سنن الترمذي، أبواب

تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، النسخة الهندية ۲/ ۱۵۶، دار السلام، رقم: ۳۲۰۶، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۴/ ۲۱، رقم: ۷۴۱۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ

۱۵/۶/۱۴۲۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۹۲/۳۷)

نماز فجر سے قبل لوگوں کو ”اٹھو نماز پڑھو“ کی صدا لگا کر بیدار کرنا

سوال [۱۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص فجر کی اذان کے بعد نماز سے کچھ وقفہ پہلے محلہ کی گلیوں میں جا جا کر یہ آواز دے رہا ہے کہ: ”اللہ کے بندو! اٹھو، نماز پڑھو“ کیا اس شخص کا ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر اس بارے میں کوئی صراحت ہو تو برائے کرم مرحمت فرما شکر یہ کا موقع عنایت فرمادیں۔

المستفتی: ندیم شہباز پوری، امر وہہ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی اذان کے بعد گلی کو چوں میں اس طرح اعلان کرتے جانا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے، نماز کھڑی ہونے والی ہے، نماز کو چلو، اسی طرح گھر گھر جا کر گھروں کے دروازے پر ان باتوں کا اعلان کرنا، تاکہ جو لوگ اذان کے بعد بھی خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہوں، ان میں احساس پیدا ہو اور مسجد میں آکر نماز ادا کریں، تو یہ بلا تردد جائز اور درست ہے۔ اور اس طرح ترغیبی اعلان کرتے جانا حدیث سے بھی ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة لستة أشهر إذا خرج لصلاة الفجر يقول: الصلاة يا أهل البيت، إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا. (ترمذي، أبواب المناقب ۲/ ۱۵۶، دارالسلام، رقم: ۳۲۰۶)

عن مسلم بن أبي بكره عن أبيه قال: خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم لصلاة الصبح، فكان لا يمر برجل إلا ناداه بالصلاة، أو حركه برجله. (أبوداؤد، الصلاة، باب الاضطجاع بعدها، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۹، دارالسلام، رقم: ۱۲۶۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۶۷/۴۱)

نماز فجر کے بعد لوگوں کے گھر گھر جا کر ان کو جگانا

سوال [۱۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد میں فجر کی نماز میں صرف چار یا چھ آدمی نماز میں شریک ہوتے تھے، بہت فکر تھی، چند نوجوانوں نے یہ مشورہ کیا کہ صبح کو نماز فجر سے قبل ہر گھر جا کر دستک دے کر لوگوں کو اٹھایا جائے اور انہوں نے یہ عمل شروع کر دیا الحمد للہ ان کے اس عمل سے جہاں مسجد میں صرف ۴-۶ نمازی ہوتے تھے، وہاں اب ۵۰-۶۰ نمازی ہونے لگے، یہ عمل اذان کے بعد ہوتا ہے؛ کیوں کہ آدھا پون گھنٹہ قبل جماعت سے اذان ہوتی ہے؛ لہذا اس وقفہ میں لوگوں کو اٹھانے کا عمل ہو جاتا ہے اور لوگ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں، نوجوانوں کا یہ عمل شرع کی نظر میں غلط تو نہیں ہے، جب کہ اس عمل سے نماز میں شریک ہونے والے اشخاص بہت خوش اور احسان مند ہیں نوجوانوں کے۔

المستفتی: عبید الرحمن تمباکووالان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خواب غفلت اور سستی کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہونے والوں کو اذان کے بعد گھر گھر جا کر جگانا اور نماز اور جماعت کی دعوت دینا بلا کراہت جائز اور باعث اجر و ثواب ہے، یہ اذان بعد الاذان کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیمہ ۲/۲۹۱، جدید زکریا ۵/۱۲۰)

عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر ببیت فاطمة ستة أشهر، إذا خرج لصلوة الفجر يقول: الصلوة يا أهل البيت! إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويظهركم تطهيرا. (مسند أحمد بن حنبل ۳/۲۵۹، رقم: ۱۴۰۸۶، المعجم الكبير للطبراني، دار احیاء التراث العربي بیروت ۳/۵۶، رقم: ۲۶۷۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۲۴)

فجر کی اذان کے بعد محلے والوں کو نام لے کر جگانا

سوال [۱۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی اذان کے بعد نام لے کر آواز لگانا کہ ”اٹھ جاؤ“ کیسا ہے؟ اور بعض مرتبہ آواز لگانے والے کا انتظار کرتے ہیں کہ ابھی آواز لگانے والا نہیں آیا، یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فجر کی اذان کے بعد محلہ میں بطور خاص کسی شخص کا نام لے کر جگانا اور آواز لگانا صحیح ہے۔

عن أنس عن النبي ﷺ أنه كان يمر على باب فاطمة ستة أشهر قبل صلوة الصبح، فيقول: الصلوة يا أهل البيت! إنما يريد الله ليذهب عنكم

الرجس أهل البيت. (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۳۹، رقم: ۲۱۷۱، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الفضائل، باب ما ذكر في فضل فاطمة، مؤسسة علوم القرآن ۱۷/ ۲۱۴، رقم: ۳۲۹۳۸)

لیکن آواز لگانے والے کے انتظار میں گھر بیٹھے رہنا بالکل غلط ہے؛ بلکہ اذان کے فوراً بعد نماز کی تیاری شروع کر دینی چاہئے۔

ومعناه العود إلى الإِعلام، وهو على حسب ما تعارفوه، وهذا تثويب أحدته علماء الكوفة بعد عهد الصحابة لتغيير أحوال الناس، وخصوصاً الفجر به لما ذكرناه. (هداية، كتاب الصلوة، باب الأذان، أشرفي ديوبند ۱/ ۸۹، فتح القدير، باب الأذان، كوئٹہ ۱/ ۲۱۴، زكريا ۱/ ۲۴۹، دار الفكر ۱/ ۲۴۵، شامي، كتاب الصلوة، باب الأذان، زكريا ۲/ ۵۵، كراچی ۱/ ۳۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ رجب ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۳۹۴۵)

اذان فجر کے بعد محلہ میں نماز پڑھنے کا اعلان کرنا

سوال [۱۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان فجر کے بعد مسجد سے ملحق محلہ میں نماز کے لئے گھوم پھر کر کوئی شخص نماز پڑھنے کا اعلان کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالوحید مؤذن مسجد، بخاران، قصبہ ساہن پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فجر کی اذان کے بعد بھی اگر لوگ خواب غفلت میں سوتے رہیں اور مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنے میں لاپرواہی کریں تو ایسی صورت میں اذان فجر کے بعد کوئی شخص محض رضائے الہی کے لئے مسلمانوں کے گھر گھر جا کر

لوگوں کو جماعت کا وقت بتا کر اٹھائے اور مسجد میں لائے بشرطیکہ غیر مسلموں کو دخل نہ ہو تو جائز اور باعث ثواب ہے۔

عن أنس بن مالك، أن رسول الله ﷺ كان يمر بباب فاطمة ستة أشهر، إذا خرج لصلوة الفجر يقول: الصلوة يا أهل البيت! إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا. (سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، النسخة الهندية، ۲/ ۱۵۶، دار السلام، رقم: ۳۲۰۶، السمندرک، کتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز ۴/ ۱۷۸۳، رقم: ۴۷۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۳۰)

اذان کے بعد اقامت سے پہلے ’صلوة وسلام‘ پڑھنا

سوال [۱۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان کے بعد صلوة پڑھی جاتی ہے اور نماز سے قبل اب تک پڑھی جاتی رہی ہے اور اب بھی پڑھی جاتی ہے، کچھ لوگ اس پر اعتراض و اختلاف کرتے ہیں کہ صلوة نہ پڑھیں، اگر صلوة پڑھنے میں نماز میں کوئی قباحت ہے تو کیوں ہے؟ اور اگر نماز میں کوئی قباحت نہ ہو تو پھر منع کیوں کر رہے ہیں؟ اس کا مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حافظ محمد نبی صاحب و محمد عثمان محلہ ڈیریا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اذان کے بعد اقامت سے قبل صلوة وسلام پڑھنے کا جو

طریقہ مروج ہوتا جا رہا ہے، وہ زمانہ نبوت اور خلفائے راشدین اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں نہیں تھا بعد کے لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے؛ اس لئے اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ اور علماء نے اس کو مکروہ اور بدعت لکھا ہے، نیز نماز بغیر اذان کے بھی صحیح ہو جاتی ہے؛ اس لئے نماز صحیح ہونے اور نہ ہونے کا سوال بیجا ہے۔

إذا أذن المؤذن فاستبطن القوم، قال بين الأذان والإقامة قد قامت الصلوة، حي على الفلاح، وهذا الذي قال اسحاق: هو الثيوب الذي كره أهل العلم.
(ترمذی، أبواب الصلوة، باب ماجاء في الثيوب في الفجر، النسخة الهندية ۱ / ۴۹)
نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ ۹۷ھ کے بعد بعض بادشاہوں نے اس کو ایجاد کیا ہے۔

أول ما زیدت الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم بعد الأذان على المنارة في زمن حاجي بن الأشرف شعبان بن حسين بن محمد بن قلاوون بأمر المحتسب نجم الدين الطنيدى، وذلك في شعبان سنة إحدى وتسعين وسبع مائة، وأنها بدعة حسنة. (طحطاوي على المراقي، باب الأذان، قديم ۱۰۴، جديد، دارالكتاب ديوبند ۱ / ۹۳)

هكذا في الشامية: كان في أيام السلطان الناصر صلاح الدين بأمره.
(شامي، باب الأذان، كراچی ۱ / ۳۹۰، زكريا ۲ / ۵۷)

فما يفعله المؤذنون عقب الأذان من الإعلان بالصلوة والسلام، مراراً أصله سنة، والكيفية بدعة. (مرقاة المفاتيح، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، ملتان ۲ / ۱۶۱، رقم: ۶۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۵۸ / ۲۸)

نماز سے قبل ”صلوة“ پڑھنا

سوال [۱۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز سے قبل ”صلوٰۃ“ کا دستور کیوں بنایا گیا، بریلی والوں کا فتویٰ اس کے لئے جائز اور مستحسن پر مبنی ہے۔

المستفتی: شہاب الدین ہرائرے ترین، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آج کل لوگوں کو دوبارہ نماز کی طرف بلا یا جاتا ہے، جس کو تہویب میں داخل کرتے ہیں، یہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی اور نہ آپ ﷺ نے اس کی تعلیم دی اور صحابہ اور ائمہ مجتہدین نے اس کو بدعت کہا ہے، لوگوں میں دینی امور سے غفلت اور کوتاہی کی بنا پر بعد کے بعض فقہاء نے ایسے الفاظ سے تہویب کی اجازت دی جس سے اہل شہر جان جائیں اور اس تہویب سے اذان کی اہمیت نہ گھٹتی ہو؛ لیکن موجودہ زمانہ میں یہ تہویب بدعت سیئہ ہے، اس کا ترک لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۲/۹۰)

فما یفعلہ المؤمنون عقب الأذان من الإعلان بالصلوٰۃ والسلام،
مرارا أصلہ سنة، والکیفیۃ بدعة. (مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن،
قدیم ۱/۲۳۴، ملتان ۲/۱۶۱، رقم: ۶۵۷)

وهو أي التثویب علی حسب ماتعارفوا أهل كل بلدة من التثویب، أو
قوله: الصلوٰۃ الصلوٰۃ، أو قوله: قامت قامت؛ لأنه للمبالغة فی الإعلام، إنما
یحصل ذلك بما تعارفوہ. (عنایۃ مع فتح القدر، باب الأذان، کوئٹہ ۱/۲۱۴، زکریا
۱/۲۵۰، دارالفکر ۱/۲۴۵، بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی کیفیۃ الأذان،
کراچی ۱/۱۴۹، بیروت ۱/۶۴۱، زکریا ۱/۳۶۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۸۹۰)

اذان کے بعد ”صلوٰۃ“ پڑھنا

سوال [۱۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اذان کے بعد جب جماعت کھڑی ہونے لگتی ہے تو ایک صاحب مسجد میں کھڑے ہو کر ”صلوٰۃ“ (تھویب) پڑھتے ہیں (پھر جماعت کے لئے تکبیر ہوتی ہے) یہ عمل مدینہ منورہ (جہاں سے دین پھیلا ہے) وہاں نہیں ہوتا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اولیاء کرام سے یہ ”صلوٰۃ“ نماز سے قبل پڑھنا ثابت ملتا ہے، برائے کرم واضح فرمائیں کہ کیا ”صلوٰۃ“ (تھویب) سنت رسول ہے یا صحابہ کا عمل ہے یا کہیں سے ثابت ہے، اگر ثابت نہیں تو یہ عمل کرنے والوں پر عذاب بدعت نہ ہوگا؟

المستفتی: سیدنا ظہر علی رضوی علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح تھویب شریعت سے ثابت نہیں؛ اس لئے ترک لازم ہے۔

فما یفعلہ المؤمنون عقب الأذان من الإعلان بالصلوٰۃ والسلام، مراراً أصلہ سنة، والکیفیۃ بدعة. (مرقاۃ المفاتیح، باب فضل الأذان وإجابة المؤذن، ملتان ۲/ ۱۶۱، رقم: ۶۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ محرم ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۴۰)

اذان کے بعد پابندی سے ”صلوٰۃ و سلام“ پڑھنا

سوال [۱۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) آج کل مساجد میں بعد اذان تھویب (جسے صلوٰۃ کہتے ہیں) اس کا شرعاً کیا حکم ہے، اس پر دوام اور تشدد کرنا اور اس کو شعائر صلوٰۃ جان کر معرکہ آرائی کرنا، فقہ ائمہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور درود و سلام بعد نماز فجر و بعد نماز جمعہ بالجہر اجتماعی طور پر پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: حاجی محمد شاکر، نئی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) واضح رہے کہ آج کل جو ٹویب ”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ“ وغیرہ الفاظ اذان کے بعد کہے جاتے ہیں، وہ قرآن وحدیث، فقہ اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے ثابت نہیں ہیں؛ لہذا اس پر اصرار کرنا اور ایسا نہ کرنے والے پر ملامت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے؛ البتہ فقہاء وقضاة وغیرہ کو بے خیالی کی حالت میں کبھی کبھی لفظ ”الصلوة الصلوة“ کے ذریعہ سے یاد دہانی کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کو شعارصلوة جاننا یا تشدد کرنا اور اس کا التزام درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ کلاں، قدیم ۳۰۴، جدید زکریا ۲۸۷، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲/۹۰، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/۲۹۰، جدید زکریا ۵/۱۲۰)

فما یفعله المؤمنون عقب الأذان من الإعلان بالصلوة والسلام، مراراً أصله سنة، والکیفیة بدعة. (مرقاة المفاتیح، باب فضل الأذان وإجابة المؤمن، ملتان ۲/۱۶۱، رقم: ۶۵۷)

اول ما زیدت الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الأذان علی المنارة فی زمن حاجی بن الأشرف أنها بدعة حسنة. (حاشیة طحطاوی علی المراقی الفلاح، باب الأذان، دارالکتاب دیوبند ۱/۱۹۳، شامی، کتاب الصلوة، باب الأذان، کراچی ۱/۳۹۰، زکریا ۲/۵۷، الموسوعة الفقهیة ۲/۳۶۲، ۳۶۳)

(۲) درود شریف دعا ہے، جس میں احنفاء افضل ہے، درود شریف کا اجتماعی طور پر پڑھنا شرعاً ثابت نہیں ہے، بے اصل اور بدعت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/۱۵۵، جدید زکریا ۳/۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸ شعبان ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۶۴)



۴/ باب شروط الصلوة

حامل نجاست کی نماز

سوال [۱۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حامل نجاست کے لئے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس میں کتنا وزن اور کتنا پھیلاؤ و معاف ہے، مثلاً کسی کی دستی ناپاک ہے، اس کو پہننا نہیں ہے، اس کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حامل نجاست کے لئے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور نجاست وزن میں ایک مثقال یعنی ۴/۳ گرام ۳۷۷ ملی گرام سے کم اور پھیلاؤ میں ایک روپیہ کی چوڑائی سے کم معاف ہے۔ اور جس شخص کی جیب میں ناپاک دستی ہو جس پر ایک درہم سے زائد نجاست لگی ہو اس دستی کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز درست نہ ہوگی۔

وإن كان في ثوب المصلي نجاسة، أكثر من قدر الدرهم لم تجز

الصلوة. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلوة، باب الجنائز إمداديه ملتان ۱/ ۱۳۰، جدید

دارالکتاب دیوبند ۱/ ۱۲۹)

إذا كانت النجاسة في طرف ثوب هو لا يسه أو حامله، فألقى ذلك

الطرف على الأرض، فصلی، فإنه إن تحرك بحرکتة لا يجوز. (حلي كبير،

فروع شيء من تعلق النجاسة، أشرفيه دیوبند، ص: ۲۰۸)

لو كان فوق المصلي ثوب معلق طرفه نجس، فمتى قام يقع الطرف

النجس على رأسه، فسدت صلواته. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل

الرابع عشر، زکریا ۲/ ۳۵۲، رقم: ۲۶۳۷)

ولو صلى ومعه جلد حية أكثر من قدر الدرهم لا تجوز صلاته.
 (حائية، کتاب الطہارۃ، فصل فی النجاسة التي تصب الثوب أو الخف، زكريا، جديد
 ۱/ ۶، وعلى هامش الهندية ۱/ ۲۱، شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، كراچی
 ۱/ ۳۱۶، زكريا ۱/ ۵۲۰) فقط اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴۸/۴۰)

جیب میں گلاسٹا اور بدبودار انڈا ہونے کی حالت میں نماز

سوال [۱۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
 میں: ایک شخص نے ایسا انڈا جیب میں لے کر نماز پڑھی جو انڈا اندر سے گل، سڑ کر خراب اور
 بدبودار ہو گیا ہے، تو ایسی صورت میں اس انڈے کو جیب میں لے کر جو نماز پڑھی گئی ہے، تو وہ
 نماز درست ہو گئی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللہ بھگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو انڈا اندر سے سڑ، گل کر ناپاک ہو گیا ہے، اس انڈے کو
 جیب میں لے کر جو نماز پڑھی گئی ہے، وہ صحیح اور درست ہو گئی ہے، اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ
 نجاست جب تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گی اور اپنی اصلی جگہ برقرار رہے گی، اس وقت تک
 اس نجاست کا اثر کسی دوسری چیز پر نہیں پڑتا اور نجاست کے ظرف اور محل کے اوپر ناپاک اور
 نجاست کا حکم نہیں لگتا ہے؛ لہذا جو انڈا اندر سے سڑ، گل کر ناپاک ہو گیا ہے، وہ چونکہ اپنے محل
 اور مکان سے الگ نہیں ہوا ہے؛ اس لئے اس انڈے کو جیب میں لے کر جو نماز پڑھی گئی ہے
 وہ نماز بلاشبہ جائز اور درست ہو گئی ہے۔

ولو صلى وفي كفه بيضة مذرة حال منحها دما، جازت صلاته.

(الفتاویٰ التاتارخانیہ، الصلاة، الفصل الرابع عشر، الصلاة مع النجاسة، زکریا ۲/۴۰۳، رقم: ۲۶۴۵، ومثله في الهندية: الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثاني في طهارة ما يستتر به العورة وغيره، زکریا ۱/۶۲، جدید ۱/۱۲۰)

لو صلى حاملا بيضة مذرة صار مخها دما جاز؛ لأنه في معدنه،
والشيء ما دام في معدنه لا يعطى له حكم النجاسة كما في البحر.

(شامی، الصلاة، باب شروط الصلاة، زکریا ۲/۷۴، کراچی ۱/۴۰۳، ومثله في البحر،
الصلاة، باب شروط الصلاة، کراچی ۱/۲۶۷، زکریا ۱/۴۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۶ھ/۲/۲۲

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۳۳/۴۱)

جیب میں نکسیر صاف کی گئی دستی ہونے کی حالت نماز

سوال [۱۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی نکسیر پھوٹی اس نے اپنی دستی سے ناک کا خون صاف کر لیا جس سے پوری درستی خون سے لال ہو چکی ہے، اس نے اس دستی کو جیب میں رکھ لیا اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھ لی، تو اب سوال یہ ہے کہ اس کی جیب میں ایسی دستی رکھی ہوئی ہے جس میں ۵ درہم سے زائد خون لگا ہوا ہے، تو اس کے ساتھ شخص مذکور کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حبیب اللہ بھگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نکسیر کا خون ناپاک اور نجس ہے، اگر دستی، رومال وغیرہ میں ایک درہم سے زائد نکسیر کا خون لگا ہوا ہے، تو اس کو جیب میں لے کر نماز پڑھنے سے نماز درست نہیں ہوگی؛ بلکہ فاسد ہوگئی ہے، اس نماز کا اعادہ لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم

لو كانت النجاسة في طرف عمامته أو منديله المقصود ثوب هو لابسہ، فألقى ذلك الطرف على الأرض وصلى، فإنه أن تحرك بحرکتہ لا يجوز وإلا يجوز؛ لأنه بتلك الحركة ينسب بحمل النجاسة. (البحر الرائق، الصلاة، باب شروط الصلاة، كراچی ۱/۲۶، زکریا ۱/۴۶۴)

وإذا صلى وهو لابس منديلاً أو ملاءةً واحد طرفيه نجس، والطرف الذي فيه النجاسة على الأرض، فإن كان النجس يتحرك بتحرك المصلي لم تجز صلاته، وإن كان لا يتحرك تجوز صلاته؛ لأن في الوجه الأول صار مستعملاً للنجاسة، وفي الوجه الثاني لا. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني في لافرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/۱۷، كذا في الهندية، الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة وغيره، زکریا ۱/۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۲۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۳۴/۴۱)

جیب میں بوتل میں پیشاب ہونے کی حالت میں نماز

سوال [۱۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو ڈاکٹر کو قارورہ دکھانا تھا (پیشاب ٹیسٹ کرانا تھا) تو صبح کا پیشاب بوتل میں محفوظ کر کے اس بوتل کو اچھی طرح پنی میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور ڈاکٹر کے پاس ڈیڑھ بجے کے بعد پہنچتا ہے، اس نے اس بوتل کو اپنے جیب میں لئے ہوئے ایک بجے ظہر کی نماز پڑھ لی، اس کے بعد ڈاکٹر کو جا کر قارورہ دکھا دیا، تو اس شخص کی ظہر کی نماز درست ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس بوتل اور شیشی میں ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے پیشاب محفوظ کر لیا گیا ہے، اس بوتل یا شیشی کو کسی بھی چیز میں لپیٹ کر جیب میں رکھ کر پڑھی گئی نماز صحیح نہیں ہوتی، فاسد ہوگئی ہے، اس نماز کا اعادہ لازم اور واجب ہے؛ اس لئے کہ حامل نجاست کی نماز درست نہیں ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۷۷)

لو صلی وفي كمة قارورة مضمومة فيها بول لم تجز صلاته؛ لأنه في غير معدنه ومكانه. الخ (البح الرائق، الصلاة، باب شروط الصلاة، كراچی ۱/ ۲۶۷، زکریا ۱/ ۴۶۴)

في النصاب: رجل صلی وفي كمة قارورة فيها بول لا تجوز الصلاة، سواء كانت ممتلئة أو لم تكن؛ لأن هذا ليس في مظانه ومعدنه وعليه الفتوى، كذا في المصمورات. (هندية، الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثاني في طهارة ما يستر به العورة وغيره، زکریا و کوئٹہ ۱/ ۶۲، جدید ۱/ ۱۲۰، ومثله في الشامية، الصلاة، باب شروط الصلاة، زکریا ۲/ ۷۴، كراچی ۱/ ۴۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶ھ/۲۲

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۳۲/۴۱)

نابالغ فجر کے وقت تری دیکھے تو عشاء فرض ہوگی یا نفل

سوال [۱۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”بہشتی زیور خورد، ص: ۳۲، اگر کوئی نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور بعد طلوع فجر کے بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے، جس سے معلوم ہوا کہ اس کو احتلام ہو گیا ہے، تو بقول راجح اس کو چاہئے کہ نماز کا اعادہ کرے اور قبل طلوع فجر بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے، تو بالافتاق عشاء کی نماز قضا

کرے۔ وضاحت سے اس مسئلہ کو صاف فرمادیں تو آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

المستفتی: محمد یامین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الجواب وباللہ التوفیق: ”بہشتی زیور“ کا مسئلہ صحیح ہے؛ اس لئے کہ نابالغ کی نماز نفل تھی اور جب وقت کے اندر بالغ ہوا تو عشاء کی نماز اب اس پر فرض ہوگئی؛ البتہ طلوع صبح صادق کے بعد بیدار ہو کر احتلام کا اثر دیکھنے میں یہ احتمال بھی ہے کہ شاید طلوع صبح صادق کے بعد احتلام ہوا ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ طلوع صبح صادق سے قبل ہوا ہے؛ اس لئے احتیاط یہی ہے کہ طلوع فجر سے قبل ہی سمجھ کر نماز عشاء لوٹالے اور طلوع صبح صادق سے قبل بیدار ہونے میں وقت کے اندر احتلام ہونے میں تردد نہیں ہے؛ اس لئے بالاتفاق عشاء کا اعادہ واجب ہے۔

صبي احتلم بعد صلاة العشاء، واستيقظ بعد صلاة الفجر لزمه قضاؤها. وتحتنه في الشامية: لأنها نافلة، ولما احتلم في وقتها صارت فرضا عليه؛ لأن النوم لا يمنع الخطاب، فيلزمه قضاؤها في المختار، ولو استيقظ قبل الفجر لزم إعادتها إجماعا. الخ (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، قبيل باب سجود السهو، زكريا ۲/۵۳۸،، كراچی ۲/۷۶، البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب سجود السهو، زكريا ۲/۱۵۹، كوئٹہ ص: ۹، قاضیخان علی الہندی، كتاب الصلاة، فصل في الترتيب وقضاء المتروكات، زكريا ۱/۱۱۴، جديد ۱/۷۲، عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر: في قضاء الفوائت، زكريا ۱/۱۲۱، جديد ۱/۱۸۱)

صبي صلى العشاء، ثم بلغ قبل طلوع الفجر، يلزمه إعادتها. الخ (كبيری، فصل في قضاء الفوائت، قديم ص: ۴۹۷، جديد أشرفیہ دیوبند، ص: ۵۳۴، إمداد الفتاویٰ ۱/۵۵۱، بہشتی زیور ۱۱/۶۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۷۳/۲۵)

نشہ کی حالت میں نماز کا حکم

سوال [۱۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے شراب پی تو اس وقت وہ شخص مسجد میں باجماعت نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کو عام آدمی کی طرح ہوش بھی ہے اور وہ آدمی با وضو بھی تھا، تو وہ شخص شراب پینے کے بعد نماز کے لئے دوبارہ وضو کرے گا یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص نماز نہیں پڑھ سکتا ہے تو کب تک نہیں پڑھ سکتا ہے؟ ان سوالوں کا جواب تحریر فرما کر شکر یہ کاموقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد مستقیم محلہ ڈیریا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس کے منہ میں شراب کی بو نہیں ہے اور نہ ہی نشہ ہے، تو نماز باجماعت پڑھنا درست ہے، نیز شراب پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور اگر نشہ آچکا تھا تو وضو بھی باطل ہو چکا ہے اور اس حالت میں بلا وضو نماز ادا کرنا جائز نہیں ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ. [النساء، الآية: ۴۳]

إن السكر يبطل الوضوء والصلوة، وهو محمول على أنه شرب المسكر، فقام إلى الصلوة قبل أن يصير إلى هذه الحالة، ثم صار في أثنائها إلى حالة لو مشى فيها يتحرك. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، كونه ۱/ ۴۰، زكريا ۱/ ۷۷)

و كذا السكر ينقض الوضوء أيضا في الأحوال كلها في الصلوة، وغيرها.

(الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، دار الكتاب ديوبند ۱/ ۱۱، إمداديه ملتان ۱/ ۱۰)

الثانية: تغير العقل في الصلاة بالإغماء، أو الجنون، أو السكر. (شرح

منظومة ابن وهبان الوقف المدني الخیر ۱/ ۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۸۶/۲۵)

ناپاک کپڑے کے ساتھ بچہ نمازی عورت کی پیٹھ پر چڑھ گیا

سوال [۱۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت نماز پڑھ رہی تھی، چھوٹا بچہ ناپاک ہے، پیشاب یا پاخانہ کر رکھا ہے، گود میں آکر بیٹھ گیا یا حالت سجدہ میں پیٹھ پر بیٹھ گیا اور اس بچہ کی نجاست کپڑے پر نہیں لگی، تو عورت کی نماز میں کوئی فرق واقع ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو بچہ پیشاب یا پاخانہ کرنے کے بعد نماز پڑھنے والی عورت کی گود میں یا سجدہ کی حالت میں پیٹھ پر آکر بیٹھ جائے تو ایسی صورت میں عورت کی نماز درست ہو جائے گی اور اس کی نماز میں کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ اس لئے کہ اس میں حامل نجاست بچہ ہے نہ کہ عورت۔

امرأة صلت وهي حاملة صبي، وثوب الصبي نجس جازت صلاتها، وقد قدمنا أن هذا فيما إذا كان الصبي يستمسك بنفسه؛ لأنه حينئذ هو الحامل للنجاسة لا هي. (حلبی، كبير، الشرط الثاني: الطهارة من الأنجاس، أشرفیہ دیوبند، ص: ۱۹۶)

جلوس صغير يستمسك في حجر المصلي، لا يبطل الصلوة، إذا لم تفصل منه نجاسة مانعة؛ لأن الشرط الطهارة. (مراقی الفلاح حاشیة الطحطاوي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، وأركانها، دارالكتاب دیوبند ۲۰۸)

فلو جلس الصبي المتنجس الثوب والبدن في حجر المصلي، وهو يستمسك، أو الحمام المتنجس على رأسه جازت صلاته؛ لأنه هو الذي يستعمله فلم يكن حامل النجاسة. (حاشیة حلبی، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، ملتان ۱/۷۳، زکریا ۱/۲۵۲، ہندیہ، كتاب الصلوة، الفصل الثاني فی طهارة، زکریا

قدیم ۱/۶۳، جدید ۱/۱۲۰، شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، زکریا ۲/۶۴، کراچی ۱/۴۰۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۳۸/۴۰)

ناہینا شخص کا احتلام والے کپڑے میں نماز پڑھنا

سوال [۱۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ناہینا ہوں اور ایک مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے احتلام کی شکایت ہے، میں جب بھی سوتا ہوں مجھے احتلام ہو جاتا ہے، چاہے دن ہو یا رات ہو، میرے پاس کپڑے پاک نہیں ہیں، فجر کے وقت اس صورت میں اب نماز کس طرح ادا کروں؟ میرے پاس اتنے تو کپڑے نہیں ہیں جو بدل سکوں؛ کیوں کہ دن میں بھی احتلام کی شکایت ہو جاتی ہے، اب اس صورت میں کیا کریں؟

المستفتی: نور محمد، محلہ بارہ دری، لہر پور، ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ نے سوال نامہ میں احتلام کی شکایت کا جو عذر ذکر کیا ہے، اس کی وجہ سے ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ نماز کی شرائط میں سے کپڑوں کا پاک ہونا ہے، اس کی ترکیب یہ ہے کہ آپ کم از کم دو کپڑے رکھیں، ایک نماز پڑھنے کے لئے ایک سونے کے لئے اور جب سونے سے بیدار ہو جائیں، تو اس کپڑے کو الگ کر لیں، اگر احتلام ہو جائے تو غسل کر کے دوسرا پاک کپڑا پہن لیں اور اگر احتلام نہ ہو تو اس کپڑے کو اتار کر پاک کپڑے میں نماز پڑھ لیا کریں، اسی طرح آپ کے لئے صرف دو کپڑے کفایت کر جائیں گے اور جب جب موقع ملے تو ناپاک کپڑا دھولیا کریں اور اگر موقع نہ ملے تو اسی کپڑے میں سو جایا کریں۔

وَتَيَابِكَ فَطَهَّرَ. [المدثر: ۴]

وَأما طهارة ثوبه فلقوله تعالى: "وتيابك فطهر" فإن الأظهر أن المراد ثيابك الملبوسة. (البحر الرائق، باب شروط الصلوة، كونه ۱ / ۲۶۷، زكريا ۱ / ۴۶۴، تاتار خانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، قديم ۱ / ۴۱۶، جديد زكريا ۲ / ۲۶، رقم: ۱۵۶۹، عيني شرح هدايه، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، وتطهيرها، قديم ۱ / ۴۳۴، أشرفيه ديوبند ۱ / ۷۰۱)

أما طهارة الثوب وطهارة البدن عن النجاسة الحقيقية، فلقوله تعالى: "وتيابك فطهر" وإذا وجب تطهير الثوب فتطهير البدن أولى. (بدائع الصنائع، الصلوة، فصل شرائط أركان الصلوة، بيروت ۱ / ۵۳۶، كراچی ۱ / ۱۱۴، زكريا ۱ / ۳۰۱، هدايه، كتاب الطهارة، باب الأنجاس وتطهيرها، أشرفي ديوبند ۱ / ۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
الف فتویٰ نمبر: ۶۷۳۲/۳۵

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

وقت نکل جانے کے خوف سے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا

سوال [۱۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید ناپاکی شخص ہے، عصر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے اور زید ناپاک ہے، غسل کی حاجت ہے، بغیر غسل کے نماز نہیں پڑھ سکتا اور نماز کا وقت بالکل ختم ہو رہا ہے یا غسل کے لئے پانی نہیں مل رہا ہے اور یہ یگان ہے کہ پانی تھوڑی دیر میں مل جائے گا، مگر خطرہ اس بات کا ہے کہ نماز کا وقت ختم ہو سکتا ہے، تو ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھے یا نماز کو قضا کر کے پڑھے؟

(۲) اگر کپڑے بھی ناپاک ہوں اور اس کے علاوہ دوسرے کپڑے بھی میسر نہ ہوں اور زید ناپاکی ہے، اگر کپڑے دھلتا ہے تو نماز کا وقت جاتا ہے، تو ایسی صورت میں نماز ناپاک کپڑوں میں پڑھے یا قضا کرے؟

المستفتی: زیدلہ پور بارہ دری، سینٹاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اولاً تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور بعد میں باقاعدہ پانی سے طہارت حاصل کر کے دوبارہ نماز کا اعادہ کرے، مگر صرف تیمم کر کے نماز پڑھ لینا کافی نہیں۔

لا یتیمم وإن خاف خروج الوقت في صلوة لها خلف (إلى قوله) وأن الأحوط أن یتیمم ویصلی، ثم یعید. (شامی، باب التیمم، زکریا ۱/۳۹۶، کراچی ۱/۲۳۲)
الحنفیه قالوا: إن الصلوة بالنسبة لهذه الحالة ثلاثة أنواع: ونوع: یخشی فواته لبدل وأما الجمعة فإنه لا یتیمم لها مع وجود الماء، بل یفوتها، ویصلی الظهر بدلها بالوضوء، وكذلك سائر الصلوات المكتوبة، فإن تیمم وصلاتها وجبت علیها إعادتها. (الفقه على المذاهب الأربعة، الأسباب التي تجعل التیمم مشروعاً، دارالفکر بیروت ۱/۵۶، ہدایہ، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، أشرفی دیوبند ۱/۵۵)

(۲) ایسی صورت میں نماز ناپاک کپڑے میں جائز نہیں ہے اگرچہ وقت نکل جانے کا خطرہ کیوں نہ ہو؛ بلکہ کپڑا پاک کرنے کے بعد پاک کپڑے ہی میں نماز پڑھنا لازم ہے، اگر وقت نکل جائے تو قضا کرے۔

وكذا من معه ثوب نجس، وماء يلزمه غسل الثوب وإن خرج الوقت. (شامی، باب التیمم، زکریا ۱/۳۹۶، کراچی ۱/۲۳۳)

وكذا لو كان معه ثوب نجس، ومعه ماء يغسله ولكن لو غسله خرج الوقت لزم غسله وإن خرج الوقت. (البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، کوئٹہ ۱/۱۴۰، زکریا ۱/۲۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۶/۲/۱۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ صفر ۱۴۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۲۷۷)

گوبر کے فرش پر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں میں گوبر میں گار املہ کر اس سے گھر کا فرش پوتا جاتا ہے، تو سوکھ جانے کے بعد اس فرش پر بچھائے بغیر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گوبر کے گارے سے پتائی ہو جانے کے بعد جب فرش سوکھ جائے اور اس میں سے بونہ آ رہی ہو تو کچھ بچھائے بغیر اس پر نماز پڑھنا درست ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل/۱، ۲۶۸، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۵۱)

إذا أراد أن يصلي على أرض عليها نجاسة، فكبسها بالتراب، ينظر إن كان التراب قليلا بحيث لو استشمه يجد رائحة النجاسة لا يجوز، وإن كان كثيرا لا يجد الرائحة يجوز. (هنديّة، الباب الثاني في شروط الصلوة، الفصل الثاني في طهارة ما يستبر به العورة، زكريا قديم ۱/۶۲، جديد ۱/۱۱۹)

ولو فرشها بالتراب ولم يطين فوقها، فإنه إن كان التراب قليلا، أي رقيقا بحيث لو شمه يجد المصلي عليه رائحة النجاسة لا تجوز الصلوة عليه، وإلا أي وإن لم يكن قليلا، بل كان كثيرا حجمه كثيف بحيث لا يجد المصلي عليه رائحة النجاسة تجوز صلاته عليه. (حلي كبير، الشرط الثاني في الطهارة من الأنجاس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۰۲)

وفي الخلاصة: إذا أراد أن يصلي على أرض عليها نجاسة، فكبسها بالتراب، ينظر: إن كان التراب قليلا بحيث لو استشمه يجد رائحة النجاسة لا يجوز، وإن كثيرا لا يجد الرائحة يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض، زكريا ۱/۳۲، برقم: ۱۶۰۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر:.....)

ناپاک جگہ پر چادر بچھا کر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سفر میں ایک جگہ اترا، عصر کا وقت نکلنے کا خطرہ تھا، تو اس نے ناپاک جگہ پر چادر بچھا کر نماز پڑھ لی؛ اس لئے کہ وہاں کوئی پاک جگہ نہیں تھی، تو ایسی صورت میں اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ نماز پڑھنے کے لئے کوئی پاک جگہ نہیں ہے؛ اس لئے اگر زید نے ناپاک جگہ پر اتنی موٹی چادر بچھا کر نماز پڑھی ہے جس سے چادر کے اوپر نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہو رہا ہے، تو ایسی حالت میں زید کی نماز درست ہوگئی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۲۶۷، فتاویٰ رحمیہ، جدید زکریا ۴/۵۱)

ولو كان رقيقا وبسطه على موضع نجس، إن صلح ساترا للعمرة
تجاوز الصلوة. (شامي، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، زكريا ۲/۷۴، كراچی ۱/۴۰۳)
وكذا الثوب إذا فرش على النجاسة اليابسة، فإن كان رقيقا يشف
ما تحته، أو توجد منه رائحة النجاسة على تقدير أن لها رائحة لا تجاوز
الصلوة عليه، وإن كان غليظا بحيث لا يكون كذلك جازت. (حلي كبير،
الشرط الثاني في الطهارة من الأنجاس، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۰۲، شامي، باب ما يفسد
الصلوة وما يكره فيها، مطلب في التشبه بأهل الكتاب، زكريا ۲/۳۸۷، كراچی ۱/۶۲۶)
لو بسط الثوب الطاهر على الأرض النجسة، وصلّى عليه جازت.
(البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، كوئته ۱/۲۶۸، زكريا ۱/۴۶۶، بنایة،
باب الأنجاس وتطهيرها، أشرفيه ديوبند ۱/۷۰۱)

ولو كان المصلّي رقيقا، فبسطه على النجاسة إن كان يحكي ما تحته

لا تجوز الصلوة عليه. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی

الفرائض، زکریا ۲ / ۳۱، برقم: ۱۵۹۳)

وفي المستغني: رجل بسط بساطا رقيقا على الموضع النجس،
وصلی عليه إن كان البساط بحال يصلح ساترا للعودة تجوز الصلوة.

(خلاصة الفتاوى، اشرفیہ دیوبند ۱ / ۷۶، البحر الرائق، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة،

کوئٹہ ۱ / ۲۶۸، زکریا ۱ / ۴۶۶)

إن فرش على الأرض النجسة شيئا، وصلی عليه جاز بالاتفاق إن

صلح الفرش ساترا للعودة. (الفقه الإسلامي وأدلته، باب شروط الصلوة، مطبوعه

دیوبند ۱ / ۶۳۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

گندے نالے کے اوپر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید شہر کے گندے نالے کے اوپر شیشہ بچھا کر نماز پڑھتا ہے اور اس شیشہ کے نیچے اس کو

نجاست غلیظہ بہتی ہوئی نظر آرہی ہے، تو ایسی صورت میں اس شیشہ کے اوپر زید کی نماز

درست ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گندے نالے کے اوپر شیشہ بچھا کر نماز پڑھی جائے تو

نماز درست ہو جاتی ہے، اسی طرح ناپاک زمین پر مصلی یا چادر بچھا کر نماز بھی درست ہے۔

(احسن الفتاویٰ، زکریا ۳ / ۴۲۳، جامع الفتاویٰ ۵ / ۵۳۳، کتاب المسائل ۱ / ۲۶۴)

إذا كانت النجاسة على باطن اللبنة أو الآجرة، وهو على ظاهرهما

قائم یصلی لم تفسد صلاته. (تاتارخانیہ، زکریا ۲/ ۳۲، برقم: ۱۵۹۸، شامی، باب ما یفسد الصلوٰۃ، مطلب فی التشبہ بأهل الكتاب کراچی ۱/ ۶۲۶، زکریا ۲/ ۳۸۷، غنیۃ المستملی، الشرط الثانی فی الطہارۃ من الأنجاس، اشرفیہ ۲۰۲)

ولو صلی علی زجاج یصف ماتحتہ قالوا جمیعاً: یجوز. (شامی، باب شروط الصلوٰۃ، زکریا ۲/ ۷۴، کراچی ۱/ ۴۰۳)

فلو صلی علی زجاج یصف ما فوقہ جاز. (الفقہ الإسلامی وأدلته، الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، الہدی انٹرنیشنل ۱/ ۶۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
 (الف فتاویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

بدن جھلکنے والے کپڑے میں عورت کا نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت کے لئے ایسے باریک کپڑوں میں نماز پڑھنا کیسا ہے، جس سے اس کے بدن کے اعضاء کا پتہ چل جاتا ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسے باریک کپڑے پہن کر عورت کا نماز پڑھنا جس سے بدن کا اندرونی حصہ باہر سے صاف جھلکتا ہو جائز نہیں اور ان کپڑوں میں نماز درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۲۷۴)

والشوب الرقیق الذی یصف ماتحتہ لاتجوز الصلوٰۃ فیہ. (ہندیۃ، الباب الثالث فی شروط الصلوٰۃ، الفصل الأول والطہارۃ وستر العورۃ، زکریا قدیم ۱/ ۵۸، جدید ۱/ ۱۱۵)

إذا كان الثوب رقيقا بحيث يصف ماتحته، أي لون البشرة لا يحصل به ستر العورة إذ لا ستر مع رؤية لون البشرة. (حلي كبير، الشرط الثالث في ستر العورة، أشرفيه، ص: ۲۱۴)

لا يقبل الله صلوة حائض إلا بخمار، أي البالغة والثوب الرقيق الذي يصف ماتحته لا تجوز الصلوة فيه؛ لأنه مكشوف العورة. (تبيين الحقائق، باب شروط الصلوة، إمداديه ملتان ۱/ ۹۵، زكريا ۱/ ۲۵۳)

الساتر الرقيق الذي لا يمنع رؤية العورة لا يكفي لجواز الصلاة، لعدم الستر الواجب عليه. (شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، إعزازه ديوبند ۱/ ۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۳/۶ھ

نئے کپڑے کو دھو کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۱۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو لوگ نئے کپڑے خریدتے ہیں، مثلاً کرتا، لنگی وغیرہ تو اس نئے کپڑے کو تین پانی سے پاک کر کے نماز پڑھنا چاہئے یا بغیر پاک کئے بھی پہن کر نماز ہو جاتی ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کپڑا خواہ نیا ہو یا پرانا جب کہ وہ پاک ہو تو اسے پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نیا کپڑا عام طور سے پاک ہی ہوا کرتا ہے؛ اس لئے دھو کر پہننا لازم نہیں ہے، ہاں اگر ناپاک ہے تو اس کو پہن کر نماز نہ ہوگی۔

وَيَا بَكَ فَطَهِّرْ. [المدثر، الآية: ۴]

ومن جملتها: أي فرائض الصلوة قبل الشروع فيها طهارة

مایستہر بہ عورتہ۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثانی فی الفرائض، قدیم ۱/ ۴۱۶، جدید، زکریا ۲/ ۲۶، رقم: ۱۵۶۹، شرح النقاۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، إعزازیہ دیوبند ۱/ ۶۳، شرح وقایۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، اشرفی ۱/ ۱۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۱/۱/۱۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۳۵)

بلا استنجاء نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے پیشاب کیا، پھر اس نے نہ پانی استعمال کیا اور نہ ہی ڈھیلا؛ بلکہ تہبند سے عضو کا پیشاب خشک ہو گیا، اس کے بعد زید نے کپڑا بدل کر نماز پڑھ لی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد کلیم بہار شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پیشاب ایک درہم سے زائد تجاوز نہیں کیا ہے، تو نماز صحیح ہوگی؛ کیوں کہ ایک درہم سے تجاوز نہ کرنے کی صورت میں استنجاء فرض نہیں ہوتا؛ بلکہ سنت ہے۔

فالاستنجاء سنة عندنا..... حتی لو ترک الاستنجاء أصلاً جازت صلاتہ عندنا، ولكن مع الكراهة. (بدائع الصنائع، کتاب الطہارۃ، فصل فی بیان سنن الوضوء، بیروت ۱/ ۱۸۳، کراچی ۱/ ۱۸، زکریا ۱/ ۱۰۱)

الرابعة: تدل على أن الاستنجاء ليس بفرض، وأن الصلاة جائزة

بترکہ. (البنایۃ، کتاب الطہارۃ، اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۵۸)

وعفا الشارع عن قدر درهم، وإن کره تحريماً، فيجب غسله ومادونه

تنزیہا فیسن وفوته مبطل، فیفرض (تحتہ فی الشامیة:) وقدر الدرہم لا یمنع، ویكون مسیئا، وإن قل فالأفضل أن یغسلها ولا یكون مسیئا. (شامی کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس، کراچی ۱/۳۱۶، زکریا ۱/۵۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۰/۲۰۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۲۶ھ

بیت الخلاء کی ٹنکی پر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، جس کے صحن میں بیت الخلاء کی ٹنکی ہے، تو کیا اس ٹنکی کے اوپر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: سعید احمد مدرسہ تعلیم القرآن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ ٹنکی کے اوپر بلا تردد نماز جائز اور درست ہے۔

وإذا أصابت الأرض نجاسة ففرشها بطين أو حص، فصلی علیہا جاز. (شامی، باب ما یفسد الصلوۃ، مطلب فی التشبہ بأهل الكتاب، زکریا ۲/۳۸۷، کراچی ۱/۶۲۶، ہندیۃ، الباب الثالث فی شروط الصلوۃ، الفصل الثانی، زکریا قدیم ۱/۶۱، جدید ۱/۱۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۴/۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/۲۰۹۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۱۸ھ

میت کو نہلائے جانے والے پٹلہ پر نماز

سوال [۱۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ جس پٹلہ پر میت کو نہلایا جاتا ہے اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
المستفتی: محمد عمر صدیقی، محلہ علی خان کاشی پور، نئی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اگر اس کو دھولیا جائے تو جائز ہے۔

فإذا قطع الخشب والقصب، وأصابته نجاسة لا يطهر إلا بالغسل.

(الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، جديد دارالكتاب ديوبند ۱/ ۴۴، إمداديه ملتان ۱/، البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس كونه ۱/ ۲۲۶، زكريا ۱/ ۳۹۲)

لأن الآدمي له دم سائل، فيتنجس بالموت قياساً (إلى قوله) والدليل على أن يتنجس بالموت أن المسلم إذا مات في البئر ينزح جميع مائها.

(الجوهرة النيرة، كتاب الصلوة، باب الجنائز، إمداديه ملتان ۱/ ۱۲۳، جديد، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۲۳) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۴/۲۳)

ناپاک چڈی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۱۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی اگر اندر سے چڈی خراب ہے اور اوپر پانجامہ درست ہے، تو اس صورت میں چڈی اتارے بغیر نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: نظر الاسلام تری پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: پانجامہ یا لنگی کے نیچے جو چڈی پہن رکھی ہے، اگر وہ ناپاک ہے تو اس کو اتارے بغیر نماز نہ ہوگی اور لاعلمی میں پڑھ لینے کی صورت میں نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

وَيَبَايَكَ فَطَهَّرُ. [المدثر، الآية: ۴]

ثم الشرط هي ستة: طهارة بدنه، أي جسده من حدث وخبث ووثوبه.
(درمختار علی هامش رد المحتار، باب شروط الصلوة، زکریا ۲/۷۳، کراچی ۱/۴۰۲،
شرح النقایة، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، إعزازیہ دیوبند ۱/۶۳، شرح وقایہ،
کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفی ۱/۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵

ہندوستانی مسلمان صرف مغرب کی سمت میں کیوں نماز پڑھتے ہیں؟

سوال [۱۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مکتہ المکرمہ میں کعبۃ اللہ ہے، وہاں پر مقیم شخص جس طرح چاہے نماز پڑھ سکتا ہے، پھر ہندوستانی مسلمان متعینہ سمت میں نماز پڑھنے کا پابند کیوں ہے، جب کہ اللہ ہمارے عقیدہ اور ایمان کے مطابق ہر جگہ موجود ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان اور دیگر ممالک کے لوگوں کے لئے متعینہ سمت میں نماز پڑھنے کی اصل وجہ اللہ رب العزت کے حکم کی تعمیل ہے؛ کیوں کہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی نے فرمایا ہے؛ اس لئے نماز کی صحت کے لئے قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس کی دو وجہیں اور ذکر کی ہیں: (۱) بیت اللہ کی تعظیم؛ کیوں کہ وہ شعائر اللہ میں سے ہے؛ اس لئے اس کی تعظیم ضروری ہے (۲) اللہ کے ساتھ مخصوص چیز کی طرف رخ کرنے سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ (مستفاد: رحمۃ اللہ الواسعہ ۳/۳۶۹)

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا
وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ. [البقرة: ۱۴۴]

الثانی: أنه المأمور به في القرآن لقوله تعالى: ” فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ “ یعنی من الأرض من شرق أو غرب.
(أحكام القرآن للقرطبي، سورة البقرة: ۱۴۴، مكتبته دارالكتب العلمية بيروت ۱۰۸/۲)
أقول: السر في ذلك أنه لما كان تعظيم شعائر الله وبيوته واجبا لا
سيما فيما هو أصل أركان الإسلام، وأم القربات، وأشهر شعائر
الدين، وكان التوجه في الصلاة إلى ما هو مختص بالله بطلب رضا الله
بالتقرب منه أجمع للخاطر، وأحث على صفة الخشوع. (حجة الله البالغة ۲/۲۷)
فقط والله سبحانه وتعالى اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:.....)

تحويل قبلہ کی نوعیت

سوال [۱۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: کہ مدینہ منورہ میں مسجد ذی القبلتین جانے کا اتفاق ہوا، تو تحويل قبلہ کا منظر سامنے آ گیا۔
دریافت یہ کرنا ہے کہ تحويل قبلہ کا جب حکم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں تھے،
نماز ہی میں قبلہ بدل لیا، تو اس کی کیا شکل ہوئی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے
تو مقتدیوں سے آگے تھے تحويل قبلہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں چل کر
آگے آئے یا وہیں پر قبلہ بدل لیا، کیا صورت پیش آئی تھی؟ تفصیل سے تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حافظ محمد اکرام، پکا باغ سینٹاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تحویل قبلہ کا مسئلہ قابل غور ہے، اس لئے کہ صحاح ستہ میں قبلہ بدلنے سے متعلق جو روایات ہیں، ان میں صرف اتنا ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد سب سے پہلی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں عصر کی نماز پڑھی ہے، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے واضح ہوتا ہے:

عن البراء أن -رضي الله عنه- أن النبي ﷺ كان أول ما قدم المدينة نزل على أجداده، أو قال أخواله من الأنصار، وأنه صلى قبل بيت المقدس ستة عشر شهرا، أو سبعة عشر شهرا، وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت، وأنه صلى أو صلاة صلاها صلاة العصر، وصلى معه قوم، فخرج ممن صلى معه، فمر على أهل مسجد وهم راكعون، فقال: أشهد بالله لقد صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل مكة فداروا كما هم قبل البيت. الحديث (صحيح بخاري، كتاب الايمان، باب الصلاة من الإيمان، النسخة الهندية ۱/ ۱۰، رقم: ۴۰)

پھر اسی دن آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سے ایک آدمی بنو حارثہ پہنچے، وہاں عصر کی نماز ہو رہی تھی، تو انہوں نے زور سے آواز دی کہ قبلہ بدل چکا ہے، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آ رہا ہوں، تو نمازیوں نے اسی حالت میں قبلہ بدل دیا، جیسا کہ اس کی صراحت ”المعجم الكبير للطبراني“ کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن أم نويمة بنت مسلم قالت: صلينا الظهر، أو العصر في مسجد بني حارثة، فاستقبلنا مسجد ايلياء، فصلينا ركعتين، ثم جاءنا من يحدثنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: استقبل البيت الحرام، فتحول الرجال مكان النساء، والنساء مكان الرجال، فصلينا السجدة الباقيتين، ونحن

مستقبلون البيت الحرام، فحدثني رجل من بني حارثة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أولئك رجال آمنوا بالغيب. (المعجم الكبير للطبراني، مكتبة داراحياء التراث العربي ۲۵ / ۴۳، رقم: ۸۲)

پھر دوسرے دن صبح کو عوالی میں بنو عمرو بن عوف کے لوگ مسجد قبا میں بیت المقدس کی طرف فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، اسی اثناء میں بنو سلمہ کا ایک آدمی وہاں پہنچا، انہوں نے زور سے آواز دی کہ آگاہ ہو جاؤ! بے شک قبلہ بدل چکا ہے، تو انہوں نے اسی حالت میں بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف رخ موڑ لیا، جیسا کہ بخاری و مسلم کی ان روایات سے واضح ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي نحو بيت المقدس، فنزلت: ” قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ “ فمر رجل من بني سلمة وهم ركوع في صلاة الفجر، وقد صلوا ركعة، فنادى ألا! أن القبلة قد حولت، فمالوا كما هم نحو القبلة، عن ابن عمر قال: بينما الناس في صلاة الصبح بقباء إذا جاءهم آت، فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أنزل عليه الليلة، وقد أمر أن يستقبل الكعبة، فاستقبلوها، وكان وجوههم إلى الشام، فاستداروا إلى الكعبة. (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب تحويل القبلة من المقدس إلى الكعبة، النسخة الهندية ۱ / ۲۰۰، رقم: ۵۲۶-۵۲۷، الطبقات الكبرى لابن سعد، مكتبة عباس احمد الباز ۱ / ۱۸۷)

لیکن صحاح ستہ کے علاوہ بعض دیگر کتب حدیث اور تفسیر و سیرت کی کتابوں میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز کے دوران قبلہ بدلاتھا اور اس کی شکل یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقصد کے تحت قبیلہ بنو حارثہ میں تشریف لے گئے اور یہ

قبیلہ جبل سلح کے قریب بستا تھا اور آپ کو اس قبیلہ میں دیر ہوگئی اور ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھائی، ابھی دو رکعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی کہ جبریل امین نے تشریف لاکر اللہ کی طرف سے قبلہ بدلنے کا حکم بتا دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں آدھی نماز جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی اس کو باقی رکھتے ہوئے مکہ المکرمہ کی طرف اپنا رخ بدل دیا، اس کی شکل یہ ہوئی تھی کہ آپ نے اگلی صف سے چل کر بالکل پچھلی صف سے بھی آگے نکل کر امام کی جگہ بنالی اور قبلہ کی طرف رخ کر لیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی جگہ پر رہ کر شمال سے جنوب کی طرف رخ کر لیا اور عورتیں مردوں کی جگہ اور مرد عورتوں کی جگہ پہنچ گئے اور باقی رکعت نماز اسی طرح رخ موڑنے کے بعد مکہ المکرمہ کی طرف کعبۃ اللہ کی طرف قبلہ بنا کر ادا فرمائی، اسی وجہ سے قبیلہ بنو سلمہ کی اس مسجد کا نام اسی وقت سے مسجد قبلتین پڑ گیا ہے، اور تحویل قبلہ کی شکل یہی ہوئی ہے۔ اور تطبیق یوں ہے کہ حقیقت میں تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز میں پیش آیا جو نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود پڑھائی، اس کے بعد سب سے پہلی نماز مکمل طور پر کعبۃ اللہ کی طرف جو پڑھی گئی ہے وہ مسجد نبوی میں عصر کی نماز پڑھی گئی ہے، پھر اس کے بعد بنو حارثہ میں عصر کی نماز میں اور قباء میں مسجد بنی عمرو بن عوف میں فجر کی نماز میں واقعہ پیش آیا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں زیادہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین من الظهر فی مسجده
بالمسلمین، ثم أمر أن یوجه إلى المسجد الحرام، فاستدار إلیه، ودار معه
المسلمون، ویقال: بل زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أم بشر بن البراء
بن معرور فی بنی سلمة، فصنعت له طعاما وحانت الظهر، فصلی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بأصحابه رکعتین، ثم أمر أن یوجه إلى الکعبة، واستقبل
المیزاب، فسمى المسجد مسجد القبلتین، وذلك یوم الإثنين للنصف

من رجب علی رأس ثمانية عشر شهرا. (الطبقات الكبرى لابن سعد، مکتبہ عباس احمد الباز بیروت ۱/ ۱۸۶، روح المعانی ۲/ ۱۴، تحت سورة البقرة، رقم الآية: ۱۴۴، تفسیر مظہری، زکریا جدید ۱/ ۱۶۰، قدیم ۱/ ۱۴۳، فتح الباری، کتاب الصلاة، دار الفکر ۱/ ۵۰۲، تحت رقم الحديث: ۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۷ ربيع الثانی ۱۴۳۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۰۷/۴۱)

متعین ستارے سے مسجد کا رخ متعین کرنے کا شرعی حکم

سوال [۱۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد پرانے طرز پر بنی ہوئی ہے، اس کے اندر بیچ وقتہ نماز کے علاوہ جمعہ اور عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے، اس مسجد کو جانب قبلہ ہونے میں کچھ شک ہو تو ایک مستند عالم نے مسجد کو قطب نما سے جانچا تو تقریباً ایک ہاتھ مسجد ٹیڑھی نکلی، جب کہ اس مسجد کو آسمان کے ستارے سے ملانا چاہئے تھا، مگر وہ ستارہ کون ہے اس کو کوئی پہچانتا نہیں، برائے مہربانی اس ستارہ کی نشاندہی فرمادیتے جس ستارہ سے مسجد کو جانچا جاتا ہے، حال یہ ہے کہ یہ مسجد ایک غریب بستی میں واقع ہے اور اس کی بناوٹ پختہ ہے، اس کو توڑ کر دوبارہ نئے طرز پر نہیں تعمیر کیا جاسکتا، اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ اس میں پہلے نماز پڑھ چکے، کیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد منصور عالم، دورہ حدیث شریف مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی متعین ستارے سے مسجد کا رخ متعین کرنا قرآن وحدیث اور فقہ سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے قطب نما سے رخ متعین کرنا کافی ہے اور معمولی سا رخ ٹیڑھا ہونے سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کہ ۴۵ ڈگری کے اندر اندر رخ باقی

ہو، اب تک جو نمازیں پڑھی گئی ہیں وہ سب درست ہیں؛ اس لئے کہ ایک ہاتھ رخ میں فرق آنے سے سمت قبلہ سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا؛ بلکہ سمت قبلہ کے دائرہ میں شمار ہوتا ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما بين المشرق والمغرب قبلة. (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب القبلة، النسخة الهندية، ۱/۷۱، دارالسلام، رقم: ۱۰۱۱، المعجم الأوسط، دارالفکر ۱/۲۳۱، رقم: ۷۹۰، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۵/۱۵۳، رقم: ۸۴۸۵، المستدرک قدیم ۱/۳۲۳، مكتبة نزار مصطفى الباز، جدید ۱/۳۰۷، ۳۰۸، رقم: ۷۴۱، ۷۴۲)

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين إنحرافاً لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز. (شامی، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، کراچی ۱/۴۲۸، زکریا ۲/۱۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲۶۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۲۸)

استقبال قبلہ پر غیر مسلم کے اعتراض کا جواب

سوال [۱۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ کسی کمپنی میں کام کرتا ہے، وہاں ایک غیر مسلم دوست نے یہ سوال کیا کہ مکہ المکرمہ میں چونکہ کعبۃ اللہ ہے؛ اس لئے وہاں مقیم شخص بیت اللہ کی جس سمت رخ کر کے نماز پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے؛ لیکن ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں رہتے ہوئے ایک متعینہ سمت پر نماز پڑھنے کا پابند کیوں ہے، حالاں کہ ایٹور آپ کے عقیدہ و آستھا کے حساب سے ہر جگہ موجود ہے؟ حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ عقلی و نقلی دلائل سے جواب دیں۔

المستفتی: محمد سفیان منصور، سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سمیع، بصیر، علیم اور خیر ہونے کے اعتبار سے ہر جگہ ہیں اور ہر طرح کے جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرہ ہیں اور مشرق و مغرب شمال و جنوب کی قیود اور سمتوں سے بالاتر ہیں، اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنایا ہے اور کعبۃ اللہ شہر مکہ کے بیچ میں ہے؛ اس لئے مکہ والے جو کعبۃ اللہ کے پورب جانب میں ہیں اور پچھم کی طرف قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور جو جنوب کی طرف رہتے ہیں وہ شمال کی طرف قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور جو مغرب کی جانب رہتے ہیں وہ مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور مشرق کی طرف رہنے والے مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اور جن لوگوں کی نظروں کے سامنے کعبۃ اللہ ہوتا ہے، وہ لوگ عین کعبہ کا رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور ہندوستان کے لوگوں کے لئے کعبۃ اللہ چونکہ جانب مغرب میں واقع ہے؛ اس لئے مغرب کی طرف سمت قبلہ کا رخ کر کے ہندوستان والوں کو نماز پڑھنا لازم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سارے ایمان والوں کو ایک ہی قبلہ پر متحد کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ اللہ ایک ہے ویسے ہی عبادت کے لئے قبلہ بھی ایک ہے، یہی قرآن مقدس میں: سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۴۴: ”قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ“۔ کا مقصد ہے؛ لہذا کوئی شخص انجان علاقہ میں ہو اور وہاں کوئی سمت قبلہ بتلانے والا بھی نہ ہو اور غالب گمان جس طرف ہو اس طرف نماز پڑھ لے اور بعد میں پتہ چلے کہ کعبۃ اللہ کی مخالف سمت میں نماز پڑھی گئی ہے، تو نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں لکھا گیا ہے کہ ایشور ہر جگہ ہے، یہاں اس اعتبار سے نماز صحیح ہو جاتی ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں، مگر بالقصد مخالف سمت میں پڑھنے کی اجازت نہیں، یہی ”سورہ بقرہ، آیت: ۱۱۵: ”فَإِيْتِمَا تَوَلُّوْا فَتَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ“۔ کا مقصد ہے۔

الكعبة سرۃ الأرض ووسطها، فأمر الله تعالى جميع خلقه بالتوجه إلى

وسط الأرض في صلاتهم، وهو إشارة إلى أنه يجب العدل في كل شيء،
ولأجله جعل وسط الأرض قبلة للخلق. (تفسير الفخر الرازي، سورة البقرة: ١٤٢،
بيروت ٤/١٠٦)

لا خلاف بين العلماء أن الكعبة قبلة في كل أفق، وأجمعوا على أن
من شاهدها وعابنها فرض عليه استقبالها، وأنه إن ترك استقبالها، وهو
معين لها، وعالم بجهتها فلا صلوة له، وعليه إعادة كل ما صلى
وأجمعوا على أن كل من غاب عنها أن يستقبل ناحيتها وشطرها وتلقائها.
(قرطبي، سورة البقرة: ١٤٤، مكتبة دارالكتب العلمية، بيروت ٢/١٠٨)

ويستقبل القبلة لقوله تعالى: "فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ" ثم من كان بمكة
ففرضه إصابة عينها، ومن كان غائبا فرضه إصابة جهتها هو الصحيح؛ لأن
التكليف بحسب الوسع. (هداياه) قال المصنف في التجنيس: هذا يشير إلى
أن من كان بمعاينته الكعبة، فالشرط إصابة عينها، ومن لم يكن بمعاينتها،
فالشرط إصابة جهتها، وهو المختار. (فتح القدير، باب شروط الصلوة التي تتقدمها،
كوئته ١/٢٣٤-٢٣٥، زكريا ١/٢٧٤-٢٧٦)

فبين تعالى أن المشرق والمغرب، وجميع الجهات والأطراف كلها
مملوكة سبحانه ومخلوقة له، فأينما أمركم الله باستقباله، فهو القبلة؛ لأن
القبلة ليست قبلة لذاتها، بل لأن الله تعالى جعلها قبلة، فإن جعل الكعبة قبلة
فلا تنكروا ذلك؛ لأنه تعالى يدير عبادته كيف يريد، وهو واسع عليم
بمصالحهم. (تفسير الفخر الرازي، سورة البقرة: ١١٥، بيروت ٤/٢٠)

والفقه فيه أن المصلى في خدمة الله تعالى، فلا بد من الإقبال عليه،
والله سبحانه منزّه عن الجهة، فيستحيل الإقبال عليه فابتلانا بالتوجه إلى
الكعبة لأن الكعبة لم تعتبر لعينها، بل للابتلاء، فيتحقق المقصود

بالتوجه إلى أي جهة قدر. (حاشیة چلبی علی تبیین الحقائق، إمدادیہ ملتان ۱ / ۱۰۱،
زکریا ۱ / ۲۶۵)

وقد ذهب أكثر أهل العلم إلى هذا قالوا: إذا صلى في الغيم بغير
القبلة، ثم استبان له بعد ذلك أنه صلى لغير القبلة، فإن صلاته جائزة
قلت: وهو قول أبي حنيفة. (قرطبي، سورة البقرة: ۱۱۵، مكتبة دارالكتب العلمیہ،
بیروت ۲ / ۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۶/۱۴۳۵ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۱/۲۰)

مسجد کے قبلہ کا رخ کتنی ڈگری کے اندر ہو؟

سوال [۱۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ہم نے قدیم مسجد کو جدید تعمیر کے واسطے شہید کیا ہے، وہ مسجد قطب نما کے اعتبار سے بنی
تھی، اب اگر جدید عمارت مسجد کی بنیاد قبلہ نما ۱۲ نمبر ضلع رامپور میں رکھتے ہیں، تو ایک صف کی
جگہ قدیم مسجد کی ختم ہو جاتی ہے، جگہ بہت تنگ ہے، کسی بھی جانب مسجد کے رقبہ کی توسیع کی
گنجائش نہیں ہے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ: پرانی ہی بنیاد پر مسجد تعمیر کرنے میں کوئی شرعی
قباحت تو نہیں ہے؟ قبلہ نما ضلع رامپور میں ۱۲ نمبر پر ہی مسجد تعمیر کریں یا قطب نما کے اعتبار
سے بھی مسجد تعمیر کرنے کی شرعی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرام کھیڑا ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعمیر مسجد میں قبلہ کا رخ پینتالیس ڈگری کے اندر اندر ہونا
لازم اور واجب ہے اور اس کے باہر ہونا جائز نہیں۔ اور پینتالیس ڈگری کے اندر رہ کر

۱۹-۲۰ کا فرق ہو جائے تو جہت قبلہ میں کوئی فرق نہیں آتا اور مسجد کا رخ صحیح سمجھا جاتا ہے۔ سوال نامہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پرانی بنیاد بھی ۴۵ ڈگری کے دائرہ کے اندر ہے؛ اس لئے اس بنیاد پر بھی مسجد کو باقی رکھنا جائز اور درست ہوگا؛ لیکن بہتر اور افضل یہی ہے کہ مسجد کے قبلہ کا رخ زیادہ سے زیادہ صحیح ہو؛ لہذا اگر ۱۲ نمبر ہی زیادہ صحیح ہے تو پہلی بنیاد کے جائز ہونے کے ساتھ ساتھ ۱۲ نمبر پر نئی بنیاد رکھنا زیادہ بہتر ہوگا، اس کے ثبوت میں حضرت نانوتویؒ نے قبلہ نما تیار فرمایا تھا۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۳۰۶، احسن الفتاویٰ ۲/۳۱۳)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما بين المشرق والمغرب قبلية. (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب القبلة، النسخة الهندية، ۱/۷۱، دار السلام، رقم: ۱۰۱۱، المعجم الأوسط، دار الفکر ۱/۲۳۱، رقم: ۷۹۰، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۵/۱۵۳، رقم: ۸۴۸۵، المستدرک قدیم ۱/۳۲۳، مكتبة نزار مصطفى الباز، جدید ۱/۳۰۷، ۳۰۸، رقم: ۷۴۱، ۷۴۲)

فيعلم منه أنه لو انحرف عن العين إنحرافاً لا تزول منه المقابلة بالكلية جاز. (شامی، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، کراچی ۱/۴۲۸، زکریا ۲/۱۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۸۰)

عین قبلہ کا رخ شرط نہیں ہے

سوال [۱۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناکارہ اس وقت بہت ہی پریشان ہے، ذہن میں خلجان بڑھتا جا رہا ہے، اس اہم بات کی بنا پر کہ مسجد محمدی عالم نگر لکھنؤ جس کی تعمیر ابھی چند ماہ قبل مکمل ہوئی ہے، تقریباً رمضان سے قبل پنج وقتہ نمازیں بھی ہوتی چلی آرہی ہیں؛ لیکن اسی ماہ میں مسجد کے رخ پر غور و فکر ہوا تو

معلوم ہوا کہ معمولی سارخ جانب شمال کو مڑا ہوا ہے، قطب نما سے دیکھا گیا تو مسجد کی تعمیر چونکہ کافی پرانی بنیاد پر ہی مکمل کر دی گئی تھی؛ لیکن قطب نما سے مسجد کا شمال نوپر آتا ہے، جب کہ قطب نما کے ساتھ منسلک کتابچہ میں لکھنؤ کا جانب شمال ۱۲ پر ہے، اس اعتبار سے ۱۳ ڈگری کا فرق ہوا، قابل تفتیش بات اب یہی ہے کہ مسجد کا رخ بدلنے کے لئے کیا صورت کی جائے؟ یا کہ فرش بدل دیا جائے، یا پھر بنیادیں دوسری رکھی جائیں اور کتنے نمبر پر قبلہ کا رخ صحیح ہوگا، نیز ابھی تک جو نمازیں ہوئیں وہ درست رہیں گی یا پھر دہرانا ہوں گی؟ جو صورت ہو بیان فرمائیں، بہت زیادہ پریشان ہو رہا ہوں۔

المستفتی: عبداللہ امام مسجد محمدی عالم نگر لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عین قبلہ کا رخ شرط نہیں ہے؛ بلکہ صرف سمت قبلہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہے؛ اس لئے اگر صرف تین ڈگری کا فرق ہے تو سمت قبلہ میں اتنا فرق نہیں آتا ہے جس سے نماز درست نہ ہو؛ اس لئے مذکورہ مسجد میں نماز درست ہو جائے گی۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۱/۲۷۵، جدید زکریا ۲/۲۳۸۳)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما بين المشرق والمغرب قبلة. (سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء أن ما بين المشرق والمغرب قبلة، النسخة الهندية ۱/۷۹، دارالسلام، رقم: ۳۴۲، سنن ابن ماجه، الصلوة، باب القبلة، النسخة الهندية، ۱/۷۱، بيروت، رقم: ۱۰۱۱، سنن النسائي، الصيام، قبيل باب ثواب من صام يوما في سبيل الله، النسخة الهندية ۱/۲۴۲، دارالسلام، رقم: ۲۲۴۵)

وإن كان نائيا عن الكعبة غائبا عنها يجب عليه التوجه إلى جهتها، وهي المحاريب المنصوبة بالأمارات الدالة عليها لا إلى عينها، وتعتبر الجهة دون العين، كذلك ذكر الكرخي، والرازي: وهو قول عامة مشايخنا بما وراء النهر. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان شرائط

الأركان، بيروت ۱/ ۵۴۸، کراچی ۱/ ۱۱۸، زکریا ۱/ ۳۰۸، الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في الفرائض زکریا ۲/ ۳۶، رقم: ۱۶۱۶)
ومن كان غائبا ففرضه إصابة جهتها هو الصحيح. (هدايه، الصلوة، باب شروط الصلاة، أشرفي ۱/ ۹۷)

حتى لا أزيلت الموانع لا يشترط أن يقع استقباله على عين الكعبة لا محالة. (حلبی کبیر، الشرط الرابع في استقبال القبلة، أشرفیه دیوبند ۲۱۸، تاتارخانیة، الصلوة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة، زکریا ۲/ ۳۳، رقم: ۱۶۰۸، شامی، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، زکریا ۲/ ۱۰۹، کراچی ۱/ ۴۲۸)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۴ رجب الثانی ۱۴۱۲ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۶۲۳/۲۷)

استقبال قبلہ میں عین قبلہ ہے یا جہت قبلہ بھی کافی ہے؟

سوال [۱۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد از سر نو تعمیر ہو کر نو، دس سال ہو چکے ہیں، تعمیر نو کے وقت بھی مسجد کا قبلہ، مسجد قدیم کے مطابق ہی ۱۲ ڈگری رکھا گیا؛ لیکن دو چار سال بعد آلات ضبط القبلة کے ذریعہ مسجد کو پرانے قبلہ ۱۲ ڈگری سے عین قبلہ ۹ ڈگری کی طرف کرنے کے لئے سیدھی جانب موڑ دیا گیا، تقریباً چھ سال سے اسی تبدیل شدہ رخ ۹ ڈگری کو عین قبلہ مان کر نماز پڑھی جا رہی ہے، مگر اس طرح پڑھنے سے ایک طرف مسجد کی تقریباً دو صفیں کٹ گئیں۔ اور دوسری پریشانی یہ ہوئی کہ قبلہ اور دیواروں کا الگ الگ رخ ہونے کی وجہ سے ہر آنے والا تبدیل قبلہ محسوس کرتا ہے، اور آئے دن ذمہ دار مسجد اور امام سے قبلہ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے، جب کہ ہماری مسجد کے بالکل قریب دو اور مسجدیں ہیں، جن میں سے ایک کا قبلہ

(11.5) ڈگری ہے، اور دوسری مسجد کا ۱۲ ڈگری ہے، اگر ایک آدمی عصر کی نماز ۱۲ ڈگری والی قریبی مسجد میں پڑھے اور مغرب کی نماز ۹ ڈگری والی ہماری مسجد میں پڑھے، تو وہ تذبذب اور شک میں مبتلا ہو کر یہ سوچنے لگتا ہے کہ آیا ۱۲ ڈگری والی مسجد یا ۹ ڈگری والی مسجد کس کا قبلہ صحیح ہے؟ جب کہ مفتی محمد شفیع صاحب نے ”جواہر الفقہ“ جلد اول میں سمت قبلہ سے انحراف کثیر اور انحراف قلیل کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسان کے چہرہ کا کوئی ذرا سادنی حصہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی بائیں جانب کا، بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصہ کے ساتھ مقابل ہو جائے۔ اور فن ریاضی کی اصطلاحی روایت یہ ہے کہ عین کعبہ سے پینتالیس درجہ تک بھی انحراف ہو جاوے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اس سے زائد انحراف ہو تو استقبال فوت ہو کر نماز فوت ہو جائے گی، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انحراف قلیل جو عام طور پر کہیں جنوباً، کہیں شمالاً واقع ہو جاتا ہے، یہ ناقابل التفات ہے، اس کی وجہ سے نہ کسی مسجد کی جہت بدلنے کی ضرورت ہے نہ اس کے قائم رکھتے ہوئے کسی طرف مائل ہونے کی ضرورت ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۲۵۷)

اگر ہم اس تحقیق کو سامنے رکھ مسجد کا قبلہ ۱۲ ڈگری رکھیں جو مسجد قدیم اور قریبی مسجد کا قبلہ ہے، تب بھی وہ ۳۰ ڈگری کے اندر ہی رہتا ہے، جب کہ ۴۵ ڈگری کے اندر بھی نماز ہو جاتی ہے، اب تک ہماری مسجد میں فرش پر لکیروں کا نشان لگا ہوا تھا، اب وہ لکیروں بالکل مٹ چکی ہیں، دوبارہ لکیروں مارنے کا مسئلہ آیا ہوا ہے، اب ہم ایک قبلہ متعین کر کے ہمیشہ کے لئے مسجد قدیم اور قریبی مسجد کا قبلہ ۱۲ ڈگری رکھیں؟ یا عین قبلہ ۹ ڈگری کے مطابق ہی لکیروں لگائیں؟ جواب واضح و مدلل اور جلد عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد سلیم ندوی، ہیل گام کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں زیر بحث مسجد سے متعلق ۹ ڈگری اور بارہ ڈگری کا جو فرق لکھا گیا ہے، اس کو سامنے رکھ کر متقدمین فقہاء اور متاخرین فقہاء اور اکابر اہل

فتاویٰ کی اکثر کتابوں کو پیش نظر رکھ کر جو مسئلہ شرعی سامنے نکل کر آیا ہے، وہ پیش خدمت ہے، مسائل کے یہاں عین قبلہ ۹ رڈ گری پر ہے، اور ۱۲ رڈ گری جو تقریباً ۳۰ رڈ گری تک انحراف ہے، وہ انحراف قلیل ہے۔ اور شریعت میں سمت قبلہ میں دائیں بائیں، پینتالیس ڈگری تک انحراف کی اجازت ہے۔ اور مسائل کے یہاں ۹ رڈ گری عین قبلہ کو بتاتی ہے اور ۱۲ رڈ گری انحراف میں تقریباً ۳۰ رڈ گری کو بتاتی ہے اور ایسے حالات میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ۹ رڈ گری اور ۱۲ رڈ گری دونوں کا حکم یکساں ہے، کوئی فرق نہیں ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ۹ رڈ گری پر نماز پڑھنے والوں کو ۱۲ رڈ گری پر نماز پڑھنے والوں کے مقابلے میں زیادہ ثواب ملے گا یا ان کو کوئی خاص درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا یا ۱۲ رڈ گری پر نماز پڑھنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہوگی؛ بلکہ دونوں عند اللہ برابر درجہ میں ہوں گے اور عین قبلہ کا رخ کرنے کا مکلف اللہ نے صرف مکہ والوں کو بنایا ہے اور وہ بھی حتی الامکان ہے، اور مکہ مکرمہ کے علاوہ دنیا کے دیگر مقامات کے لوگوں کو نماز کے لئے صرف سمت قبلہ کا مکلف بنایا ہے۔ اور سمت قبلہ دائیں بائیں سے پینتالیس ڈگری کے اندر ہوتی ہے؛ لہذا بیل گام صوبہ کرناٹک کی جس مسجد سے متعلق سوال نامہ میں مسئلہ معلوم کیا گیا ہے، اس مسجد کے ذمہ داروں کو شریعت کی جانب سے اجازت ہے کہ ۱۲ رڈ گری پر قدیم مسجد کے مطابق صفوں کی درستگی کر لیں اور عین قبلہ کے مطابق ۹ رڈ گری پر رخ موڑنے کا شریعت نے ان کو مکلف نہیں بنایا ہے، ہاں البتہ شریعت میں دونوں طرح کی اجازت برابر درجہ کی ہے۔ اور آج سے تقریباً اسی نوے سال پہلے عنایت اللہ مشرقی نے ہندوستان کی تمام مسجدوں کے رخ کو غلط قرار دے کر عین قبلہ کے رخ کو لازم قرار دیا تھا، اس وقت کے تمام علمائے حق نے اس کے اس باطل عقیدہ اور باطل حرکت پر اس کے خلاف متفقہ طور پر فتاویٰ جاری کئے اور مضامین لکھے، جو اکابر کی کتابوں میں موجود ہیں۔ عربی عبارات لمبی ہونے کی وجہ سے عبارت کو چھوڑ کر ہم یہاں چند کتابوں کے حوالے نقل کر دیتے ہیں، تاکہ مراجعت میں آسانی ہو۔

۱/ ۱۱۸، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ، الباب الثالث فی شروط الصلوٰۃ، الفصل الثالث فی استقبال القبلة، زکریا قدیم ۱/ ۶۳، جدید ۱/ ۲۱، فتاویٰ تاتارخانیہ، قدیم ۱/ ۴۲۳، جدید زکریا ۲/ ۳۳، رقم: ۱۶۰۸، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثانی فی الفرائض والواجبات، البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، زکریا ۱/ ۴۹۵، کوئٹہ ۱/ ۲۸۴، شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، مبحث فی استقبال القبلة، کراچی ۱/ ۴۲۸-۴۳۰، زکریا ۲/ ۱۰۹-۱۱۱، مجمع الأنهر، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۲۵، قدیم ۱/ ۸۳، غنیۃ المستملی شرح کبیری، الشرط الرابع فی استقبال القبلة، مطبوعہ لاہور، أشرفی ۲۱۸، طحطاوی علی المراقی، باب شروط الصلوٰۃ، وأركانها، قدیم ۱۱۵، جدید دارالکتاب دیوبند ۲۱۲-۲۱۳، فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ التي تتقدمها، زکریا ۱/ ۲۷۵-۲۷۶، کوئٹہ ۱/ ۲۳۴-۲۳۵، فقہ السنۃ قاہرہ ۱/ ۱۶۷، معارف السنن، باب ماجاء أن ما بین المشرق والمغرب قبلۃ، أشرفی دیوبند ۳/ ۳۷۷)

اسی طرح حسب ذیل اردو فتاویٰ سے بھی یہ مسئلہ مستفاد ہے: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۲/ ۱۳۵، امداد المفتیین مطبوعہ کراچی ۲۱۳-۲۱۶، احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/ ۳۲۳، جواہر الفقہ، قدیم ۱/ ۲۵۳-۲۵۷، جدید، زکریا ۲/ ۳۵۵-۳۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۸/۲/۳ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۶۰)

مسجد کی دیوار قبلہ کعبہ کے رخ سے منحرف ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک بڑی مسجد ہے، وہ کعبہ کی جانب سے دائیں طرف ہٹ کر ہے، جب کہ آس پاس کی اور مساجد کے بھی خلاف ہے، قطب نما سے بھی دیکھا گیا تو کعبہ سے ہٹ کر

ہی معلوم ہوئی، تو کیا ہم لوگ نماز میں مسجد کی بناوٹ کے اعتبار سے کھڑے ہوں یا کعبہ کی جانب رخ کر کے کھڑے ہوں؟

المستفتی: محمد احسان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز کے لئے کھڑے ہونا چاہئے؛ البتہ اگر مسجد کا رخ کعبہ کی طرف ۴۵ ڈگری کے دائرہ کے اندر اندر ہے، تو مسجد کی بناوٹ کے اعتبار سے کھڑے ہونے سے بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر ۴۵ ڈگری کے دائرہ سے باہر ہی مسجد کا رخ ہے، تو اس مسجد کی بناوٹ کے اعتبار سے کھڑے ہو کر نماز صحیح نہ ہوگی؛ بلکہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا واجب ہے اور غلط رخ پر بنی ہوئی مسجد کا رخ صحیح کر لینا ضروری ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۳۰۶، جدید زکریا ۲/۴۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲۲۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۷۲)

قبلہ کے متعلق چند سوالات

سوال [۱۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد شیخ پاڑا (مغربی بنگال) کے حسب اختلاف دو قبلے ہو گئے ہیں، قبلہ قدیم کی جانب رخ کر کے تقریباً چالیس سال تک نماز پڑھی گئی ہے، جس کا رخ دیگر تمام مساجد کی طرح سیدھا مغرب کی جانب تھا، اب ادھر آٹھ سات سال سے ایک بدیسی جماعت تبلیغ کے مشورہ سے کمپاس (Compass) کے ذریعہ دیکھے جانے پر مذکورہ مسجد کا ایک دوسرا قبلہ وجود میں آیا، ثانی الذکر قبلہ جدید کا رخ باعتبار دوسری تمام مساجد کے جنوب مغرب کی جانب ہے اور اس مدت مدید میں کبھی کسی مفتی سے اس مسئلہ کی تحقیق نہیں کرائی گئی تھی، اب تحقیق کرانے پر

زبانی یہ جواب ملا ہے کہ قبلہ قدیم اپنی جگہ پر صحیح ہے، مگر قبلہ جدید کی جانب بھی رخ کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن تحریری جواب دینے سے انہوں نے انکار کیا اور اس کی خاص وجہ تحفظ عظمت و عصمت اور گروہ بندی سے حفاظت بھی ہو سکتی ہے، جس بنا پر شریعت کے مطابق صحیح اطمینان بخش جواب دینے سے قاصر رہے؛ لہذا مفتیان عظام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ مذکورہ ذیل مسائل کی گتھیاں سلجھا کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں

(۱) قبلہ قدیم قابل تردید ہے یا نہیں؟

(۲) قبلہ قدیم باطل نہ ہونے کی صورت میں آیا قبلہ جدید کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) قبلہ کا علم ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص نماز میں اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ اس کے جسم کا اکثر حصہ دھن کی جانب اور بقیہ کچھم کی جانب ہو، تو آیا اس کی نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟

(۴) اگر ایک مسجد میں دو قبلے ہوں، تو کیا وہاں پر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عطاء اللہ بن محمد الیاس، ساکن رام کرشن پور،

پوسٹ قاسم پور، تھانہ جے نگر، ضلع جنوبی ۲۴/۲۲ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) جس رخ کی طرف چالیس سال تک منہ کر کے نماز پڑھی گئی ہے، وہ نمازیں درست ہیں؛ کیوں کہ جس قدر انحراف سوال میں مذکور ہے، یہ ۴۵ ڈگری کے اندر اندر ہے اور اس قدر انحراف سے نماز ہو جاتی ہے۔ اور کمپاس کے ذریعہ جو صحیح رخ سامنے آیا ہے، اقرب الی الصواب ہونے کی وجہ سے اب یہی قابل عمل ہے، اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی چاہئے، اس کے باوجود بھی اگر کسی نے پہلے رخ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز بھی ہو جائے گی۔

(۳) ایسی صورت میں چونکہ انحراف ۴۵ ڈگری سے زیادہ ہے؛ اس لئے اس صورت میں نماز نہ ہوگی۔

(۴) کسی مسجد کے دو قبلے تو نہیں ہوتے؛ البتہ صحیح پیمائش نہ ہونے کی بنا پر رخ میں تھوڑا بہت فرق آجاتا ہے، آلات اور مقیاس، کیمپاس وغیرہ کے ذریعہ جو صحیح رخ سامنے آئے وہی قابل عمل ہے، اسی کی طرف منہ کر کے سب کو نماز پڑھنی چاہئے۔ (مستفاد: معارف القرآن، سورۃ البقرۃ: ۱۴۲، اشرفیہ دیوبند/۱-۳۵۹-۳۶۴، قبلہ نماز اول تا آخر، جواہر الفقہ قدیم/۱-۳۰۶، جدید زکریا/۲-۴۲۰، فتاویٰ دارالعلوم، زکریا/۴-۴۶)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ: ما بين المشرق والمغرب قبلة. (سنن الترمذي، الصلوة، باب ماجاء أن ما بين المشرق والمغرب قبلة، النسخة الهندية ۱/ ۷۹، دارالسلام، رقم: ۳۴۲)

ومن كان غائبا عنها، أي عن الكعبة، ففرضه إصابة جهتها، أي جهة الكعبة؛ لأن الطاعة بحسب الطاقة. (البناءية، الصلوة، باب شروط الصلاة، اشرفیہ ۲/ ۱۴۴، المحيط البرهاني، كتاب الصلوة، الفصل الثاني، المجلس العلمي ۲/ ۲۱، رقم: ۱۱۲۰)

فللمكي إصابة عينها، ولغيره إصابة جهتها، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتا للكعبة، أو لهوائها. (شامي، باب شروط الصلوة، مبحث في استقبال القبلة، کراچی ۱/ ۴۲۸، زکریا ۲/ ۱۰۸-۱۰۹، البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، کوئٹہ ۱/ ۲۸۴، زکریا ۱/ ۴۹۵، فتح القدير، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة التي تتقدمها، زکریا ۱/ ۲۷۵-۲۷۶، کوئٹہ ۱/ ۲۳۴-۲۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۸۸)

قبلہ اور وقت کا تعین نہ ہو تو نماز کا حکم

سوال [۱۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: جہاں قبلہ اور وقت کا تعین نہ ہو وہاں نماز کیسے ادا کی جائے؟ ٹرین اور ہوائی جہاز میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ اگرچہ قبلہ پشت کی جانب ہو؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: جہاں قبلہ معین نہ ہو سکے، وہاں تحرری کر کے جدھر غالب گمان ہو، ادھر متوجہ ہو کر نماز ادا کی جائے۔

فَإَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ. [البقرة، الآية: ۱۱۵]

عن عبد الله بن عامر بن ربيعة، عن أبيه، قال: أظلمت مرة، ونحن في سفر، فاشتبهت علينا القبلة، فصلى كل رجل منا حياله، فلما انجلت إذا بعضنا قد صلى لغير القبلة، وبعضنا قد صلى للقبلة، فذكرنا ذلك لرسول الله ﷺ، فقال: مضت صلاتكم، ونزلت: "فَإَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ".

(مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۴۶۲، رقم: ۱۲۴۱)

عن عبد الله بن عامر بن ربيعة، عن أبيه قال: كنا مع النبي ﷺ في سفر، في ليلة مظلمة، فلم ندر أين القبلة، فصلى كل رجل منا على حياله، فلما أصبحنا ذكرنا ذلك للنبي ﷺ، فنزل: "فَإَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ".

(سنن الترمذی، الصلوة، باب ماجاء في الرجل يصلي لغير القبلة في الغيم، النسخة الهندية ۱/ ۸۰، دارالسلام، رقم: ۳۴۵، سنن ابن ماجه، الصلوة، باب من يصلي لغير القبلة وهو لا يعلم، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، رقم: ۱۰۲۰، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۹/ ۲۶۸، رقم: ۳۸۱۲، المعجم الأوسط، دارالفکر ۱/ ۴۳، رقم: ۴۶۰، سنن الدارقطني، الصلوة، باب الاجتهاد في القبلة وجواز التحري في ذلك، دارالكتب العلمية ۱/ ۲۷۸، رقم: ۱۰۵۲)

ويتحري هو بذل الجهود لنيل المقصود عاجز عن معرفة القبلة، فإن ظهر خطؤه لم يعد. (درمختار مع الشامی، باب شروط الصلوة، مطلب كرامات الأولياء

ثابتہ، زکریا ۲/ ۱۱۵، کراچی ۱/ ۴۳۳، ہدایہ، کتاب الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ،
 أشرفیہ ۱/ ۹۷، شرح وقایہ، الصلوٰۃ، باب شروط الصلوٰۃ، أشرفی ۱/ ۱۳۷
 اور اگر وقت کی تعیین مشکل ہے، تو احتیاطاً اس طرح کرے کہ وقت کے آخر کا اندازہ لگا کر نماز
 ادا کرے۔ اور ٹرین اور ہوائی جہاز میں اگر دوران سر کا خطرہ نہ ہو تو کھڑے ہو کر پڑھنا لازم
 ہے۔ اور اپنا تجربہ ہے کہ عام طور پر دوران سر نہیں ہوتا، ہاں البتہ اڑتے ہوئے ہوائی جہاز
 میں اس وقت نماز پڑھ سکتے ہیں کہ جب وقت نکلنے کا خطرہ ہو۔

إن الصلوٰۃ في القطار السائرة كالصلوٰۃ في السفينة السائرة،
 والسفينة السائرة ليست كالدابة السارية. (وقوله:) وأما الطائرات، فيجب
 عليه التأخير فيها إلى آخر الوقت، فإذا خاف الفوات، فليصل كيف ما قدر.
 (معارف السنن، باب ماجاء في الصلوٰۃ، على الدابة، أشرفی دیوبند ۳/ ۳۹۴-۳۹۵)

ثم إن مشايخنا كانوا يعدون القطار كالسير المستقر على الأرض،
 فلا تجوز الصلوٰۃ فيه إلا قائماً، وقيل: إنه كالسفينة، فتجوز قائماً وقاعداً،
 وهو المختار عندي. (فيض الباري، الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ على الحصير، كوثنه ۲/ ۲۴،
 رقم: ۳۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ صفر ۱۴۲۵ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۳۹)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲/۲۳ ۱۴۲۵ھ

کیا مریض پر استقبال قبلہ لازم ہے؟

سوال [۱۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
 میں: ہمارے یہاں بجنور اسپتال میں جو مریض کی چارپائی پڑی ہیں وہ جنوب شمال ہے،
 مشرق و مغرب گنجائش نہیں ہے، مریض کا سر شمال ہے اور پیر جنوب میں ہیں، نماز کے لئے ہل

نہیں سکتا، کیا چت لیٹے اور دہنی کروٹ سے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ کیا شکل ہوگی؟ بعض مریض کا سر جنوب میں ہے اور پاؤں شمال کی طرف اور دائیں کروٹ اور چت لیٹنے کو منع کر دیا ہے، پھر نماز کیسے پڑھے اور ہاتھ اٹھا نہیں سکتے بوتلیں چل رہی ہیں۔ ازراہ کرم تفصیل سے ہمارے ان مریضوں کو تحریر کردہ شکلوں میں نماز پڑھنے کا طریقہ ارشاد فرمادیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: ڈاکٹر ناظم علی ایم بی بی ایس، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مریض کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر چت لیٹ کر سر کے نیچے اونچا تکیہ وغیرہ لگا کر سر کو اونچا کیا جاسکتا ہے، تو قبلہ کی طرف پیر کر کے اشارے سے نماز پڑھے گا۔ اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر قبلہ کی طرف چہرہ کر کے اشارے سے نماز پڑھے۔ اور اگر دائیں کروٹ پر لیٹنا دشوار ہے، تو جنوب کی طرف سر کر کے بائیں کروٹ پر ہی لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے۔

مریض صاحب فراش لایمکنہ أن یحول وجہہ، ولیس بحضرتہ أحد یوجہہ یجزیہ صلاتہ إلی حیث ما شاء، کذا فی الخلاصۃ، وکذا إذا کان یجد من یحولہ، ولكن یضربہ التحویل، ہکذا فی الظہیریۃ. (ہندیۃ، الباب الثالث، فی شروط الصلوۃ، الفصل الثالث فی استقبال القبلة، زکریا قدیم ۱/ ۶۳، جدید ۱/ ۱۲۱)

فلو کان وجہ المریض إلی غیر القبلة، ولم یقدر علی التحویل إلیہا بنفسہ، ولا بغيرہ یصلی کذلک؛ لأنه لیس فی وسعہ إلا ذلک، ولا إعادة علیہ بعد البرء. (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ المریض، زکریا ۲/ ۲۰۲، کوئٹہ ۲/ ۱۱۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ صفر ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۸۰)

اسپینچ پر سجدہ کرنے سے ادا ہوگا یا نہیں؟

سوال [۱۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسپینچ پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس پر سجدہ ہو جائے گا یا نہیں؟ کیوں کہ کسی مولانا صاحب سے مسئلہ معلوم کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس پر سجدہ صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس پر سر نہیں ٹکتا ہے اور وجہ الجبہ علی الارض نہیں پایا جا رہا ہے؛ اس لئے مفتی صاحب سے عاجزانہ درخواست ہے کہ حضرت اس کا جواب خوب مدلل کر کے دیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد امتیاز دینا چپوری، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اسپینچ اس قدر نرم ہے کہ اس پر سجدہ کرنے سے سر نہیں ٹکتا ہے، تو اس پر نماز درست نہیں ہوگی۔

وإنما يجوز إذا وجد صلابة الأرض، ولو صلى على القطن المحلوج
إن وجد صلابة الأرض أجزاءه، وإلا فلا، وكذا على الحشيش الموضوع
والتين. الخ (الجوهرة النيرة، مكتبه تھانوی ۱ / ۷۵، ومثله في جامع الرموز للقهستانی
قديم ۱ / ۱۰۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
کیم ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۶۹/۴۱)

نیت کا طریقہ

سوال [۱۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: نیت کرنے کی تفصیل تحریر کریں اور زبان سے نیت کس طرح کریں؟ کیا زبان سے نیت کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: غیاث الرحمن، ٹائڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نیت دل سے ارادہ کر لینے کو کہتے ہیں، اگر کسی کا دل مطمئن نہیں ہوتا ہے، تو اس کے لئے زبان سے نیت کر لینا بہتر ہے۔

والنية: هي الإرادة، والشرط: أن يعلم بقلبه، أي صلاة يصلي، أما الذكر باللسان فلا معتبر به، ويحسن ذلك لاجتماع عزمته. (هداية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفي ديوبند ۱/ ۹۶)

والنية: إرادة الدخول في الصلاة، والشرط: أن يعلم بقلبه، ومن عجز عن إحضار القلب يكفيه اللسان. (هندية، كتاب الصلوة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية، زكريا قديم ۱/ ۶۵، جديد ۱/ ۲۳، شرح النقاية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، إعزازه ديوبند ۱/ ۶۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴ھ/۷/۱۱

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱/رجب ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۳۰)

نیت کیا ہے؟

سوال [۱۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں نیت کی کیا اہمیت ہے؟ کیا نماز روزہ میں نیت حدیث و قرآن سے ثابت ہے یا بدعت ہے؟ زبانی نیت کے بارے میں خلاصہ سمجھائیں۔

المستفتی: مبین اصغر، چاندپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دل سے نیت کرنا واجب ہے، زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں۔

وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ . [البينة: ۵]

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى. (صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف بدء الوحي؟ النسخة الهندية ۱/ ۲، رقم: ۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ محرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۹۲/۳۳)

نیت دل کے ارادہ کا نام ہے؟

سوال [۱۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عید الفطر کی نیت بتاتے وقت امام صاحب نے پہلی بار بتائی تو عید الفطر دوسری بار میں منہ کعبہ شریف کی طرف، تیسری بار پیچھے امام کے کہنا چھوڑ دیا، اسی طرح سے مقتدیوں نے نیت باندھ لی، نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: اخلاق احمد سلیم پور گڑھی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نیت دل سے ارادہ اور قصد کرنے کو کہتے ہیں۔ اور نماز دل کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنا لازم نہیں؛ لہذا مذکورہ صورت میں سب کی نماز عید بلا کراہت درست ہوگی۔

وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ . [البينة: ۵]

لا يشترط مع نية القلب التلفظ في جميع العبادات. (الأشباه، الفن

الأول، القاعدة الثانية، قديم ۵ / ۱۸۸)

والنية: هي الإرادة، والشرط: أن يعلم بقلبه، أي صلاة يصلي، أما

الذكر باللسان فلا معتبر به. (هداية، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفي
ديوبند ۱ / ۹۶) فقط واللهم سبحانك وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/۱۲/۱۳۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۵۳)

کیا زبان سے نیت کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟

سوال [۱۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: نماز کے لئے زبان سے نیت کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے
ثابت ہے یا نہیں؟ اور زبان سے نیت کرنا ضروری ہے یا صرف دل سے نیت کر لینا کافی
ہے؟ حکم شرعی واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبداللطیف و عبدالملک نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: نماز میں دل سے نیت کر لینا کافی ہے، زبان سے نیت
کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔

والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة -إلى- وقيل: سنة يعني

أحبه السلف، أو سنة علماءنا إذ لم ينقل عن المصطفى ولا الصحابة ولا

التابعين، بل قيل: بدعة. (تحتة في الشامية): وقوله: إذ لم ينقل في الفتح

عن بعض الحفاظ لم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم من طريق صحيح، ولا

ضعيف أنه كان يقول عند الافتتاح أصلي كذا، ولا عن أحد من الصحابة

والتابعین زاد فی الحلیة، ولا عن أئمة الأربع، بل المنقول أنه صلى الله عليه وسلم كان إذا قام إلى الصلوة كبر. (الدرالمختار مع الشامی، باب شروط الصلوة، محبث فی النیة، زکریا ۲/۹۱، کراچی ۱/۱۵-۱۶، ۴، وهکذا فی شرح النقایة، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، إعزازه دیوبند ۱/۶۷)

والشرط: أن يعلم بقلبه، أي صلاة یصلي، أما الذکر باللسان فلا معتبر به، ویحسن ذلك لاجتماع عزیمته. (هدایة، کتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، أشرفی دیوبند ۱/۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۳/۱۱/۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۶۱)

امام کے لئے امامت کی نیت لازم نہیں

سوال [۱۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب نماز کی نیت کس طرح پڑھ کر کریں، اور امام کس کے پیچھے کہہ کر نیت باندھیں؟

المستفتی: حافظ ایوب، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام صرف اپنی نماز کی نیت سے نیت باندھے گا کسی کے پیچھے اور اقتدا وغیرہ کی نیت نہیں کرے گا۔ اور مقتدی کو اپنی نماز اور امام کی اقتدا دونوں کی نیت سے نیت باندھنا لازم ہے۔

ولا یصح الاقتداء بإمام إلا بنیة، وتصح الإمامة بدون نیتها. (الأشباہ والنظائر، قدیم ۱/۳۴، جدید زکریا ۷۲، شامی، باب شروط الصلوة، مطلب مضی علیہ سنوات، وهي یصلی الظهر قبل وقتها، زکریا ۲/۱۰۳، کراچی ۱/۴۲۴)

ولا يحتاج الإمام في صحة الاقتداء به إلى نية الإمامة، حتى لو شرع على نية الأفراد فافتدى به يجوز. (شرح منيه، كتاب الصلوة، الشرط السادس في النية، أشرفیہ دیوبند/ ۲۵۱)

والإمام ينوي ما ينوي المنفرد، ولا يحتاج إلى نية الإمامة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية، زكريا قديم ۱/ ۶۶، جديد ۱/ ۱۲۴، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۸)

والإمام ينوي صلاته فقط، ولا يشترط لصحة الاقتداء نية إمامة المتقدي. (شامي، كراچی ۱/ ۴۲۴، زكريا ۲/ ۱۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۱/۲۳)

امام کن الفاظ سے نیت کرے؟

سوال [۱۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ بات واضح فرمادیں کرم ہوگا کہ امام کو بوقت امامت کس طرح اور کن الفاظوں میں نیت کرنی چاہئے، بزبان عربی وارد، دونوں میں نیت تحریر فرمادیں، مہربانی ہوگی۔

المستفتی: عبداللہ امام مسجد محمدی عالم نگر، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام کی امامت کے صحیح ہونے کے لئے نہ کوئی دعا پڑھنا شرط ہے اور نہ ہی امامت کی نیت پڑھنا شرط ہے؛ بلکہ صرف اپنی نماز کی نیت کرنا کافی ہے۔

وتصح الإمامة بدون نيتها. (الأشباه والنظائر، قديم ۳۴، جديد زكريا ۷۲،

شامی، باب شروط الصلوٰۃ، مطلب مضیٰ علیہ سنوات، وھی یصلی الظہر قبل وقتہا، زکریا
۲/۱۰۳، کراچی ۱/۴۲۴)

ولا یتحتاج الإمام فی صحۃ الاقتداء بہ إلی نیۃ الإمامۃ، حتی لو شرع
علی نیۃ الأفراد فاقتدی بہ یجوز. (شرح منیہ، کتاب الصلوٰۃ، الشرط السادس فی
النیۃ، أشرفیہ دیوبند/ ۲۵۱)

والإمام ینوی ما ینوی المنفرد، ولا یتحتاج إلی نیۃ الإمامۃ. (ہندیۃ،
کتاب الصلاۃ، الباب الثالث فی شروط الصلاۃ، الفصل الرابع فی النیۃ، زکریا قدیم ۱/۶۶،
جدید ۱/۱۲۴، مجمع الأنہر، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ، دارالکتب العلمیۃ
بیروت ۱/۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۲۷

فرائض و سنن سے قبل نیت کرنے کا طریقہ

سوال [۱۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: (۱) نماز فرض کی نیت زبان کے ذریعہ کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (۲) اسی طریقہ سے
نماز سنت پڑھنے سے پہلے نیت کس طرح کریں؟ زبان سے کیا الفاظ کہنے چاہئے؟

المستفتی: ظہیر الدین دلپت پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) نیت کے صحیح ہونے کے لئے زبان سے نیت کے
الفاظ ادا کرنا لازم نہیں ہے، ادا کر لے گا تب بھی جائز ہے اور نہیں ادا کرے گا تو بھی نماز کی
صحت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، نیز فرائض و واجبات اور سنن و نوافل کی نیت کے کوئی خاص
الفاظ و آیات سے ثابت نہیں ہیں، ہاں البتہ فرائض و واجبات میں نفس نماز اور وقت کی تعیین

دل سے ضروری ہے، مثلاً فلاں وقت کی فرض یا واجب نماز کی دل سے تعیین ضروری ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔

وَمَا أَمْرًا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ. [البينة: ۵]

والشرط: أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي، ويكفيه مطلق النية للنفل، والسنة والترابيح، وللفرض شرط تعيينه كالعصر مثلاً. (كنز مع البحر، باب شروط الصلوة، زكريا ۱/ ۴۸۲، كوئثه ۱/ ۲۷۶، تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب شروط الصلوة، مطلب في حضور القلب والخشوع، كراچی ۱۷۱/ ۴، زكريا ديوبند ۲/ ۹۵، هدايه، باب شروط الصلوة، أشرفي ديوبند ۱/ ۹۷، حلبي كبير، كتاب الصلوة، الشرط السادس في النية، أشرفيه ديوبند/ ۲۵۵، مجمع الأنهر، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۲۸)

ومع اللفظ، أي والقصد مع التلفظ بما يدل عليه أفضل من بلا تلفظ؛ لأن اللسان ترجمة الجنان، وهذا بدعة حسنة استحسناها المشايخ للتقوية، أو لدفع الوسوسة، ولا عبرة بالنطق باللسان وحده. (شرح النقاية، الصلاة، باب شروط الصلاة، اعزازيه ديوبند/ ۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۶۰)

جمعہ کی سنن قبلیہ کی نیت کس طرح کریں؟

سوال [۱۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خطبہ کی چار رکعت سے قبل جو سنت پڑھی جاتی ہے وہ جمعہ کی سنت ہوتی ہے یا اور کس وقت کی اور اس میں نیت کس طرح کریں گے؟

المستفتی: غیاث الرحمن، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خطبہ کی اذان سے قبل جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں، وہ جمعہ کی سنتیں ہیں۔

عن عبد اللہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه کان یصلی قبل الجمعة أربعاء، وبعدها أربعاء. (المعجم الأوسط، دارالفکر ۳/ ۹۱، رقم: ۳۹۵۹)

عن ابن عباس قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یرکع قبل الجمعة أربعاء، لا یفصل فی شیء منهن. (سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی الصلاة، قبل الجمعة، النسخة الهندیة، ص: ۷۹، دارالسلام، رقم: ۱۱۲۹)

قبل الظهر والجمعة وبعدها أربع. (کنز الدقائق، ص: ۳۴)
اور نیت صرف سنت کی کر لی جائے۔

ثم إن كانت الصلاة نفلًا يكفيه مطلق النية، وكذا إذا كانت سنة في الصحيح. (هدایہ، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، أشرفی ۱/ ۹۷)

المصلي إذا كان متنفلاً سواء كان ذلك النفل سنة مؤكدة أو غيرها يكفيه مطلق نية الصلاة. (حلبی كیبری، كتاب الصلوة، الشرط السادس في النية، أشرفیہ ۱/ ۲۴۷)

وفي سائر السنن يكفيه مطلق النية، وبه أخذ عامة المشايخ. (المحیط البرهانی، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ۲/ ۲۴، رقم: ۱۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴ھ/۷/۱۱

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱ رجب ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۳۰)

جمعہ کی سنن قبلیہ و بعدیہ کی نیت کا طریقہ

سوال [۱۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) جمعہ کے فرضوں سے پہلے ۴ رکعت نماز سنت اور فرضوں کے بعد ۴ رکعت نماز سنت کی نیت اگر زبان سے کہنا چاہیں گے تو ۴ رکعت نماز سنت قبل الجمعہ اور بعد والی سنت کی نیت میں ۴ رکعت نماز سنت بعد الجمعہ کہیں گے یا پھر کس طرح کہنا چاہئے؟

(۲) ظہر کے فرضوں سے پہلے والی چار رکعت نماز سنت اور بعد والی ۲ رکعت نماز سنت میں قبل ظہر اور بعد ظہر کہیں گے یا پھر کس طرح کہنا چاہئے؟

المستفتی: سلیم احمد انصاری، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱-۲) صرف فرض نمازوں کے لئے ظہر وعصر وغیرہ کی تعیین کرنا ضروری ہے، سنن ونوافل مطلق نیت سے بھی ادا ہو جاتی ہیں؛ لہذا قبل الظہر اور بعد الظہر یا قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی زبان سے قید لگانا ضروری نہیں ہے، صرف سنتوں اور نفلوں کی دل سے نیت کر لی جائے تو سنن ونوافل صحیح ہو جائیں گی۔

وأما النافلة، والسنة الراتبه، فقدمنا أنها تصح بمطلق النية وبنية

مباينة. (الأشباه، القاعدة الثانية، مطبوعه ديوبند، ص: ۷۰)

قال - رحمه الله -: ويكفيه مطلق النية للنفل، والسنة، والتراويح، هو

الصحيح. (تبيين الحقائق، باب شروط الصلاة، إمداديه ملتان ۱ / ۹۹، زكريا ۱ / ۲۶۲)

يكفيه مطلق النية إن كانت الصلاة سنة؛ لأن السنة نفل أيضا. (البنية،

كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، أشرفي ديوبند ۲ / ۱۴۰)

ويكفي مطلق النية للنفل، والسنة، والتراويح في الصحيح. (ملتقى

الأبحر مع مجمع الأنهر، باب شروط الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱ / ۱۲۸، مصري

قديم ۱ / ۸۵) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۴ھ / ۷ / ۷

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷ / رجب ۱۴۱۴ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۱ / ۳۵۱۹)

کیا سنتوں کی نیت میں سنت رسول اللہ کہنا ضروری ہے؟

سوال [۱۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگ نماز کی سنتوں کے اندر اس طرح نیت کرتے ہیں کہ ”نیت کی میں نے مثلاً فجر کی دو رکعت سنت رسول اللہ کی واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر“ تو اس میں دریافت یہ کرنا ہے کہ سنت رسول اللہ کا جملہ کہیں سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد افتخار پورکر بھنڈا پوریا، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز میں خواہ وہ فرض ہو یا سنت یا نفل دل سے نیت کرنا کافی ہے، زبان سے اس کی تعیین کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، اسی طرح سنت رسول اللہ کہنا بھی ثابت نہیں؛ لیکن پھر بھی اگر زبان سے کہنا چاہے تو صرف اتنا کافی ہے کہ میں ظہر کی سنت یا فجر کی سنت پڑھتا ہوں، اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲/۱۳)

و كفى مطلق نية الصلاة، وإن لم يقل لله تعالى نفل وسنة راتبة.

(درمختار مع الشامی، باب شروط الصلوة، مبحث في النية، کراچی ۱/ ۴۱۵-۴۱۶، زکریا ۲/ ۹۴)

وفي سائر السنن يكفيه مطلق النية، وبه أخذ عامة المشايخ رحمهم الله.

(الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی فرائض الصلوة، وواجباتها، زکریا ۲/ ۳۹، رقم: ۱۶۳۴، المحيط البرہانی، کتاب الصلوة، الفصل الثانی فی الفرائض،

المجلس العلمی ۲/ ۲۴، رقم: ۱۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۵/۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۳۵)

۵/ باب صفة الصلوة

بحالت قیام پیروں کی انگلیوں کا رخ

سوال [۱۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قیام کی حالت میں پیروں کی انگلیوں کا رخ کس طرف ہونا چاہئے؟

المستفتی: محمد قاسم گانوڑی پوسٹ بڑھاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت قیام میں دونوں پاؤں کو سیدھا رکھنا اس طرح کہ انگلیاں قبلہ رخ رہیں مسنون ہے۔ اور اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔

يستقبل بأطراف رجلية القبلة قاله أبو حميد عن النبي صلى الله عليه

وسلم. (بخاري تحت ترجمة الباب ۱/۱۱۲)

ومنها: أي من سنن الصلوة توجيه أصابع رجلية إلى القبلة. (شامي،

باب صفة الصلوة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، کراچی ۱/۵۰۴، زکریا ۲/۲۱۱)

ويكره أن يحرف أصابع يديه أو رجلية عن القبلة في السجود وغيره.

(هندية، الباب السابع فيما يفسد الصلوة، وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة

ومالا يكره، زکریا قدیم ۱/۱۰۸، جدید ۱/۱۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/۴/۱۴۲۱ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۶۲۰۳/۳۴)

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: بعض بعض آدمی نماز میں تکبیر تحریمہ کہتے وقت وسطیٰ انگلی کانوں تک اٹھاتے ہیں، مگر حدیث میں شہادت کی انگلی اٹھانا سنت ہے، تو جو وسطیٰ انگلی اٹھاتے ہیں وہ سنت کے خلاف کرتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھوں کا اٹھانا اس طرح سنت ہے کہ انگوٹھا کانوں کی لوکے محاذ میں ہو اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر کے حصے کے مقابل ہوں، اس وقت نہ صرف شہادت کی انگلی کا اٹھانا ہے اور نہ وسطیٰ کا؛ بلکہ دونوں ہاتھ مذکورہ طریقہ پر اٹھائے جائیں۔

عن وائل بن حجر قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلاة رفع يديه حيال أذنيه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب وضع يده اليمنى على اليسرى، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۵، دار السلام، رقم: ۴۰۱، سنن نسائي، الصلاة، باب رفع اليدين حيال الأذنين، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۱، دار السلام، رقم: ۸۸۰)

إذا أراد الدخول في الصلوة كبر، ورفع يديه حذاء أذنيه، حتى يحاذي يابهاميه شحمتي أذنيه، وبرؤوس الأصابع فروع أذنيه. (هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ۱/ ۷۳، جديد ۱/ ۱۳۰، بدائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، زكريا ۱/ ۴۶۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۰/۳/۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴/ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۵۵)

تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟

سوال [۱۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تکبیر تحریمہ کے وقت لوگ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر نیت باندھ لیتے ہیں؛ لیکن ایک

صاحب نیت باندھتے وقت جب ہاتھ اٹھاتے ہیں تو چوہڑ کی سیدھ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، کبھی ناک تک کبھی منہ کے باہر جس طرح طواف ہوتا ہے، میں نے ان صاحب سے کہا کہ ہاتھ کان کے سیدھ میں اٹھانا چاہئے، ان کا کہنا ہے کہ کانوں کی اونچائی تک ہاتھ اٹھانا شرط ہے، کانوں کی سیدھ شرط نہیں؛ اس لئے ہاتھ اٹھاتے وقت اختیار ہے کہ چاہے ناک کی سیدھ میں ہاتھ کرے یا منہ کے باہر اونچائی کی کانوں کی لو تک ہونا چاہئے، کیا یہ اختیار ہے؟ شریعت کے بموجب کہ ہاتھ کی سیدھ ناک پر ہو چوہڑ پر ہو یا منہ کے باہر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریر کے وقت ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھانا مسنون ہے، بقیہ شکلیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسنون نہیں ہیں۔

عن مالک بن الحویرث، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما أذنيه. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب رفع اليدين، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۸، بيت الأفكار، رقم: ۳۹۱، مسند دارمي، دارالمغني ۲/ ۷۹۵، رقم: ۱۲۸۶، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب افتتاح الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دارالسلام، رقم: ۷۴۵، سنن نسائي، الصلاة، باب رفع اليدين حذو فروع الأذنين، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۰، دارالسلام، رقم: ۱۰۵۶، المعجم الأوسط، قديم ۳/ ۲۴۲، دارالفكر، جديد رقم: ۲/ ۲۰۷، رقم: ۳۰۳۹، المعجم الكبير ۱۹/ ۲۸۴، رقم: ۶۲۵)

رفع يديه حتى يحاذي يابهاميه شحمة أذنيه. (هداية، كتاب الصلاة، باب

صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ۱/ ۱۰۰)

ورفع يديه (إلى قوله:) ماسا يابهاميه شحمتي أذنيه. (الدرالمختار

کراچی ۱/ ۴۸۲، زکریا ۲/ ۱۸۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۸۸)

کیا کان کی لو کو چھونا ضروری ہے؟

سوال [۱۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں ہاتھ کس طرح اور کہاں باندھنا چاہئے؟ نماز کے لئے ہاتھ کانوں تک اٹھانا چاہئے یا کانوں کی لو سے لگا کر باندھنا ضروری ہے؟

المستفتی: قاری محمد فیض خان مفتاحی، دہلوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مردوں کے لئے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو بوقت تکبیر تحریرہ کانوں کی لو کے برابر اٹھانا مسنون ہے، لو سے لگا دینا لازم نہیں ہے۔

عن وائل بن حجر قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلاة رفع يديه حيال أذنيه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب رفع اليدين في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۵، دار السلام، رقم: ۷۲۸، صحيح مسلم، الصلاة، باب وضع يديه اليمنى على اليسرى، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۳، بيت الأفكار، رقم: ۴۰۱، سنن نسائي، الصلاة، باب رفع اليدين حيال الأذنين، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۱، دار السلام، رقم: ۸۸۰)

عن مالك بن الحويرث، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذي بهما أذنيه. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب رفع اليدين، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۸، بيت الأفكار، رقم: ۳۹۱، مسند دارمي، دار المغني ۲/ ۷۹۵، رقم: ۱۲۸۶، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب افتتاح الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دار السلام، رقم: ۷۴۵، سنن نسائي، الصلاة، باب رفع اليدين حذو فروع الأذنين، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۷، رقم: ۱۲۰، دار السلام، رقم: ۱۰۵۶، المعجم الأوسط، قديم ۳/ ۲۴۲، دار الفكر رقم: ۲۰۷، رقم: ۳۰۳۹، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۱۹/ ۲۸۴، رقم: ۶۲۵)

عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع إبهاميه في الصلاة إلى شحمة أذنيه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب

افتتاح الصلاة، النسخة الهندية ۱ / ۱۰۸، دارالسلام، رقم: ۷۳۷، المعجم الكبير للطبراني،
 داراحياء التراث العربي ۲۲ / ۳۲، رقم: ۷۲، مسند أحمد بن حنبل ۴ / ۳۱۶، رقم: ۱۹۰۵۴)
 رفع يديه حتى يحاذي يابهاميه شحمة أذنيه. (هداية، كتاب الصلاة، باب
 صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ۱ / ۱۰۰) فقط واللهم سبحانك وتعالى اعلم

کتابہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۲ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۳۱۱۵ / ۲۸)

الجواب صحیح:
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
 ۲۴ / ۱۴۱۳ھ

تکبیر تحریمہ سے قبل تسمیہ پڑھنا

سوال [۱۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
 میں: جس طرح نماز کی نیت باندھ کر ثناء سے پہلے تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں، کیا نیت باندھنے
 سے پہلے تسمیہ پڑھ کر نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھنا ثابت ہے؟ ہمارے علاقہ میں
 عام طور پر لوگ بسم اللہ پڑھ کر نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، کیا اس موقع پر بسم اللہ پڑھنا
 ثابت ہے؟

المستفتی: عبدالرشید، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بسم اللہ پڑھنا ثابت نہیں؛ بلکہ اس کا وقت اور ثبوت
 ”الحمد“ شریف شروع کرتے وقت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، ڈابھیل ۵ / ۵۸۸)

وروی ابن ابي رجاء عن محمد أنه يأتي بالتسمية عند افتتاح كل
 ركعة، وعند افتتاح السورة أيضا. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث
 في ما يفعله بعد الشروع في الصلاة؟ المجلس العلمي ۲ / ۱۱۴، رقم: ۱۳۴۷، الفتاوى
 التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث، باب كيفية الصلاة، زكريا ۲ / ۱۶۶، رقم: ۲۰۳۵)
 وفي ذكر تسمية بعد التعوذ إشارة إلى محلها فلو سمي قبل التعوذ

أعاده بعده لعدم وقوعها في محلها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۵۴۵، كوئته ۳۱۲/۱)

وذكر في المحيط: المختار قول محمد، وهي يسمى قبل الفاتحة، وقبل كل سورة في كل ركعة. (شامي، باب صفة الصلاة، مطلب في بيان المتواتر بالشاذ، زكريا ۲/ ۱۹۲، كراچی ۱/ ۴۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۸ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۶۲/۳۹)

صرف لفظ ”اللہ“ سے تکبیر تحریمہ

سوال [۱۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر تکبیر تحریمہ میں صرف لفظ ”اللہ“ کہے تو اس سے تکبیر تحریمہ درست ہو جائے گی یا نہیں؟
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر تحریمہ میں صرف لفظ ”اللہ“ کہنے سے بھی نماز درست ہو جائے گی۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى. [الأعلى: ۱۵]

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي. [طه: ۱۴]

یصیر شارعا بقوله: اللہ. (تاتارخانیة، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات، زكريا ۲/ ۵۱، برقم: ۱۶۹۹)

عن الشعبي: قال: بأي أسماء الله افتتحت الصلاة أجزاء. (مصنف

ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ۴۲۰، رقم: ۳۴۷۹)

إن الشروع يصح بالله بدون أكبر. (البحر الرائق، باب صفة الصلاة، كوئته

۲۹۲/۱، زكريا ۱/ ۵۰۸)

تجاوز التحريمه بجميع الأسماء الحسنی. (تاتارخانیہ، کتاب الصلاة،

الفصل الثاني في الفرائض والواجبات، زكريا ۲ / ۵۱، رقم: ۱۶۹۷)

ولو ذكر الاسم دون الصفة بأن قال: الله، أو الرحمن، ولم يزد عليه

يصير شارعا عند أبي حنيفة. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،

إمداديه، ملتان ۱ / ۱۱۰، زكريا، ۱ / كذا في مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صفة

الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱ / ۱۳۹، المحيط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل

الثاني في الفرائض..... فصل في تكبير الافتتاح، المجلس العلمي ۲ / ۳۳، رقم: ۱۱۶۳،

كوثنه ۱ / ۳۳۵، بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في شرائط الأركان، صفة الذكر الذي

يصير به شارعا، زكريا ۱ / ۳۳۶، كراچی ۱ / ۱۳۱، تاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثاني

في الفرائض والواجبات، جديد زكريا ۲ / ۵۱، برقم: ۱۷۰۲، هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة،

الفصل الأول في فرائض الصلاة، زكريا قديم ۱ / ۶۸، جديد ۱ / ۱۲۵، عناية مع الفتح،

کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كوثنه ۱ / ۲۴۷، زكريا ۱ / ۲۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

تکبیر تحریمہ میں لفظ ”اکبر“ کو بہت آہستہ سے کہنا

سوال [۱۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: امام صاحب لفظ ”اللہ“ تو زور سے کہتے ہیں؛ لیکن ”اکبر“ کو اتنا آہستہ سے کہتے ہیں کہ

پہلی صف کے لوگ بھی نہیں سن پاتے، تو ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیرات کا آواز بلند کہنا سنت ہے؛ لہذا امام صاحب کا

لفظ ”اللہ“ کو زور سے اور لفظ ”اکبر“ کو اتنا آہستہ سے کہنا کہ صف اول کے مقتدی بھی سن نہ سکیں خلاف سنت عمل ہے، جو واجب الترتیب ہے۔

أما سنن الصلاة فمن جملتها جهر الإمام بالتكبير إعلاما للناس بالشروع.

(تاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی، سنن الصلاة، زکریا ۲/۱۳۳، برقم: ۹۵۵)

يجهر الإمام بتكبيره الركوع وغيره، وهو ظاهر الرواية. (هندية، الباب

الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زکریا قديم ۱/۷۴، جديد ۱/۱۳۱)

وسننها جهر الإمام بالتكبير لحاجته إلى الإعلام بالدخول. (مجمع

الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۳۴، مصري قديم

۱/۹۰، مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۹۵، حاشية الطحطاوي،

كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها دارالكتاب، ديوبند ۲۶۲)

وسننها: جهر الإمام بالتكبير بقدر حاجته للإعلام بالدخول.

(شامي، باب صفة الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، زکریا ۲/۱۷۱، کراچی ۱/۴۷۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

امام کا تکبیر میں ”اللہ“ کہنا

سوال [۱۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: امام صاحب تکبیرات میں ہمیشہ ”اللہ اکبر“ کبھی ”اللہ اکبر“ کبھی ”اللہ اکبر“

پڑھتے ہیں، ایک صاحب کا کہنا ہے، اس طرح کہنے سے کیا اللہ بڑا ہے کا مطلب نکلتا ہے،

امام صاحب کا فرمانا ہے کہ گلے میں کچھ تکلیف ہے، اس طرح تکبیرات کی ادائے گی سے نماز

میں کچھ خرابی تو نہیں ہوتی؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اللہ اکبر کی جگہ ”آلہ اکبر“ کہنے سے، اسی طرح ”اللہ اکبر“ کہنے سے معنی بدل جاتے ہیں؛ لیکن امام صاحب جب یہ کہہ رہے ہیں کہ میں ”اللہ اکبر“ ہی کہتا ہوں؛ لیکن گلے میں تکلیف کی وجہ سے اسی طرح کا تلفظ سنائی دیتا ہے، تو ایسی صورت میں امام صاحب کے کہنے کے مطابق ایک ہی الف مانا جائے گا۔ اور معنی اپنی جگہ صحیح شمار کئے جائیں گے، اگر امام صاحب کا یہ عذر ہر مقتدی کو معلوم نہ ہو اور مقتدیوں کو اس میں تردد بھی ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں ایسے امام کو امامت کا فریضہ انجام نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ رضا کارانہ طور پر امامت کی ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کر لینی چاہئے۔

وإمامة الأئمة لغيره تجوز وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمادها صاحب الحلية، قال: لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الأئمة، زكريا ۲/۳۲۷، کراچی ۱/۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۸۸)

تکبیر تحریمہ میں لفظ ”اللہ“ کے بعد لفظ ”اکبر“ کو چھوڑ دینا

سوال [۱۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص تکبیرات انتقالیہ میں صرف لفظ ”اللہ“ کہتا ہے اور ”اکبر“ چھوڑ دیتا ہے، اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو امام تکبیرات انتقالیہ میں صرف لفظ ”اللہ“ کہتا ہے اور ”اکبر“ چھوڑ دیتا ہے، اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

عن عمران، عن عبد الله بن عبد الرحمن بن أبزي، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ كان لا يتم التكبير، وفي حديث عمرو عن ابن عبد الرحمن بن أبزي، عن أبيه أنه صلى مع النبي ﷺ، وكان لا يتم التكبير، فقد يكون كبر ولم يسمع، وقد يكون ترك مرة ليين الجواز. (سنن كبرى، كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع وغيره، قديم ۲/ ۶۸، دارالفكر جديد ۲/ ۳۸۰، رقم: ۲۵۵۷)

حدثنا أبو داؤد عن شعبة عن الحسن بن عمران، أن عمر بن عبد العزيز كان لا يتم التكبير، حدثنا يحيى بن سعيد، عن عبيد الله بن عمر، قال: صليت خلف القاسم وسالم كانا لا يتمان التكبير. (عمدة القاري، كتاب الصلاة، باب إتمام التكبير في الركوع، زكريا ۴/ ۵۱۱، داراحياء التراث العربي بيروت ۶/ ۵۸) كان ابن عمر ينقص التكبير في الصلاة. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۲/ ۴۳۱، رقم: ۲۵۱۹) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵ھ/۱۲۹

(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

تکبیرات انتقالیہ کا مسنون طریقہ

سوال [۱۸۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں تکبیرات انتقالیہ کے بارے میں شریعت مطہرہ کیا وضاحت کرتی ہے؟ آپ فتویٰ کی روشنی میں کسی فقہی کتاب کا حوالہ دے کر تحریر فرمادیں، نہایت کرم ہوگا۔

المستفتی: خورشید انور، مدرسہ تعلیم القرآن، مسجد بادل خان

قصبہ حسن پور، ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: تکبیرات انتقالیہ میں مسنون طریقہ یہی ہے کہ انتقال

کے ساتھ ساتھ تکبیر شروع کرے اور انتہا پر تکبیر ختم کرے۔ اور اگر انتقال کے بعد تکبیر شروع کرے تو مکروہ ہے۔

بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخور و انتهاء ۵ عند انتهاء ۵.
(شامی، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة، کراچی ۱/ ۴۹۷،
زکریا ۲/ ۲۰۲، شرح کبیری، صفة الصلاة، أشرفیہ دیوبند ۳۱۴)

فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخور و الفراغ عند الاستواء
للركوع؛ لأن هذا تكبيرة الانتقال. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل
الثالث في ما يفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۲/ ۱۱۴، رقم: ۱۳۴۸)
وفيه فمخالفة ذلك مخالفة السنة، فيكره. (كبيری، اشرفیہ دیوبند
۳۴۵) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ الم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶۶۸/۲۷)

تکبیرات انتقالیہ کہنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
میں: ایک صاحب انتقال رکن کے بعد تکبیر کہتے ہیں، جہاں ثنا پڑھنی ہے وہاں اللہ اکبر کہتے
ہیں، جہاں تسبیح پڑھنی ہے وہاں اکبر کہتے ہیں، درست و افضل کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر کہنے کا وقت ایک رکن سے دوسرے رکن کے
درمیان کا ہے؛ لہذا دونوں رکنوں کے درمیان تکبیر کا اس طرح ہونا بہتر اور افضل ہے کہ پہلے
رکن سے تکبیر کی ابتداء ہو اور دوسرے رکن تک تکبیر ختم ہو جائے۔ اور اگر اس کے خلاف

ہو جائے، جیسا کہ سوال نامہ میں لکھا ہوا ہے، تو تکبیر درست تو ہو جاتی ہے، مگر افضلیت کے خلاف ہے، ہاں البتہ اگر کوئی امام کسی بھی عذر کی وجہ سے اسی طریقہ پر تکبیر کہتا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں لکھا ہوا ہے، تو خلاف افضلیت بھی نہیں ہے۔

عن الزهري قال: أخبرني أبو بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام، وأبو سلمة بن عبد الرحمن، أن أبا هريرة كان يكبر في كل صلاة من المكتوبة وغيرها في رمضان وغيره، فيكبر حين يقوم، ثم يكبر حين يركع، ثم يقول: سمع الله لمن حمده، ثم يقول: ربنا ولك الحمد قبل أن يسجد، ثم يقول: الله أكبر حين يهوي ساجداً، ثم يكبر حين يرفع رأسه من السجود، ثم يكبر حين يسجد، ثم يكبر حين يرفع رأسه من السجود، ثم يكبر حين يقوم من الجلوس في الإثنين، ويفعل ذلك في كل ركعة، حتى يفرغ من الصلاة. (صحيح البخاري، الصلاة، باب يهوي بالتكبير حين يسجد، النسخة الهندية / ۱، ۱۱۰، رقم: ۷۹۵، ف: ۸۰۳، صحيح مسلم، الصلاة، باب إثبات التكبير في كل خفض، النسخة الهندية / ۱، ۶۹، بيت الأفكار، رقم: ۳۹۳)

أفاد أن السنة كون ابتداء التكبير عن الخور، وانتهائه عند استواء الظهر، وقيل: إنه يكبر قائماً، والأول هو الصحيح. (شامي، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة، زكريا ۲ / ۱۹۶، كراچی ۱ / ۴۹۳)

يسن التكبير عند الخور وابتداءه عند أول الخور، وفراغه عند الاستواء. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱ / ۵۵۰، كوئٹہ ۱ / ۳۱۵، ہندیہ، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ۱ / ۷۵، جديد ۱ / ۱۳۱، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث كيفية الصلاة ۲ / ۱۶۸، رقم: ۲۰۳۷)

فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخور، والفراغ عند الاستواء للركوع؛

لأن هذا تكبيرة الانتقال. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في مايفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۲/ ۱۱۴، رقم: ۱۳۴۸) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷/۵/۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۹)

تکبیر انتقالیہ کو زیادہ کھینچنا

سوال [۱۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اما صاحب اتنی لمی تکبیر تحریر کہتے ہیں جو ہاتھ باندھنے کے بعد مکمل ہوتی ہے اور رکوع میں جانے کے بعد تکبیر کہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، لائن آزادنگر، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہاتھ باندھنے پر جو تکبیر مکمل ہوتی ہے، وہ اتنی لمی نہیں ہوتی ہے، ایک ڈیڑھ الف کے بقدر اللہ کلام کھینچ کر تکبیر کہی جاسکتی ہے، اس کی گنجائش ہے۔

و کبر بلا مد وحاصله: الإمساک عن إشباع الحركة

و التعمق فیہا، والإضراب عن الهمزة المفرطة والمد الفاحش.

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۱/ ۵۴۸، کوئٹہ ۱/ ۳۱۴، ہدایہ

مع فتح القدير، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۱/ ۳۰۲، کوئٹہ ۱/ ۲۵۸، تبیین

الحقائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ إمدادیہ، ملتان ۱/ ۱۱۴، زکریا ۱/ ۲۹۷)

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۸۶)

الفاظ تکبیر کو کھینچنا

سوال [۱۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب تکبیرات اتنی لمبی کر دیتے ہیں کہ ان کے مقتدی اکثر ان سے پہلے تکبیر مکمل اور انتقال رکن کر جاتے ہیں، اس بارے میں افضل کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسنون و افضل یہی ہے کہ تکبیر کو حسب ضرورت کھینچا جائے اور ضرورت سے زیادہ نہ کھینچا جائے اور تکبیرات انتقالیہ میں تکبیر کہتے ہوئے جس رکن کی طرف منتقل ہوتے ہیں، اس رکن پر پہنچتے ہی تکبیر ختم کر دینی چاہئے۔

و کبر بلا مد وحاصله: الإمساك عن إشباع الحركة والتعمق فيها، والإضراب عن الهمزة المفرطة والمد الفاحش. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۱/ ۵۴۸، کوئٹہ ۱/ ۳۱۴، ہدایہ مع فتح القدير، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۱/ ۳۰۲، کوئٹہ ۱/ ۲۵۸)

فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ عند الاستواء للركوع؛ لأن هذا تكبيرة الانتقال. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في ما يفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۲/ ۱۱۴، رقم: ۱۳۴۸، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زکریا ۲/ ۱۶۸، رقم:

۲۰۳۷ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۷/۵/۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۹۷)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ

۱۴۲۷/۵/۴ھ

کیا حضور ﷺ سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ثابت ہے؟

سوال [۱۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے؟

المستفتی: مطلوب احمد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ناف کے اوپر اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق بھی احادیث میں وارد ہے۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق بھی بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں، ہم نے ”غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات“ میں سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے سے متعلق ۳ روایت نقل کی ہیں۔ اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق ۶ روایات نقل کی ہیں، ناظرین براہ راست ان روایات کو دیکھ لیں، صفحہ: ۶۸ سے صفحہ: ۳۷ تک یہ روایات درج ہیں۔ اور ہمارے سامنے سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے سے متعلق روایات کے مقابلہ میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے۔ اور سند کے اعتبار سے متصل السند، مرفوع اور عالی سند کے ساتھ مروی ہے۔ حدیث شریف مع سند کے ملاحظہ فرمائیے:

حدثننا و کعب، عن موسیٰ بن عمیر، عن علقمة بن وائل بن حجر، عن ابيہ، قال: رأيت النبي صلي الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة، رجاله كلهم ثقات. (المصنف لابن أبي شيبة، قديم ۱/ ۳۹۰، مؤسسة علوم القرآن جديد ۳/ ۳۲۰، رقم: ۳۹۵۹)

اور اس کے مقابلہ میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی جتنی بھی روایات ہیں، ان میں سے کوئی بھی روایت ایسی نہیں ہے، جس پر کچھ نہ کچھ کلام نہ کیا گیا ہو؛ لیکن یہ ایک امر مستحب ہے؛ اس

لئے ناف کے اوپر یا سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے والوں پر حنفیہ کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا ہے، نیز زیر ناف ہاتھ باندھنے میں زیادہ تعظیم بھی ہے اور عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی نہیں ہے، حالانکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صورت میں عورتوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے؛ اس لئے حنفیہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ صفر ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۹۱/۳۹)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۶/۲/۱۴۳۲ھ

زیر ناف ہاتھ باندھنے کا تحقیقی جائزہ

نماز کے اندر سینہ پر ہاتھ باندھا جائے یا ناف کے نیچے؟ تو اس بارے میں ائمہ اہل حق کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے، کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل اور مستحب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ناف کے اوپر سینہ کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ناف کے نیچے اور اوپر دونوں میں اختیار ہے؛ لیکن حضرت وائل بن حجرؒ کی صحیح مرفوع متصل روایت کی وجہ سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا زیادہ راجح ہے، مگر غیر مقلدین نے اس کو حق و باطل کا مسئلہ بنا لیا ہے، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں؛ اس لئے صحیح بات کو واضح کرنے کے لئے یہ تحریر لکھنے کی ضرورت پڑی، اب اس سلسلے میں احادیث شریفہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے ہم نے پورے ذخیرہ حدیث کا اس سلسلہ میں مطالعہ کر کے دیکھا تو روایات دونوں طرف موجود ہیں، سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات بھی کتب حدیث میں موجود ہیں، مگر وہ تمام روایات متکلم فیہ ہیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق بھی کتب حدیث میں کافی روایات موجود ہیں، متعدد صحابہ کرام سے مرفوع اور غیر مرفوع روایات موجود ہیں؛ لیکن غیر

مقلدین یاد رکھیں کہ حنفیہ صرف حضرت علیؑ کے قول سے استدلال نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ قول علیؑ کے علاوہ تحت السرة ہاتھ باندھنے کے متعلق متعدد صحابہؓ سے روایات مروی ہیں، اور ان میں صحیح، مرفوع، متصل حدیث سند عالی کے ساتھ بھی موجود ہیں، جو آگے ”مصنف ابن ابی شیبہ“ کے حوالہ سے ہم آپ کی خدمت میں پیش کریں گے؛ لہذا ہم آپ کے سامنے اولاً دونوں قسم کی روایات پیش کرتے ہیں، اس کے بعد اصل مسئلہ کیا ہے؟ اس کو پیش کریں گے۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات

سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق تین روایات ہم کو ملی ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجر کی روایت:

أخبرنا أبو سعيد أحمد بن محمد الصوفي، أنبأنا أبو أحمد بن عدي الحافظ، حدثنا ابن صاعد، حدثنا إبراهيم بن سعيد، حدثنا محمد بن حجر الحضرمي، حدثنا سعيد ابن عبد الجبار ابن وائل عن أبيه عن أمه عن وائل بن حجر قال: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أوحين نهض إلى المسجد، فدخل المحراب، ثم رفع يديه بالتكبير، ثم وضع يمينه على يسراه على صدره. ورواه أيضا مؤمل بن اسماعيل عن الثوري عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله، ثم وضعهما على صدره. (السنن الكبرى للبيهقي دار الفكر بيروت ۲/ ۳۱۷، حديث: ۲۳۸۳، دارالمعرفة ۲/ ۳۰، نصب الرأية ۱/ ۳۱۵، تحفة الأحوذی ۲/ ۷۹، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۲۷۲، رقم: ۴۷۹)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ مسجد کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، تو آپ محراب میں داخل ہوئے، اور تکبیر تحریرہ کے لئے ہاتھ اٹھایا، اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے

اوپر رکھا، نیز مؤمل بن اسماعیل کی روایت میں ہے کہ حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا، پھر ان دونوں کو سینہ کے اوپر رکھا۔

(۲) حضرت ہلب طائی کی روایت:

حدثنا عبد الله، حدثني أبي،
حدثنا يحيى بن سعيد عن
سفيان، حدثني سماك بن
حرب عن قبيصة بن هلب عن
أبيه قال: رأيت النبي صلى الله
عليه وسلم ينصرف عن يمينه
وعن يساره، ورأيتَه قال: يضع
هذه على صدره، ووصف يحيى
اليمنى على اليسرى فوق
المفصل. (مسند إمام أحمد ۵/
۲۲۶، رقم: ۲۲۳۱۳، تحفة الأحوذی
۲/ ۸۰، إغلاء السنن ۲/ ۱۸۴ کراچی،
دار الكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۸۴)

حضرت ہلب طائی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دائیں طرف اور بائیں طرف متوجہ ہو جاتے تھے، اور میں نے آپ کو اشارہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ اس کو اپنے سینے پر رکھے ہوئے ہیں۔ اور حدیث کے راوی یحییٰ بن سعید نے ”ہذہ علی صدرہ“ کی وضاحت یوں بیان فرمائی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی کے اوپر رکھتے تھے۔

(۳) حضرت طاؤس بن کیسان کا اثر:

اور حضرت طاؤس ابن کیسان سے مرسل روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھتے، پھر ان دونوں کو باندھ کر کے نماز میں اپنے سینے پر رکھتے تھے۔

وعن طاؤس قال: كان رسول
الله صلى الله عليه وسلم يضع
يده اليمنى على يده اليسرى،
ثم يشبك بهما على صدره
وهو في الصلاة. (مراسيل أبوداؤد
۶، تحفة الأحوذی ۲/ ۸۱، معارف
السنن ۲/ ۴۴۰)

سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق یہ تین روایتیں ہیں، پہلی روایت حضرت وائل بن حجر کی ہے، حضرت وائل بن حجر کی روایت متکلم فیہ اور ضعیف ہے، اور ان کی روایت کی سند میں محمد بن حجر منکر الحدیث ہے، سنن کبریٰ بیہقی کے حاشیہ میں اس پر کافی بحث کی ہے، اسی طرح وائل بن حجر کی روایت مؤمل سے بھی نقل کی گئی ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی نسخہ قدیم ۲/۳۰، نسخہ بیروت ۲/۳۶)

تہذیب الکمال اور میزان الاعتدال میں ان کو کثیر الغلط کہا گیا ہے۔ اور امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے، جب کہ امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ رازی وغیرہ نے ان کو کثیر الخطاء کہا ہے۔ (سنن کبریٰ ۲/۳۰) کے حاشیہ میں یہ پوری تفصیل موجود ہے۔

اور ہلب کی روایت میں ”یضع ہذہ علی صدرہ“ کا لفظ متعین نہیں ہے، اس پر محدثین نے زبردست کلام کیا ہے، عون المعبود اور التعلیق الحسن وغیرہ میں اس لفظ پر کلام کیا ہے کہ علی صدرہ کا لفظ از قبیل تصحیف ہے، یہ کاتب کی طرف سے تصحیف ہے اور لفظ وصف یحییٰ الیمنی کے الفاظ سے واضح ہے کہ یحییٰ نے اپنی طرف سے یحییٰ کا لفظ بڑھایا ہے، الیمنی حدیث کا لفظ نہیں ہے، اور حدیث کے الفاظ ”یضع ہذہ علی ہذہ“ ہیں؛ لہذا صحابی کے الفاظ میں ”علی ہذہ“ ہے ”علی صدرہ“ نہیں ہے، نیز حضرت ہلب کی روایت دوسری اسناد سے جو مروی ہے، اس میں کہیں بھی ”علی صدرہ“ کا لفظ نہیں ہے، اعلاء السنن میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ (اعلاء السنن کراچی ۲/۱۶۹، بیروت ۲/۱۸۰ تا ۱۸۳)

نیز علامہ شوق نیوی نے التعلیق الحسن علی آثار السنن میں مختلف دلائل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت ہلب کی روایت میں درحقیقت علی صدرہ کے الفاظ نہیں ہیں، یہ کاتب کی طرف سے اضافہ ہے، نیز ہلب کی روایت میں سماک ابن حرب کو لین الحدیث کہا گیا ہے؛ اس لئے حضرت ہلب کی روایت بھی متکلم فیہ ثابت ہوئی۔

اور طاؤس بن کیسان کا اثر جو حدیث مرفوع نہیں ہے، اور طاؤس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کون کون سے راوی ہیں ان کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، اس طرح متکلم فیہ روایات کے ذریعہ سے سینہ پر ہاتھ باندھنے کا اصرار اور نہ باندھنے والوں پر تنقید والزامات عائد کرنا کوسی انصاف کی بات ہے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں، ہم ان میں سے سات (۷) روایات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت وائل بن حجر کی روایت:

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہے کہ آپ نے نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھا۔

حدثنا وكيع عن موسى بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة. (رجاله كلهم ثقات إثبات)
(مصنف ابن أبي شيبة ۱ / ۳۹۰، نسخه

جلید ۳ / ۳۲۰، رقم: ۳۹۰۹)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث شریف کی سند کے تمام رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں، ان میں سے کسی پر کوئی کلام نہیں ہے؛ اس لئے اس صحیح مرفوع متصل حدیث کے بعد پھر کسی کو کسی قسم کے اشکال کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، اور ہم پھر بھی اس کی تائید میں چند آثار نقل کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۲) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اثر:

حدثنا أبو معاوية عن عبد الرحمن بن اسحاق عن زياد بن زيد السوائي عن أبي جحيفة عن علي قال: من سنة

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ

فرماتے ہیں کہ نماز کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو ہاتھوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

حضرت نعمان بن سعد، حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ بیشک نماز کی سنتوں میں سے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔

الصلاة أن توضع الأيدي على الأيدي تحت السرة. (مسند أحمد ۱/ ۱۱۰، رقم: ۸۷۵، سنن دارقطني ۱/ ۲۸۹، رقم: ۱۰۸۹، مصنف ابن أبي شيبة قديم ۱/ ۳۹۰، جديد ۳/ ۳۲۴، برقم: ۳۹۶۶)

(۳) عن النعمان بن سعد، عن علي أنه كان يقول: إن من سنة الصلاة وضع اليمين على الشمال تحت السرة. (سنن دارقطني ۱/ ۲۸۹، رقم: ۱۰۹۰)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر:

حدثنا مسدد، حدثنا عبد الواحد ابن زياد عن عبد الرحمن بن إسحاق الكوفي عن يسار أبي الحكم عن أبي وائل قال: قال أبوهريرة رضي الله تعالى عنه: أخذ الألف على الألف في الصلاة تحت السرة. (إعلاء السنن بيروت ۲/ ۱۸۲، سنن كبرى للبيهقي ۲/ ۳۱۹، برقم: ۲۳۹۰، تحفة الأحوذى ۲/ ۷۸، المحلى بالآثار ۳/ ۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کو ہاتھوں سے پکڑ کر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا ہے۔

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا اثر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبوت کی صفات میں سے تین صفتیں ہیں: (۱) افطار میں جلدی کرنا (۲) سحری میں تاخیر کرنا (۳) نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(۵) عن أبي هريرة قال: وضع الكف على الكف في الصلاة تحت السرة. (المحلى بالآثار ۳/ ۳۰ تحت المسئلة ۴۴۸)

عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: ثلاث من أخلاق النبوة: تعجيل الإفطار، وتأخير السحور، ووضع اليد اليمنى على اليسرى في الصلاة تحت السرة. (المحلى بالآثار ۳/ ۳۰، معارف السنن ۲/ ۴۴۴، تحفة الأحوذی ۲/ ۷۹)

(۷) حضرت ابراہیم نخعی کا اثر:

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

حدثنا وكيع عن ربيع عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة. (مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۲۹۰، مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۳۹۱، جديد ۳/ ۳۲۲ برقم: ۳۹۶۰)

ان تمام روایات سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا طریقہ ثابت ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے متعلق دونوں طرح کی روایات ہمارے سامنے ہیں، اور سینہ کے اوپر ہاتھ باندھنے کی جو روایات ہیں، ان کا کمزور

ہونا اور ثبوت ہو چکا ہے، اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے متعلق مذکورہ نو (۹) روایات ہیں، ان میں سے اول الذکر حدیث شریف جو مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے، بہت زیادہ صحیح سند سے مروی ہے، اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، اس سے حنفیہ استدلال کر کے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں، اور ان کی طرف سے سینے پر ہاتھ باندھنے والوں پر نہ کوئی اعتراض کیا جاتا ہے، اور نہ ہی ان کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے، نیز زیر ناف ہاتھ باندھنے میں زیادہ تعظیم بھی ہے، اور عورتوں کے ساتھ مشابہت نہیں ہے، حالانکہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صورت میں عورتوں سے مشابہت بھی لازم آتی ہے، اور زیر ناف ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی تائید میں اکابر صحابہؓ اور تابعین کے بے شمار آثار بھی وارد ہیں؛ اس لئے حنفیہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب کہتے ہیں اور یہ بات غلط ہے کہ حنفیہ صرف حضرت علیؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان غیر مقلدین کو ہدایت دے!

غیر مقلدین کے پیشوا کا فتویٰ

غیر مقلدین کے پیشوا حضرت مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب کے فرزند جناب میر نور الحسن خاں صاحب کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے، کہ وہ اپنی کتاب عرف الجادی میں لکھتے ہیں کہ سینہ پر یا زیر ناف یا دونوں کے درمیان ہاتھ باندھنے میں اختیار ہے، ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

دست راست بردست چپ بر بند
خواہ بر سینہ نہد یا زیر ناف یا میان ہردو
دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھے چاہے
سینہ پر رکھے یا زیر ناف رکھے یا دونوں کے
درمیان۔ (ہر طرح مشروع ہے)

پھر غیر مقلدین سینہ پر ہاتھ باندھنے پر اصرار کیوں کرتے ہیں؟ اور صرف اسی کو کیوں صحیح کہنے کی کوشش کرتے ہیں؟

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سری نماز میں قراءت شروع ہونے کے بعد ثناء پڑھنا

سوال [۱۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہر یا عصر کی نماز میں کوئی شخص امام کے قراءت شروع کرنے کے بعد نماز میں شریک ہوا، تو اسے ثناء پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد منگور، ہریدوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ظہر یا عصر کی سری نماز میں امام کی قراءت شروع کرنے کے بعد نماز میں شریک ہوا ہو تو ثناء پڑھے گا؛ کیوں کہ اس میں امام قراءت جبراً نہیں کرتا۔

وقرأ كما كبر سبحانك اللهم تاركاً الخ. إلا إذا شرع الإمام في القراءة سواء كان مسبقاً أو مدركاً، وسواء كان إمامه يجهر بالقراءة أو لا، فإنه لا يأتي به، وفي الشامية: وقال وغيره: يثنى، وينبغي التفضيل، وإن كان الإمام يجهر لا يثنى، وإن كان يسري يثنى، وهو مختار شيخ الإسلام خواهرزاده. (شامی، باب صفة الصلوة، زکریا ۲ / ۱۹۰، کراچی ۱ / ۴۸۸، البحر الرائق، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، كوثه ۱ / ۳۰۹، زکریا ۱ / ۵۴۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲ / ۴ / ۱۴۱۹ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۴ / ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ / ۵۸۵۶)

نماز میں ثناء درود شریف اور دعا کا ترک کرنا

سوال [۱۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر ایک شخص نماز ادا کرتے ہوئے قصداً ثناء، درود شریف و دعا ترک کر دیتا ہے اور اسی

طرح نماز پڑھاتے ہوئے بھی کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟ یا اگر ہوئی تو مکروہ ہوگی یا بلا کراہت ہوگی؟ نیز کیا یہ ثنا وغیرہ قصد ترک کرنے سے گناہ ہوگا تو کون سا گناہ ہوگا؟ مفصل و مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد عمر کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شاد رو و شریف و دعا کے ترک کر دینے سے نماز فاسد یا مکروہ تحریمی نہیں ہوتی، ہاں البتہ قصد ترک کر دینا خلاف اولیٰ اور مکروہ تزیہی ہے اور بے خیالی میں ترک کرنے میں خلاف اولیٰ بھی نہیں ہے۔

ترک السنة لا یوجب فسادا وسهوا، بل إساءة لو عامدا غیر مستخف، وقالوا: الإساءة أدون من الكراهة. (درمختار، باب صفة الصلاة، مطلب في سنن الصلاة، زکریا ۲/۱۷۰، کراچی ۱/۴۷۴، حاشیة الطحطاوي علی مراقی الفلاح، الصلاة، فصل في بیان سننہا، دارالکتاب دیوبند ۱/۲۵۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۶۲، ۱۳/۸۳) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۱۱/۲۶ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶/زیقعدہ ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۲۸)

نماز میں سورہ فاتحہ سے قبل ”بسم اللہ“ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟

سوال [۱۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے قبل جو ”بسم اللہ“ پڑھنا سنت ہے، اس سنت سے سنت مؤکدہ مراد ہے یا غیر مؤکدہ؟

المستفتی: قاری عبدالرحمن شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے قبل ”بسم اللہ“ کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يفتتح صلاته بيسم الله الرحمن الرحيم. (سنن الترمذي، الصلاة، من رأى الجهر بيسم الله الرحمن الرحيم، النسخة الهندية ۱/ ۶۲، دارالسلام، رقم: ۲۴۵)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أن رسول الله ﷺ كان إذا افتتح الصلاة بدأ بيسم الله الرحمن الرحيم. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۲۳۴، رقم: ۸۰۰) وما صححه الزاهدي من وجوبها، يعني في أول الفاتحة، وقد صححه الزيعلي أيضا (إلى قوله: ضعفه في البحر..... من أنها سنة لا واجب، فلا يجب بتركها شيء، قال في النهر: والحق أنهما قولان مرجحان إلا أن الممتون على الأول، أقول: إن الأول مرجح من حيث الرواية، والثاني من حيث الدراية. (شامي، آداب الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة، كراچی ۱/ ۴۹۰، زكريا ۲/ ۱۹۲)

وأما سنن الصلاة، والتسمية والإخفاء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، سنن الصلاة، زكريا ۲/ ۱۳۴، رقم: ۱۹۵۵)

تسنن التسمية أول كل ركعة قبل الفاتحة؛ لأنه صلى الله عليه وسلم كان يفتتح صلاته بيسم الله الرحمن الرحيم. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ۱/ ۲۶۰) فقط واللهم سبحانك وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵ھ

۱۴۱۵/۶/۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۰۶۶)

سورت اور ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

سوال [۱۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بہتر

ہے یا نہ پڑھنا بہتر ہے؟ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے گا جو بہتر ہو تحریر فرمائیں؟
(۲) نماز میں ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا اچھا ہے، یا نہ پڑھنا اچھا ہے؟ کون سا
طریقہ اختیار کیا جائے جو سب سے اچھا ہو؟

المستفتی: محمد نسیم انصاری مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) سورۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا
مستحسن اور بہتر ہے۔

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أنه كان إذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فإذا فرغ من الحمد قرأ بسم الله الرحمن الرحيم.
(المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، جديد ۳ / ۳۷۷، رقم: ۴۱۷۸، قديم رقم:
۴۱۵۵، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱ / ۲۴۵، رقم: ۸۴۱)

واتفقوا على عدم الكراهة في ذكرها بين الفاتحة والسورة، بل هو
أحسن، سواء كانت الصلاة سرية أو جهرية. (حاشية الطحطاوي على مراقي
الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ۱ / ۲۶۰)
(۲) ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مسنون و مستحب ہے۔

قراءة التسمية في ابتداء كل ركعة سنة عندنا. (حاشية ترمذي، باب
ما جاء في ترك الجهر بسم الله الرحمن الرحيم ۱ / ۶۲)

ثم يأتي بالتسمية، ويأتي بها في كل ركعة، وهو قول أبي يوسف
رحمه الله كذا في المحيط، وفي الحجة، وعليه الفتوى. (هنديّة، كتاب الصلاة،
الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكييفياتها، زكريا قديم ۱ / ۷۴، جديد ۱ / ۱۳۱،
الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة ۲ / ۱۶۶، رقم:
۲۰۳۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۱ / ۲۶۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱/۲۱/۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۸۸)

نماز میں سورہ فاتحہ اور سورت سے قبل تسمیہ پڑھنا

سوال [۱۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورت ملانے سے پہلے تسمیہ کا پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: شفیق احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے اور اس کے بعد سورت ملانے سے پہلے بسم اللہ مسنون نہیں ہے اور پڑھنے سے نماز فاسد بھی نہ ہوگی، صرف خلاف اولیٰ ہے؛ البتہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک سورہ فاتحہ کے شروع میں اور ضم سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا جائز اور مستحب ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ جہری نماز نہ ہو؛ بلکہ سری نماز میں ہی اجازت ہے۔

عن ابن عمر -رضی اللہ عنہ- أنه كان إذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فإذا فرغ من الحمد قرأ بسم الله الرحمن الرحيم.
(المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، جديد ۳/ ۳۷۷، رقم: ۴۱۷۸، قديم رقم: ۴۱۵۵، المعجم الأوسط، دارالفکر ۱/ ۲۴۵، رقم: ۸۴۱)

ثم عن أبي حنيفة أنه لا يأتي بها في أول كل ركعة كالتعوذ، وعنه أنه يأتي بها احتياطاً، وهو قولهما، ولا يأتي بها بين السورة والفتحة إلا عند محمد؛ فإنه يأتي بها في صلوة المخافتة. (هدايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ۱/ ۱۰۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۶)

سورت ملانے سے پہلے ”بسم اللہ“ پڑھنا

سوال [۱۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کا الحمد شریف کے بعد سورت ملانے سے پہلے پڑھنا کیسا ہے؟ نماز کی حالت میں ایک عالم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس وقت ”بسم اللہ“ کا پڑھنا جائز نہیں ہے، وہ حوالہ میں ”معارف القرآن“ کو پیش کرتے ہیں۔ (معارف القرآن ۲۰/۱) مسئلہ: نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے ”بسم اللہ“ نہیں پڑھنا چاہئے، خواہ جہری نماز ہو یا سری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں۔ (شرح منیہ)

اسی مسئلہ کو ”فتاویٰ دارالعلوم“ میں دیکھا گیا، اس میں سوال جواب اس طرح لکھا ہے ہوا ہے، فتاویٰ دارالعلوم ۱۶۱/۲، سوال ۱/۲۷ نماز میں الحمد شریف کے بعد سورت سے پہلے ”بسم اللہ“ پڑھ کر سورت ملانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- الحمد شریف کے بعد سورت سے پہلے ”بسم اللہ“ شریف جائز؛ بلکہ بہتر ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں کیا عمل کیا جائے اور ان عالم صاحب کا یہ فرمانا کہ اس وقت بسم اللہ کا پڑھنا جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ بات نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ خلفائے راشدین سے اس کا ثبوت ہے، اس مسئلہ کی ایسی مکمل وضاحت فرمائی جائے کہ علماء کے اقوال میں کوئی تضاد باقی نہ رہے۔

المستفتی: جمیل احمد قاسمی، بازار بہاڑی دروازہ گنبد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اصل حکم یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان ”بسم اللہ“ شریف پڑھنا جہراً یا سراً مسنون نہیں ہے، یہی امام اعظم کا مسلک ہے، مگر مکروہ بھی نہیں ہے۔ اور جن کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اس موقع پر بسم اللہ نہیں پڑھنا چاہئے وہاں مسنون نہ

ہونے کی وجہ سے اس طرح لکھا ہے۔ اور جن کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ پڑھنا جائز ہے؛ بلکہ بہتر ہے وہاں مکروہ نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح لکھا ہے، حاصل یہ ہے کہ مسنون نہیں ہے۔ اور اگر کوئی آہستہ سے پڑھ لیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، بہتر ہے۔

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أنه كان إذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فإذا فرغ من الحمد قرأ بسم الله الرحمن الرحيم.
(المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، جديد ۳/ ۳۷۷، رقم: ۴۱۷۸، قديم رقم: ۴۱۵۵، المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۲۴۵، رقم: ۸۴۱)

ولا تسن بين الفاتحة والسورة مطلقا ولو سرية، ولا تكره اتفاقا.
(درمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچی ۱/ ۴۹۰، زكريا ۲/ ۱۹۲، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية ترتيب أفعال الصلاة، جديد، دارالكتاب ديوبند ۲۸۲) فقط والله سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۷ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۱۳)

مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے؟

سوال [۱۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام کے پیچھے قرآن پڑھنا: (۲۷۴) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی، آپ ﷺ پر قراءت بھاری ہوگئی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہو (یعنی قرآن پڑھتے ہو) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہم پڑھتے ہیں، فرمایا کہ ایسا مت کرو، مگر ہاں ام القرآن (یعنی سورہ فاتحہ) تو پڑھ لیا کرو اور کچھ نہ پڑھا کرو) کیوں کہ جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز

نہیں، اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابوقنادہ، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے، کیا اس حدیث شریف کے مطابق عمل کیا جائے یا نہیں؟

المستفتی: عین الحق امام مسجد پیراماؤنٹ ٹریڈنگ کارپوریشن
طویلہ اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام کے پیچھے قرآن کریم پڑھنے کا حکم شروع اسلام میں تھا، بعد میں جب آیت کریمہ: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [الأعراف، آیت: ۲۰۴] ”یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا کر متوجہ ہو جاؤ اور بالکل خاموش ہو جاؤ امید کہ تم رحم کئے جاؤ“۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو امام کے پیچھے جو قرآن پڑھنے کا حکم تھا وہ منسوخ ہو گیا ہے، اب امام کے پیچھے قرآن پڑھنا اور سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت جابر بن عبداللہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے صاف واضح الفاظ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ جس شخص کا امام ہو اس کے لئے امام کی قراءت کافی ہے، از خود قراءت کی ضرورت نہیں ہے۔

إن النبي ﷺ قال: من كان له إمام، فقراءة الإمام له قراءة. (طحاوي

شريف، هندي نسخه ۱/ ۱۲۸، بيروت ۱/ ۲۸۱، رقم: ۱۲۵۹)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص امام کی اقتدا میں نماز پڑھتا ہے، تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے، از خود قراءت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

إن رسول الله ﷺ قال: إني أقول: مالي أنازع القرآن، قال: فانتهي الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ فيما جهر فيه النبي ﷺ بالقراءة من الصلوات حين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ. (أبو داؤد شريف، كتاب

الصلاة، باب من رأى القراءة إذا لم يجهر، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۰، دار السلام، رقم: ۸۲۶)

اس حدیث شریف سے مطلقاً لوگوں کا قراءت خلف الامام کو ترک کر دینا ثابت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱۱ صرف المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۱۶/۲۸)

فاتحہ خلف الامام کا حکم

سوال [۱۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قراءت فاتحہ خلف الامام مقتدی کے لئے پڑھنا ضروری ہے یا نہیں، جب کہ ہمارے سامنے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور نماز فجر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کے ساتھ قراءت کرنا اور حضور ﷺ کا فرمان موجود ہے: ”صرف سورہ فاتحہ ضرور پڑھا کرو“۔ وغیر ذلک۔ بینوا تو جروا۔ حق سے نوازیں۔

المستفتی: امام صاحب وحاجی یعقوب، و مصلیان مسجد کرولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق مسئلہ جو غیر مقلدین کی طرف سے پیش آتا رہتا ہے وہ محض مسلمانوں کے ذہن کو الجھاؤ میں ڈالنے کے لئے ہے، ورنہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ممنوع اور ناجائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ اعراف کی آیت ۲۰۴: ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قراءت کرنا اور اسی طرح سلام و کلام کرنا نماز کی حالت میں ایک مقتدی کا دوسرے مقتدی کی خیریت معلوم کرنا سب جائز تھا اور اس زمانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم قراءت کرتے تھے اور حضور ﷺ نے فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی تھی اور اس اجازت کے متعلق چار صحابہ سے حدیث پاک مروی ہے: (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

روایت (۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت (۳) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت (۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، پھر جب مذکورہ آیت کریمہ یعنی سورہ اعراف کی آیت: ۲۰۴/۲۰۴ نازل ہوگی تو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی روایتیں سب منسوخ ہو گئیں، ہاں البتہ جب آدمی خود امام بن کر نماز پڑھائے یا تنہا اپنی نماز پڑھے تو سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا آیت اعراف کی وجہ سے ممنوع ہو گیا ہے اور ممنوعیت سے احادیث شریفہ میں سولہ صحابہ کی روایات اور آثار موجود ہیں: (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۲) حضرت ابو ہریرہؓ (۳) حضرت علیؓ (۴) حضرت عمران بن حصینؓ (۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ (۶) حضرت زید بن اسلمؓ (۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (۸) حضرت انسؓ (۹) حضرت ابوالدرداءؓ (۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۱۱) عبداللہ بن شداد بن باذؓ (۱۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۱۳) حضرت عبداللہ بن نجیحہؓ (۱۴) حضرت محمد بن عجلان (۱۵) حضرت موسیٰ بن سعد بن زید بن ثابت (۱۶) حضرت سعد۔ پھر اس کے بعد حضرات خلفائے راشدین کا عمل اور ان کا فتویٰ امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت پر ہے؛ اس لئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مقتدیوں کے لئے درست نہیں ہے، آپ نے جواب کے لئے ایک اتر دیشی بھیجا ہے، اس میں ہم تمام روایات نقل نہیں کر سکتے، آپ ’غیر مقلدین کے چھین اعتراضات اور ان کے جوابات‘ جو کتاب بمبئی دیوبند، دلی فرید بک ڈپو وغیرہ سے مل سکتی ہے وہاں سے منگا کر خود دیکھ لیجئے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۷ صفر ۱۴۲۶ھ

۱۴۲۶/۲۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۴۱۷۸)

قراءت خلف الامام کا مسئلہ

سوال [۱۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کیا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ مقتدی پر واجب ہے؟

المستفتی: مطلوب احمد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام کے پیچھے مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ممنوع ہے۔ اور جن حدیثوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے وہ شروع کی روایات ہیں جو بعد میں منسوخ ہو چکی ہیں اور یہ حکم آیت کریمہ: "وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ" نازل ہونے سے پہلے کا تھا۔ اور اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد امام کے پیچھے قراءت کرنے کی مطلقاً ممانعت آئی ہے، خواہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی دوسری سورت، اس سلسلہ میں حدیث کی کتابوں میں کثیر روایات موجود ہیں۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد اللہ قال: کانویقرؤون خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال: خلطتم علی القرآن. (طحاوی شریف ۱/۱۲۸، جدید دارالکتب العلمیة ۱/۲۸۱، المصنف لابن أبي شیبہ ۱/۳۷۶، مؤسسة علوم القرآن جدید ۳/۲۷۴، رقم: ۳۷۹۹) عن أبي هريرة -رضی اللہ عنہ- قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إنما جعل الإمام لیؤتم به، فإذا قرأ فانصتوا. (طحاوی شریف ۱/۱۲۸، دارالکتب العلمیة ۱/۲۸۱، رقم: ۱۲۵۷)

عن أبي موسى الأشعري (في حديث طويل) أن رسول اللہ ﷺ خطبنا، فبين لنا سنتنا، وعلمنا صلاتنا، فقال: إذا صليتم فأقيموا صفوفكم، ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبر فكبروا، وفي رواية: وإذا قرأ فانصتوا. (مسلم شریف، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلوات، النسخة الهندية ۱/۱۷۴، بيت الأفكار، رقم: ۴۰۳، ۴۰۴، ابن ماجه، النسخة الهندية، ص: ۶۱، دارالسلام، رقم: ۸۴۶) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶ صفر ۱۴۳۲ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۹۰)

قراءت خلف الامام کا حکم

سوال [۱۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم حنفی المسلمک ہیں، ہم نماز میں جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو الحمد شریف نہیں پڑھتے، امام کی قراءت کو کافی سمجھتے ہیں، ہمارے یہاں ایک پوسٹر شائع ہوا ہے، اس میں لکھا ہے کہ بغیر الحمد للہ شریف پڑھے نماز نہیں ہوتی، تو شرعاً کیا حکم ہے؟ ہم پڑھا کریں یا نہیں؟

المستفتی: محمد مجاہد ابن اشفاق علی کمرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: شروع اسلام میں امام کے پیچھے مقتدیوں کو قراءت کی اجازت تھی اور جب آیت کریمہ ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ نازل ہوئی تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا، اب امام کے پیچھے اقتدا کرنے والوں کے لئے قراءت فاتحہ جائز نہیں؛ البتہ خود امام اور تنہا نماز پڑھنے والے پر قراءت لازم ہے۔ دیکھئے ”ترمذی شریف“ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نمازیوں میں ہر اس شخص پر قراءت کرنا لازم ہے جو کسی امام کی اقتداء میں نہ ہو، جو امام کی اقتداء میں ہو وہ قراءت نہیں کرے گا، ملاحظہ فرمائیے:

وہب بن کیسان أنه سمع جابر بن عبد الله يقول: من صلى ركعة لم

يقراً فيها بأمر القرآن فلم يصل إلا أن يكون وراء الإمام. (ترمذی، الصلاة، باب

ما جاء في ترك القراءة خلف الإمام إذا جهر الإمام بالقراءة، النسخة الهندية ۱/ ۷۱،

دارالسلام، رقم: ۳۱۳)

لہذا یہ جو اشتہار بازی کرنے والے ہیں ان کا مقصد صرف مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرنا ہے، ایسے لوگ ہاتھ آجائیں تو معتبر علماء کرام کی خدمت میں لائیں، تاکہ بات واضح ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۳۳/۳۴)

کیا فاتحہ اور ضم سورت کے درمیان مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے کے لئے سکتے کرنا جائز ہے؟

سوال [۱۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب جہری نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد دوبارہ سرّاً بھی سورہ فاتحہ پڑھیں، تاکہ مقتدی لوگ بھی سورہ فاتحہ پڑھ لیں، تو یہ کس روایت سے ثابت ہے، اگر ثابت نہیں تو تکرار فاتحہ کی وجہ سے امام پر سجدہ سہولازم ہے یا نہیں؟ نیز یہ عمل بھول کر نہیں ہوتا؛ بلکہ بالقصد ہوتا ہے، جیسا کہ آج کل جزیرۃ العرب میں مسجد نبوی میں امام حدیفی نے شروع کیا ہے اور اسی طرح عمل بہت سی مسجدوں میں جاری ہے۔ اور وہ لوگ سکتتین والی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ سکتتین کے درمیان مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے، تو کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: سورہ فاتحہ کے بعد اتنی دیر توقف کرنا جتنی دیر میں سورہ فاتحہ دوبارہ پڑھ سکے اور یہ توقف بھول اور نسیان یا اس سوچ کی وجہ سے ہے کہ کون سی سورت پڑھی جائے، تو ایسی صورت میں سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے اور سجدہ سہو سے نماز درست ہو جاتی ہے؛ لیکن اگر بالقصد اس طرح توقف کیا جاتا ہے، جیسا کہ سوال میں امام حدیفی اور ان کے پیروکار ائمہ کا ذکر آیا ہے، تو اس طرح بالقصد توقف کرنے سے نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے، جیسا کہ حسب ذیل جزئیہ سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وظاهر كلام الجرم الغفير أنه لا يجب السجود في العمدة، وإنما تجب الإعادة إذا ترك واجبا عمدا جبر النقصانه، وذكر الولوجي في فتاواه: أن الواجب إذا تركه عمدا لا ينجبر بسجدة السهو؛ لأنهما عرفنا جابرتين بالشرع، والشرع ورد حالة السهو. (البحر الرائق، الصلاة، باب سجود السهو،

اب رہی امام کے سکتوں کے درمیان سورہ فاتحہ پڑھنے کی روایات تو اولاً یہ ساری روایات ان روایتوں کے ذریعہ منسوخ ہیں، جن میں امام کی قراءت کے وقت سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز امام کے سکتوں کے درمیان سورہ فاتحہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہیں؛ اس لئے کہ سکتہ اسی کو کہا جاتا ہے جس میں اطمینان سے سانس لے کر آگے بڑھ سکے اور اتنے سے سکتہ کے درمیان سورہ فاتحہ کا پڑھنا کسی طرح ممکن نہیں، نیز امام کے سکتوں کے درمیان قراءت کرنے سے متعلق جتنی روایات ہیں وہ ساری روایات ضعیف اور متکلم فیہ ہیں؛ اور صحیح روایات کے مقابلہ میں ضعیف روایتوں پر عمل کرنا کسی کے نزدیک صحیح نہیں اور یہاں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے سے متعلق صحیح روایات موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے ضعیف روایتوں پر عمل کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اور صحیح روایات کتب احادیث میں بکثرت موجود ہیں اور خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو سکتہ کے درمیان مقتدی کے پڑھنے کی روایات نقل فرماتے ہیں، انہیں کی روایت صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي خالد، عن ابن عجلان، عن زيد بن أسلم، عن أبي صالح، عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر، فكبروا، وإذا قرأ، فانصتوا. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، باب من كره القراءة خلف الإمام، موسسه علوم القرآن ۲/ ۲۸۲، رقم: ۳۸۲۰، ابن ماجه، باب إذا قرأ الإمام فانصتوا، النسخة الهندية/ ۶۱، دار السلام، رقم: ۸۴۶، السنن الكبرى للنسائي، الصلاة، وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا عباس أحمد الباز ۱/ ۳۲۰، رقم: ۹۹، مسلم، الصلاة، باب تشهد في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۴، بيت الأفكار، رقم: ۳۰۳، ۴۰۴)

صحیح متصل اور عالی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا مالك بن إسماعيل، عن حسن بن صالح، عن أبي الزبير، عن جابر - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل من كان له

إمام فقراء ته له قراءة، إسناده صحيح. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، من كره القراءة خلف الإمام، موسسه علوم القرآن ۳/ ۲۸۲، رقم: ۳۸۲۳)
 ان صحیح روایات کی موجودگی میں ضعیف روایتوں پر عمل کرنا درست نہیں ہو سکتا؛ بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ سکتوں کے درمیان قراءت کی روایت منسوخ ہے، آپ کے سامنے سکتوں کی روایت پیش کر دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

روى الحاكم بطريق محمد بن عبد الله بن عبيد بن عمير الليثي عن عطاء عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة مع الإمام فليقرأ فاتحة الكتاب في سكتاته، ومن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزأه. (مستدرک للحاکم، الصلاة، باب التأمین مکتبہ نزار مصطفی الباز، ریاض ۱/ ۳۵۴، رقم: ۸۶۸)

وروى الدارقطني أيضا بطريق محمد بن عبد الله بن عبيد بن عمير عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة أو تطوعاً فليقرأ فيها بأم الكتاب وسورة معها فإن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزأه، ومن صلى صلاة مع الإمام يجهر بفاتحة الكتاب في بعض سكتاته، فإن لم يفعل فصلاته خداج غير تمام، وقال الدارقطني: محمد بن عبد الله بن عبيد بن عمير ضعيف. (دارقطني، الصلاة، باب وجوب قراءة أم الكتاب في الصلاة، وخلف الإمام، دارالكتاب العلمية، بيروت ۱/ ۳۱۹، رقم: ۱۲۱۰، ۱/ ۳۱۵، رقم: ۱۱۹۶)

وقال الحافظ في اللسان: محمد بن عبد الله بن عبيد بن عمير الليثي المكي ضعفه يحيى بن معين، وقال البخاري: منكر الحديث، وقال النسائي: متروك، وقال أبو داؤد: ليس بثقة. (لسان الميزان، إدارة التاليفات أشرفيه، کراچی ۵/ ۳۱۶)

لہذا آپ کے سامنے سکتوں کے درمیان پڑھنے کی روایت بھی پیش کی جا چکی ہے، اس کی سند

میں محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمیر اللیشی ہے، جن کے بارے میں محدثین نے سخت کلام فرمایا ہے، چنانچہ امام دارقطنی اور یحییٰ بن معین نے ان کو ”ضعیف“ کہا ہے، امام بخاری نے ”منکر الحدیث“، امام نسائی نے ”متروک“ اور امام ابوداؤد نے ”دلیس بھتہ“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں؛ اس لئے سکتوں والی روایات سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا، مزید استدلال کے ساتھ اس میں وسعت کر کے مکمل سورہ فاتحہ پڑھنے کے برابر وقفہ کرنا جائز نہیں ہو سکتا، اس کے ذریعہ سے اپنی نماز کو خراب کرنا ہے؛ اس لئے اس سے بچنا لازم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۵/صفر/المظفر ۱۴۳۶ھ

۱۴۳۶/۲۶

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۶۹/۴۱)

قرأت خلف الامام کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ اَمَّا بَعْدُ! امام کے پیچھے مقتدیوں کا سورہ فاتحہ پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے، تو اس سلسلہ میں حدیث پاک میں دو قسم کی روایات وارد ہیں، بعض روایات میں نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا تاکید حکم آیا ہے، اور بعض روایات میں امام کے پیچھے مطلقاً قرأت کرنے کی ممانعت آئی ہے، چاہے سورہ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت دونوں طرح کی قرأت کی ممانعت وارد ہوئی ہے؛ اس لئے ائمہ امت کے درمیان امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کے بارے میں قدرے اختلاف ہے، چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ یا دیگر سورتوں کی قرأت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور عدم جواز کی بے شمار روایتیں کتب حدیث میں وارد ہوئی ہیں جو آگے آرہی ہیں۔ اور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام سفیان ثوریؒ عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت کرنا نہ واجب ہے اور نہ ہی مستحب۔ اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کا قرأت کرنا نہ

واجب ہے نہ مستحب۔ اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی بھی قرأت کریں گے، ان کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ۱/۳۲۹) لیکن وہ سب روایات منسوخ ہیں، جس کی وضاحت آگے آرہی ہے، اور ائمہ اربعہ کے مقلدین اپنے اپنے امام کے مسلک کے مطابق عمل کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ نہیں بناتے ہیں، مگر آج کل کے زمانہ میں جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث اور سلفی کہنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا کام خالی الذہن مسلمانوں کو ان کی نمازوں کے بارے میں حدیث شریف کے غلط مفہوم یا منسوخ حدیثوں کو پیش کر کے شکوک و شبہات کا شکار بنانا ہے، اور ائمہ حق خاص طور پر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تبعین کو سخت ترین تنقید کا نشانہ بنانا ہے، اور بعض دفعہ حضرات صحابہ کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں؛ اس لئے مسلمانوں کو صحیح بات پر آگاہ کرنے کے لئے یہ مختصر سا مضمون ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، ہم اس مضمون کو اس طریقہ سے پیش کرتے ہیں کہ اولاً امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے ثبوت میں چار صحابی کی روایات پیش کرتے ہیں، جن روایات کی حقیقت اس مضمون کے آخر میں واضح کر دی جائے گی، اس کے بعد امام کے پیچھے مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت سے متعلق سولہ (۱۶) صحابہ کی روایات پیش کریں گے، اس کے بعد دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لے کر صحیح بات کیا ہے اس کو پیش کریں گے، اور صحیح بات یہ ثابت کی جائے گی کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا جو حکم تھا وہ سورہ اعراف آیت ۲۰۴ کے نزول سے پہلے کا تھا، اور اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اب تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق چار صحابہ کی روایات

صحابی (۱) حضرت ابو ہریرہؓ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ

عن أبي هريرة عن النبي صلى

علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ ناقص ہے، تو حامل حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد نے کہا کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ تم اپنے جی میں پڑھا کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نکل کر مدینہ کے لوگوں میں اعلان کر دیں کہ بغیر قرآن پڑھے نماز نہیں ہوتی ہے، اگرچہ سورۃ فاتحہ کیوں نہ ہو یا کچھ زیادہ۔

اللہ علیہ وسلم قال: من صلی صلاة لم یقرأ فیہا بأم القرآن فہی خداج ثلاثاً غیر تمام، فقیل لأبی ہریرۃ إنا نکون أحياناً وراء الإمام، فقال: اقرء بہا فی نفسک. (مسلم شریف ۱/ ۱۶۹، جدید برقم: ۳۹۵، ترمذی

۱/ ۷۱، برقم: ۳۱۲ جدید، رقم: ۳۱۲) عن أبي ہریرۃ قال: قال لي رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اخرج فناد في المدينة أنه لا صلاة إلا بقران ولو بفاتحة الكتاب فمأزاد.

(أبوداؤد شریف مطبع مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱/ ۱۱۸، دوسرا نسخہ ۱/ ۱۲۵، جدید برقم: ۸۱۹)

اور سکتوں کے درمیان مقتدی کے پڑھنے سے متعلق جتنی روایات ہیں وہ سب منکلم فیہ اور ضعیف ہیں، نیز سکتے کے درمیان پوری سورۃ فاتحہ کا پڑھنا کسی طرح ممکن نہیں، نیز سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بقدر امام بالقصد خاموش کھڑا رہے گا، تو نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے، سکتات سے متعلق کمزور روایات جو مروی ہیں، وہ ذیل میں درج ہیں ملاحظہ فرمائیے:

روی الحاکم بطریق محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر اللیثی عن عطاء عن أبي ہریرۃ - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: من صلی صلاة مكتوبة مع الإمام فليقرأ فاتحة الكتاب في سكتاته، ومن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزأه. (مستدرک للحاکم، الصلاة، باب التأمین،

وروی الدارقطني أيضا بطريق محمد بن عبد الله بن عبيد بن عمير عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة مكتوبة أو تطوعاً فليقرأ فيها بأم الكتاب وسورة معها فإن انتهى إلى أم الكتاب فقد أجزى، ومن صلى صلاة مع الإمام يجهر بفاتحة الكتاب في بعض سكتاته، فإن لم يفعل فصلاته خداج غير تمام، وقال الدارقطني: محمد بن عبد الله بن عبيد بن عمير ضعيف. (دارقطني، الصلاة، باب وجوب قراءة أم الكتاب في الصلاة، وخلف الإمام، دارالكتاب العلمية، بيروت ۱/ ۳۱۹، رقم: ۱۲۱۰، ۱/ ۳۱۵، رقم: ۱۱۹۶)

وقال الحافظ في اللسان: محمد بن عبد الله بن عبيد بن عمير الليثي المكي ضعفه يحيى بن معين، وقال البخاري: منكر الحديث، وقال النسائي: متروك، وقال أبو داؤد: ليس بثقة. (لسان الميزان، إدارة التأليفات أشرفيه، كراچی ۳۱۶/۵)

”مسکتین“ کی کسی بھی روایت کو پائے صحت اور درجہ صحت حاصل نہیں؛ کیوں کہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمیر پر سب ہی محدثین نے کلام فرمایا ہے۔

صحابی (۲) حضرت ابوسعید خدریؓ:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم کو سورۃ فاتحہ اور اس کے علاوہ حسب حیثیت دوسری سورۃ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے۔

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔

عن أبي سعيد الخدري قال: أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر. (أبو داؤد شريف ۱/ ۱۱۸، رقم: ۸۱۸، مسند أبي يعلى الموصلي ۱/ ۵۰۹، رقم: ۱۲۰۵)

وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا تجزى صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب. (شرح النووي ۱/ ۱۷۰، إعلاء السنن بيروت ۲/ ۲۱۶، صحيح ابن حبان عن أبي هريرة ۳/ ۱۱۰، رقم: ۱۷۹۰)

صحابی (۳) حضرت عبادہ بن الصامتؓ:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی ہے جو فاتحہ نہ پڑھے۔

عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً:
لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب.
(بخاری شریف ۱/ ۱۰۴، برقم: ۷۴۷)
ف ۷۵۶، مسلم شریف ۱/ ۱۶۹ برقم:
۳۹۴، مسند أحمد بیروت ۵/ ۳۱۴
برقم: ۲۳۰۵۳، سنن کبریٰ بیہقی
۲/ ۳۲۹، برقم: ۲۴۱۶، أبوداؤد ۱/ ۱۱۹،
برقم: ۸۲۲ جدید، مصنف عبدالرزاق
۲/ ۹۳، وفيه بأمر القرآن)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی تو آپ کے اوپر قرأت کرنا ثقیل ہو گیا، تو آپ نے سلام کے بعد فرمایا کہ کیا تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا کہ اب مت کیا کرو، الا یہ کہ سورہ فاتحہ اس لئے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

عن عبادۃ بن الصامت قال:
صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم صلاة الفجر،
فتعايت علیہ القراءة، فلما
سلم قال: أ تقرؤن خلفي؟
قلنا: نعم يا رسول اللہ، قال:
فلا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب؛
فإنه لا صلاة لمن لم یقرأ بها.
(طحاوي شریف ۱/ ۱۲۷، مطبع
اصيفيه، جدید ۱/ ۲۷۹، برقم:
۱۲۴۷، مصنف ابن أبي شيبة جدید
۳/ ۲۶۸، برقم: ۳۷۷۷)

صحابی (۴) حضرت ابن عباسؓ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی، ان دونوں رکعتوں میں علاوہ سورہ فاتحہ کے اور کوئی سورہ نہیں پڑھی۔

عن ابن عباس أن النبي صلی اللہ
علیہ وسلم قام، فصلی رکعتين
لم یقرأ فیہما إلا بفاتحة
الكتاب. (صحیح ابن خزيمة ۲/
۲۰۲، تحقیق مصطفیٰ اعظمی ۱/ ۲۸۷
برقم: ۵۱۳، إعلاء السنن ۲/ ۲۲۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ
امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ضرور پڑھا کریں،
امام قرأت میں جہر کرے یا سر۔

عبدالرزاق، عن التیمی عن
لیث عن عطاء عن ابن عباس
قال: لا بد أن یقرأ بفاتحة
الکتاب خلف الإمام جهر،
أولم یجهر. (مصنف عبدالرزاق
۳/ ۱۳۰، رقم: ۲۷۷۳)

مقتدی کے لئے مطلق قرأت کی ممانعت

آیت قرآنی: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ.

(الجزء التاسع، سورة أعراف، آیت: ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، اور توجہ کے ساتھ بالکل خاموشی اختیار کرو، تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔

اس آیت کریمہ کے نزول سے قبل مقتدی بھی امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے، اس کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قرأت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، اب صرف امام اور منفر د کے لئے قرأت کا حکم باقی ہے، چنانچہ ہم ناظرین کے سامنے بھاری تعداد میں وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں جن میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کی وضاحت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

جہری نماز میں قرأت کی ممانعت

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت میں سولہ صحابہ کرام کی روایات۔
صحابی (۱) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک طویل روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیا تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے سنتیں بیان فرمائیں، اور ہم کو ہماری نماز

عن أبي موسى الأشعري (في
حدیث طویل) أن رسول الله
صلى الله عليه وسلم خطبنا،
فبين لنا سنتنا، وعلمنا صلاتنا،

فقال: إذا صليتم فأقيموا صفوفكم، ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبر فكبروا. وفي رواية: وإذا قرأ فأنصتوا. (مسلم شريف ۱/ ۱۷۴ جلدید رقم: ۳۰۳-۴۰۴، ابن ماجه/ ۶۱ رقم: ۸۴۶)

سکھائی، پھر فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو صفوں کو سیدھا کرو، پھر چاہئے کہ تم میں سے کوئی امامت کرے، پس جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ اور دوسری روایت میں ہے اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموشی اختیار کرو۔

صحابی (۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ:

عن عبد الله قال: كنا نقرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: خلطتم علي القرآن. (طحاوي شريف ۱/ ۱۲۸، جلدید ۱/ ۲۸۱، برقم: ۱۲۵۸، مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۲۷۶، جلدید ۳/ ۲۷۴، برقم: ۳۷۹۹، رجاله ثقات)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پہلے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے اوپر قرآن کو خلط ملط کرتے ہو۔

قال محمد: أخبرنا محمد بن أبان بن صالح القرشي عن حماد عن إبراهيم النخعي عن علقمة أن عبد الله بن مسعود كان لا يقرأ خلف الإمام فيما يجهر فيه وفيما يخافت فيه في الأولين ولا في الآخرين، وإذا صلى وحده قرأ في الأولين بفاتحة الكتاب وسورة، ولم يقرأ في الآخرين شيئاً. (موطا إمام محمد، ص: ۱۰۰)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دوسری روایت میں ہے، جس میں خود ان کا عمل ہے کہ وہ امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں کرتے تھے، نہ جہری نماز میں کرتے تھے اور نہ ہی سری نماز میں، نہ پہلی دونوں رکعتوں میں کرتے تھے، اور نہ ہی آخری دونوں رکعتوں میں، اور جب تنہا نماز پڑھتے تھے تو پہلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے علاوہ کوئی اور سورہ بھی پڑھتے تھے، اور آخری دونوں رکعتوں میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں چھٹے نمبر کا مسلمان تھا نبوت کے پہلے سال سے وفات تک ساتھ رہے۔ سفر میں، حضر میں ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ رہے، ”صاحب العلیین“ سے مشہور تھے، جوتا، چپل اٹھانے والا خادم وہ ہوتا ہے جو جدا نہیں ہو سکتا، وہ فرماتے ہیں:

عن القاسم بن عبد الرحمن عن أبيه قال: قال عبد الله بن مسعود لقد رأيتني سادس ستة ما على الأرض مسلم عندنا. (صحيح ابن حبان ۶/ ۳۱۵، رقم: ۷۰۷۱، مستدرک جدید ۵/ ۱۹۴، رقم: ۵۳۶۷)

نیز حضور ﷺ نے ساری امت کو تاکید فرمایا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمہارے سامنے جو کچھ بھی بیان کریں اس کی ضرورت تصدیق کیا کرو۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا وكيع عن سفيان عن عبد الملك بن عمير عن مولى لربيعي، عن ربيعي عن حذيفة قال: كنا عند النبي ﷺ جلوسا، فقال: إني لا أدري ما قدر بقائي فيكم فاقفدوا بالذنين من بعدي، وأشار إلى أبي بكر وعمر وتمسكوا بعهد عمار وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه. (مسند أحمد ۵/ ۳۸۵، رقم: ۲۳۶۶۵-۲۳۸۱۳)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میری زندگی تمہارے درمیان کتنے دنوں تک باقی رہے گی؛ لہذا تم میرے بعد ان دنوں کی اقتدا کرتے رہنا اور حضرت ابو بکر و عمر کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ عمار بن یاسر کے عہد کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی بیان کریں اس کی ضرورت تصدیق کیا کرو۔

حضور ﷺ نے بہت زیادہ تاکید سے حکم فرمایا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمہارے سامنے جو کچھ بھی بیان کریں اس کی تمہیں ضرورت تصدیق کرنی ہے؛ لہذا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے آثار اور غیر مرفوع روایات کی تصدیق کر کے حجت شرعی بنانے کا پیغمبر علیہ السلام نے ”فصد قوہ“ کے الفاظ سے تاکید فرمایا ہے، اس کے خلاف گنجائش نہیں۔

صحابی (۳) حضرت ابو ہریرہؓ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی نماز کی فراغت کے بعد فرمایا جس میں جہری قرأت کی گئی تھی، کہا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ تو ایک آدمی نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے جی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت ہو رہی ہے، تو اس واقعہ کے بعد لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہری نماز میں قرأت کرنے سے رک گئے، جب سے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة، فقال: هل قرأ معي أحد أنفأ؟ فقال رجل: نعم يا رسول الله! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إني أقول مالي أنزع القرآن، قال: فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقراءة في الصلاة حين سمعوا ذلك منه. (طحاوي شريف

۱/۱۲۸، مطبع اشرفیہ ۱/۵۸،

نسخہ جدید ۱/۲۸۰، برقم: ۱۲۵۵،

مسند أبي يعلى ۵/۲۱۷ برقم: ۵۸۳۵)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا قرأ فاتممتوا. (طحاوي شريف ۱/

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام کو اقتدا کے لئے مقرر کیا گیا ہے؛ لہذا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

۱۲۸ رقم ۱۲۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً امام کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے، تاکہ اس کی اقتدا کی جائے؛ لہذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو خاموشی اختیار کرو۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا. (ابن ماجة/ ۶۱، رقم: ۸۴۶، دارقطني ۳۲۳/۱، رقم: ۱۲۳۰، السنن الكبرى للنسائي ۱/ ۳۲۰، رقم: ۹۹۴)

وروی ابن ابی شیبہ عن ابی خالد عن ابن عجلان، عن زید بن أسلم، عن ابی صالح عن ابی هريرة هذه الألفاظ بسند صحيح، رجاله ثقات. (مصنف ابن أبي شيبة، جديد ۳/ ۲۸۲، رقم: ۳۸۲۰)

أخبرنا الجارود بن معاذ، حدثنا أبو خالد الأحمر عن محمد بن عجلان، عن زید بن أسلم عن ابی صالح عن ابی هريرة، قال قال رسول الله ﷺ: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا، وإذا قال سمع الله لمن حمد، فقولوا: اللهم ربنا لك الحمد. (سنن كبرى للنسائي ۱/ ۳۲۰، رقم: ۹۹۳، نسائي صغرى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام کو اس کی اقتدا کے لئے مقرر کیا جاتا ہے؛ لہذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموشی اختیار کرو اور جب ”سمع اللہ لمن حمد“ کہے تو تم کہو ”اللہم ربنا لک الحمد“۔

هندي ۱/ ۱۰۷، رقم: ۹۲۲)

رواه ابن ابی شیبہ عن ابی خالد بسند صحيح. (جديد ۵/ ۶۱، رقم: ۷۲۱۴)

امام مسلم رحمۃ اللہ سے ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے کہا: پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی صحیح ہے، یعنی جب امام قراءت کرے تو تم خاموشی اختیار کرو، تو امام مسلم نے فرمایا کہ میرے نزدیک بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے۔

(۵) فقال له أبو بكر، فحديث أبي هريرة فقال: هو صحيح، يعني وإذا قرأ فانصتوا، فقال: مسلم وهو عندي صحيح. (مسلم شريف ۱/ ۱۷۴)

حضرت علیؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی ہے یقیناً اس نے فطرت اسلامی یعنی سنت رسول کی مخالفت کی ہے۔

صحابی (۴) حضرت علیؓ: عن علي قال: من قرأ خلف الإمام فقد أخطأ الفطرة. (مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۳۷۶، جدید ۳/ ۲۷۸، برقم: ۳۸۰۲)

سری نماز میں قراءت کی ممانعت

صحابی (۵) حضرت عمران بن حصینؓ:

حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی سلام کے بعد فرمایا کیا تم میں کسی نے سورۃ ”سبح اسم ربک الأعلى“ پڑھی ہے؟ تو لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے پڑھی ہے، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے بعض لوگوں نے مجھے قرأت کرنے میں خلجان

عن عمران بن حصين أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر، فلما سلم قال: هل قرأ منكم أحد "بِسَبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى"؟ فقال رجل من القوم، أنا، فقال: قد علمت أن بعضكم خالجنيها. (مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۳۷۶، جدید ۳/ ۲۷۳، برقم: ۳۷۹۸)

میں ڈال دیا ہے، یہ ظہر کی سری نماز تھی جس میں مقتدی کو قرأت کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو ظہر کی نماز پڑھائی، پھر جب نماز پوری فرمائی تو فرمایا کہ تم میں سے کس نے ”سبح اسم ربک الاعلیٰ“ پڑھا ہے؟ تو لوگوں میں سے بعض نے کہا کہ میں نے پڑھی ہے یا رسول اللہ، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یقین سے معلوم ہوا کہ تم میں سے بعض لوگ مجھے خلعان میں مبتلا کرتے ہیں۔

السنن الكبرى للنسائي ۱/۳۱۸، رقم: ۹۸۹،
مسلم شریف ۱/۱۷۲، رقم: ۳۹۸ (جدید)

عبدالرزاق قال: أخبرنا معمر عن قتادة عن زرارة بن أبي أوفى عن عمران بن حصين: أن رسول الله ﷺ صلى بأصحابه الظهر، فلما قضى صلاته قال: أيكم قرأ بسبح اسم ربك الاعلى؟ فقال بعض القوم: أنا يا رسول الله! قال: قد عرفت أن بعضكم خالجنيها. (مصنف عبدالرزاق ۳/

۱۳۶، برقم: ۲۷۹۹)

صحابی (۶) حضرت جابر بن عبد اللہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی شخص نماز پڑھے اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو گویا کہ اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو، کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف حسن صحیح ہے۔

عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من صلى ركعة فلم يقرأ فيها بأم القرآن، فلم يصل إلا وراء الإمام. ونقل الترمذي موقوفاً، وقال: هذا حديث حسنٌ صحيح. (ترمذی ۱/۷۱، رقم: ۳۱۳، طحاوی ۱/۱۲۸، جدید ۱/۲۸۲،

رقم: ۱۲۶۵)

حدثنا مالك بن اسماعيل عن
حسن بن صالح عن أبي الزبير
عن جابر عن النبي صلى الله
عليه وسلم قال: كل من كان
له إمام فقرأه له قراءة.
(إسناده صحيح) (مصنف ابن أبي
شيبه ۳/ ۲۸۲، رقم: ۳۸۲۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں کہ حضور کا ارشاد ہے
کہ ہر وہ شخص جس کا امام ہو تو امام کی قرأت
ہی اس کی قرأت ہے۔

عن جابر قال: قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم: من كان
له إمام فقرأه له قراءة.
(إسناده صحيح) (طحاوي شريف
۱/ ۲۸۱، رقم: ۱۲۵۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نمازی کا
امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت کے
لئے کافی ہے۔

صحابی (۷) حضرت زید بن اسلم:

عن زيد بن أسلم نهي رسول
الله صلى الله عليه وسلم عن
القراءة خلف الإمام. (مصنف
عبدالرزاق ۲/ ۱۳۹، رقم: ۲۸۱۰)

حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قرأت
کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

صحابی (۸) حضرت انس:

عن أنس قال: صلى رسول الله
صلى الله عليه وسلم، ثم أقبل
بوجهه، فقال: أتقرؤون
والإمام يقرأ، فسكتوا فسألهم
ثلاثاً، فقالوا: إنا لنفعل، قال:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے
ہیں کہ حضور ﷺ نے نماز پڑھائی، پھر متوجہ
ہو کر فرمایا کیا تم قرأت کرتے ہو؟ حالانکہ
امام قرأت کرتا ہے، پھر صحابہ نے خاموشی
اختیار فرمائی تین مرتبہ کہنے کے بعد صحابہ نے

فرمایا جی ہاں قرأت کرتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا مت کرو۔

فلا تفعلوا۔ (طحاوی شریف ۱/ ۱۲۸، جدید ۱/ ۲۸۲، برقم: ۱۲۶۸)

صحابی (۹) حضرت ابوالدرداءؓ:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! ہر نماز کے اندر قرآن ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں، تو انصار میں سے ایک آدمی نے کہا کہ قرأت واجب ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت ابودرداء نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ امام جب قوم کی امامت کرے تو اس کی قرأت قوم کے لئے کافی ہے۔

عن أبي الدرداء أن رجلاً قال: يا رسول الله! في كل الصلاة قرآن؟ قال: نعم، فقال رجل من الأنصار: وجبت قال: وقال أبو الدرداء: أرى أن الإمام إذا أم القوم فقد كفاهم۔ (طحاوی شریف ۱/ ۱۲۷، جدید ۲۸۰، برقم: ۱۲۵۴، انظر السنن الكبرى للنسائي ۱/ ۳۲۰، برقم: ۹۹۰)

صحابی (۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں فرماتے تھے۔

عن نافع أن عبد الله بن عمر لا يقرأ خلف الإمام۔ (موطا امام مالك / ۲۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب سوال کیا جاتا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہے؟ جواب میں فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے، اور خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں فرماتے تھے۔

عن نافع أن عبد الله بن عمر كان إذا سئل هل يقرأ أحد خلف الإمام؟ يقول: إذا صلى أحدكم خلف الإمام فحسبه قراءة الإمام، وإذا صلى وحده فليقرأ، قال: وكان عبد الله بن عمر لا يقرأ خلف الإمام۔ (موطا مالك / ۲۹ طحاوی شریف ۱/ ۲۸۴، جدید برقم: ۱۲۸۳)

صحابی (۱۱) حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد:

حضرت عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز میں امامت فرمائی، تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی، تو بغل والے آدمی نے اسے اشارہ فرمایا تو نماز سے فراغت کے بعد اس نے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں اشارہ کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری امامت فرما رہے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تمہارا پڑھنا میں نے پسند نہیں کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا کہ جس کے لئے امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت کے لئے کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن شداد لیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، آپ کے پیچھے ایک آدمی قرأت کرنے لگے اور دوسرے آدمی اس کو منع کرنے لگے، پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے کہا یا رسول اللہ! میں پڑھ رہا تھا اور یہ مجھے منع کر رہا تھا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: جس کا کوئی امام ہو تو یقیناً امام کی قرأت اس مقتدی کی قرأت کے لئے کافی ہے۔

عن عبد اللہ بن شداد بن الہاد قال: أم رسول الله صلى الله عليه وسلم في العصر قال: فقراء رجل خلفه، فغمزه الذي يليه، فلما أن صلى قال: لم غمزتني؟ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أمك فكرهت أن تقرأ خلفه، فسمعه النبي صلى الله عليه وسلم قال: من كان له إمام، فإن قراءته له قراءه. (موطا إمام محمد/ ۱۰، مصنف ابن أبي شيبة جديده ۳/ ۲۷۵، برقم: ۳۸۰۰)

عبدالرزاق عن الثوري عن موسى بن أبي عائشة عن عبد الله بن شداد بن الہاد الليثي قال: صلى النبي ﷺ الظهر أو العصر، فجعل رجل يقرأ خلف النبي ﷺ، ورجل ينهاه، فلما صلى قال: يا رسول الله! كنت أقرأ وكان هذا ينهاني، فقال له رسول الله ﷺ: من كان له إمام فإن قراءه الإمام له قراءه. (مصنف عبدالرزاق ۳/ ۱۳۶، برقم: ۲۷۹۷)

جہری اور سری دونوں نمازوں میں ممانعت

صحابی (۱۲) حضرت ابن عباسؓ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کی قرأت تمہارے لئے کافی ہے، چاہے امام جہر کرتا ہو یا سر، دونوں صورتوں میں کافی ہے۔

عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يكفيك قراءة الإمام خافت أو جهر.
(أخرجہ الدارقطني ۱/ ۳۲۵، رقم: ۱۲۳۸ عمدة القاري بيروتی ۶/ ۱۲، عمدة القاري زكريا ۴/ ۴۴۸)

صحابی (۱۳) عبد اللہ بن بحینہؓ:

حضرت عبد اللہ بن بحینہ سے مروی ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے ابھی ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے، تو لوگوں نے کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا کہ بے شک میں اپنے جی ہی میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے مقابلہ اور منازعت کی جا رہی ہے، تو لوگ آپ کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے جس وقت آپ کی یہ بات سنی۔

عن عبد الله بن بحينة، وكان من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: هل قرأ أحد منكم معي آنفاً؟ قالوا: نعم، قال: إني أقول مالي أنزع القرآن، فانتهي الناس عن القراءة معه حين قال ذلك. (مسند إمام أحمد بن حنبل ۵/ ۳۴۵، رقم: ۲۳۳۱)

صحابی (۱۴) حضرت عمر بن الخطابؓ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چاہئے کہ اس شخص کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا جائے

عن محمد بن عجلان أن عمر بن الخطاب قال: ليت في فم

الذي يقرأ خلف الإمام حجراً. جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔

(موطا إمام محمد/ ۱۰۲)

صحابی (۱۵) حضرت زید بن ثابتؓ:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کی نماز نہیں ہوگی۔

عن موسى بن سعد بن زيد بن ثابت يحدثه عن جده أنه قال:

من قرأ خلف الإمام فلا صلاة

له. (موطا إمام محمد/ ۱۰۲، مصنف

ابن أبي شيبة ۱/ ۳۷۶، جديد ۳/ ۲۷۹،

برقم: ۳۸۰۹)

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے مت پڑھا کرو چاہے جہری نماز ہو یا سری۔

عن زيد بن ثابت قال: لا تقرأ خلف الإمام إن جهر ولا إن خافت.

(مصنف ابن أبي شيبة جديد

۲/ ۲۷۹، رقم: ۳۸۰۸)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے ساتھ قراءت کرے گا، اس کی نماز ہی نہ ہوگی۔

عبدالرزاق، عن داؤد بن قيس قال: أخبرني عمر بن محمد

بن زيد بن عمر بن الخطاب

قال: حدثني موسى بن سعيد

عن زيد بن ثابت قال: من قرأ

مع الإمام فلا صلاة له. (مصنف

عبدالرزاق ۳/ ۱۳۷، رقم: ۲۸۰۲)

صحابی (۱۶) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ:

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارہ ٹھونس دیا جائے۔

إن سعداً قال: وددت أن الذي

يقرأ خلف الإمام في فيه

جمرة. (موطا إمام محمد/ ۱۰۱)

خلفاء راشدین کا فتویٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آپ کے سامنے سولہ صحابہؓ کے واسطے سے آچکا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے ممانعت فرمائی، اور بعض روایات میں جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں قرأت کی ممانعت فرمائی ہے، اب آپ دیکھ لیجئے کہ حضرات خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، اور ما قبل میں صحابی (۳) کے ذیل میں حضرت علیؓ کی ممانعت بھی آپ کے سامنے آچکی ہے، اور چاروں خلفاء راشدین کا فتویٰ بھی قرأت کی ممانعت کے ثبوت پر ہے، تو پھر کس کی ہمت ہے کہ ان کی مخالفت میں آواز اٹھائے، خلفاء راشدین کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت موسیٰ ابن عقبہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ یہ سب کے سب امام کے پیچھے قرأت کرنے سے مقتدی کو منع فرمایا کرتے تھے۔

عن موسیٰ بن عقبہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا بكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام. (مصنف عبدالرزاق ۲/

۱۳۹، برقم: ۲۸۱۰)

روایات کا تحقیقی جائزہ

اب آپ کے سامنے دونوں قسم کی روایات آچکیں، اول الذکر روایات میں امام کے پیچھے قرأت کا حکم ہے، اور مؤخر الذکر روایات میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت ہے، اور غیر مقلدین کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ پہلی قسم کی روایات صحیح سندوں سے مروی ہیں، اور دوسری قسم کی روایات سند کے اعتبار سے کمزور ہیں؛ بلکہ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ دوسری قسم کی بہت

سی روایات اعلیٰ درجہ کی صحیح سندوں سے مروی ہیں، جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی روایات ہیں، جو صحیح مسلم وغیرہ سے نقل کی گئیں ہیں، اور دیگر روایات ان کی مؤید ہیں، اور پہلی قسم کی روایات چار صحابہ سے مروی ہیں، جب کہ دوسری قسم کی روایات سولہ (۱۶) صحابہ سے مروی ہیں، اب دونوں قسم کی روایات کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ چار وجوہات سے مقتدی کے قرأت نہ کرنے کی روایات کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۱) جن روایات صحیحہ میں فاتحہ خلف الامام کا ذکر ہے، ان میں سے کسی میں بھی صاف الفاظ کے ساتھ آپ کا ارشاد اس طرح مروی نہیں ہے کہ تم امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو؛ بلکہ مطلق اور مجمل الفاظ ہیں، جن سے یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ جب تنہا نماز پڑھ رہا ہو، یا خود امام بن کر نماز پڑھا رہا ہے تو قرأت لازم ہے؛ لہذا مقتدی اس حکم کا مخاطب ہی نہیں ہے۔

(۲) اور ”سکتین“ کے درمیان فاتحہ پڑھنے کی روایات متکلم فیہ ہیں، اس کی سند پر سب ہی محدثین نے کلام فرمایا ہے، نیز سکتہ کے درمیان پوری سورۃ فاتحہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہیں۔

(۳) دونوں قسم کی روایات میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کی روایات سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۴ ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ کے نزول سے پہلے کی ہیں؛ اس لئے کہ آیت کے نزول سے پہلے نماز میں سلام و کلام اور مقتدی کے لئے خود قرأت کرنا سب جائز تھا، اور دوسری قسم کی روایات سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۴ کے نزول کے بعد کی ہیں؛ لہذا اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نماز میں سلام و کلام اور مقتدی کی قرأت وغیرہ سب باتیں منسوخ ہو چکیں؛ لہذا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی روایات اگرچہ صحیح سند سے ثابت ہیں، مگر پھر بھی اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں، ایسی صورت میں دونوں قسم کی روایات کا صحیح مہمل سامنے آجاتا ہے، ورنہ لازمی طور پر کہنا پڑے گا کہ ایک قسم کی روایات غلط اور جھوٹ ہیں اور دوسری قسم کی روایات صحیح ہیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

(۴) پہلی قسم کی روایات کا منسوخ ہونا دوسری قسم کی روایات سے صاف واضح ہوتا ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے پہلی قسم کی روایات مروی ہیں، جن میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے، اور پھر انہیں صحابہ کرام سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کا حکم ثابت ہے، خواہ امام جہر کے ساتھ پڑھے یا آہستہ، بہر صورت تم کو امام کی قرأت کافی ہو جائے گی، نیز حضرت جابرؓ، حضرت ابوالدرداء، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن شدادؓ اور حضرت عمر بن خطاب، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ان تمام صحابہ کی روایات میں صاف الفاظ کے ساتھ اس بات کا ذکر ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے قرأت مشروع نہیں ہے؛ بلکہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے، نیز حضرت عمرؓ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ایسے مقتدی کے منہ میں پتھر ٹھونس دو تا کہ منہ ہی نہ ہلا سکے، اور حضرت زید بن ثابتؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارہ ڈال دیا جائے تو بہتر ہے، تا کہ منہ ہی نہ ہلا سکے، اس قسم کی روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں۔

(۵) نماز میں سکون و خشوع مقصود ہے؛ لہذا جب مقتدی بھی امام کے پیچھے قرأت کرنے لگیں گے تو کسی کو بھی خشوع اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا، جیسا کہ مسلم شریف مصنف ابن ابی شیبہ، سنن کبریٰ، نسائی وغیرہ میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہے، اور اگر سب آہستہ بھی پڑھ لیں تب بھی بڑے مجمع میں کسی کو نماز میں سکون و خشوع حاصل نہیں ہو سکتا، ان تمام دلائل سے امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کی روایات کا راجح ہونا ثابت ہوا، نیز قرأت نہ کرنے کی روایات کو نقل کرنے والے سولہ (۱۶) صحابہ ہیں، ان میں سے اکثر اجلہ صحابہ اور فقہاء صحابہ ہیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہم مشہور ترین فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔

اس کے برخلاف امام کے پیچھے قرأت کرنے والے صحابہ میں سے کسی کی بھی فقہت مشہور نہیں ہے؛ لہذا حاصل یہی نکلا کہ آیت قرآنی اور احادیث رسول سے یہی ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا ہی آخری حکم ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو غیر مقلدین کی طرف سے منسوخ شدہ روایات پیش کرنے کی وجہ سے شکوک و شبہات میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ صفر ۱۴۳۳ھ

امام کو رکوع میں پانے والا رکعت پالیتا ہے

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ! یہاں یہ مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں مسجد میں داخل ہو کہ جماعت ہو رہی ہو اور امام رکوع میں جا چکا ہو اور یہ شخص فوری طور پر کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہہ کر کے امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے تو اس کی یہ رکعت معتبر ہوگی یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی یہ رکعت معتبر ہو جائے گی، اور اس رکعت کا اعادہ اس پر لازم نہیں ہے، جس کی دلیل میں اس مضمون میں انشاء اللہ متعدد روایات پیش کی جائیں گی؛ لیکن علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی جو غیر مقلدین کی صف اول کے پیشوا اور امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ رکعت معتبر نہ ہوگی؛ اس لئے کہ اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی ہے۔ (المحلی بالآثار ۴/۲۷۷ تا ۲۷۸، مسئلہ ۳۶۲)

یہی غیر مقلدین کا مسلک ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کے پیشوا میر نور الحسن خاں نے اپنی کتاب عرف الجادی / ۳۷ میں لکھا ہے، وہ لوگ اس رکعت کو معتبر نہیں مانتے حالانکہ صحابہ کرام میں سے کسی سے اس کی صراحت کے ساتھ کوئی روایت مروی نہیں ہے کہ جو شخص رکوع پالے گا اس کی وہ رکعت معتبر نہ ہوگی، اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اس کی صراحت پر موجود ہے، صرف اس بات پر قیاس آرائی کر کے اس رکعت کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں کہ اس

نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی؛ اس لئے اس کی یہ رکعت معتبر نہیں، غیر مقلدین کو اس قیاس آرائی کی ضرورت اس لئے پڑی ہے کہ بحالت رکوع سورہ فاتحہ یا کسی اور سورت کی قرأت کرنے کی صحیح حدیث سے ممانعت وارد ہوئی ہے، اب یہاں آ کر کے غیر مقلدین اٹک گئے کہ وہ لوگ ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر بھی فرض ہے، اگر اس رکعت کو معتبر مانتے ہیں تو مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنے کو فرض نہیں کہہ سکتے اور دوسری طرف یہ بات ہے کہ اگر سورہ فاتحہ کو رکوع میں پڑھنے کا حکم لگائیں گے تو ان کے لئے دوسری پریشانی یہ ہے کہ صحیح حدیث شریف میں صاف الفاظ کے ساتھ رکوع میں سورہ فاتحہ یا دیگر سورت کی قرأت جائز نہیں؛ اس لئے ان لوگوں نے یہ قیاس آرائی کی کہ وہ رکعت ہی معتبر نہیں ہے، اور بقول ان کے اس شخص پر اس رکعت کا اعادہ لازم ہے، غیر مقلدین کی اس قیاس آرائی کی وجہ سے اس مضمون کو لکھنے کی ضرورت پیش آئی ہے، اب اس مضمون کے ذیل میں حضرات صحابہ کرام کے ایسے اعمال اور اقوال پیش کرتے ہیں جن میں صراحت کے ساتھ اس بات کی وضاحت ہے کہ وہ رکعت معتبر ہو جائے گی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، ہم مسلمانوں کو اس بات پر آگاہ کرتے ہیں کہ یہ غیر مقلدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال اور شریعت کو حضرات صحابہ سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے، اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے آپ کو صحابہ سے بھی شریعت کو سمجھنے میں بڑھا ہوا سمجھتے ہیں، اس لئے حضرات صحابہ کرام کے اقوال و اعمال اور ان کے فتاویٰ کو جب اپنی مرضی کے خلاف ہوں تو پس پشت ڈال دیتے ہیں، اور اپنے من گھڑت قیاس سے کام لیتے ہیں، اب ہم آپ کے سامنے وہ روایات پیش کرتے ہیں جن سے صاف واضح ہو جائے گا کہ وہ رکعت معتبر ہے، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

رکعت کے معتبر ہونے کی روایات

(۱) عن زید بن وہب قال: حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں کہ میں
خرجت مع عبد اللہ یعنی ابن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان

کے گھر سے آ کر مسجد میں داخل ہوا، جب ہم دونوں مسجد کے بیچ میں پہنچے تو امام نے رکوع کر لیا، تو عبداللہ بن مسعودؓ بھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے، اور میں بھی ان کے ساتھ تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا گیا، پھر ہم دونوں رکوع کی حالت میں چلتے ہوئے صف میں جا کر کے مل گئے، جس وقت لوگ اپنے سر اوپر کواٹھا رہے تھے، پھر جب امام نے نماز پوری کر لی تو میں یہ سمجھتے ہوئے کھڑا ہوا کہ میں نے وہ رکعت نہیں پائی، تو عبداللہ بن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کے مجھے بٹھا دیا، پھر کہا کہ بے شک تم نے یہ رکعت پالی ہے۔

اسی طرح کی لمبی جلتی روایت کچھ اختصار کے ساتھ مروی ہے، جس کی سند کے تمام رواۃ ثقہ اور معتبر ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

مسعود من دارہ الی المسجد، فلما توسطنا المسجد رکع الإمام فکبر عبد اللہ ورکع ورکعت معہ، ثم مشینا راکعین حتی انتھینا الی الصف حین رفع القوم رؤوسہم، فلما قضی الإمام الصلاة قمت وأنا أری أني لم أدرك فأخذ عبد اللہ بیدی وأجلسنی، ثم قال: إنک قد أدركت. (السنن الکبری للبیہقی

۲/ ۴۱۱ برقم: ۲۶۴۱)

حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں میں اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں اس حالت میں داخل ہوئے جب کہ امام رکوع میں جا چکا تھا، تو ہم دونوں نے بھی رکوع کر لیا، پھر ہم اسی حالت میں چلتے ہوئے صف میں مل کر برابر ہو گئے، پھر جب امام نماز سے فارغ ہو گئے تو میں اس رکعت کو قضاء کرنے کے لئے بطور مسبوق کھڑا ہوا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یقیناً تم نے اس رکعت کو پالیا۔

(۲) عن زید بن وہب قال: دخلت أنا وابن مسعود المسجد والإمام راکع، فرکعنا ثم مضینا حتی استوینا بالصف، فلما فرغ الإمام قمت أقضی، فقال: قد أدركته.

(رجالہ ثقات). (المعجم الکبیر

۹/ ۲۷۱، برقم: ۹۳۵۴، ۹۳۵۵،

مصنف عبد الرزاق ۲/ ۲۸۳ برقم:

۳۳۸۱، مجمع الزوائد ۲/ ۷۷، إعلاء

السنن بیروت ۴/ ۳۱۵، برقم: ۱۳۰۲)

حضرت امام نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کو رکوع کی حالت میں پالیتا ہے، پھر امام کے سر اٹھانے سے پہلے پہلے یہ بھی رکوع کر لیتا ہے تو یقیناً وہ اس رکعت کو پالیتا ہے۔

(۳) عن نافع عن ابن عمر أنه كان يقول: من أدرك الإمام راكعاً فركع قبل أن يرفع الإمام رأسه، فقد أدرك تلك الركعة. (السنن الكبرى ۲/۴۰۹ برقم: ۲۶۳۴)

حضرت زید بن وہب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسلام لے آئے تھے، مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہو گئے، مگر راستہ میں معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے، اس لئے ان کو شرف صحابیت حاصل نہیں ہو سکا، ان کا شمار تابعین میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

زيد بن وهب الجهني أدرك الجاهلية وأسلم في حياة النبي صلى الله عليه وسلم وهاجر إليه، فبلغته وفاته في الطريق، وهو معدود في كبار التابعين. (أسد الغابة ۲/۱۴۹)

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید سے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کچھ بیان کریں اس کی تصدیق تم کو ضرور کرنی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا وكيع عن سفيان عن عبد الملك بن عمير عن مولى لربيعة، عن ربيعة عن حذيفة قال: كنا عند النبي ﷺ جلوساً، فقال: إني لا أدري ما قدر بقائي فيكم فافتدوا بالذين من بعدي، وأشار إلى أبي بكر وعمر وتمسكوا بعهد عمار وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه. (مسند أحمد ۵/۳۸۵، رقم: ۲۳۶۶۵-۲۳۸۱۳، صحيح ابن حبان ۴/۲۵۵، رقم: ۶۹۱۱)

لہذا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی تصدیق لازم اور ضروری ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ جب رکوع پالیا تو رکعت پالی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول مصنف عبدالرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم امام کو رکوع کی حالت میں پالو پھر تم امام کے سر اٹھانے سے پہلے پہلے رکوع کر لو تو یقیناً تم اس رکعت کو پالو گے، اور اگر تمہارے رکوع کرنے سے پہلے پہلے امام سر اٹھالے تو یقیناً وہ رکعت تم سے فوت ہو جائے گی۔

(۴) عن ابن عمر قال: إذا أدركت الإمام راكعاً فركعت قبل أن يرفع فقد أدركت، وإن رفع قبل أن تركع فقد فاتتک. (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۷۹ رقم: ۳۳۶۱)

حضرت امام ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس بات کا فتویٰ دیا کرتے تھے کہ آدمی جب لوگوں کی جماعت میں اس وقت پہنچ جائے کہ جب لوگ رکوع کی حالت میں ہوں، تو یہ شخص تکبیر کہہ کر کے لوگوں کے ساتھ شریک ہو جائے تو یقیناً وہ شخص اس رکعت کو پالیتا ہے، اور دونوں حضرات یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر لوگوں کو سجدہ کی حالت میں پالے اور یہ شخص ان کے ساتھ سجدہ کر لے تو اس رکعت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۵) عن الزهري أن زيد بن ثابت وابن عمر كانا يفتيان الرجل إذا انتهى إلى القوم وهم ركوع أن يكبر تكبيرة وقد أدرك الركعة، قالوا: وإن وجدهم سجوداً سجد معهم ولم يعتد بذلك. (إسناده صحيح) (مصنف عبدالرزاق ۲/ ۲۷۸ رقم: ۳۳۵۵)

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت امام نافع عبداللہ بن عمرؓ سے روایت

(۶) عن نافع عن ابن عمر

کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم امام کے رکوع کی حالت میں پہنچ جاؤ تو تم رکوع کر کے اپنے دونوں ہاتھوں کو امام کے سر اٹھانے سے پہلے پہلے اپنے گھٹنوں پر رکھ دو گے تو یقیناً تم اس رکعت کو پالو گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے نماز کے رکوع کو پالیتا ہے، تو یقیناً وہ اس رکعت کو پالیتا ہے۔

قال: إذا جئت والإمام راكع فوضعت يديك على ركبتيك قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت. (مصنف ابن أبي

شيبه ۲/ ۴۳۳ برقم: ۲۵۳۴)

(۷) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلبه.

(صحيح ابن حزيمة برقم: ۱۵۹۵،

دارقطني ۱/ ۳۳۹ برقم: ۱۲۹۸،

السنن الكبرى للبيهقي ۲/ ۴۰۸،

برقم: ۲۶۲۹، إعلاء السنن بيروت

۴/ ۳۱۷، برقم: ۱۳۰۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع روایت کی سند میں محدثین نے کلام کیا ہے، اس متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اس روایت کو استدلال کے لئے بنیاد نہیں بنایا ہے؛ لیکن ماقبل میں جو آثار آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں ان کے لئے مؤید بن سکتی ہے؛ اس لئے ہم نے اس روایت کو تائید کے طور پر پیش کر دیا ہے۔

روایات کا تحقیقی جائزہ

جو شخص امام کو رکوع کی حالت میں پالیتا ہے اس کی وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے معتبر ہونے کی سات وجوہات (۷) ناظرین کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرات صحابہ کرام سے واضح طور پر اس بات کی صراحت مل گئی ہے کہ جو شخص رکوع پالیلتا ہے اس کی وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ وہی صحابی رسول ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے، نبوت کے پہلے سال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما کر تشریف لے جانے تک ۲۳ رسالہ طویل مدت میں سفر و حضر میں ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء سب چیزوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جس قدر سمجھتے تھے کسی دوسرے کے لئے مشکل تھا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے سب سے بڑے فقیہ تھے، یہ وہی صحابی رسول ہیں جو صاف طور پر فرماتے ہیں کہ وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے، اور جو لوگ اس رکعت کو لوٹانے کے لئے کھڑے ہونا چاہتے تھے ان کو ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا کرتے تھے، جیسا کہ روایت نمبر ۱۲ سے واضح ہو چکا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ دونوں فقہاء صحابہ میں سے ہیں، ان دونوں کا مشترکہ فتویٰ بھی آپ کے سامنے آچکا ہے کہ وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے، جیسا کہ روایت نمبر ۵۷ میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

(۴) اس رکعت کے معتبر نہ ہونے کے بارے میں خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی صراحت کے ساتھ کوئی روایت ثابت نہیں ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس سلسلے میں کسی صحابی نے نقل کیا ہے، اور نہ ہی کسی صحابی کا قول یا عمل اس بارے میں ثابت ہے۔

(۵) ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اتفاق اس بات پر ہے کہ وہ رکعت معتبر ہو جاتی ہے، اس کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

(۶) ان تمام وجوہات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کا جو حکم ہے وہ

مقتدیوں کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ یہ حکم امام اور منفرد کے لئے ہے، کہ امام اور منفرد کی نماز بغیر سورہ فاتحہ کے درست نہیں ہوتی ہے، اور مقتدی کی نماز درست ہو جاتی ہے؛ اس لئے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے لئے کافی ہو جاتی ہے، بے شمار روایات سے اس کا ثبوت ہے۔

(۷) اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا لازم اور واجب ہوتا تو پھر ان کو رکوع کی حالت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی جاتی، حالانکہ رکوع میں سورہ فاتحہ یا کسی اور سورت کے پڑھنے کی ممانعت صحیح حدیث سے وارد ہو چکی ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رکوع کی حالت میں قرأت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

عن ابن عباس أنه قال: نُهيْتُ أن أقرأ وأنا راكع. (مسلم شريف ۱/ ۱۹۱، جديد برقم: ۴۸۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

عن علي بن أبي طالب أنه قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن القراءة في الركوع والسجود. (مسلم شريف ۲/ ۱۹۳، جديد برقم: ۲۰۷۸، ۱/ ۱۹۱، ۱/ ۶۱، ۱/ ۲۶۴، مسند أبي يعلى الموصلی ۱/ ۲۰۸، برقم: ۴۰۹، صحيح ابن حبان ۳/ ۱۴۴، برقم: ۱۸۹۲، مسند أحمد ابن حنبل ۱/ ۱۵۵، برقم: ۱۳۳۰)

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روایات کے درمیان کسی قسم کا تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے، کہ جس حدیث شریف میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے، اس کا تعلق امام اور منفرد کے ساتھ ہے مقتدی کے ساتھ نہیں ہے، اور جس حدیث شریف میں رکوع اور سجدہ کی

حالت میں قرأت کی ممانعت کی گئی ہے وہ اپنی جگہ درست ہے، کسی کے لئے بھی رکوع اور سجدہ میں قرأت کرنا جائز نہیں ہے، اور جن روایات سے امام کو رکوع کی حالت میں پانے کی صورت میں مقتدی کی اس رکعت کو معتبر کہا گیا ہے، وہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں؛ اس لئے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھنے کا مکلف نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۳ صفر ۱۴۳۳ھ

قراءت خلف الامام اور آمین بالجہر کا حکم

سوال [۱۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہے اور آمین جہراً کہتا ہے، اس کی نماز مکمل ہوگی یا نہیں؟

(۲) دوسرا شخص امام کے ساتھ سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے اور آمین ہلکی آواز سے کہتا ہے کہ دوسرا شخص سن سکے، تو اس کی نماز مکمل سنت کے مطابق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ جامع مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) جو شخص امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتا ہے، اس کا عمل غلط ہے۔ اور جو شخص نہیں پڑھتا ہے اس کا عمل صحیح اور درست ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم شروع میں پڑھتے تھے، بعد میں جب آیت کریمہ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [الأعراف: ۴، ۵]: اور آیت کریمہ: ﴿وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ [البقرة: ۲۲۸] نازل ہوئی تو امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

عن موسیٰ بن عقبہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبا بكر، وعمر، وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام. (مصنف عبدالرزاق،

اور آئین کہنے کے بارے میں جہری اور سری دونوں طرح کی روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، مگر سری کہنے کی روایت زیادہ راجح ہے؛ اس لئے افضل اور مسنون عمل اسی کا ہے جو آہستہ آئین کہتا ہے۔

عن علقمة بن وائل، عن أبيه، عن النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقال: آمين، وخفض بها صوته. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التامين، النسخة الهندية ۱/ ۵۸، دار السلام، رقم: ۲۴۸، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۲۲/ ۴۵، رقم: ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ صفر ۱۴۲۵ھ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۸/۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳/۸۲۳۴)

مکبر کا بلند آواز سے آئین کہنا

سوال [۱۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آئین آہستہ کہنا سنت اور افضل ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اس کے برخلاف امام شافعیؒ بلند آواز کے ساتھ آئین کہنے کو افضل اور سنت بتلاتے ہیں؛ اس لئے ایک حنفی مقلد کو تو آہستہ ہی آئین کہنا چاہئے، مگر سوال یہ ہے کہ نماز جمعہ میں جامع مسجد میں ایک مکبر بلند آواز سے آئین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تکبیر تحمید و سلام بلند آواز سے کہتا ہوں، تو آئین بلند آواز سے کہنے میں کیا حرج ہے؟ جب کہ اس سے ایک سنت آئین کہنے کی بھی ادا ہو جاتی ہے اور مقتدیوں کو علم بھی ہو جاتا ہے کہ سورہ فاتحہ ختم ہو گئی ہے؛ لہذا بلند آواز سے آئین کہنا چاہئے اور مکبر کے بارے میں کوئی حدیث بھی نہیں ہے کہ وہ بھی آہستہ ہی آئین کہے، آپ علماء کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ آپ ہی جواب عنایت فرمائیں کہ مکبر کو بھی آہستہ ہی آئین کہنا چاہئے یا بلند آواز سے بھی کہنے میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے؟

المستفتی: محمد ناظم عباسی، حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکبر کی تکبیر میں انسانوں تک آواز پہنچانا مقصد ہوتا ہے اور آمین میں انسانوں کو آواز پہنچانا مقصد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ صرف خداوند، سبح و بصیر کو ہی سنانا مقصد ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کو سنانے کے لئے آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آمین بالجہر سے لوگوں کو سورہ فاتحہ ختم ہونے کی اطلاع ہو جاتی ہے، اس کی اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس سے کسی کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہے، مگر مکبر کی آواز نہ سننے سے پیچھے کے لوگوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۲۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۹۷۰۸)

آمین بالجہر کا حکم

سوال [۱۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا آمین سورہ فاتحہ کے بعد زور سے کہنا جائز ہے؟

المستفتی: مطلوب احمد متولی تھانہ والی مسجد، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہاں یہ بات بھی واضح کر دی جاتی ہے کہ احادیث شریفہ میں آمین کو جہراً پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے یا سراً؟ اس سلسلہ میں کتب حدیث میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں، بعض روایات کے اندر جہراً آمین کہنے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور بعض روایات میں سراً اور آہستہ آمین کہنے کا حکم ہے؛ لہذا آپ کے سامنے دونوں طرح کی روایات پیش کرتے ہیں۔

حدثنا بندار نا يحيى بن سعيد وعبد الرحمن بن مهدي، قال: نا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال: سمعت النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، وقال: آمين، ومد بها صوته. وفي رواية أبي داؤد: رفع بها صوته. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التامين، النسخة الهندية ۱/ ۵۷، دارالسلام، رقم: ۲۴۸، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۱۰/ ۳۴۹، رقم: ۴۴۸۸۱، المعجم الأوسط، دارالفكر ۴/ ۱۵۸، رقم: ۵۵۹، أبو داؤد، الصلاة، باب التامين وراء الإمام، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۴، دارالسلام، رقم: ۹۳۲)

حدثنا بندار، نا يحيى بن سعيد وعبد الرحمن بن مهدي قال: نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن علقمة بن وائل، عن أبيه، عن النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقال: آمين، وخفض بها صوته. وفي رواية: أخفى بها صوته. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التامين، النسخة الهندية ۱/ ۵۸، دارالسلام، رقم: ۲۴۸، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۷۷، رقم: ۱۱۱۷، مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۳۱۶، رقم: ۱۹۰۵۹)

اب آمین کے بارے میں صرف ایک صحابی یعنی حضرت وائل بن حجر سے واضح الفاظ کے ساتھ روایات ہمارے سامنے ہیں، پہلی قسم کی روایت میں ”مد بها صوته“ کے الفاظ ہیں، جس میں آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے، جہر کا ذکر نہیں ہے؛ اس لئے آواز کا کھینچنا جہر اور سر آدوں میں ہو سکتا ہے، جب دونوں میں ہو سکتا ہے تو جہر کا امکان ہے، یقین نہیں۔ اور دوسری قسم کی روایت میں ”خفض بها صوته“ کے الفاظ ہیں۔ اور ”خفض“ کے معنی آواز پست کرنا اور بالکل آہستہ کرنے کے ہیں، تو اس قسم کی روایات میں صرف آواز کو سر آورا آہستہ کرنے سے متعلق واضح الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظ میں جہر کا کوئی امکان اور شبہ نہیں ہے۔ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مطلقاً آمین کہنے کی روایات مروی ہیں۔ اور سر اور جہر سے متعلق واضح الفاظ نہیں ہیں؛ اس لئے مسئلہ آمین جہری یا سری کے متعلق صرف

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت موضوع بحث ہے، ان کی روایت میں آمین بالجہر سے متعلق جو الفاظ ہیں وہ حضرت سفیان ثوریؒ کی سند سے مروی ہیں، مگر الفاظ میں سر کا بھی احتمال ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں واضح الفاظ کے ساتھ آمین کو آہستہ کہنے کا ذکر ہے، وہ شعبہ بن حجاج کی سند سے مروی ہے۔ اور امام سفیان ثوریؒ اور امام شعبہ بن حجاجؒ دونوں ثقہ اور مضبوط راوی ہیں، جب کہ محدثین کے نزدیک یہ دونوں حضرات حفاظ حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہیں؛ اس لئے دونوں کی روایت صحیح اور معتبر ہیں؛ لیکن حدیث کے متن میں حضرت سفیان ثوریؒ کی روایت میں صرف آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے، جس کا تعلق جہر اور سردونوں سے ہو سکتا ہے؛ اس لئے دونوں احتمال ہیں، حضرت شعبہ بن حجاجؒ کی روایت میں واضح لفظوں میں آواز کو آہستہ اور پست کرنے کا ذکر ہے، اس وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آواز پست کرنے والی روایت کو ترجیح دے کر فرمایا کہ آمین آہستہ کہنا مسنون اور افضل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۶ صفر ۱۴۳۲ھ

۱۴۳۲/۲۶

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۹۰/۳۹)

نماز میں آمین بالجہر یا آمین بالسر

سوال [۱۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں بلند آواز سے یا آہستہ آواز سے آمین کہنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: زوار احمد ۱۰۲/اون و ہار ہاؤسنگ بورڈ عید گاہ جیے پور، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں دونوں طرح کی بات موجود ہے، ایک روایت میں جہراً آمین کہنے کی بات ہے اور دوسری روایت میں آہستہ آمین کہنے کا حکم ہے۔ اور

دونوں روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں سے مروی ہیں، امام ترمذیؒ نے امام سفیان ثوریؒ جو بہت بڑے ثقہ اور معتبر راوی ہیں، ان کی روایت پر کلام فرمایا ہے اور اس کلام کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام سفیان ثوریؒ سے بڑے بھی ہیں اور پہلے کے بھی ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے آہستہ آہستہ کہنے کو ترجیح دی ہے، اس لئے حنفی مسلک میں زور سے آمین کہنا مسنون نہیں ہے، بلکہ آہستہ آہستہ کہنا مسنون ہے، دونوں طرح کی روایات ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا بندار نا يحيى بن سعيد وعبد الرحمن بن مهدي، قال: نا
سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال:
سمعت النبي ﷺ قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، وقال: آمين،
ومد بها صوته. وفي رواية أبي داؤد: رفع بها صوته. (ترمذي، الصلاة، باب
ما جاء في التامين، النسخة الهندية ۱/ ۵۷، دارالسلام، رقم: ۲۴۸، أبو داؤد، الصلاة، باب
التأمين وراء الإمام، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۴، دارالسلام، رقم: ۹۳۲)

حدثنا بندار، نا يحيى بن سعيد وعبد الرحمن بن مهدي قال: نا شعبة
عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن علقمة بن وائل، عن أبيه، عن
النبي صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين، فقال:
آمين، وخفض بها صوته. (ترمذي، الصلاة، باب ما جاء في التامين، النسخة الهندية
۱/ ۵۸، دارالسلام، رقم: ۲۴۸، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي ۲۲/ ۴۵، مسند
أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۷۷، رقم: ۱۱۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۳/۸/۱۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۳/۸/۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۱۹)

سری نماز میں مقتدی کا آمین کہنا

سوال [۱۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: سری نمازوں میں امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی آمین کب کہیں؟

المستفتی: محمد عارف دھنورہ منڈی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سری نماز کے اندر مقتدی ”ولا الضالین“ سن لے تو آمین کہے گا۔ اور اگر نہیں سنے گا تو آمین نہیں کہے گا۔

لو سمع المقتدي من الإمام ”ولا الضالین“ في صلاة لا يجهر فيها مثل الظهر والعصر، قال بعض مشايخنا: لا يؤمن، وعن الفقيه أبي جعفر الهندواني: يؤمن. (هنديّة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ۱/۷۴، جديده ۱/۱۳۱، تاتارخانيّة، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، قديم ۱/۵۳۷، جديده، زكريا ۲/۱۶۷، رقم: ۲۰۳۶، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في ما يفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۲/۱۱۴، رقم: ۱۳۴۷، حاشية جليبي، كتاب الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، إمداديه ملتان ۱/۱۱۳، زكريا ۱/۲۹۵) فقط واللّه سبحانہ وتعالى اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۷/۵ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۲۹)

مسئلہ آمین بالسر کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ! تمام امت کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کی قراءت کے ختم پر آمین کہنا امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے مسنون ہے، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے اور کسی کے نزدیک بھی فرض یا واجب نہیں؛ لیکن علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ آمین جہر اُپڑھنا افضل ہے یا سرّاً، چنانچہ امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق امام کا آمین کہنا افضل نہیں ہے،

صرف مقتدیوں کا آمین کہنا افضل ہے۔ (المغنی/۱/۲۹۰) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام مقتدی اور منفرد سب کے لئے آہستہ آمین کہنا افضل ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام جہری نماز میں قدرے جہر سے آمین کہے گا اور مقتدیوں کا آہستہ آمین کہنا پسندیدہ ہے۔ (کتاب الام ب: ۵۲، ص: ۸۵، ق: ۱۷۸) اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک امام مقتدی دونوں کے لئے جہری نمازوں میں جہراً آمین کہنا افضل ہے۔ (المغنی لابن قدامہ/۱/۲۹۰) اور یہاں یہ بات واضح ہو جانی چاہئے کہ ائمہ کے درمیان کا اختلاف صرف افضلیت اور اولویت کے بارے میں ہے، حلت و حرمت اور حق و باطل کا اختلاف نہیں ہے، مگر آج کل کے زمانہ میں ”فرقہ غیر مقلدین“ اس مسئلہ کو بڑی اہمیت دیتا ہے، اور اس اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف قرار دیتے ہوئے آمین بالجہر کو حق کہتا ہے، اور آمین بالسر کرنے والے کو تارک سنت اور حدیث رسول کے مخالف قرار دینے کی کوشش کرتا ہے، تو اس سلسلہ میں اس مختصر سے مضمون کو ہم آپ کے سامنے اس طرح سے پیش کرتے ہیں کہ اولاً بخاری شریف کی وہ حدیث شریف نقل کریں گے جس میں آمین کہنے کی فضیلت آئی ہے، اس کے بعد حضرت وائل بن حجرؒ کی روایت کو موضوع بحث بنا کر وضاحت کریں گے؛ اس لئے کہ حضرت وائل بن حجرؒ سے صاف الفاظ کے ساتھ جہراً آمین کہنے کی بھی روایت ہے، اور صاف الفاظ کے ساتھ سرراً اور آہستہ آمین کہنے کی بھی روایت ہے، پھر اس کے بعد آخر میں سرراً اور آہستہ آمین کہنے کے ثبوت میں پانچ (۵) احادیث و آثار پیش کریں گے۔ اب اس تمہید کے بعد مسلمانوں کے سامنے ہم حدیث رسول اور آثار صحابہ کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔

نماز میں آمین کہنے کی فضیلت

بخاری شریف کی روایت ملاحظہ فرمائیے جس میں ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ کے بعد آمین کہنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

عن أبي هريرة أن رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال: إذا
قال الإمام "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ
عَلَيْهِمْ" حضرت ابو هريرة سے مروی ہے کہ بیشک حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب
امام سورہ فاتحہ میں "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ"

وَلَا الضَّالِّينَ“ کہے تو تم آمین کہو؛ اس لئے کہ جس کا آمین کہنا ملائکہ کے آمین کہنے کے موافق ہو جائے گا تو اس کے ماقبل کے سارے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ فقولوا آمين فإنه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ماتقدم من ذنبه. (بخاری شریف ۱/۱۰۸، حدیث رقم: ۷۷۴، ف رقم: ۷۸۲)

اب اس حدیث شریف پر غور کرنے سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام کے ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ کہنے کے بعد مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم کیا گیا ہے، اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے آمین جہراً کہی جائے یا سرّاً، دونوں طرح کا احتمال موجود ہے؛ لہذا اس سلسلہ میں واضح الفاظ کے ساتھ روایت تلاش کرنے کی ضرورت پڑی تو صاف الفاظ کے ساتھ حضرت وائل بن حجر کی روایت بالجہر سے متعلق بھی مل گئی، اور بالسسر سے متعلق بھی مل گئی، دونوں قسم کی روایتیں مسلمانوں کے سامنے پیش خدمت ہیں۔

آمین بالجہر کی روایت

حدثنا بندار نا يحيى بن سعيد وعبد الرحمن بن مهدي قالا : نا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال : سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قرأ ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ وقال آمين، ومدّ بها صوتهُ، وفي رواية أبي داؤد : رفع بها صوتهُ .

حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ آپ نے ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ پڑھ کر کے آمین کہا اور آمین کے ساتھ آواز کو کھینچا، اور ابوداؤد کی روایت میں آواز کو بلند کرنے کی صراحت ہے۔

(ترمذی شریف ۱/۵۷، جدید برقم: ۲۴۸، ابوداؤد شریف ۱/۱۳۴، جدید برقم: ۹۳۲، المعجم الكبير ۲۲/۲۰ تا ۲۳ برقم: ۳۰ تا ۴۱ و ۲۲/۴۵)

آمین بالسر کی روایت

(۱) حدثنا بندار نا يحيى بن سعيد و عبدالرحمن بن مهدي قالوا : نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن علقمة بن وائل عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قرأ ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ وَلَا الضَّالِّينَ“ وقال آمين، وخفض بها صوته. (ترمذی شریف ۱/ ۵۸، برقم: ۲۴۸ جدید، المعجم الكبير ۲۲/ ۴۵ برقم: ۱۱۲)

حضرت وائل ابن حجرؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ پڑھنے کے بعد آمین کہا، اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو بالکل آہستہ اور پست فرمایا۔

دونوں قسم کی روایات کا جائزہ

(۱) پہلی قسم کی روایت میں ”ومدّ بها صوتہ“ کے الفاظ ہیں جس میں آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے، جہر کا ذکر نہیں؛ اس لئے آواز کا کھینچنا جہر اور سر آؤنوں میں ہو سکتا ہے، جب دونوں میں ہو سکتا ہے تو جہر کا امکان ہے، یقین نہیں اور ”رفع بها صوتہ“ والی حدیث متکلم فیہ ہے، دیکھئے حاشیہ (۲)۔ اور

(۱) اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت واضح الفاظ کے ساتھ ابوداؤد/ ۱۳۵، اور سنن ابن ماجہ/ ۱۶ میں بشر بن رافع کے طریق سے موجود ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بشر بن رافع ضعیف ہے، دیکھئے بشر بن رافع الحارثی النجوانی فقیہ ضعیف الحدیث من السابعة. (تقریب التہذیب: ۱۶۹، بذل المجہود ۲/ ۱۰۴)

(۲) اگر کوئی یہ کہے کہ ابوداؤد/ ۱۳۵ میں علی بن صالح کے طریق سے فقہر بآمین کے الفاظ کے ساتھ اور سفیان بن ثوری کے طریق سے رفع بها صوتہ کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ محمد ثین نے علی بن صالح کے بارے میں کلام فرمایا ہے کہ امام ابوداؤد کو شبہ ہو گیا ہے کہ یہ علی بن صالح ہے یا علاء بن صالح، انہوں نے علاء بن صالح کو علی بن صالح سمجھ لیا ہے۔ اور سفیان ثوری کی روایت جس میں رفع بها صوتہ کے الفاظ ہیں اس کی سند اس طرح ہے سفیان عن سلمة عن حجر أبي العنيس الحضرمي عن وائل بن حجر. ابوداؤد/ ۱۳۳، اور حجر ابی العنيس کے الفاظ کے ساتھ سند بیان کرنے کی وجہ سے امام ترمذی نے ترمذی شریف/ ۸۵ پر بہت سخت کلام فرمایا ہے۔ اور وہی سب باتیں امام سفیان ثوری پر عائد ہو جاتی ہیں، اسی وجہ سے رفع بها صوتہ کے الفاظ کے ساتھ امام ترمذی نے سفیان کی روایت کو نقل نہیں فرمایا؛ اس لئے سفیان ثوری کی اس روایت کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔

دوسری قسم کی روایت میں ”وخفض بها صوتہ“ کے الفاظ ہیں، اور خفض کے معنی آواز پست کرنے کے ہیں، اور ان الفاظ میں جہر کا کوئی امکان اور شبہ نہیں ہے۔ اور وائل بن حجر کے علاوہ دیگر صحابہؓ سے مطلقاً آئین کہنے کی روایات مروی ہیں۔ اور سر اور جہر سے متعلق واضح الفاظ نہیں ہیں، اور جس میں واضح الفاظ ہیں وہ متکلم فیہ ہے؛ اس لئے مسئلہ آئین جہری یا سری کے متعلق صرف حضرت وائل بن حجر کی روایت موضوع بحث ہے، ان کی روایت جو حضرت سفیان ثوریؒ کی سند سے مروی ہے، اس میں ”مدّ بها صوتہ“ کے الفاظ ہیں، جس میں سر کا بھی احتمال ہے، اور حضرت وائل بن حجر کی جس روایت میں آئین کو آہستہ کہنے کا ذکر ہے، وہ شعبہ بن حجاجؒ کی سند سے مروی ہے، اس میں ”خفض بها صوتہ“ کے الفاظ ہیں، جس میں جہر کا احتمال بھی نہیں ہے۔ اور امام سفیان ثوریؒ اور امام شعبہ بن حجاجؒ دونوں ثقہ اور مضبوط راوی ہیں، دونوں حضرات حفاظ حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہیں؛ اس لئے دونوں کی روایت صحیح اور معتبر ہیں؛ لیکن حدیث کے متن میں حضرت سفیان ثوریؒ کی روایت میں صرف آواز کو کھینچنے کا ذکر ہے، جس کا تعلق جہر اور سر دونوں سے ہو سکتا ہے؛ اس لئے دونوں احتمال ہیں، حضرت شعبہ بن حجاجؒ کی روایت میں واضح لفظوں میں آواز کو آہستہ اور پست کرنے کا ذکر ہے، اس وجہ سے حضرات حنفیہ نے آواز پست کرنے والی روایت کو ترجیح دیکر فرمایا کہ آئین آہستہ کہنا مسنون اور افضل ہے۔

راوی کے ضعف کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا

ناظرین سے اور خاص طور پر غیر مقلدین سے گزارش ہے کہ اس بات کو خصوصیت کے ساتھ نوٹ کریں کہ امام شعبہ ابن حجاجؒ پر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے جو خطا اور شبہ کو ثابت کرنے کے لئے کلام فرمایا ہے اس کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑتا؛ اس لئے کہ امام شعبہ بن حجاجؒ اور امام سفیان ثوریؒ دونوں امام ابوحنیفہؒ کے بعد کے محدثین میں سے ہیں، چنانچہ امام سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ سے ۱۷ سال چھوٹے ہیں۔

اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی پیدائش ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ اور امام سفیان ثوریؒ کی

پیدائش ۹۷ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اور حضرت امام شعبہ بن حجاجؒ کی پیدائش بقول ابن حبان ۸۳ھ اور وفات امام ابوحنیفہؒ کے دس سال کے بعد ۱۶۰ھ میں ہوئی، پوری تفصیل تہذیب التہذیب ۲/۳۴۵ پر موجود ہے۔

لہذا امام ابوحنیفہؒ کو شعبہ سے حدیث حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ نیز حضرت امام ابوحنیفہؒ تابعی تھے، بہت سے صحابہ سے حدیثیں براہ راست بھی سنی ہیں، تو اگر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے سلسلہ سند میں امام شعبہؒ پر کلام کیا ہے تو اس کا امام ابوحنیفہؒ پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت وائل بن حجرؒ کی روایت آمین بالسر کی حدیث سے جس زمانہ میں استدلال فرمایا ہے، اس وقت روایت کی سند میں امام شعبہؒ نہیں تھے۔

مزید پانچ حدیثیں

آمین بالسر کے ثبوت میں پانچ حدیثیں ملاحظہ فرمائیے:

حضرت وائل بن حجرؒ کی مزید روایت

ما قبل میں حضرت وائل بن حجرؒ کی جہر اور سردنوں طرح کی حدیثیں پیش کی گئی تھیں، یہاں پر مزید مسند امام احمد بن حنبلؒ اور سنن دارقطنی اور سنن کبیری بیہقی، ترمذی اور مسند ابوداؤد طیالسی اور مستدرک حاکم کی مرفوع روایات پیش کی جاتی ہیں، جن میں وضاحت اور صاف الفاظ میں آمین کو آہستہ پڑھنے کا ثبوت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) عن وائل بن حجر قال: صلی بنا رسول اللہ، فلما قرأ "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" فقال: آمين، وأخفى بها صوته الخ. (مسند أحمد

حضرت وائل بن حجرؒ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی، پس جب "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" پڑھا تو کہا آمین۔ اور آمین کہنے

میں آواز کو پست اور آہستہ کیا ہے۔

۳۱۶/۴، برقم: ۱۹۰۵۹، طارقطنی
 ۳۲۸/۱، برقم: ۱۲۵۶، ترمذی ۵۸/۱
 جدید برقم: ۲۴۸، سنن کبریٰ بیہقی
 ۳۶۰/۲، برقم: ۲۵۰۰، مسند ابو داؤد
 لطیلیسی ۵۷۷/۱، جدید برقم: ۱۱۱۷
 مستدرک حاکم ۱۱۰۱/۳، برقم: ۲۹۱۳

خليفة راشد حضرت عمر فاروقؓ کا اثر

حضرت عمرؓ نے واضح طور سے فرمایا کہ آئین کہنے میں جہر نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اخفاء اور سر کر کے پڑھا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؓ فرماتے ہیں کہ
 حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز پڑھانے والا امام
 چار چیزوں کے پڑھنے میں آواز کو بہت
 آہستہ اور پست کرے گا (۱) ثناء پڑھنے میں
 (۲) بسم اللہ پڑھنے میں (۳) آئین کہنے میں
 (۴) ربنا لک الحمد کہنے میں۔

(۲) روينا عن عبدالرحمن بن
 أبي ليلي قال: قال عمر بن
 الخطاب: يخفى الإمام أربعاً:
 التعوذ، وبسم الله الرحمن
 الرحيم، وآمين، وربنا لك الحمد.
 (المحلي بالآثار اندلسي ۲/۲۸۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سید الکوثرین علیہ السلام کے خادم خاص تھے، جو ہر وقت ساتھ رہا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ آئین کہنے میں آواز کو پست کیا جائے گا، اور حضرت ابن مسعودؓ کا یہ اثر غیر مقلدین کے پیشوا حضرت علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی نے اپنی کتاب ”المحلی بالآثار“ میں نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت امام علقمہ رحمہ اللہ اور امام اسود رحمہ
 اللہ دونوں سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ

(۳) عن علقمة والأسود كلاهما
 عن عبد الله بن مسعود قال:

یخفی الإمام ثلاثاً: الاستعاذة، وبسم الله الرحمن الرحيم، وآمین۔ (المحلی بالآثار ۲/ ۲۸۰)

بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ امام تین چیزوں کے پڑھنے میں اپنی آواز کو آہستہ اور پست کرے گا (۱) ثناء پڑھنے میں (۲) بسم اللہ پڑھنے میں (۳) آمین کہنے میں۔

حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا مشترکہ اثر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں فرماتے ہیں کہ آمین کہنے میں جہر نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ سر کرنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۴) عن أبي وائل قال: كان علي وابن مسعود لا يجهران بسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بآمين. (معجم كبير طبراني ۹/ ۲۶۳، برقم: ۹۳۰۴)

حضرت ابو وائلؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ دونوں بسم اللہ پڑھنے میں اور ثناء پڑھنے میں اور آمین کہنے میں جہر نہیں فرماتے تھے؛ (بلکہ سر اور آہستہ کرتے تھے)۔

حضرت عمر فاروقؓ و حضرت علیؓ کا مشترکہ اثر

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں خلفائے راشدین میں ہیں، دونوں کا مشترکہ اثر ہے کہ آمین کہنے میں جہر نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ آمین آہستہ ہی کہنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۵) عن أبي وائل قال: كان عمر وعلي لا يجهران بسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتأمين. (طحاوي شريف جديد ۱/ ۲۶۳، برقم: ۱۱۷۳)

حضرت ابو وائلؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ بسم اللہ پڑھنے میں اور ثناء پڑھنے میں اور آمین کہنے میں جہر نہیں کرتے تھے؛ (بلکہ سر اور آہستہ کرتے تھے)۔

ان تمام احادیث و آثار سے آمین کا سر اور آہستہ پڑھنا ثابت ہے، اور ان تمام احادیث

شریفہ و آثار صحابہ و خلفاء راشدین کو غلط کہنا انتہائی جسارت اور گمراہی ہوگی؛ اس لئے آئین بالسر ہی افضل ہے، یہی صحیح ہے یہی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے، اس پر عمل کرنے میں مسلمانوں کو کسی قسم کے شکوک و شبہات کا شکار نہ ہونا چاہئے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

ضم سورت کے وقت ”بسم اللہ“ پڑھنا

سوال [۱۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ جب کہ ”معارف القرآن“ ۱/۲۰ پر یہ مسئلہ لکھا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے ”بسم اللہ“ نہیں پڑھنی چاہئے، خواہ جہری نماز ہو یا سری نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے۔ اور ”فتاویٰ رحیمیہ“ ۱/۶۶ پر شامی کے حوالہ سے سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان ”بسم اللہ“ پڑھنے کو بہتر لکھا ہے، جو چیز آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین سے ثابت نہ ہو، کیا اس کو مسنون کہہ سکتے ہیں؟

المستفتی: حکیم مولانا محمد اسماعیل، نزد جامع مسجد افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”معارف القرآن“ میں جو لکھا گیا ہے وہ بھی اپنی جگہ درست ہے اور ”فتاویٰ رحیمیہ“ میں شامی کے حوالہ سے جو لکھا گیا ہے وہ بھی اپنی جگہ درست ہے؛ لیکن دونوں کا محل الگ الگ ہے، اصل حکم شرعی یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد جب کسی سورت کے درمیان سے قراءت شروع کی جائے تو بسم اللہ پڑھنا مستحب و بہتر نہیں۔ اور ”معارف القرآن“ میں جو لکھا ہے اس میں یہی مراد ہے اور جب سورہ فاتحہ کے بعد کسی سورت کے شروع سے قراءت شروع کی جائے تو بسم اللہ پڑھنا مستحب و بہتر ہے۔ ”فتاویٰ رحیمیہ“ اور ”شامی“ میں جو مستحب اور بہتر لکھا ہے، اس میں یہی مراد ہے۔

عن ابن عمر أنه كان إذا افتتح الصلاة قرأ بسم الله الرحمن الرحيم،
 فإذا فرغ من الحمد قرأ بسم الله الرحمن الرحيم. (المصنف لابن أبي شيبة
 ۱/ ۳۷۷، رقم: ۴۱۵۵، جديد ۱۷۸، المعجم الأوسط، دارالكفر ۱/ ۲۴۵، رقم: ۸۴۱)
 الخلاف في السنة فلا خلاف أنه لو سمي لكان حسنا لشبهة
 الخلاف في كونها آية من كل سورة، ثم هل يخص هذا بما إذا قرأ السورة
 من أولها، أو يشمل ما إذا قرأ من أوسطها آيات مثلاً وظاهر تعليلهم يفيد
 الأول كذا بحثه بعض الأفاضل. (الطحطاوى على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في
 بيان سننها، قديم ۱۴۲، جديد دارالكتاب ۲۶۱، إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب عدم
 جزئية البسمة للفتحة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۱۴، كراچی ۲/ ۱۹۷)

أقول: والأظهر أن يقرأها سرا، ولو في الجهرية؛ لأنها للفصل بين
 السورتين. (شرح النقاية، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، إعزازه ديوبند ۱/ ۷۵)
 وروى عن أبي نصر عن محمد رحمه الله: أنه يأتي بالتسمية عند
 افتتاح كل ركعة، وعند افتتاح السورة أيضاً، وفي الفتاوى الغياثية: وهو
 المختار. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا
 ۱۶۶/ ۲، رقم: ۲۰۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۲۹ ربيع الثاني ۱۴۲۷ھ
 (الف فتاویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۸۳)

دوران نماز ہر سورت کے شروع میں ”بسم اللہ“ جہراً پڑھنا

سوال [۱۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
 میں: ”ایضاح المسائل“ (ص: ۳۰) پر آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ہر سورۃ کے شروع میں جہراً
 بسم اللہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے۔

حضرت مدنی کے یہاں ان کے زمانے سے ہی اور اس وقت بھی مولانا ارشد مدنی مدظلہ بہت اہتمام سے ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھتے ہیں، کتاب مذکورہ کے ص: ۳۱ پر مختلف مقامات سے دعائیہ آیات پڑھنا اور اس پر اصرار مکروہ اور بدعت تحریر فرمایا ہے، یہ عمل بھی حضرت کے یہاں بہت اہتمام سے ہوتا دیکھا ہے، یہ غیر درست اعمال کی ان کے یہاں کیا گنجائش ہے؟

المستفتی: عبدالرحیم بڈیوی غفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جناب والا نے ”ایضاح المسائل“ کے حوالہ سے جن مسائل کی وضاحت طلب فرمائی ہے، ان مسائل کی پوری وضاحت احقر کی کتاب ”ایضاح المسائل“ (ص: ۵۸-۶۲) تک پانچ صفحات میں موجود ہے، اس کو دیکھ لیا جائے، انشاء اللہ اشکال دور ہو جائے گا۔ آنجناب کے کارڈ کے اندر تفصیل لکھنے کی گنجائش نہیں ہے، نیز ان میں سے ایک آدھ مسئلہ کی وضاحت کی طرف ”فتاویٰ شیخ الاسلام“ کے حاشیہ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲۶

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۶۲/۳۵)

ضمیمہ سورت کے وقت ”بسم اللہ“ سر اُپر پڑھنا

سوال [۱۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کسی قوم کی امامت کرتا ہے اور ہر رکعت میں سورت ملانے کے لئے بسم اللہ پڑھتا ہے، تو آیا یہ بسم اللہ پڑھنا خلاف سنت ہے یا نہیں، حنفی کے مطابق؟ جب کہ ”نور الايضاح“ میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا واضح کیا گیا ہے، ہمندرجہ بالا دونوں مسئلوں کو واضح تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نسیم احمد، اکبر پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سورہ فاتحہ کے بعد ضم سورہ کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے مسنون ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اولیٰ اور بہتر ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اور ”نور الایضاح“ کی عبارت کے مخالف نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم، زکریا ۲/۱۶۱، احسن الفتاویٰ زکریا ۳/۷۷)

واتفقوا علی عدم الکراہۃ فی ذکرہا بین الفاتحۃ والسورۃ، بل ہو حسن، سواء كانت الصلوۃ سریۃ أو جہریۃ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننہا، قدیم ۱۴۲، جدید دارالکتاب ۲۶۱، تاتارخانیۃ، کوئٹہ ۱/۵۳۶، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی کیفیۃ الصلاة، زکریا ۲/۱۶۶، رقم: ۲۰۳۵، إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب عدم جزئیۃ البسملة للفاتحۃ، کراچی ۲/۱۹۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲۱۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۷۲۰)

کیا آپ ﷺ رفع یدین کیا کرتے تھے؟

سوال [۱۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کیا کرتے تھے؟

المستفتی: مطلوب احمد متولی تھانہ والی مسجد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رفع یدین کے ثبوت سے متعلق ہماری کتاب ”غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات“ میں آٹھ روایات نقل کی گئی ہیں اور رفع یدین کی ممانعت یا اس کی روایات کے منسوخ ہونے سے متعلق ۱۴ روایات نقل کی گئی ہیں، انشاء اللہ

ناظرین کو ان روایات کو پڑھنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین مسنون نہیں ہے؛ اس لئے کہ رفع یدین کی روایات منسوخ ہیں اور رفع یدین نہ کرنے کی روایات ناسخ ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دو قسم کی روایات نقل کی گئی ہیں:

(۱) وہ روایات ہیں جن میں ان کا ارشاد ہے کہ ”میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے“۔

(۲) وہ روایات ہیں جن میں خود ان کا عمل رفع یدین کے خلاف ہے، جیسا کہ ”طحاوی“ اور ”موطأ امام محمد“ میں وہ روایات صراحت سے موجود ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، باقی اور کسی تکبیر کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے، جو صحابی رفع یدین کی روایت نقل کر رہے ہیں، پھر اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا آخری عمل ترک رفع یدین ہے؛ اس لئے رفع یدین کا عمل مسنون نہ ہوگا؛ بلکہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین کا حکم منسوخ ہے، اس وجہ سے صحابہ کرام میں سے ایک بڑی جماعت رفع یدین نہیں فرماتی تھی، جن میں چاروں خلفائے راشدین اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت براء بن عازب وغیرہم رضی اللہ عنہم رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رفع یدین کو مسنون نہیں کہتے تھے، نیز اس مسئلہ پر علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں، جو قابل مطالعہ ہیں۔

عن مجاهد، قال: صليت خلف ابن عمر - رضي الله عنهما - فلم يكن يرفع يديه إلا في التكبير الأولى من الصلاة، فهذا ابن عمر قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع، ثم قد ترك هو الرفع بعد النبي صلى الله عليه وسلم، فلا يكون ذلك إلا وقد ثبت عنده نسخ ما قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم فعله، وقامت الحجة عليه بذلك. (طحاوي، الصلاة، باب

التکبیر للركوع، اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱/ ۲۹۲، رقم:

(۱۳۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ صفر ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۹۱/۳۹)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۶/۲/۱۴۳۲ھ

کیا خلفائے اربعہ رفع یدین نہیں کرتے تھے؟

سوال [۱۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم سے رفع یدین کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت کریں۔

المستفتی: محمد اقبال شمس ہاؤس، طویلہ سٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کتب حدیث میں خلفائے راشدین (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضی اللہ عنہم) سے صراحتاً رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے؛ البتہ ”آثار السنن ۱/ ۱۰۶، ۱/ ۱۰۸، دارقطنی ۱/ ۲۹۵، بیہقی ۲/ ۷۹، ۲/ ۸۹، کنز العمال ۸/ ۴۶، ۸/ ۴۷، نصب الرایہ ۱/ ۴۰۵، ۱/ ۴۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۳۷، شرح معانی الآثار ۱/ ۱۳۲، ۱/ ۱۳۳، موطا امام محمد ص: ۹۰“ نیز دیگر کتب حدیث و آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے، خلفائے راشدین سے صراحت کے ساتھ رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے۔

عن علقمة، عن عبد اللہ، قال: صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ومع أبي بكر وعمر رضي الله عنهما فلم يرفعوا أيديهم إلا عند التكبير الأولى في افتتاح الصلاة. (سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب ذكر التكبير ورفع اليدين، قديم ۱/ ۱۶۳، جديد دارالكتب العلمية ۱/ ۲۹۵، رقم: ۱۱۲۰، السنن الكبرى

للیہقی، قدیم ۲/ ۷۹، ۸۰، جدید، دارالفکر، بیروت ۲/ ۳۹۳، رقم: ۲۵۸۶، معرفة السنن والآثار ۲/ ۴۲۴، رقم: ۳۲۸۶)

عن عاصم بن کلیب، عن أبيه أن عليا كان يرفع يديه في أول تكبيرة من الصلاة، ثم لا يرفع بعد. (شرح معاني الآثار، الصلاة، باب التكبيرة للركوع قدیم ہندی ۱/ ۱۳۲، ۱۳۳، جدید دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱/ ۲۹۱، رقم: ۱۳۲۰، المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، باب من كان يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود، كراچی ۱/ ۲۳۶، ۲۳۷، جدید موسسه علوم القرآن ۲/ ۴۱۶، رقم: ۲۴۵۷، مؤطا إمام محمد، باب افتتاح الصلاة، طبع ہندی ۱/ ۹۰، بیروت، رقم: ۱۰۵، ۱۰۹)

قال النووي: الصحابة، ومن بعدهم مختلفون في هذا الباب، وأما الخلفاء الأربعة فلم يثبت عنهم رفع اليدين في غير تكبيرة الإحرام. (آثار السنن ۱/ ۱۰۹)

نیز کتب حدیث میں ہمیں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں کوئی صراحت نہیں ملی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ رجب الاول ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۳۹/۳۵)

نماز کا صحیح طریقہ

سوال [۱۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہر نماز کا صحیح طریقہ بتلاؤ؛ کیوں کہ ادھر نماز کا طریقہ کچھ علیحدہ ہے، مثلاً رفع یدین کرنا چاہئے یا نہیں؟ یا پھر کس طریقہ سے نماز پڑھا کریں؟

المستفتی: عبدالسلام اندھیری، ویسٹ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہر نماز کا صحیح طریقہ ”بہشتی زیور“، ”تعلیم الاسلام“ اور ”ہماری نماز“ نامی کتابوں سے دیکھ لیں، ان سب کتابوں کے اندر ہر نماز کا صحیح طریقہ تفصیل سے موجود ہے، البتہ نماز میں ہاتھ نہ اٹھائیں۔

عن البراء قال: رأيت رسول الله ﷺ رفع يديه حين استقبال الصلاة، حتى رأيت إبهاميه قريبا من أذنيه، ثم لم يرفعهما. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۵۳، رقم: ۱۶۸۸، طحاوي شريف، قديم ۱/ ۱۳۲، جديد رقم: ۱۳۱۳، أبو داؤد، الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دارالسلام، رقم: ۷۴۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۵ھ

کتبہ بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۵/۵/۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۲۵)

رفع یدین

سوال [۱۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کتاب ”غیر مقلدین کے ۱۵۶ اعتراضات کے جوابات“ (ص: ۹۹ تا ۱۰۲) میں ثبوت رفع یدین میں کل آٹھ روایات ہیں اور عدم رفع یدین کی روایات ص: ۱۰۲ تا ۱۰۷ میں ۱۴ روایات ہیں۔ کتاب ”اثبات رفع یدین احادیث کی روشنی میں“ جمع و ترتیب مولانا عبدالرشید انصاری سیالکوٹ پاکستان نے ثبوت رفع یدین میں ۲۴۵ روایات جمع کی ہیں اور عدم رفع یدین کی ۳۸ روایات۔ اور قرآنی آیات پیش کی ہیں اور ہر دلیل کی توضیح حدیث سے کرتے ہوئے ضعیف و ناقابل عمل وغیرہ ثابت کر کے حدیث ہی سے حنفی روایات کا رد کیا گیا ہے۔ اور محدثین نے روایات کے متعلق جو فرمایا ہے صفحہ وار درج کیا ہے۔

بعض حنفی محقق جیسے علامہ سندھیؒ کی آراء اور مولانا عبدالحی لکھنویؒ کا فتویٰ بھی مرقوم ہے، رفع یدین سے متعلق ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مطابق صرف رفع یدین کے مسئلہ پر تقلید کرنی چاہئے، جیسے علمائے احناف زوج مفقود کے لئے امام مالکؒ کے مسلک پر فتویٰ دیتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔

امام اعظم کا قول ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرو میرا قول چھوڑ دو، دیگر ائمہ ثلاثہ نے بھی یہی بات فرمائی ہے کہ: ”إذا صحح الحديث فهو مذهبي“ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کی باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث صحیح کی موجودگی میں حدیث صحیح پر عمل پیرا ہونا شریعت مطہرہ کا تقاضہ ہے؛ اس لئے مذکورہ بالا حالات و کوائف کی روشنی میں حنفی کے لئے رفع یدین کرنا کوئی گناہ کی بات تو نہیں ہوگی؟ اگر گناہ کی بات ہے تو حدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالعزیز، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ چائنا باسہ مغربی سنگھ بھوم، جھارکھنڈ، انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ رفع یدین وجوب و عدم وجوب سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ صرف سنیت و افضلیت سے متعلق ہے، جن علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے، تو ان میں دونوں طرف کے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ رفع یدین واجب یا لازم نہیں ہے، ان کے درمیان اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ رفع یدین سنت اور افضل ہے یا نہیں؟ لہذا یہ بات پہلے سے ذہن نشین ہو جانی چاہئے کہ رفع یدین نہ کرنا ان کے نزدیک بھی گناہ نہیں ہے، جو رفع یدین کے قائل ہیں، اسی طرح رفع یدین کرنا ان کے نزدیک بھی گناہ نہیں ہے جو عدم رفع یدین کے قائل ہیں، مسئلہ صرف حصول ثواب و فضیلت سے متعلق ہے، اسی لئے آنجناب نے سوال نامہ کے آخر میں جو گناہ کی بات لکھی ہے اس کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، آنجناب نے زوج مفقود کے مسئلہ کو نظیر بنا کر مسئلہ رفع یدین میں عدول عن المذہب کی ترغیب دی ہے، یہ نہایت قابل غور بات ہے؛ اس لئے کہ مجبوری اور ضرورت شدیدہ کی

صورت میں عدول عن المذہب کر کے مسلک غیر پر فتویٰ دینے اور عمل کرنے کی اجازت ہوتی ہے، زوج مفقود کا مسئلہ ضرورت شدیدہ کا ہے، اس کے معصیت میں مبتلا ہونے اور دوسروں کے درپہ دست سوال دراز کرنے کا خطرہ ہے، اس خطرے و معصیت سے حفاظت کے لئے مسلک مالکی پر قاضی اور اس کے نائب کو فیصلہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور مسئلہ رفع یدین میں کون سی ضرورت شدیدہ ہے؟ اور کون سی معصیت کا خطرہ ہے؟ جس کی وجہ سے مذہب سے عدول کیا جائے؟ اور مولانا عبدالرشید انصاری غیر مقلد کی کتاب ہمارے پاس نہیں ہے؛ اس لئے اس کے بارے میں اثبات نفی سے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اور آنجناب کی ارسال کردہ فہرست اس کتاب پر بصیرت کے لئے کافی نہیں ہے۔ آنجناب نے امام اعظمؒ کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ ”جب صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرو اور میرا قول چھوڑ دو“ امام اعظمؒ کے اس قول کے بارے میں آنجناب کی زیر نظر کتاب ”غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات“ ص: ۲۶ تا ۲۸ تک میں وضاحت کی جا چکی ہے، نیز یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عدم رفع یدین کی روایتیں سب کی سب ضعیف اور متروک یا موضوع ہیں؟ جس کی وجہ سے ان تمام روایتوں کو چھوڑ دیا جائے؟ اور رفع یدین کی روایتوں کو لے لیا جائے یا عدم رفع یدین کی جو روایتیں نقل کی گئی ہیں، ان میں کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ نہیں پائی گئی ہے؟ اگر کوئی روایت صحیح سند کے ساتھ ملی ہے تو کیا وہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کے موافق نہیں ہے، جس میں صحیح روایات پر عمل کی ترغیب دی گئی ہے؟ نیز امام ترمذیؒ نے خود رفع یدین کے قائل ہونے کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عدم رفع یدین کی روایت کو روایت حسن قرار دیا ہے اور روایت حسن بھی صحیح روایت ہوتی ہے، نیز اثبات رفع یدین کے قائلین سب سے زیادہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت پر زور دیتے ہیں، مگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل خود اپنی روایت کے خلاف ہے، وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اور یہ اصول حدیث کے تمام اساتذہ و طلباء اور ان کے علماء کو بھی معلوم ہے، جن کو فن حدیث سے ادنیٰ مناسبت ہے کہ جب صحابی خود اپنی روایت کے

خلاف عمل کرے تو روایت سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور اس صحابی کا یہ عمل روایت کے منسوخ ہونے پر دلیل ہو جاتا ہے، پھر یہ کوشش کیوں کی جائے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح سند سے ثابت ہے؛ اس لئے اسی پر ہی عمل کرنا چاہئے، کیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل صحیح سند سے ثابت نہیں؟ ان کا عمل بھی صحیح سند سے ثابت ہے، نیز ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین رفع یدین کرتے ہیں، ان پر حنفیہ کی طرف سے کوئی تنقید اور کوئی اعتراض ونازیبا انداز نہیں ہوتا ہے، تو غیر مقلدین کی طرف سے حنفیہ کے اوپر رفع یدین نہ کرنے پر تنقید و اعتراض کا سلسلہ اور زنجیر کیوں قائم ہے؟ ہمارے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور میں شافعی المسلک طلباء کافی تعداد میں پڑھتے ہیں، ان کے رفع یدین کرنے پر کوئی اشکال نہیں کیا جاتا؛ بلکہ ان کو یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ آپ لوگ اپنے مسلک پر مضبوط رہ کر عمل پیرا رہیں۔

فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۱ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۸۶)

عدم رفع یدین کی حدیث صحیح

سوال [۱۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا رفع یدین نہ کرنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

المستفتی: محمد الیاس فیضی ٹیپا برج، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات اشکالیہ کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی روایات حدیث کی کتابوں میں بے شمار ہیں، ہماری کتاب ”غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات“ میں کافی روایات نقل کی گئی ہیں، اسی طرح رفع یدین کے

مسئلہ پر آٹھ صفحہ کا ایک رسالہ ہے جو انجمن تحفظ شریعت جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد سے شائع ہوا ہے، وہاں سے منگوا کر دیکھ سکتے ہیں، یہاں صرف دو حدیثیں درج کر دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

عن البراء - رضی اللہ عنہ - قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين استقبال الصلاة، حتى رأيت إبهاميه قريبا من أذنيه، ثم لم يرفعهما. (مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۵۳، رقم: ۱۶۸۸، أبو داود، الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دارالسلام، رقم: ۷۴۹)

عن علقمة، عن عبد الله بن مسعود، قال: صليت خلف النبي ﷺ ومع أبي بكر وعمر رضي الله عنهما فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالكفر بيروت ۲/ ۳۹۳، رقم: ۲۵۸۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۸۲/۳۹)

کیا استیثیوں میں بت چھپائے رکھنے کی وجہ سے رفع یدین کا حکم تھا؟

سوال [۱۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور ﷺ کے زمانہ میں لوگ بغلوں اور استیثیوں میں بت چھپالاتے تھے، جس کی وجہ سے رفع یدین کا حکم دیا گیا، یہ بات صحیح ہے یا غلط؟ رفع یدین کرنا فرض ہے واجب ہے یا پھر سنت؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مبین اصغر، محلہ شاہ چندن چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شروع اسلام میں رفع یدین کرنا مسنون تھا، بعد میں

منسوخ ہو چکا ہے، اس لئے اب رفع یدین کرنا مسنون نہیں رہا ہے، اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوبکرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات موجود ہیں۔ اور بغلوں میں بت رکھنے کی بات غلط ہے۔

عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: فصلي فلم يرفع يديه إلا مرة واحدة. (نسائي، الصلاة، باب الرخصة في ترك ذلك، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۰، دار السلام رقم: ۱۰۵۹، أبوداؤد، الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دار السلام، رقم: ۷۴۸، سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يرفع إلا أول مرة، النسخة الهندية ۱/ ۵۹، دار السلام، رقم: ۲۵۷)

عن البراء -رضي الله عنه- قال: رأيت رسول الله ﷺ رفع يديه حين استقبل الصلاة، حتى رأيت إبهاميه قريباً من أذنيه، ثم لم يرفعهما. (مسند أبي يعلى الموصلي، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۵۳، رقم: ۱۶۸۸، طحاوي شريف، قديم ۱/ ۱۳۲، دار الكتب العلمية ۱/ ۲۹۰، رقم: ۱۳۱۳) فقط واللهم سبحانه وتعالى اعلم

الجواب صحیح:
 کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۲۳ شوال ۱۴۱۸ھ
 احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
 ۲۳/۱۰/۱۴۱۸ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۵۴۷۶/۳۳)

مسئلہ رفع یدین کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ! تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا سب کے نزدیک جائز اور مسنون ہے، اختلاف اس بارے میں ہے کہ بوقت تکبیر رکوع و تکبیر سجود و تکبیر قیام، رفع یدین مشروع ہے یا نہیں؟ تو ثبوت اور عدم ثبوت دونوں طرف کی روایات احادیث شریفہ میں موجود ہیں، اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے

درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، چنانچہ ایک جماعت تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین کو مسنون کہتی ہے۔ اور دوسری جماعت عدم ثبوت کی روایات کی وجہ سے مسنون نہیں کہتی۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ دونوں قسم کی روایات میں غور کرنے کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شروع شروع میں رفع یدین کا رہا ہے، دونوں قسم کی روایات صحیح ہیں مگر رفع یدین کی روایات منسوخ ہیں، اور رفع یدین نہ کرنے کی روایات ناسخ ہیں، اب ہم آپ کے سامنے اولاً دونوں قسم کی روایات پیش کرتے ہیں، اس کے بعد ان روایات کا جائزہ بھی آپ کے سامنے انشاء اللہ پیش کریں گے۔

رفع یدین کی منسوخ روایات

رفع یدین کی تقریباً پانچ (۵) منسوخ روایات پیش کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) عن علي بن أبي طالب
عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم أنه قام إلى الصلاة
المكتوبة كبر ورفع يديه حذو
منكبيه، ويصنع مثل ذلك إذا
قضى قراءته إذا أراد أن
يركع، ويصنعه إذا فرغ ورفع
من الركوع، ولا يرفع يديه في
شيء من صلاته وهو قاعد،
وإذا قام من السجدة رفع
يديه كذلك وكبر. (طحاوی

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے، تو تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھوں کو دونوں موٹھوں کے برابر اٹھاتے اور ایسا ہی عمل کرتے جب قرأت سے فارغ ہو کر رکوع کا ارادہ کرتے، اور یہی کرتے جب رکوع سے فارغ ہو کر قومہ کے لئے کھڑے ہو جاتے اور دونوں ہاتھوں کو قعدہ کی حالت میں نہیں اٹھاتے تھے۔

اور دونوں سجدوں سے جب کھڑے ہوتے تو ہاتھوں کو اٹھاتے تھے۔

شریف ۱/ ۱۳۱، جدید ۱/ ۲۸۸

برقم: ۱۳۰۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو موٹدھوں تک اٹھاتے ہوئے دیکھا، اور آپ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے کھڑے ہو جانے کے بعد ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، اور دونوں سجدے کے درمیان میں نہیں اٹھاتے تھے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھا جس وقت آپ نماز کے لئے تکبیر کہہ رہے تھے، اور جس وقت آپ رکوع فرما رہے تھے، اور جس وقت آپ رکوع سے سر اٹھا رہے تھے، دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں تک اٹھاتے ہوئے۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع فرماتے اور جس وقت رکوع سے سر اٹھاتے، اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے اوپر تک اٹھاتے۔

(۲) عن سالم عن أبيه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة يرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه، وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع ولا يرفع بين السجدين. (طحاوی شریف ۱/۱۳۱، جدید ۱/۲۸۸ برقم: ۱۳۰۴، ابن ماجہ ۶۱، جدید برقم: ۸۵۸، ترمذی ۱/۵۹، جدید برقم: ۲۵۵، أبوداؤد ۱/۱۰۴، جدید برقم: ۷۲۱، بخاری ۱/۱۰۲، ۷۲۹، ف ۷۳۸)

(۳) عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين يكبر للصلاة وحين يركع وحين يرفع رأسه من الركوع يرفع يديه حيا لأذنيه. (طحاوی شریف ۱/۱۳۱، جدید ۱/۲۸۹ برقم: ۱۳۰۹)

(۴) مالک بن الحویرث قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ركع وإذا رفع رأسه من ركوعه رفع يديه حتى يحاذي بهما فوق أذنيه. (طحاوی شریف ۱/۱۳۱، جدید ۱/۲۸۹ برقم: ۱۳۱۱، ابن ماجہ ۶۲، جدید برقم: ۸۶۶، بالفاظ مختلفة، مسلم ۱/۱۶۸، جدید برقم: ۳۹۱)

(۵) عن أبي هريرة قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه في الصلاة حدو منكبيه حين يفتح الصلاة، وحين يركع وحين يسجد. (ابن

ماجہ/ ۶۲، جلدید برقم: ۸۶۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دیکھا کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے اور جس وقت رکوع فرماتے اور جس وقت سجدہ کو جاتے۔

عدم رفع یدین کی روایات

رفع یدین کی ممانعت یا اس کی روایات کے منسوخ ہونے سے متعلق دس (۱۰) روایات پیش کی جارہی ہیں، انشاء اللہ ان روایات کے پڑھنے کے بعد ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ بوقت تکبیرات انتقالیہ رفع یدین مسنون نہیں ہے۔

(۱) حدّثنا اسحاق، حدّثنا

ابن إدريس قال: سمعت يزيد

بن أبي زياد عن ابن أبي ليلى

عن البراء قال: رأيت رسول الله

صلى الله عليه وسلم رفع يديه

حين استقبل الصلاة، حتى

رأيت إبهاميه قريباً من أذنيه ثم

لم يرفعهما. (مسند أبي يعلى

الموصلي ۱۵۳/۲، حدیث:

۱۶۸۸، طحاوي شريف ۱/۱۳۲،

جدید برقم: ۱۳۱۳، أبوداؤد

۱/۱۰۹، جدید برقم: ۷۴۹)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جس وقت نماز شروع فرمائی تھی، حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے قریب پہنچایا، اس کے بعد پھر اخیر نماز تک دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صرف شروع کی تکبیر میں دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، پھر اس کے بعد اخیر نماز تک نہیں اٹھاتے تھے۔

حضرت مغیرہؓ نے حضرت امام ابراہیم نخعیؒ سے حضرت وائل ابن حجرؒ کی حدیث ذکر فرمائی کہ حضرت وائل بن حجرؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس پر ابراہیم نخعیؒ نے مغیرہ سے کہا کہ اگر وائل بن حجرؒ نے حضور ﷺ کو اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے ایک مرتبہ دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور کو پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف تشریف لاکر فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں تم لوگوں کو نماز کے اندر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں، گویا کہ ایسا لگتا ہے جیسا کہ بے چینی میں اونٹ اپنی دم کو

(۲) عن عقلمة عن عبد الله بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود. (طحاوی شریف ۱/۱۳۲، جدید

۱/۲۹۰، رقم: ۱۳۱۶)

(۳) عن المغيرة قال: قلت لابراهيم: حديث وائل أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع يديه إذا افتتح الصلاة وإذ ركع وإذا رفع رأسه من الركوع، فقال: إن كان وائل رآه مرة يفعل ذلك فقد رآه عبد الله خمسين مرة لا يفعل ذلك. (طحاوی شریف ۱/۱۳۲، جدید

۱/۲۹۰، رقم: ۱۳۱۸)

(۴) عن جابر بن سمرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذنان خيل شمس اسكنوا في الصلاة. (مسلم شریف ۱/۱۸۱،

اوپر اٹھا اٹھا کر ہلاتے ہیں، تم نماز کے اندر ایسا ہرگز مت کیا کرو، نماز میں سکون اختیار کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ تم آگاہ ہو جاؤ بے شک میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھا کر دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر نماز پڑھائی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف اول تکبیر میں اٹھایا پھر پوری نماز میں نہیں اٹھایا۔

حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ آگاہ ہو جاؤ! میں تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر نماز پڑھی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو صرف ایک مرتبہ اٹھایا پھر نہیں اٹھایا۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے، اور صحابہ تابعین تبع تابعین اور بے شمار محدثین اور علماء نے اس حدیث شریف کو اختیار فرمایا، اور یہی امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ نے کہا

جدید برقم: ۴۳۰، ابوداؤد شریف ۱/ ۱۴۳، جدید برقم: ۱۰۰۰، نسائی شریف، مطبوعہ اشرفی ۱/ ۱۳۳ برقم: ۱۱۸۵)

(۵) عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود رضي أأصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فصلی فلم يرفع يديه إلا في أول مرة. (ترمذی شریف ۱/ ۵۹، جدید برقم: ۲۵۷، ابوداؤد شریف ۱/ ۱۰۹، جدید برقم: ۷۴۸)

(۶) عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود رضي أأصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فصلی فلم يرفع يديه إلا مرة واحدة. (نسائی قدیم ۱/ ۱۲۰، جدید برقم: ۱۰۵۹، ابوداؤد قدیم ۱/ ۱۰۹، جدید برقم: ۷۴۸، ترمذی قدیم ۱/ ۵۹، جدید برقم: ۲۵۷)

قال أبو عيسى حديث ابن مسعود حديث حسن، وبه يقول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي والتابعين،

ہے۔ اور علامہ ابن حزم ظاہری نے اس حدیث شریف صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت علقمہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان میں سے کسی نے اپنے ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی اور تکبیر میں نہیں اٹھایا۔

امام نخعیؒ اسود بن یزیدؓ سے نقل فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں صرف شروع کی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد کسی میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، اور دیکھنے میں آیا کہ ابراہیم اور عامر شعبی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

عاصم بن کلیب اپنے والد کلب جرمی سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ فرض نماز میں صرف تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھاتے تھے،

وهو قول سفیان وأهل الكوفة. (ترمذی شریف ۱/۵۹، أبو داؤد شریف ۱/۱۰۹، وصححه ابن حزم، بذل المجھود مطبع لکھنؤ ۴/۴۱۱، مطبع سہارن فور ۲/۵)

(۷) عن علقمة عن عبد الله ابن مسعود قال: صليت خلف النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر وعمر فلم يرفعوا أيديهم إلا عند افتتاح الصلاة. (السنن الكبرى للبيهقي ۲/۸۰، ۲/۷۹، نسخة جديد دار الفكر بيروت ۲/۳۹۳ برقم: ۲۵۸۶)

(۸) عن إبراهيم عن الأسود قال: رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه في أول تكبيرة، ثم لا يعود، قال: ورأيت إبراهيم والشعبي يفعلان ذلك. (طحاوي شريف ۱/۱۳۳، جديد ۱/۲۹۴ برقم: ۱۳۲۹)

(۹) عن عاصم بن كليب الجرمي عن أبيه قال: رأيت علي بن أبي طالب رفع يديه في التكبيرة الأولى من الصلاة

المكتوبة ولم يرفعهما فيما
سوى ذلك. (مؤطا إمام محمد/ ۹۲)

(۱۰) عن مجاهد قال:
صليت خلف ابن عمر فلم
يكن يرفع يديه إلا في التكبيرة
الأولى من الصلاة، فهذا ابن
عمر قد رأى النبي صلى الله
عليه وسلم يرفع، ثم قد ترك
هو الرفع بعد النبي
صلى الله عليه وسلم فلا يكون
ذلك إلا وقد ثبت عنده نسخ
ما قدر أى النبي صلى الله عليه
وسلم فعله وقامت الحجة
عليه بذلك. (طحاوي شريف
۱/ ۱۳۳، جديد ۱/ ۲۹۲ برقم:
۱۳۲۳)

اور اس کے علاوہ کسی اور تکبیر میں ہاتھ نہیں
اٹھاتے تھے۔

حضرت امام مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے
حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے
نماز پڑھی تو وہ دونوں ہاتھوں کو نماز کی صرف
پہلی تکبیر میں اٹھاتے تھے، اس کے علاوہ کسی
اور تکبیر میں نہیں اٹھاتے تھے، تو یہ حضرت ابن
عمرؓ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا

اور پھر انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ کے بعد ہاتھ اٹھانا ترک کر دیا، اور
ان کا ہاتھ اٹھانا ترک کرنا ہو نہیں سکتا، الا یہ کہ
ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع
یدین کا عمل یقیناً منسوخ ہو چکا ہے، اور ان
کے نزدیک رفع یدین کے منسوخ ہونے پر
حجت قائم ہو چکی ہے۔

روایات کا جائزہ

رفع یدین سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ماقبل میں گزریں، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا؛ لیکن بعد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے خلاف ثابت ہے، جیسا کہ طحاوی اور موطا امام محمد کے حوالہ سے روایت آپ کے سامنے پیش کی گئی، کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد باقی اور کسی تکبیر کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے، جو صحابی رفع یدین کی روایت بھی نقل کر رہے ہیں، پھر اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترک رفع یدین ہے؛ اس لئے رفع یدین کا عمل مسنون نہ ہوگا؛ بلکہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر تکبیرات انتقالیہ کے وقت رفع یدین کا حکم منسوخ ہے، اس وجہ سے صحابہ کرامؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن سمرہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ اور اسی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ رفع یدین کو مسنون نہیں کہتے تھے، نیز اس مسئلہ پر علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں، جو قابل مطالعہ ہیں۔ نیز علامہ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ دونوں طرف کی روایات صحیح ہیں؛ اس لئے رفع یدین کرنا بھی مباح ہے، اور رفع یدین نہ کرنا بھی مباح؛ مسنون کسی کو نہیں کہتے، دیکھئے (المحلی بالآثار ۲/۲۶۲، مسئلہ ۳۵۸)، حالانکہ ان کا یہ نظریہ غلط ہے؛ اس لئے کہ دونوں میں سے ایک طرف کی روایات منسوخ ہیں، اور دوسری طرف کی ناخ تھیں۔

کتابتہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

رفع یدین، آمین بالجہر، سینہ پر ہاتھ رکھنا اور نماز میں پیروں کو کشادہ رکھنا

سوال [۱۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غیر مقلدین حضرات جو آمین بالجہر اور رفع یدین کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ رفع یدین اور آمین بالجہر کس وقت سے مشروع ہوا تھا اور کب ممنوع ہوا؟ اور سینہ پر نیت یعنی ہاتھ باندھنا اور پاؤں کو کشادہ رکھنا وغیرہ ان سب چیزوں کا احناف کے نزدیک کیا ثبوت ہے اور ان کے عالمین سے کیا کہا جائے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسلم قصبہ سیفی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آمین بالجہر اور آمین بالسر دونوں ہی حدیث سے ثابت ہیں، اسی بنا پر ائمہ اربعہ نیز دیگر فقہاء و علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آمین بالجہر و آمین بالسر دونوں طریقہ سے جائز ہے، صرف اختلاف افضلیت و عدم افضلیت کا ہے، حضرت امام شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ و غیر مقلدین حضرات آمین بالجہر کو افضل قرار دیتے ہیں، احناف و حضرت امام مالکؒ آمین بالسر کی افضلیت کے قائل ہیں، قائلین بالجہر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قرأ: ”غير المغضوب عليهم ولا الضالين“ فقال: آمين، ومد بها صوته. (ترمذي، باب ماجاء في التأمين، النسخة الهندية ۱/ ۵۷، دارالسلام، رقم: ۲۴۸، سنن الدارقطني، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۳۲۸، رقم: ۱۲۵۵)

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی، حضرت امام ابوحنیفہؒ و امام مالک بھی حضرت وائل ہی کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جو شعبہ کے طریق سے مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

إن النبي صلى الله عليه وسلم قرأ: غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال: آمين، وخفض بها صوته. (ترمذي، باب ماجاء في التأمين، النسخة الهندية ۱/ ۵۸، دارالسلام، رقم: ۲۴۸، مسند إمام أحمد ۴/ ۳۱۶، رقم: ۱۹۰۴۸، ۱۹۰۵۹، دار قطني ۱/ ۳۳۴، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۳۲۸، رقم: ۱۲۵۶، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۵۷۷، رقم: ۱۱۱۷، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۲۲/ ۹، رقم: ۳، ۲۲/ ۴۴، رقم: ۱۱۰، يهقي ۲/ ۵۷، رقم: ۲۴۴۷، آثار السنن/ ۹۶، مستدرک حاکم ۲/ ۲۳۲)

یہ روایات ان تمام کتب میں صحیح سند کے ساتھ ”خفی بہا“ یا ”خفض بہا صوتہ“ کے الفاظ سے

مروی ہیں، اس کے معنی یہ ہیں: کہ آپ نے آہستہ آہستہ کہی، اس روایت کی ترجیح کی احناف کے پاس بہت سی وجوہات ہیں، جن میں سے کچھ کو ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) قائلین بالجہر کی جانب سے دلیل میں جو سفیان ثوری کی روایت پیش کی جاتی ہے، اس روایت کے راوی کا عمل خود اس کے خلاف موجود ہے، اور ان کے نزدیک آہستہ آہستہ کہنا ہی افضل ہے۔ اور جب راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اس کی روایت قابل استدلال نہیں رہتی۔

(۲) اس کے علاوہ وہ روایات جو ”فقولوا: آمین“ یا ”فأمینوا“ کے الفاظ سے بخاری وغیرہ کتب میں مروی ہیں، ان سے بھی آمین بالسرہی کا اشارہ ملتا ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی روایات میں امام کے ”ولا الضالین“ کہنے پر مقتدیوں کو آمین کہنے کا مامور بنایا گیا ہے، امام کو اس کا حکم نہیں کیا گیا، اگر آمین جہراً افضل ہوتا تو خود امام کے آمین کہنے کا تذکرہ کیا جاتا، آمین بالسرہی کی روایت قرآن کے زیادہ موافق ہیں؛ کیوں کہ ارشاد باری ہے: ”وَادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً“۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آہستہ اور خفیہ طریقہ پر دعا کرنے کا حکم فرمایا اور آمین کا دعا ہونا قرآن وحدیث واقوال مجتہدین سے ثابت ہے؛ لہذا حکم قرآنی کے بموجب آمین کا آہستہ کہنا ہی افضل ہے۔

(۳) تعارض روایات کے وقت صحابہ کا عمل بڑی حد تک فیصلہ کن ہوتا ہے، جب ہم اس پہلو کو دیکھتے ہیں تو خلفائے راشدین اور دیگر اجل صحابہ کا عمل آمین بالسرہی ہے۔ (مستفاد: جوہر النقی ۱/۲۸۸، شرح معانی الآثار ۱/۱۲۰)

کان عمرٌ وعلیٌّ لا یجھران بالتأمین. (طحاوی شریف ۱/ ۱۲۰)

قال عمر -رضی اللہ عنہ-: أربیع یخفین عن الإمام: التعوذ،

والتسمیة، وآمین، والتحمید. (جوہر النقی ۱/ ۴۸)

کان علی و ابن مسعود -رضی اللہ عنہما- لا یجھران بآمین. (معجم

طبرانی کبیر، دار احیاء التراث العربی ۹/ ۲۶۳، رقم: ۹۳۰، کنز العمال ۲/ ۲۴۹)

اس کے علاوہ تابعین و تبع تابعین کا عمل بھی آمین بالسر کا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی ۹۶/۲، رقم: ۲۶۳۵)

حاصل یہ ہوا کہ خلفائے راشدین و دیگر جلیل القدر صحابہ اور تابعین آمین بالسر پر عامل تھے، جب کہ اس کے خلاف آمین بالجہر پر کسی صحابی سے صراحتاً عمل کرنا منقول نہیں ہے۔ (مستفاد: درس ترمذی ۱/۴۱ تا ۵۲، فتح مبین ص: ۸۲ تا ۷۸، حدیث اہل حدیث ص: ۳۳ تا ۳۸)

مسئلہ رفع یدین: رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں طرح کی حدیثیں صحابہ سے مروی ہیں، رفع یدین کرنے کی روایات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور ترک رفع کی روایات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نبوت کے پہلے سال سے آپ ﷺ کی وفات تک ہر وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے، حضور ﷺ کو جوتا پہنانا اور حضور ﷺ کے جوتے اتارنے کے بعد ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی ذمہ داری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ تھی؛ اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ”صاحب التعلین“ سے مشہور تھے، اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی وفات سے صرف چھ سال پہلے غزوہ خندق کے سال بالغ ہوئے تھے، نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی ان کی حضور ﷺ کے ساتھ خادمانہ زندگی نہیں تھی؛ بلکہ کبھی کبھی حاضری ہوا کرتی تھی اور شروع میں رفع یدین کا سلسلہ جاری تھا، بالکل اخیر میں یہ سلسلہ ترک کر دیا تھا، جس کا علم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اچھی طرح تھا، اس کے برخلاف ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دونوں طرح کے عملوں کے بارے میں پوری حقیقت معلوم نہیں تھی۔ اور اخیر میں حضور ﷺ نے رفع یدین کو جو ترک کر دیا تھا، اس کا علم ابن عمر کو نہیں رہا، اسی وجہ سے حضرات حنفیہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو منسوخ سمجھتے ہیں۔

عن علقمة قال: قال عبد الله بن مسعود -رضي الله عنه-: ألا أصلي

بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: فصلى فلم يرفع يديه إلا

مرة واحدة. (سنن الترمذی، الصلاة، باب رفع الیدین عند الركوع، النسخة الهندية ۱/ ۵۹، دارالسلام، رقم: ۲۵۷، أبوداؤد، الصلاة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، دارالسلام، رقم: ۷۴۸، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۳۴۴، رقم: ۵۰۱۸، ۴/ ۳۴۳، رقم: ۵۰۱۷، شرح معاني الآثار ۱/ ۱۳۲، نسائي، الصلاة، باب الرخصة في ترك ذلك، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۷، دارالسلام رقم: ۱۰۵۹، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۸۸، رقم: ۳۶۸۱، ۱/ ۴۴۲، رقم: ۴۲۱۰)

سینہ پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ: اسی طرح سینہ پر ہاتھ باندھنا اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا دونوں ہی حدیث سے ثابت ہے؛ البتہ یہاں بھی اختلاف افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے، غیر مقلدین حضرات سینہ پر ہاتھ باندھنے کو افضل کہتے ہیں، اس کے برخلاف حنفیہ و دیگر ائمہ و فقہاء کرام ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو مستحب اور افضل قرار دیتے ہیں؛ البتہ جواز میں کسی کا اختلاف نہیں، غیر مقلدین حضرات وائل بن حجر کی روایات سے استدلال کرتے ہیں جو بیہقی نے سعید بن عبد الجبار ابن وائل کے طریق سے روایت کی ہے۔

عن وائل بن حجر قال: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم وضع يمينه على يسره على صدره. (بيهقي، قديم ۲/ ۳۰، إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب وضع الیدین تحت السرة، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/ ۱۸۰، کراچی ۲/ ۱۴۸، شرح ترمذی أبو طیب / ۱۷۷)

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء کرام کا استدلال بھی حضرت وائل ہی کی روایت سے ہے جو موسیٰ بن عمیر کے طریق سے مروی ہے:

عن علقمة بن وائل ابن حجر، عن أبيه، قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة. (مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۳۹۰، ۳۹۱، جديد ۳/ ۳۲۰، رقم: ۳۹۵۹، دارقطني ۱/ ۲۸۶، جديد ۱/ ۲۸۹، رقم: ۱۰۸۹، مسند أحمد ۱/ ۱۱۰، رقم: ۸۷۵، إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب وضع الیدین تحت السرة، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/ ۱۸۱، کراچی ۲/ ۱۶۸، بيهقي قديم ۲/ ۳۱،

جدید ۲/ ۳۱۹، رقم: ۲۳۹۰)

اخیر کی ان چار کتابوں میں یہ روایت ”تحت السرة“ کے الفاظ سے مروی ہے، جس میں صحابہ کا عمل اور قول مذکور ہے، اس کے علاوہ حنفیہ اس روایت کو کئی وجہوں سے ترجیح دیتے ہیں:

(۱) اسلام میں اکثر احکام میں مرد و عورت کے درمیان امتیاز رکھا گیا ہے، مرد کو عورت کی عورت کو مرد کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، اب چونکہ عورت کو سیدنہ پر ہاتھ باندھنے کا حکم کیا گیا اور یہی اس کے حق میں تستر کا باعث ہے؛ اس لئے حنفیہ نے حضرت وائل کی مذکورہ روایت کو مردوں کے لئے ترجیح دی، تاکہ مرد و عورت کی نماز کے درمیان امتیاز رہے اور عورت سے مشابہت بھی نہ ہو۔

(۲) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا زیادہ تعظیم کا باعث ہے۔ اور نماز میں تعظیم باری تعالیٰ اور اپنے عجز کا اظہار مقصود ہے۔

(۳) آثار صحابہ، اعمال صحابہ سے بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حضرت انس، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے، اور اسی کا فتویٰ دیتے تھے۔ (مستفاد: مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۹۰، ۳۹۱، جدید ۳/ ۳۲۲، رقم: ۳۹۶۰، دارقطنی ۱/ ۲۸۶، جدید ۱/ ۲۸۹، رقم: ۱۰۹۰، مسند احمد ۱/ ۱۱۰، رقم: ۸۷۵، بیہقی ۲/ ۲۱، رقم: ۲۳۹۰، سنن ابی داؤد، الصلاة، باب وضع الیمنی علی الیسری، النسخۃ الہندیہ ۱/ ۱۱۰، دارالسلام، رقم: ۷۵۶)

نیز تابعین میں حضرت ابراہیم نخعی اور اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری وغیرہم رحمہم اللہ جیسے اکابر نے اسی کو اپنایا اور اسی پر عمل پیرا رہے؛ اس لئے امام صاحب نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی روایت کو ترجیح دی اور اسی کو افضل سمجھا۔

قدیم کے درمیان فاصلہ کا مسئلہ: اس سلسلہ میں بھی روایات دونوں طرح کی منقول ہیں، حنفیہ و دیگر ائمہ کرام کا مسلک قدیم کے درمیان چار انگل فاصلہ رکھنا مستحب ہے، غیر مقلدین حضرات ایک نمازی کے قدم کو دوسرے نمازی کے قدم سے ملانے کو مستحب کہتے ہیں، جس سے دونوں قدموں کے درمیان کافی فاصلہ ہو جاتا ہے، ان کی دلیل صفوں کو درست

کرنے سے متعلق احادیث میں وارد ہوئے الفاظ: ”قدمہ بقدمہ“ ہیں۔ (بخاری، کتاب

الأذان، باب الزايق المنكب بالمنكب ۱/ ۱۰۰، رقم: ۷۱۶، ف: ۷۲۵)

حنفیہ و دیگر ائمہ کرام کا استدلال بھی تسویۃ الصفوف کی روایت سے ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أقيموا الصفوف، وحاذوا بين

المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذرُوا فرجات

للسيطان. (أبو داؤد، الصلاة، باب تسوية الصفوف ۱/ ۹۷، دار السلام، رقم: ۶۶۶،

المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۳/ ۳۱۹، رقم: ۱۴۱۱۳، مسند أحمد

بن حنبل ۲/ ۹۸، رقم: ۵۷۲۴)

اس کے معنی یہ ہیں کہ: نماز میں کندھے سے کندھے ملائے جائیں، درمیان کے خلاء کو پر کیا

جائے، یہاں تک کہ شیطان کے لئے درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہے۔ حنفیہ کے یہاں اس

روایت کو معمول بہا بنانے کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کی درستگی کے لئے کندھے سے کندھے ملانے کا حکم فرماتے

تھے اور خود بھی صف درست فرمانے میں کندھے سے کندھا برابر فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے نہ تو قدم سے قدم ملانے کا حکم فرمایا اور نہ گھٹنے سے گھٹنا اور نہ قدم سے قدم ملانے پر

عمل کیا۔ اور جن روایات میں قدم سے قدم ملانے کا تذکرہ ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

فعل نہیں اور نہ قول ہے، وہ صرف ایسے صحابہ کی اپنی سمجھ ہے، جن کو فقہاء، صحابہ میں سے نہیں

سمجھا جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلہ میں کوئی فرمان نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی عمل

ہے، اور جب کسی صحابی کا عمل غیر مدرک بالقیاس ہوتا ہے، تو وہ قابل عمل نہیں ہوتا؛ اس لئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ہی عمل کیا جائے۔

(۲) اگر قدم سے قدم ملانے والی روایت کو غیر مقلدین کی صراحت کے مطابق اختیار کیا

جائے تو سنت پر مکمل عمل نہ ہو سکے گا؛ کیوں کہ جہاں حدیث میں قدم سے قدم ملانے کا تذکرہ

ہے، وہیں روایت میں گھٹنے سے گھٹنا ملانے اور کندھے سے کندھا ملانے، نیز ٹخنے سے ٹخنہ

ملانے کا بھی ذکر ہے۔ اور قدم سے قدم ملانے میں اخیر کی ان تین صورتوں پر عمل کی کوئی صورت نہیں اور نہ ہی غیر مقلدین حضرات اس کو کرتے ہیں۔

(۳) احادیث کے اندر صفوں کو درست کرنے کی نہایت تاکید و ترغیب آئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے صفوں کے درست کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اور ’ابوداؤد شریف‘ سے نقل کی گئی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ درمیان میں شیطان کے لئے خلاء نہ چھوڑو؛ بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوں، اس پر عمل حنفیہ کی بیان کردہ صورت ہی پر ممکن ہے، قدم سے قدم ملانے کی صورت میں اس پر عمل کی کوئی صورت نہیں؛ کیوں کہ جب ایک نمازی کا قدم دوسرے نمازی کے قدم سے ملے گا، تو لازمی طور پر درمیان میں خلاء ہوگا۔

(۴) خلفائے راشدین دیگر جلیل القدر صحابہ، تابعین، تابع تابعین، ائمہ کرام و فقہاء عظام تمام کے تمام صفوں کی درستگی کے لئے کندھے سے کندھے ملانے کا حکم کرتے تھے اور اس پر عمل پیرا تھے، ان تمام وجوہ کی بنا پر احناف نے کندھا سے کندھا ملانے والی روایت کو ترجیح دی اور قدمین کے درمیان چار انگل کا فاصلہ متعین کیا، جس میں انسان اپنی ہیئت پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ (مستفاد: حدیث اور اہل حدیث، ص: ۵۰۸ تا ۵۰۹)

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ یہ مسائل افضلیت و عدم افضلیت سے متعلق ہیں، فرض واجب کا اختلاف ان میں نہیں ہے؛ لہذا ان کو محل نزاع نہ بنایا جائے، رہا ان کے خلاف عاملین کا مسئلہ تو آپ ان سے نہ الجھئے، آپ اس تحریر کے مطابق عمل کریں، اگر بالفرض آپ سے کوئی تعرض کرے تو کہہ دیجئے اس سلسلہ میں ہمیں معلوم نہیں آپ ہمارے علماء کی جانب رجوع کریں۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۳/۳

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۳۰)

رکوع، سجود کی تکبیرات سنت ہیں یا واجب؟

سوال [۱۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع سجود کی تکبیرات فرض ہیں یا سنت یا واجب؟ مذکورہ بالا سوالات کے جوابات باحوالہ دے کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد سجاد قاسمی، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رکوع و سجود کی تمام تکبیریں سنت ہیں۔

وسننہا تکبیر الرکوع، و تسبیحہ ثلاثا، و أخذ رکبتيه بیدیه، و تفریح أصابعه، و تکبیر السجود و الرفع. (هندیہ، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة، زکریا قدیم ۱/۷۲، جدید ۱/۱۳۰، تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ إمدادیہ ملتان ۱/۱۰۷، زکریا ۱/۲۷۸، تاتاریخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی کیفیة الصلاة، زکریا ۲/۱۶۷ تا ۱۷۳، کوئٹہ ۱/۵۱۱، البحر الرائق، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول فی الصلاة کبر، کوئٹہ ۱/۳۱۵، زکریا ۱/۵۰۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/۴/۱۴۱۸ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۵)

کیا قومہ کی دعا مرد عورت دونوں پڑھیں گے؟

سوال [۱۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں رکوع سے اٹھتے وقت ”سمع اللہ“ اور ”ربنا لک الحمد“ دونوں کہنا تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے؟ نیز صرف مرد کے لئے ہے یا عورتوں کے لئے بھی ہے؟ اور

”سمع الله“ اور ”ربنا لك الحمد“ صرف فرض نماز کے لئے ہے یا سنت اور نفل اور فرض اور وتر سب کے لئے ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”سمع اللہ“ اور ”ربنا لك الحمد“ دونوں کا مفرد کے لئے پڑھنا افضل ہے، اس میں عورت مرد دونوں برابر ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، قدیم/۲/۲۳۰)

وإن كان مقتديا يأتي بالتحميد ولا يأتي بالتسميع بلا خلاف، وإن كان منفردا الأصح أنه يأتي بهما كذا في المحيط، وعليه الاعتماد، كذا في التاتارخانية، وهو الأصح، كذا في الهداية. (هندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ۱/ ۴۷، جديد ۱/ ۱۳۲، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ۲/ ۱۷۰، رقم: ۲۰۴۴، هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ۱/ ۱۰۶، حلي كبير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفيه ديوبند/ ۳۱۸)

ويجمع بينهما لو منفردا على المعتمد يسمع رافعا، ويحمد مستويا، وتحته في الشامية: قوله على المعتمد: وهو الأصح كما في الهداية، والمجمع والملتقى. (شامي كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للحائى، كراچی ۱/ ۴۹۷، زكريا ۲/ ۲۰۱) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۹۳/۳۳)

قومہ و جلسہ میں کتنی دیر بیٹھے اور کیا پڑھے؟

سوال [۱۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں قومہ و جلسہ واجب ہیں، ان کا واضح طور پر اظہار کیا جائے، رسول پاک ﷺ نے

ان کی ادائے گی ٹھیک طرح نہ کرنے پر ایک صحابی سے تین بار نماز دہر وادی، اب سوال یہ ہے کہ امام ”سمع اللہ“ کہہ کر رکوع سے سیدھا کھڑے ہو کر کیا پڑھے؟ اور دونوں سجدوں کے بیچ آرام سے بیٹھ کر کیا پڑھے؟ اور کتنی مقدار ٹھہرے؛ کیوں کہ رسول پاک ﷺ دونوں جگہ توقف فرماتے اور کبھی کبھی اتنا ٹھہرتے جتنی دیر سجدہ یا رکوع میں ٹھہرتے تھے۔

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، بلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: نماز میں قومہ و جلسہ واجب ہیں اور حدیث پاک کی کتابوں میں وارد ہوا ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم قومہ میں: ”ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه“. اور جلسہ میں: اللهم اغفر لي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني“ پڑھا کرتے تھے۔

وينبغي أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة. (حاشية چلبی، الصلاة، باب صفة الصلاة، إمدادیه ملتان ۱/ ۱۰۷، زکریا ۱/ ۲۷۹، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۱۷/ ۳۰۸، كوئٹہ ۱/ ۲۶۲، حلبی كبير، الفرض الثامن تعديل الأركان، أشرفیه دیوبند/ ۲۹۴)

وتعديل الأركان، أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود، وكذا في الرفع منهما على ما اختاره الكمال (تحتة في الشامية): قال في البحر: ومقتضى الدليل وجوب الطمأنينة في الأربعة: أي في الركوع، والسجود، وفي القومة والجلسة، ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدين للمواظبة على ذلك كله. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۲/ ۱۵۷، کراچی ۱/ ۴۶۴، حاشية الطحطاوي على المراقي، دارالكتاب دیوبند ۱/ ۲۳۳)

عن رفاعة بن رافع الذرقی قال: كنا يوما نصلي وراء النبي صلى الله

علیہ وسلم، فلما رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده، قال رجل: وراءه ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، فلما انصرف قال: من المتكلم؟ قال: أنا، قال: رأيت بضعة وثلاثين ملكا يبتدرونها أيهم يكتبها أول. (بخاري، كتاب الأذان، باب فضل اللهم ربنا لك الحمد، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۰، رقم: ۷۹۱، ف: ۷۹۹، السنن الكبرى للبيهقي، قديم ۲/ ۸۵، جديد دار الكفر ۲/ ۴۰۱، رقم: ۲۶۰۷)

عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول بين السجدين: اللهم اغفر لي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني. (ترمذي شريف، أبواب الصلاة، باب ما يقول بين السجدين، النسخة الهندية ۱/ ۶۳، دار السلام، رقم: ۲۸۴) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳ھ/۵/۶

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۹۱/۴۰)

فرائض میں قومہ اور جلسہ استراحت کی دعا پڑھنا

سوال [۱۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رکوع سے کھڑے ہو کر ”الحمد لله حمدا كثيرا“ اور رب اغفر لي وارحمني، واهدني وارزقني وعافني“ پڑھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض نمازوں میں مستحب ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض کتب میں ہے کہ نوافل میں پڑھے فرائض میں نہ پڑھے۔ ”رد المحتار“ میں ہے: ”محمول علی النوافل، ومحمول علی التهجد“ مدلل و مفسر جواب تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مولانا مشیر احمد لکھنؤ پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: احادیث میں رکوع سے کھڑے ہو کر ”الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه“ اور رب اغفر لي وارحمني، واهدني وارزقني وعافني“ پڑھنا وارد ہوا ہے۔ اور فرض نمازوں میں بھی ان دعاؤں کا پڑھنا مستحب ہے۔ اور مذکورہ عبارت: ”محمول على النوافل، ومحمول على التهجد“ علامہ شامی نے خزائن سے نقل کرنے کے بعد آگے خود تحریر فرمایا ہے کہ خزائن کے محشی نے علامہ زیلعیؒ پر رد کیا ہے کہ انہوں نے ان دعاؤں کو تہجد کے ساتھ خاص کیا ہے؛ لہذا مذکورہ عبارت سے ان دعاؤں کو نوافل و تہجد کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، ڈابھیل ۵/ ۶۱۶، کتاب الفتاویٰ ۳/ ۱۰۸)

عن رفاعة بن رافع الذرقی قال: كنا يوما نصلي وراء النبي صلى الله عليه وسلم، فلما رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده، قال رجل وراءه: ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، فلما انصرف قال: من المتكلم؟ قال: أنا، قال: رأيت بضعة وثلاثين ملكا يبتدرونها أيهم يكتبها أول. (بخاري، كتاب الأذان، باب فضل اللهم ربنا لك الحمد، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۰، رقم: ۷۹۱، ف: ۷۹۹، السنن الكبرى للبيهقي، قديم ۲/ ۸۵، دارالفكر جديد ۲/ ۴۰۱، رقم: ۲۶۰۷)

عن ابن عباس أن النبي ﷺ كان يقول بين السجدين: اللهم اغفر لي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني. (ترمذي شريف، أبواب الصلاة، باب ما يقول بين السجدين، النسخة الهندية ۱/ ۶۳، دارالسلام، رقم: ۲۸۴)

وما ورد محمول على النفل (تحتة في الشامية): أي تهجدا أو غيره. (خزائن) وكتب في هامشه: فيه رد على الزيلعي حيث خصه بالتهجد. (شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۲/ ۲۱۳، کراچی ۱/ ۵۰۵، ۵۰۶)

وقال على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن حالة الأفراد أو الجماعة، والمأمومون محصورون لا يشغلون بذلك كما نص عليه الشافعية، ولا

ضرر في التزامه، وإن لم يصرح به مشايخنا، فإن القواعد الشرعية لا تنبوعنه كيف والصلاة والتسبيح والتكبير والقراءة كما ثبت في السنة.

(شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۲/۲۱۳، کراچی ۱/۵۰۶)

أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه إذ لو كان مكروها لنهي عنه وعدم كونه مسنونا لا ينافي الجواز بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدين. (شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۲/۲۱۳،

منحة الخالق على البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۱/۵۶۱، كوئٹہ

۱/ ۳۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲/۴۰)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۲/۱ھ

کیا نماز کی ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں؟

سوال [۱۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں دونوں سجدے فرض ہیں یا ایک؟ مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو واضح فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کی ہر رکعت کے دونوں سجدے فرض ہیں؛ لہذا اگر

کوئی ایک سجدہ باقی رہ جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس کا اعادہ بھی فرض ہوگا۔ (مستفاد:

فتاویٰ محمودیہ، میرٹھ ۹/۲۶۶، ڈی ایچ پبلش ۵/۵۶۸)

السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة. (هندية، الباب الرابع في

صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، زکریا قدیم ۱/۷۰، جدید ۱/۱۲۷)

والسجود، والمراد من السجود السجدة فاصلته ثابت بالكتاب

والسنة، والإجماع، وكونه مثنى في كل ركعة بالسنة والإجماع، وهو أمر تعبدي لم يعقل له معنى على قول أكثر مشايخنا. (البحر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كونه ۱/ ۲۹۳، زكريا ۱/ ۵۱۱، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، كراچی ۱/ ۴۴۷، شامي، زكريا ۲/ ۱۳۵، حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، جديد دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۳۴) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ صفر ۱۴۳۵ھ

سجدہ میں جاتے وقت کی تکبیر کب پوری کی جائے؟

سوال [۱۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نماز کی حالت میں سجدہ میں جانے کے بعد ناک زمین پر رکھنے کے بعد تکبیر ختم ہوئی تو نماز میں کچھ کمی آسکتی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسلام مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز میں کمی نہیں آتی؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ صرف قیام یا قعدہ سے سجدہ میں جانے کے درمیان میں ہی تکبیر ہو۔

عن أبي بكر بن عبد الرحمن، أنه سمع أبا هريرة يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة يكبر حين يقوم (إلى قوله) ثم يكبر حين يهوي ساجداً. (صحيح مسلم، الصلاة، باب إثبات التكبير في كل خفض ورفع، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۹، بيت الأفكار، رقم: ۳۹۲، صحيح البخاري، الصلاة، باب يهوي بالتكبير حين يسجد، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۰، رقم: ۷۹۵، ف: ۸۰۳، سنن النسائي، كتاب الافتتاح باب التكبير للركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۶، دارالسلام، رقم: ۱۰۱۹،

سنن أبي داؤد، الصلاة، باب تمام التكبير، النسخة الهندية ۱ / ۱۲۱، دارالسلام، رقم: ۸۳۶)

ثم يخبر ساجداً، ويكبر في حالة الخرور. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في مايفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العمي ۲ / ۱۱۹، رقم: ۱۳۵۹، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ۲ / ۱۷۲، رقم: ۲۰۴۹)

فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور. (عالمگیری، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل لثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ۱ / ۷۵، جديد ۱ / ۱۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ / رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱ / ۳۵۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹ / رمضان ۱۴۱۴ھ

سجدہ میں کہنیوں کی حالت کا حکم

سوال [۱۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند لوگوں کو دیکھا کہ اکیلے نماز پڑھنے والے سجدہ میں دونوں کہنیاں کھول کر نماز پڑھ رہے ہیں، جب کہ جماعت کی حالت میں کہنیاں سمیٹتے ہیں، کونسی حالت صحیح سمجھی جائے؟

المستفتی: لیتیق احمد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کہنیاں کھول کر اور سمیٹ کر نماز پڑھنا دونوں حالتیں صحیح ہیں، اصل یہ ہے کہ کہنیاں کھول کر ہی پڑھے، مگر جب جماعت کے ساتھ پڑھے اور کہنیوں کو پھیلا کر پڑھنے کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو سمیٹ کر پڑھنا بہتر ہے۔

عن مالک بن بحینة أن رسول الله ﷺ إذا صلى فرج بين يديه، حتى يبدو بياض إبطيه. (بخاري، الصلاة، باب يدي اضعيه ويحافى جنبه في السجود، النسخة الهندية ۱ / ۱۱۲، رقم: ۷۹۹، ف: ۸۰۷، صحيح مسلم، الصلاة قبيل باب ما يجمع صفة الصلاة، النسخة الهندية ۱ / ۱۹۴، بيت الأفكار، رقم: ۴۹۵)

عن میمونۃ بنت الحارث، قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا سجد جافی حتی یرى من خلفه وضح إبدیه. (صحیح مسلم، الصلاة، باب ما یجمع صفة الصلاة، النسخة الهندیة ۱/ ۱۹۴، بیت الأفكار، رقم: ۴۹۷، مسند الدارمی، دارالمغنی ۲/ ۸۴۰، رقم: ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی ۲/ ۱۶۸، رقم: ۲۹۲۲، صحیح ابن خزیمہ، المکتب الإسلامی ۱/ ۳۴۹، رقم: ۶۴۷، المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربی ۲/ ۱۸۳، رقم: ۱۷۴۵)

و یدى ضبعیه لقوله علیہ الصلاة والسلام: وابد ضبعیک، ویروی: وأبد من الإبداد، وهو المد، والأول من الإبداء، وهو الإظهار، ویجافی بطنه عن فخذیه - إلى قوله - وقیل: إذا کان فی الصف لا یجافی کى لا یؤذی جاره. (هدایہ، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفی دیوبند ۱/ ۱۰۹، الفتاوی التاتاریخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی السجود، زکریا ۲/ ۱۲۶، رقم: ۱۹۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵/ محرم ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۷)

سجدہ میں پیروں کی انگلیاں کیسے رکھیں؟

سوال [۱۹۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں کچھ صاحبان اس طرح سجدہ کرتے ہیں کہ دونوں پیروں کی انگلیوں کو موڑ کر مشرق کی طرف کر لیتے ہیں، کچھ پیر کھڑے کر کے انگلیوں کی صرف نوکیں زمین پر لگائے رکھتے ہیں اور کچھ جن میں (امام صاحبان بھی شامل ہیں) انگلیاں اس طرح زمین پر رکھتے ہیں کہ ان میں صرف تھوڑا سا خم پیر کی طرف ہوتا ہے، اور ایک انگلی کا بھی پیٹ زمین پر جم کر رخ کعبہ شریف کی طرف نہیں ہوتا، سجدہ کے بارے میں حاصل کی گئی ہماری جانکاری مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ہم نے ایک مستند دینی کتاب میں پڑھا ہے کہ سجدہ کے دوران پیر کی کم از کم ایک انگلی کا

پیٹ زمین پر جما کر انگلی کا رخ کعبہ شریف کی طرف کرنا سجدہ صحیح ہونے کے لئے شرط ہے، اگر سجدہ اس طرح کیا کہ پیروں کی انگلیوں کی صرف نوکیں زمین پر ٹکی رہیں اور ایک انگلی کا بھی رخ کعبہ شریف کی طرف نہیں ہو تو سجدہ ادا نہیں ہوگا اور نماز نہیں ہوگی، بہت سے لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

(۲) کچھ امام صاحبان کی توجہ مندرجہ بالا مسئلہ کی طرف دلانے پر انہوں نے اس سے اختلاف کیا اور بڑے وثوق کے ساتھ کہا کہ سجدہ میں بس پیر زمین سے اٹھنے نہیں چاہئے اور انگلیوں کی نوکوں کا صرف زمین پر ٹکا رہنا کافی ہے، نماز ہو جائے گی اور کم از کم ایک انگلی کا پیٹ زمین پر جما کر رخ کعبہ شریف کی طرف کرنا محض مسنون ہے ضروری نہیں؟

المستفتی: محمد نبی خان پیرا ماؤنٹ میٹل فیکٹری طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سجدہ کی حالت میں دونوں پیروں کو زمین پر رکھنا واجب ہے، چاہے کسی بھی طریقہ سے رکھا جائے۔ اور بشرط گنجائش دونوں پیروں میں سے کسی ایک پیر کی کوئی بھی انگلی زمین پر ٹیکنا واجب ہے۔ اور اگر گنجائش نہ نکلے تو انگلی بھی زمین پر رکھنا واجب نہیں، پیروں کو صرف زمین پر رکھنا واجب ہے۔ اور راجح قول کے مطابق دونوں پیروں کی انگلی یا کسی ایک پیر کی انگلی کو پیٹ کے بل پیر کو زمین پر جمانا اور انگلی کا رخ قبلہ کی طرف کرنا بشرط گنجائش مسنون ہے۔ اور فقہ کی بعض جزئیات ایسی ہی ہیں جیسا کہ سائل نے اپنے سوال میں نقل فرمایا ہے کہ کسی بھی ایک انگلی کو قبلہ کی طرف اور اس کے پیٹ کے بل پر سہارا لگانا واجب ہے؛ لیکن یہ قول مرجوح اور غیر مفتی بہ ہے۔ اور سوال ۲ میں کچھ مجاہدوں کے امام صاحبان کی طرف منسوب کر کے جو بات پیش کی گئی ہے، اس میں امام صاحب کی رائے صحیح اور راجح قول کے مطابق ہے، جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

عن محمد بن عمرو بن عطاء، أنه كان جالسا مع نفر من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، فذكروا صلاة النبي صلى الله عليه وسلم -إلى-

فإذا سجد وضع يديه غير مفترش، ولا قابضهما، واستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة. (صحيح البخاري، الصلاة، باب سنة الجلوس في التشهد، النخسة الهندية ۱/ ۱۱۴، رقم: ۸۲۰، ف: ۸۲۸، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۳۵۰، رقم: ۶۵۱، صحيح ابن حبان، دارالفکر ۳/ ۱۳۵، رقم: ۱۸۶۶)

ولو وضع ظهر القدم دون الأصابع، بأن كان المكان ضيقاً، أو وضع إحداهما دون الأخرى لضيقه جاز كما لو قام على قدم واحد، وإن لم يكن المكان ضيقاً يكره، فهذا صريح في اعتبار وضع ظاهر القدم، وإنما الكلام في الكراهة بلا عذر (إلى قوله) لكن هذا ليس صريحاً في اشتراط توجيه الأصابع، بل المصرح به أن توجيهها نحو القبلة سنة يكره تركها. (شامي، باب صفة الصلاة، مطلب في طالة الركوع للجائي، زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۵، كراچی ۱/ ۵۰۰) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۸)

سجدہ میں ”سبحان ربی الکریم“ کہنا

سوال [۱۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا ”سبحان ربی العظیم“ کے بجائے ”سبحان ربی الکریم“ بھی کہہ سکتے ہیں؟

المستفتی: اخلاق احمد سلیم پروگڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث پاک میں حضور ﷺ سے رکوع میں ”سبحان ربی

العظیم، اور سجدہ میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھنا ثابت ہے؛ اس لئے یہی مسنون ہے، اس کے خلاف پڑھنا خلاف سنت ہے۔

عن ابن مسعود -رضي الله عنه- أن النبي ﷺ قال: إذا ركع أحدكم ، فقال في ركوعه: سبحان ربي العظيم ثلاث مرات ، فقد تم ركوعه ، وذلك أدناه ، وإذا سجد فقال في سجوده: سبحان ربي الأعلى ثلاث مرات ، فقد تم سجوده ، وذلك أدناه . (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود، النسخة الهندية ۱ / ۶۰، دارالسلام، رقم: ۲۶۱، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب مقدار الركوع والسجود، النسخة الهندية ۱ / ۲۹، دارالسلام، رقم: ۸۸۶)

عن حذيفة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في ركوعه: سبحان ربي العظيم ثلاثا، وفي سجوده: سبحان ربي الأعلى ثلاثا. (طحاوي شريف، الصلاة، باب ما ينبغي أن يقال في الركوع والسجود، النسخة الهندية ۱ / ۱۳۸، دارالكتب العلمية بيروت ۱ / ۳۰۵، رقم: ۱۳۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ / ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۵۲ / ۳۲)

سجدہ ثانیہ سے کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز کے سجدہ ثانیہ سے کھڑے ہونے کا مسنون طریقہ کیا ہے غیر معذور کے لئے؟

المستفتی: شریف احمد مؤمن آباد، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: نماز کے سجدہ ثانیہ سے اٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ

زمین سے پہلے سر، پھر ہاتھ، پھر کھٹوں کو اٹھایا جائے، ہاں البتہ اگر کسی کو عذر ہے تو وہ کسی بھی طرح سے اٹھ سکتا ہے۔

عن وائل بن حجر، قال: رأيت النبي ﷺ إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه، وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، النسخة الهندية ۱/۱۲۲، دار السلام، رقم: ۱۴۰، سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في وضع الركبتين قبل اليدين في السجود، النسخة الهندية ۱/۱۶، دار السلام، رقم: ۲۶۸، سنن ابن ماجه، الصلاة، باب السجود، النسخة الهندية ۱/۶۳، دار السلام، رقم: ۸۸۲، سنن نسائي، الصلاة، باب أول ما يصل إلى الأرض من الإنسان في سجوده، النسخة الهندية ۱/۱۲۳، دار السلام، رقم: ۱۰۹۰، باب الرفع اليدين عن الأرض قبل الركبتين ۱/۱۲۹، دار السلام، رقم: ۱۱۵۵)

عن عبد الله بن يسار، إذا سجد وضع ركبتيه، ثم يديه، ثم وجهه، فإذا أراد أن يقوم رفع وجهه، ثم يديه، ثم ركبتيه. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/۱۷۷، رقم: ۲۹۵۸)

ويسن عكسه لئلهوض للقيام، بأن يرفع وجهه، ثم يديه، ثم ركبتيه إذا لم يكن به عذر. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دار الكتاب ديوبند/ ۲۶۷) فقط واللهم سبحانك وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رجب ۱۴۲۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۷۰۷۳)

تعدہ میں ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے کی کیفیت

سوال [۱۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ”نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں“ میں تشہد میں ہاتھ رانوں پر رکھنا لکھا ہے اور ”تعلیم

الاسلام“ میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا لکھا ہے، ان میں کونسا طریقہ افضل ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد یونس احمد گڑھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: تعدہ میں ہاتھوں کو رانوں پر اس طرح رکھنا کہ انگلیوں کے سرے گھٹنوں کے قریب ہوں، یہی مسنون طریقہ ہے۔ (مستفاد: علم الفقہ ۲/۸۴)

عن ابن عمر قال: كان رسول الله ﷺ إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى. (مسلم شريف، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، وكيفية وضع اليدين على الفخذين، النسخة الهندية ۱/۲۱۶، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۰)

بحیث تكون أطراف أصابعه على حرفي ركبتيه لا مباحدة عنها، كذا

في الفتح. (طحطاوي على المراقي، قديم ۱۴۶، دارالكتاب ۱/۲۶۸، ۲۶۹)

وينبغي أن تكون أطراف الأصابع على حرف الركبة لا مباحدة عنها.

(فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/۲۱، كوئٹہ ۱/۲۷۲، حاشية چلبی، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، مكتبة إمداديه ملتان ۱/۱۲۱، زكريا ۱/۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اور آپ نے جو ”تعلیم الاسلام“ کا حوالہ دیا ہے، اس میں بھی حضرت مفتی صاحب نے رانوں پر ہاتھ رکھنا ہی لکھا ہے۔ (تعلیم الاسلام ۳/۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۵/۵/۱۴۲۱ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۸۸)

تشہد میں انگلی اٹھانے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: تشہد میں شہادت کی انگلی کب تک اٹھائے رکھیں اور حلقہ کب تک بندھا رہے، اس کا کیا ثبوت ہے؟ کیا ”فتاویٰ عالمگیری“ میں ”الا للہ“ کے بعد حلقہ کھول دینے کا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی، بلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تشہد میں کلمہ کے موقع پر داہنے ہاتھ کی اخیر کی دو چھوٹی انگلیوں کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر ”لا الہ“ پر انگلی اٹھائے اور ”الا للہ“ پر رکھ دے۔ اور حلقہ اخیر تک باقی رکھے، یہی صورت اولیٰ ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۲۰۷)

عن ابن عمر - رضي الله عنه - قال: كان النبي ﷺ إذا جلس في الصلاة للتشهد نصب يديه على ركبتيه، ثم رفع إصبعه السبابة التي تلي الإبهام، وباقي أصابعه على يمينه مقبوضة كما هي. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۵۵۰، رقم: ۲۰۲۵)

وفي المحيط: أنها (أي الإشارة) سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولى. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲۱۷، كراچی ۱/ ۵۰۸)

عالمگیری (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قدیم ۱/ ۷۵، جدید ۱/ ۱۳۳) میں صرف اتنی عبارت ہے: إذا انتهى إلى قوله: أشهد أن لا إله إلا الله يشير بالمسبحة الخ. ”إلا للہ“ کے بعد حلقہ کھول دینے کی وضاحت عالمگیری میں ہمیں نہیں ملی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

۱۳/۳/۱۴۲۱ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۲/۶۵۵۰)

تشہد میں حلقہ بنا کر آخر تک اسی طرح رکھنا

سوال [۱۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں تشہد پڑھتے ہوئے جو ”أشهد أن لا“ پر انگلی اٹھاتے ہیں اور ”إلا الله“ پر جھکاتے ہیں، اس میں راجح اور مفتی بہ قول کیا ہے؟ کیا یہ حلقہ آخر تک باقی رہے یا ”إلا الله“ پر حلقہ بھی ختم کر دیں، راجح قول کیا ہے؟

المستفتی: سعید احمد قاسمی، سیدھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اس سلسلہ میں راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ شہادت کے وقت سے حلقہ بنا کر سلام پھیرنے تک حلقہ کو اسی طرح باقی رکھا جائے اور ”إلا الله“ پر صرف انگلی کو جھکا دیا جائے، حلقہ ختم نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈائجیل ۵/۲۳۷)

عن ابن عمر - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة. (صحيح مسلم، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، النسخة الهندية ۱/۲۱۶، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۰)

قال محمد رحمه الله: يصنع بصنع النبي عليه السلام، ثم قال: وهذا قولی وقول أبي حنيفة، وفي الملتقط: الإشارة عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله حسن، ثم كيف يصنع عند الإشارة؟ حكى عن الشيخ الفقيه أبو جعفر رحمه الله أنه قال: يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى مع الإبهام، ويشير بسببته. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ۲/۱۸۷، رقم: ۲۰۹۵، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث في ما يفعله بعد الشروع في الصلاة؟ المجلس العلمي ۲/۱۲۸، رقم: ۱۳۸۹)

والصحيح المختار عند جمهور أصحابنا أنه يضع كفيه على فخذه، ثم بوضوئه إلى كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى والإبهام، ويشير بالمسبحة رافعا لها عند النفي واضعا لها عند الإثبات، ثم يستمر على ذلك؛ لأنه ثبت العقد عند الإشارة بلا خلاف، ولم يوجد أمر بتغييره، والأصل بقاء الشيء على ما عليه واستصحابه إلى آخر الأمر.

(تقريرات رافعي، كراچی ۱/ ۶۳، زکریا ۲/ ۶۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۶/۶/۱۴۲۹ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۳۲/۳۸)

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کے بعد حلقہ کھولنا بہتر ہے یا نہیں؟

سوال [۱۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے تشہد میں ”أشهد أن لا إله إلا الله“ پر حلقہ باندھ کر انگلی سے اشارہ کے بعد حلقہ کھول کر انگلیاں سیدھی کر دینی چاہئیں، جب کہ ہمارے یہاں تعلیم یہ ہے کہ شہادت کی انگلی اشارہ کے بعد گرا دی جائے اور حلقہ بندھا رہے، حلقہ بندھا رہنے کی سند کیا ہے؟
تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالمعید قاسمی، بلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تشہد میں کلمہ کے موقع پر داہنے ہاتھ کے اخیر کی دونوں چھوٹی انگلیوں کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر ”لا الہ“ پر انگلی اٹھائے اور ”الا اللہ“ پر رکھ دے۔ اور یہ حالت اخیر تک باقی رکھے یہی صورت اولیٰ ہے۔ (رحمہ قديم ۶/۱۴۲، جدید زکریا ۵/۳۳)

عن علي بن عبد الرحمن أنه قال: رأني عبد الله بن عمرو أنا أعبث

بالحصى في الصلاة، فلما انصرف نهاني، فقال: اصنع كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع، فقلت: وكيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع؟ قال: كان إذا جلس في الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى، وقبض أصابعه كلها، وأشار بإصبعه التي تلى الإبهام، ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى. (صحيح مسلم، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۶، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۰، سنن نسائي، الصلاة، باب قبض الأصابع من اليد اليمنى دون السبابة، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۷، دارالسلام، رقم: ۱۲۶۸، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الإشارة في التشهد، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۲، دارالسلام، رقم: ۹۸۷، ۹۸۸، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۶۵، رقم: ۵۳۳۱، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۱۹۵، رقم: ۳۰۴۸، ۲/ ۴۸، رقم: ۳۲۳۹، سنن الترمذي، الصلاة، باب الإشارة في التشهد، النسخة الهندية ۱/ ۳۰، دارالسلام، رقم: ۲۹۴) وفي المحيط: أنها أي الإشارة سنة يرفعها عند النفی، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولى. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲۱۷، كراچی ۱/ ۵۰۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۲۲۱/۱۲۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۸۶۲۶۲)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲۲۱/۱۲۵ھ

تشہد میں کلمہ شہادت کی انگلی کب تک اٹھائیں؟

سوال [۱۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں ”أشهد أن لا إله إلا الله“ پر کلمہ شہادت کی انگلی کو اٹھانا ضروری ہے، بعض

حضرات کا کہنا ہے کہ انگلی کو اٹھائے رکھنا چاہئے جب تک کہ نماز پوری نہ ہو جائے، حکم شرعی کیا ہے ”الا اللہ“ پر انگلی کو گرانا چاہئے یا اٹھائے رکھنا چاہئے؟

المستفتی: ضیاء الدین امام مسجد گلاب باڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تشہد میں ”لا الہ الا اللہ“ پر شہادت کی انگلی اٹھا کر ”الا اللہ“ پر گرا دیا جائے اور آخر تک اسی حالت میں باقی رکھا جائے، یہی سنت طریقہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیمہ ۶/۲۱۲، جدید ذکر یا ۵/۳۳)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا جلس في الصلاة للشاهد نصب يديه على ركبتيه، ثم رفع إصبعه السبابة التي تلى الإبهام، وباقي أصابعه على يمينه مقبوضة كما هي. (المعجم الأوسط، دار الفکر ۱/ ۵۵۰، رقم: ۲۰۲۵)

وفي المحيط: أنها أي الإشارة سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولى. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲۱۷، كراچی ۱/ ۵۰۸)

قال محمد رحمه الله: يصنع بصنع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قال: وهذا قولى وقول أبي حنيفة، وفي الملتقط: الإشارة عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله حسن، ثم كيف يصنع عند الإشارة؟ حكى عن الشيخ الفقيه أبو جعفر رحمه الله أنه قال: يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى مع الإبهام، ويشير بسبابته. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ۲/ ۱۸۷، رقم: ۲۰۹۵، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث في ما يفعله بعد الشروع في الصلاة، جديد المجلس العلمي ۲/ ۱۲۸، رقم: ۱۳۸۹)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷/رجب ۱۴۲۰ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۴۰/۶۲۵۰)

تشہد میں انگلی کب اٹھائی جائے؟

سوال [۱۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تشہد میں انگلی کب اٹھانی چاہئے اور مٹھی بند رکھنی چاہئے یا کھول دینی چاہئے؟

المستفتی: حبیب الرحمن، گرام شاہ پور، بلڈھیگاڈا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: التحیات میں جب کلمہ شہادت پر پہنچے تو انگوٹھا اور وسطی کے درمیان حلقہ بنا کر ”لا الہ“ پر شہادت کی انگلی اٹھایا جائے اور ”الا اللہ“ پر گرادی جائے اور آخر تک اسی حالت پر باقی رکھی جائے۔ اور اس حلقہ بنانے کو عقد تریپن کہا جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ، قدیم ۶/۲۱۲، جدید، زکریا ۵/۳۳)

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أن رسول الله ﷺ كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة. (صحيح مسلم، المساجد، باب صفة الجلوس في الصلاة، النسخة الهندية ۱/۲۱۶، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۰)

وفي المحيط: أنها أي الإشارة سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار، فالعمل به أولى. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/۲۱۷، كراچی ۱/۵۰۸)

قال محمد رحمه الله: يصنع بصنع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قال: وهذا قولى وقول أبي حنيفة، وفي الملتقط: الإشارة عند قوله: أشهد أن لا إله إلا الله حسن، ثم كيف يصنع عند الإشارة؟ حكى عن الشيخ الفقيه أبو جعفر رحمه الله أنه قال: يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى مع الإبهام، ويشير بسبابته. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة ۲/۱۸۷، رقم: ۲۰۹۵، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث في ما يفعله بعد الشروع في

الصلاة، جدید المجلس العلمي ۲/۱۲۸، رقم: ۱۳۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح:

۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۲۲۰/۳۴)

۲۲/۶/۱۴۲۰ھ

نماز میں اشارہ بالسبابہ کی کیفیت اور اس کا شرعی حکم

سوال [۱۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشارہ بالسبابہ کی حیثیت نماز میں کیا ہے اور اشارہ کی کیفیت کیا ہے؟ انگلی کو اٹھا کر گرا دیا جائے گا یا آخر صلوٰۃ تک اٹھایا جائے گا؟ رفع اور خفض کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت ہو تو ایک حدیث تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: کلیم اللہ سینا پوری، معلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ سنت ہے اور اس کی کیفیت یوں ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلی کا حلقہ بنا لیا جائے اور ابہام اور وسطی کو حلقہ کی شکل میں رکھا جائے اور بنصر و خضر کو بند کر لیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عقد ترپین (۵۳) کا حلقہ بنا لیا جائے، یعنی انگشت وسطی بنصر و خضر کو بند کر کے ابہام کو وسطی کے مفصل ہی پر لا کر رکھا جائے، پھر وقت شہادت ”لا الہ“ کہتے وقت انگشت شہادت کو اوپر کی طرف اٹھا کر اشارہ کیا جائے اور ”لا اللہ“ پر گرا دیا جائے۔ ”شامی“ میں دونوں شکلیں موجود ہیں اور اشارہ کا ثبوت حدیث مسلم و حدیث مشکوٰۃ میں موجود ہے۔

عن ابن عمر - رضي الله عنه - أن رسول الله ﷺ كان إذا قعد في

التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابية. (صحيح مسلم، المساجد،

باب صفة الجلوس في الصلاة، النسخة الهندية ۱/۲۱۶، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۰)

صفتها أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطى،

ویقبض الخنصر والبصر، ويشير بالمسبحة، أو يعقد ثلاثة وخمسين بأن يقبض الوسطى والخنصر والبصر، ويضع رأس إبهامه على حرف مفصل الوسطى الأوسط، ويرفع الإصبع عند النفی، ويضعها عند الإثبات. (شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۲/۲۱۷، کراچی ۱/۵۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۰۸/۲۵)

تشہد میں انگلی اٹھانے اور حلقہ کھولنے کا مستحب طریقہ

سوال [۱۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران نماز التحیات میں ”لا الہ الا اللہ“ پر پہنچتے ہی انگوٹھا اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں، کیا التحیات مکمل کرنے کے بعد بھی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے رکھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: احسان احمد، محمد علی روڈ، کانٹھکی پلایا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: التحیات میں ”لا الہ الا اللہ“ پر وسطیٰ اور ابرہام کا حلقہ بنا کر سببہ کو اٹھا لیا جائے اور جب ”الا اللہ“ پر پہنچا جائے تو سببہ کو جھکا لیا جائے اور اسی حالت میں التحیات مکمل کی جائے اور قعدہ اخیرہ میں سلام تک اسی طرح باقی رکھا جائے اور اس طرح قبض اصابع اور ربط سببہ الی آخر الصلاة کے موضوع پر تفصیلی جوابات ”امداد الفتاویٰ زکریا ۱/۲۰۶ تا ۲۱۵، اور ایضاً الطحاوی ۲/۹۵ تا ۹۹“ میں موجود ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۲/۵/۱۴۲۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۵۴/۳۴)

رفع سبابہ کی شرعی حیثیت

سوال [۱۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تشہد میں رفع سبابہ کے متعلق ایک مضمون (باد باران یعنی تذکرہ محدث گنگوہی مصنفہ حضرت تھانوی، ناشر مکتب تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، مظفر نگر کے ص: ۹، تذکرہ: ۱۱) نظر سے گذرا، جس میں نقل کیا گیا ہے کہ رفع سبابہ کا اخیر تک باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے۔ اور ”ترمذی شریف“ کتاب الدعوات میں یہ حدیث ہے، ہمیں تو دریافت یہ کرنا ہے کہ حدیث کونسی ہے؟ پوری حدیث کومح حوالہ کے نقل کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں اور اس سلسلے میں اصل مسئلہ کیا ہے، جس پر فقہاء امت کا عمل ہو اور رفع سبابہ کا آخری وقت کیا ہے؟ اب بعینہ اس ملفوظ کو نقل کرتا ہوں: ”تشہد میں جو رفع سبابہ کیا جاتا ہے، اس میں تردد تھا کہ اشارہ کی بقا کس وقت تک کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں؟ محدث قدس سرہ کی حضور میں پیش کیا گیا تو فوراً ارشاد فرمایا کہ ترمذی کی کتاب الدعوات میں حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کے بعد فلاں دعا پڑھی اور اس میں سبابہ سے اشارہ فرما رہے تھے، اب ظاہر ہے کہ دعا قریب سلام پڑھی جاتی ہے، پس ثابت ہو گیا کہ اخیر تک اس کا باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے، اس سے بھی سرعت انتقال ذہنی اور ملکہ استنباط بخوبی روشن ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ کو باب التثہد میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں ہے، اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے، تفصیل کیا ہے مع حوالہ کتب فقہ و کتب حدیث مسئلے کو تحریر فرما کر مشکوٰۃ فرمائیں۔“

المستفتی: نعمت اللہ عباسی جزل اسٹورچوک گوٹھہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ”ترمذی شریف“ کتاب الدعوات میں رفع سبابہ سے متعلق جو حدیث شریف دعا کے ساتھ مروی ہے، وہ بعینہ نقل کی جاتی ہے:

حدثنا عقبہ بن مكرم، ناسعید بن سفیان الجحدري، نا عبد الله بن

معدان، قال: أخبرني عاصم بن كليب الجري، عن أبيه عن جده، قال: دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم وهو يصلي، وقد وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى، ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى، وقبض أصابعه وبسط السبابة، وهو يقول: يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك، هذا حديث غريب من هذا الوجه. (ترمذي شريف، كتاب الدعوات ۲/ ۱۹۸، دارالسلام، رقم: ۳۵۸۷)

اور (ترمذی شریف ۱/ ۳۹، دارالسلام، رقم: ۲۹۳، باب كيف الجلوس في التشهد) میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت میں: ”أشار بإصبعه“ کی عبارت موجود ہے۔ اور (۱/ ۳۹، دارالسلام، رقم: ۲۹۴، باب ماجاء في الإشارة) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ”رفع إصبعه التي تلى الإبهام يدعو بها“ کی عبارت آئی ہے۔ اور (نسائی شریف ۱/ ۱۸۷، رقم: ۱۲۶۸، باب احفاء السبابة في الإشارة) کے تحت حضرت نمیر بن ابی نمیر خزاعی کی روایت میں ”رافعا إصبعه السبابة قد أحفها شيئا، وهو يدعو“ کی عبارت آئی ہے، نیز (أبو داؤد شریف ۱/ ۱۴۲، رقم: ۹۸۷-۹۸۸، باب الإشارة في التشهد) میں بھی یہی حدیث شریف موجود ہے۔ اور اس میں ”هو يدعو“ کا لفظ نہیں ہے۔

اب اصل جواب پیش کیا جاتا ہے کہ مذکورہ ملفوظ و تذکرہ کے ہم مضمون فتویٰ تالیفات رشیدیہ ص: ۲۶۶، اور فتاویٰ رشیدیہ مبوب ص: ۳۱۲ میں بھی موجود ہے، نیز بہشتی زیور حصہ دوم میں التحیات کی بحث میں بھی اسی مضمون کا مسئلہ لکھا گیا تھا؛ لیکن بعد تحقیق حضرت تھانویؒ قدس سرہ نے اس مسئلہ سے رجوع فرما کر بہشتی زیور کی عبارت میں ترمیم فرمائی ہے کہ حدیث ترمذی سے رفع سبابة الی آخر الصلوة ہرگز مراد نہیں ہے؛ بلکہ قبض اصابع اور بسط سبابة الی آخر الصلوة ہی مراد ہے، نیز بہشتی زیور کی عبارت میں اس طرح ترمیم فرمائی ہے کہ ”لا الہ“ کے وقت انگلی اٹھاوے اور ”لا اللہ“ پر جھکاوے، مگر عقدا اور حلقہ کی ہیئت کو اخیر نماز تک باقی رکھے۔ (امداد

الفتاویٰ، زکریا/۱/۲۰۷، بہشتی زیور/۲/۱۷، اختری) نیز حضرت تھانوی قدس سرہ کے بہشتی زیور کی عبارت سے رجوع کرنے پر سائل نے مختلف دلائل سے نقد سوالات کئے اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے سب سوالات و اعتراضات کے ایک ایک کر کے مدلل جوابات دئے ہیں۔ اور حدیث ترمذی سے وہی مراد لیتے ہیں جس کی حدیث نسائی اور حدیث ابوداؤد مناطق ہیں، تفصیل امداد الفتاویٰ، زکریا/۱/۲۰۶ تا ۲۱۵ میں موجود ہے، نیز اس سلسلہ میں اصل مسئلہ اور فقہاء امت کا عمل و فتویٰ اسی پر ہے کہ عند النبی انگشت سبابة اٹھائی جائے اور عند الاثبات جھکائی جائے۔ اور قبض اصابع وبسط سبابة الی آخر الصلاة باقی رکھے۔

بسط الأصابع إلى حين الشهادة، فيعقد عندها، ويرفع السبابة عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبي صلى الله عليه وسلم بالأحاديث الصحيحة لصحة نقله عن أئمتنا الثلاثة. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب هيئة جلسة التشهدين، دارالكتب العلمية بيروت ۱۰۹/۳، کراچی ۸۷/۳)

إن الفتوى عندنا على أن يرفع عند النفي، ويضع عند الإثبات. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب هيئة جلسة التشهدين، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱۱/۳، کراچی ۸۹/۳، وهكذا في الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا/۲/۲۱۷، کراچی ۵۰۸/۱)

يضع كفيه على فخذيته، ثم عند وصوله إلى كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر، ويحلق الوسطى والإبهام، ويشير بالمسبحة رافعا لها عند النفي، واضعا عند الإثبات، ثم يستمر على ذلك؛ لأنه ثبت العقد عند ذلك بلا خلاف. (بذل المجهود، باب الإشارة في التشهد، سهارن پور قدیم ۱۲۸/۲)

تحت حديث النيمر فقط واللّه سبحانه وتعالى

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۵/۲۷ھ

کتبہ بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۳۰)

قعدہ میں اپنی انگلیوں کو اپنی ہیئت پر رکھنا

سوال [۱۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قعدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رہیں یا کچھ کشادہ رہیں، سنت کیا ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: شمس الحق مراد آباد

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی ہیئت پر کشادہ رکھنا مسنون ہے۔

و بسط أصابعه الخ (ہندیہ، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وأدائها وكيفيةاتها، زكريا ۱/۷۵، جديد ۱/۱۳۳، هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفي ديوبند ۱/۱۱۱، حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في كيفية تركيب أفعال الصلاة، دارالكتاب ديوبند ۲۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۳/۱۲ھ

۱۴۱۵/۳/۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۹)

عذر کی بنا پر صرف التحیات پڑھ کر سلام پھیرنا

سوال [۱۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی نماز کی نیت باندھے اور قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے لگے، اسی وقت اس کو پیشاب پاخانہ زور سے لگ جائے، تو صرف التحیات پوری کر کے بغیر درد و شریف و دعاءِ ماثورہ پڑھے سلام پھیر کر نماز کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کوئی اور زبردست کام کرنے کے لئے صرف التحیات ہی پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب دیں اور اسی طرح کسی کو قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھتے ہوئے پیٹ میں درد اٹھ جائے، تو صرف التحیات ہی پڑھ کر سلام پھیر کر نماز کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پہلی اور تیسری صورت میں التحیات کے بعد درود شریف اور دعائے ماثورہ پڑھے بغیر سلام پھیر کر نماز ختم کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ صلوٰۃ وسلام سنن و مستحبات صلاۃ میں سے ہیں، جن کا ترک بلا عذر جائز نہیں؛ لیکن حالت عذر شرعی میں گنجائش ہے۔

ثم الصلوٰۃ على النبي صلى الله عليه وسلم ليست بفرض، بل هو سنة مستحبة عندنا. (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، بيان مقدار التشهد، زكريا ۱/ ۵۰۰، كراچی ۱/ ۳۱۳)

ولا يكرهه في حالة العذر؛ لأن مواضع الضرورة مستثناة من قواعد الشرع. (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، ما يستحب في الصلاة وما يكره؟ زكريا ۱/ ۵۰۶، كراچی ۱/ ۲۱۵)

اور دوسری صورت میں زبردست کام کی وضاحت فرمائیں، اس کے بعد جواب لکھا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۳۶/۳۴)

مقتدی کا التحیات پڑھ کر امام سے قبل سلام پھیرنا

سوال [۱۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب کے بہت سارے مقتدی یا بہت قلیل مقتدی نماز پڑھنے لگے اور جب قعدۂ اخیرہ میں امام صاحب پہنچے تو کسی مقتدی کو پیٹ میں درد ہو جائے یا اسی طرح کی پریشانی جیسے پاخانہ پیشاب لگ جائے یا رت خارج کرنے کا زبردست تقاضہ ہو جائے، تو ایسے وقت میں مقتدی صرف التحیات پڑھ کر خود بخود اپنی طبیعت سے سلام پھیر کر نماز کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم، سپول بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی شدید حاجت کی بنا پر مقتدی کے لئے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام سے پہلے سلام پھیرنے کی گنجائش ہے اور نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے؛ لیکن بلا عذر امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز کا اعادہ وقت کے اندر لازم ہوگا، اگر وقت کے اندر اعادہ نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۳/۲۹۳، فتاویٰ رحیمیہ، قدیم ۴/۳۳۳، جدید زکریا ۵/۱۲۲)

وإن سلم المقتدي قبل الإمام، وذهب، إن كان بعذر يجوز، وإن لم يكن بعذر يكره مخالفة الإمام. (الفتاویٰ التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زکریا ۲/۱۹۰، رقم: ۲۱۰۴)

ولو أتمه قبل إمامه، فتكلم جاز، وكره، قال ابن عابدين تحت قوله: ولو أتمه الخ، أي لو أتم المؤتم التشهد، بأن أسرع فيه، و فرغ منه قبل إتمامه، فأتى بما يخرج من الصلاة، كسلام أو كلام، أو قيام جاز، أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذر، فلو به كخوف حدث، أو خروج وقت جماعة، أو مرور ما بين يديه، فلا كراهة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۲/۲۴۰، کراچی ۱/۵۲۵)

لزمه وجوبا أن يعيد في الوقت، فإن خرج الوقت بلا إعادة، أثم. (البحر الرائق، باب قضاء الفوائت، زکریا ۲/۱۴۲، كوئٹہ ۲/۸۰، شامي، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلوة أديت مع الكراهة التحريم تجب إعادتها، زکریا ۲/۱۴۸، کراچی ۱/۴۵۷) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۲/۲۵ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۰۸)

لفظ ”سلام“ واجب ہے یا سنت؟

سوال [۱۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) خروج عن الصلاة کے لئے لفظ ”سلام“ سنت ہے یا واجب یا فرض؟

(۲) دونوں سلاموں کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ؟ مفصل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: کلیم اللہ، مقام فتح پور، پوسٹ کملا پور، ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) حضرات حنفیہ کے نزدیک خروج عن الصلاة کے لئے

لفظ ”سلام“ واجب ہے اور لفظ ”علیکم“ واجب نہیں ہے، بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

أما صفتہ: إصابۃ لفظۃ السلام لیست بفرض عندنا، ولكنها واجبة.

(بدائع لصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی بیان الحروج من الصلاة، کراچی ۱/ ۱۹۴، زکریا ۱/ ۴۵۴)

وأما الخروج بلفظ السلام، فهو واجب عندنا، لمواظبته عليه السلام.

(شرح کبیری، اشرفیہ دیوبند ص: ۱۳۶)

وإصابة لفظ السلام، وما زاد سنة أو ندب. (فتاویٰ تاتارخانیہ، کتاب

الصلاة، الفصل الثانی، کوئٹہ ۱/ ۵۱۰، زکریا ۲/ ۱۳۳، رقم: ۱۹۵۴)

(۲) حضرات حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ دونوں سلام واجب ہیں۔ حکم وجوب میں دونوں کا

حکم یکساں ہے اور یہی صحیح ہے۔

ويجب لفظ السلام مرتين في اليمين واليسار. (مراقی الفلاح، مع حاشیة

الطحطاوي، باب شروط الصلاة، فصل فی بیان واجب الصلاة، قدیم، ص: ۱۳۶، جدید،

دارالکتاب دیوبند، ص: ۲۵۱)

ولفظ السلام مرتين، فالثاني واجب على الأصح. (الدرالمختار، کتاب

الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۲/ ۱۶۲، کراچی ۱/ ۴۶۸، شرح نقایہ، کتاب الصلاة،

باب صفة الصلاة، اعزازیہ دیوبند ۱/ ۸۱، غنیة المستملي، شرح کبیری، باب صفة الصلاة،

أشرفیہ دیوبند، ص: ۳۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۱/۱۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۵۰/۲۶)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۶/۴ھ

ایک سلام پھیرنے کے بعد حدث لاحق ہو گیا

سوال [۱۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر نماز ادا کر رہا تھا، آخری رکعت میں سلام سے قبل حدث لاحق ہو گیا، تشهد پڑھ چکا تھا، ایک جانب سلام بھی پھیر چکا تھا کہ حدث لاحق ہو گیا اور نماز سے سلام کے ساتھ نکلنا واجب ہے، تو ایسی صورت میں نماز کا اعادہ بکر پر واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرم، معلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک اگرچہ دونوں سلام واجب ہیں؛ لیکن جب ایک سلام کے بعد حدث لاحق ہو چکا ہے، تو ارکان صلوٰۃ میں سے کوئی رکن باقی نہ ہونے کی وجہ سے واجب الاعادہ نہ ہوگی، نماز مکمل ہوگئی ہے۔

وإن تعمد الحدث في هذه الحالة، أو تكلم، أو عمل عملاً ينافي الصلاة تمت صلاته؛ لأنه يتعذر البناء لوجود القاطع، لكن لا إعادة عليه؛ لأنه لم يبق عليه شيء من الأركان. (هدايه، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبه أشرفی دیوبند ۱/ ۱۳۰، البنایة، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، أشرفیہ دیوبند ۲/ ۳۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۳/۹ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۹۸/۳۱)

لفظ ”سلام“ کے علاوہ کسی دوسرے فعل سے نماز سے نکلنا

سوال [۱۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرات حنفیہ کے نزدیک لفظ ”سلام“ واجب ہے، نماز سے خروج کے لئے خروج بصرہم فرض ہے، تو اگر کوئی شخص لفظ ”سلام“ کے علاوہ کسی دوسرے لفظ یا کسی فعل سے نکلتا ہے، تو اس صورت میں لفظ ”سلام“ جو کہ واجب ہے اس کے ترک کرنے سے نماز کو لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس کو تفصیل سے تحریر فرما کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد یاسین، چمپارن، معلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز سے خروج کے لئے لفظ ”سلام“ واجب ہے، اگر کوئی سلام کے علاوہ کسی دوسرے لفظ یا فعل سے نکلتا ہے، تو اس صورت میں نماز کا اعادہ ضروری ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

المستفاد: لها واجبات لا تفسد بترکها، وتعاد وجوبا، وهي على ما ذكره أربعة عشر إلى قوله: ولفظ السلام مرتين، فالثاني واجب على الأصح، وتحتة في الشامية: وقيل سنة. (شامي، زكريا ديوبند ۲/۱۵۶-۱۶۲، كراچی ۱/۴۵۶، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب شروط الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، قديم ۱۳۶، جديد، دارالكتاب ديوبند ۲۵۱)

وأما الخروج بلفظ السلام، فهو واجب عندنا لمواظبته عليه الصلاة والسلام عليه وعند الأئمة الثلاثة، هو فرض، فلو تركه فسدت صلاته عندهم لا عندنا على ما تقدم أنه لو أحدث عمداً بعد القعود قدر التشهد، أو تكلم، أو عمل عملاً منافياً للصلاة تمت صلاته، لكن مع كراهة التحريم، لتركه الواجب. (حلي كبير، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، أشرفيه ديوبند، ص: ۲۹۸، طحطاوي، باب شروط الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، قديم، ص: ۱۳۶،

جدید، دارالکتاب دیوبند ۱ / ۲۵۱، الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی

الخروج عن الصلاة، قدیم ۱ / ۵۰۹، جدید ۲ / ۱۳۰، رقم: ۱۹۴۶)

ثم قيل الثانية سنة، والأصح أنها واجبة كالأولى وبمجرد لفظ

السلام يخرج ولا يتوقف على عليكم. (فتح القدير، زكريا ۱ / ۳۲۸، كوثته

۱ / ۲۷۹) فقط واللهم سبحانك وتعالى أعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۸/۸/۹ھ

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸ شعبان ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۱۲/۳۳)

سلام پھیرتے وقت نگاہ کہاں رکھیں؟

سوال [۱۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: سلام پھیرتے وقت نمازی اپنی نگاہ کہاں رکھے، کاندھوں پر یاد آئیں بائیں؟ جو کچھ بھی ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عارف کاندھ دروازہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سلام پھیرتے وقت نمازی اپنی نگاہ کو اپنے کندھوں پر رکھے۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه قال: كنت أرى رسول الله صلى الله عليه

وسلم يسلم عن يمينه وعن يساره، حتى أرى بياض خده. (صحيح مسلم،

الصلاة، باب السلام للتحليل من الصلاة عند فراغها، وكيفيته، النسخة الهندية ۱ / ۲۱۶،

بيت الأفكار، رقم: ۵۸۲، مسند الدارمي، دارالمغني ۲ / ۸۴۹، رقم: ۱۳۸۵)

ومنها نظره إلى المنكبين مسلما. (مراقبي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،

كتاب الصلاة، فصل في آدابها، قدیم، ص: ۱۵۱، جدید، دارالکتاب دیوبند، ص: ۲۷۷،

نور الإيضاح، الصلاة، فصل في بيان آداب الصلاة / ۱ (۵۹)

وعند التسليمة الأولى إلى كتفه الأيمن، وعند التسليمة الثانية إلى كتفه الأيسر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، زكريا ۲۵/۱۸۶، رقم: ۲۰۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳۱۶/۸/۱۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳۱۶/۸/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۵۶۵)

نماز میں دوسرے سلام کی مقدار

سوال [۱۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں دوسرا سلام پہلے سلام سے کچھ مختصر ہو یا دونوں برابر ہوں؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: محی الدین امام بڑی مسجد رام نگر نئی تال
باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دونوں سلام برابر ہونا چاہئے؛ البتہ پہلے سلام کے مقابلہ میں دوسرے سلام کو کچھ ہلکی اور پست آواز سے ادا کرنا افضل ہے۔

والسنة في السلام أن يكون التسليمة الثانية أخفض من الأولى.

(الفتاوى لتاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، كوثه ۱/۵۵۲، زكريا ۲/۱۸۸، رقم: ۲۰۹۷، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فيما يفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۲/۱۲۸، رقم: ۱۳۹۲، ہندیہ، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ۱/۷۶، جديد ۱/۱۳۴، تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، مكتبه إمداديه ملتان ۱/۱۲۶، زكريا ۱/۳۲۲-۳۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۰۳۸)

سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز کے اختتام پر سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ بعض ائمہ مساجد سلام میں کافی مد کرتے ہیں اور بعض بروایت ”حذف السلام سنہ“ مد نہیں کرتے، ایسے ہی بعض لوگ پہلے سلام کو کھینچتے ہیں اور دوسرے سلام کو بہت کم کھینچتے ہیں، حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالکریم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: نماز کے اختتام پر سلام پھیرتے ہوئے مد کرنے اور نہ کرنے میں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہئے، مد بہت زیادہ لمبانہ ہو اور اتنا مختصر بھی نہ ہو کہ پتہ ہی نہ چلے اور حضرت عبداللہ بن المبارک نے ”حذف السلام سنہ“ کی تشریح کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے کہ سلام میں زیادہ لمبا نہ کیا جائے، ہاں البتہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ پہلے سلام کے مقابلہ میں دوسرے سلام کو ذرا مختصر اور معمولی پست کیا جائے، ایسا بھی نہیں کہ پہلا سلام بہت زور سے اور دوسرا سلام بہت معمولی ہو صرف ۱۹-۲۰ کا فرق ہو اور فقہاء کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دونوں سلام میں بہت زیادہ کھینچنا نہیں چاہئے؛ بلکہ مد میں اعتدال اختیار کرنا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۳/۳۱۲)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: حذف السلام سنة، قال علي بن حجر، وقال ابن المبارک: یعنی أن لا تمدہ مدا، قال أبو عیسیٰ: هذا حدیث حسن صحیح، وهو الذي يستحبه أهل العلم. (ترمذی شریف، الصلاة، باب ماجاء أن حذف السلام سنة، النسخة الهندية ۱/۶۶، دار السلام، رقم: ۲۹۷)

وقال في مجمع البحار: هو تخفيفه، وترك الإطالة فيه. (بذل المجهود،

كتاب الصلاة، باب حذف السلام، مكتبة يحيى سهارنپور ۲/۱۳۴، دار البشائر الإسلامية ۴/۵۸۱)

وسن جعل الثاني أخفض من الأول (درمختار) أفاد أنه يخفض صوته بالأول أيضاً، أي عن الزائد على قدر الحاجة في الإعلام، فهو خفض نسبي، وإلا فهو في الحقيقة جهر، فالمراد أنه يجهر بهما إلا أنه يجهر بالثاني دون الأول. (درمختار مع الشامي، باب صفة الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح، زكريا ۲ / ۲۴۱، كراچی ۱ / ۵۲۶)

والسنة للإمام في السلام أن تكون التسلمة الثانية أخفض أي أسفل من التسليمة الأولى من حيث الصوت؛ لأن ظاهره يجهر بها جهراً دون الجهر بالأولى، وفي بعض النسخ: ومن المشايخ من قال يخفض الأولى من الثانية، أي يخفض الأولى أزيد من الثانية، وهذا غير صحيح والصحيح القول الأول، أنه يجهر بالثانية دون الجهر بالأولى. (حلبی کبیر، باب صفة الصلاة، ص: ۳۴۰، هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيةها، زكريا قديم ۱ / ۷۶، جديد ۱ / ۱۳۴) فقط واللهم سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹ / ۱۰۶۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

نماز میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

سوال [۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز میں سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ زید کا کہنا ہے ”السلام علیکم“ سامنے کہہ کر پھر گردن موڑے اور ورحمۃ اللہ داہنی و بائیں طرف کہے۔
(۲) کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر سلام پھیرتے وقت فرشتوں و مقتدیوں کی نیت کرنے کا کیا مطلب ہوگا؟

المستفتی: عبداللہ متعلم شعبہ افتاء مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز میں سلام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ لفظ ”السلام“ کہتے ہوئے گردن موڑتا جائے جس میں ”السلام“ کا کچھ حصہ دائیں طرف اور بائیں طرف موڑتے ہوئے ادا ہو جائے اور ”علیکم ورحمة اللہ“ مکمل مڑ چکنے کے بعد ادا ہو۔ سوال میں جو شکل لکھی گئی ہے کہ مکمل ”السلام علیکم“ گردن موڑنے سے پہلے ادا کر لیا جائے، یہ مسنون طریقہ نہیں ہے۔

عن عمار بن یاسر قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یسلم عن یمینہ وعن یسارہ، حتی یری بیاض خدہ، السلام علیکم ورحمة اللہ، السلام علیکم ورحمة اللہ. (سنن ابن ماجہ، الصلاة، باب التسليم، النسخة الهندية ۱/۶۵، دارالسلام، رقم: ۹۱۶، ومثله في مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۳/۳۰۷، رقم: ۱۱۰۰، ۵/۳۴۵، رقم: ۱۹۷۲، المعجم الكبير، دار احیاء التراث العربی ۱۰/۱۲۳، رقم: ۱۰۱۷۲)

وينوی بالسلام من عن یمینہ من الرجال والنساء والحفظة، وكذا في التسليمة الثانية. الخ (الجوهرة، دارالكتاب ديوبند ۱/۶۷، طحطاوي على المراقي، دارالكتاب ديوبند ۲۷۴)

ههنا نذكر سنن التسليم، فمنها: أن يبدأ بالتسليم عن اليمين (إلى قوله) ومنها: أن يباليغ في تحويل الوجه في التسليمتين، ويسلم عن يمينه، حتى يرى بياض خده الأيمن، وعن يساره حتى يرى بياض خده الأيسر (إلى قوله) ولا يكون ذلك إلا عند شدة الالتفات. (بدائع، كتاب الصلاة، صفة السلام، زكريا ۱/۵۰۲، كراچی ۱/۲۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۶/۶/۲۷ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴/۸۸۷)

سلام پھیرنے کا طریقہ

سوال [۱۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ نے مختلف جگہوں میں سلام پھیرنے کا جو طریقہ لکھا ہے، یا آپ کے خلفاء نے جو نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ دہنی طرف سلام پھیرتے وقت ”السلام علیکم“ کہتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف رہے، جب ”ورحمۃ اللہ“ کہے اس وقت دہنی طرف کندھے پر نظر کرے، پھر چہرہ کو قبلہ کی طرف کر کے ”السلام علیکم“ کہے، پھر ”ورحمۃ اللہ“ کہتے وقت بائیں طرف منہ پھیر لے۔ معلوم یہ کرنا ہے کیا ہم یہی طریقہ معمول میں رکھیں؛ کیوں کہ ہمیں فقہ کی کسی کتاب میں سلام پھیرنے کا یہ طریقہ نہیں ملا، آپ کی نظر میں ہو تو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ کی تحریر سوال نامہ میں درج کردہ شکل سے متعلق دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا؛ لیکن کتب فقہ اور احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ سلام کی ابتدا چہرے کے قبلہ کی طرف رہنے کی حالت میں کی جائے اور ابتدا سے چہرے کو موڑتے چلے جائیں اور اپنا چہرہ مکمل دائیں طرف مڑنے کے بعد سلام مکمل ہونا چاہئے، اسی طرح بائیں طرف مکمل مڑنے کے بعد سلام مکمل ہونا چاہئے۔ اور مڑتے ہوئے سلام کے الفاظ کہتے چلے جائیں، اتنی بات ان احادیث شریفہ سے ثابت ہوتی ہے، جن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز کی تکمیل پر دو سلاموں سے سلام پھیرنے کا ثبوت ہے؛ اس لئے یہی سنت کے مطابق معلوم ہوتا ہے؛ البتہ بعض احادیث میں قبلہ کی طرف رخ کر کے صرف ایک سلام کرنے کا ذکر بھی موجود ہے، جس کی بنا پر بعض ائمہ نے ایک ہی سلام کو مسنون کہا ہے۔ اور اس قسم کی روایات کے تحت بعض

محدثین اور شرح حضرات نے اس حدیث کی تاویل تقریباً اسی طرح کی ہے، جیسا کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کے حوالہ سے سائل نے پیش کیا ہے، جمہورائمہ نے دو سلام والی روایات کو اپنا مستدل بنایا ہے اور ایک سلام والی روایت کی تاویل فرمائی ہے۔ روایات ملاحظہ فرمائیں۔

عن عامر بن سعد، عن أبيه قال: كنت أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم يسلم عن يمينه وعن يساره، حتى أرى بياض خده. (صحيح مسلم، الصلاة، باب السلام للتحليل من الصلاة عند فراغها، وكيفية، النسخة الهندية ۱/۲۱۶، بيت الأفكار، رقم: ۵۸۲، مسند الدارمي، دارالمغني ۲/۸۴۹، رقم: ۱۳۸۵، سنن النسائي، الصلاة، باب السلام، النسخة الهندية ۱/۱۴۸، دارالسلام، رقم: ۱۳۱۷، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/۳۸۱، رقم: ۷۲۶)

عن عبدالله بن مسعود - رضي الله عنه - أن النبي ﷺ كان يسلم عن يمينه حتى يرى بياض خده، السلام عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله. (أبو داؤد شريف، الصلاة، باب في السلام، النسخة الهندية ۱/۱۴۳، دارالسلام، رقم: ۹۶۶، مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۹۰، رقم: ۳۶۹۹، ۳۷۰۲، ۴۰۹/۱، رقم: ۳۸۸۷، ۳۸۸۸، ۴۴۴/۱، رقم: ۴۲۴۱، ۴۴۸/۱)

عن عدي بن عميرة الحضرمي، حدثه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سلم في الصلاة أقبل بوجهه عن يمينه، حتى يرى بياض خده، ثم يسلم عن يساره ويقبل بوجهه حتى يرى بياض خده الأيسر. (طحاوي شريف، الصلاة، باب السلام في الصلاة كيف هو؟ النسخة الهندية ۱/۱۵۹، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/۳۵۰، رقم: ۱۵۷۱)

عن أبي الأحوص عن عبد الله قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يسلم عن يمينه وعن يساره حتى يبدو بياض خده، السلام

علیکم ورحمة الله، السلام علیکم ورحمة الله. (طحاوی شریف، الصلاة، باب السلام في الصلاة كيف هو؟ النسخة الهندية ۱ / ۱۵۸، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱ / ۳۴۷، رقم: ۱۵۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۷۸)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

بحالت مجبوری ٹرین یا بس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۱۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ٹرین یا بس میں فرض نماز بحالت مجبوری بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے؟ نیز ہوائی جہاز میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس سلسلہ میں امام صاحب کا موقف جواز کے خلاف تو نہیں؟
المستفتی: طاہر جامعہ شاہ ولی اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹرین اور بس پر نماز کا حکم وہی ہے جو کشتی میں ہے، اگر دوران سر کا خطرہ ہے تو بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے، ورنہ کھڑے ہو کر پڑھنا لازم ہے اور ٹرین میں دوران سر کا خطرہ عام طور پر نہیں ہوتا ہے، جس کا تجربہ عام لوگوں کو حاصل ہے، اور ہوائی جہاز پر نماز پڑھنے کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر ہوائی جہاز اترنے تک وقت نکل جانے یا وقت تنگ ہو جانے کا خطرہ ہو تو چلتے ہوئے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف ہو تو احقر کو معلوم نہیں۔

إن الصلاة في القطار السائرة كالصلاة في السفينة السائرة، وقوله:

الفرق بين القطار والطائرات، أن القطار السائرة إذا تمكن فيها المصلي من القيام والركوع والسجود، واستقبال القبلة فلا داعي إلى تأخير الصلاة إلى

آخر الوقت (إلى قوله) وأما الطيارات فيجب عليه التأخير فيها إلى آخر الوقت (إلى قوله) ومثل السفينة القطر البخارية البرية، والطيارات الجوية، ونحوها ولم يبين فيه اختلاف المذاهب، فكأنهم استنبطوا من المذاهب كلهما القدرة المشتركة. (معارف السنن، باب ماجاء في الصلاة على الدابة، أشرفيه ديوبند ۳/ ۳۹۴-۳۹۶)

ثم إن مشايخنا كانوا يعدون القطار كالسيرير المستقر على الأرض، فلا يجوز الصلاة فيه إلا قائما، وقيل: إنه كالسفينة، فتجوز قائما وقاعدا وهو المختار عندي. (فيض الباري، الصلاة، باب الصلاة على الحصير، كوثه ۲/ ۲۴، رقم: ۳۸۰) فقط واللّه سبحانه وتعالى أعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۲۵/۱/۱۷ھ

(الف فتاویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۰۷)

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵/۱/۱۷ھ

بس میں نماز کا طریقہ

سوال [۱۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص سفر کر رہا ہے، نماز کا وقت ہو گیا اور بس میں سوار ہے، نماز کا وقت جا رہا ہے، اس صورت میں نماز کیسے ادا کرے؟ رہنمائی فرمائیں مع الدلائل۔

المستفتی: فراز قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بس میں سفر کرتے ہوئے چونکہ کھڑے ہو کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا ناممکن ہے، اسی طرح بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز کے لئے جگہ نہیں ہوتی اور بس سے اتر کر وقت کے اندر اندر نماز پڑھنا بھی غیر متوقع ہے؛ اس لئے ایسی

صورت میں اشارے سے نماز پڑھ لے اور بعد میں اس نماز کا اعادہ کر لے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا/۱/۵۸۶)

وفي الخلاصة، وفتاویٰ قاضیخان وغیرہما: الأيسر في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء، ثم يعيد إذا خرج فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالى لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحر الرائق، الكتاب الطهارة، باب التيمم، كوئته ۱/ ۱۴۲، زکریا ۲۴۸، ہندیہ، کتاب الطہارۃ، الباب الرابع فی التیمم، زکریا قدیم ۱/ ۲۸، جدید ۱/ ۸۱، فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصلاۃ، فصل فیما یجوز لہ التیمم، زکریا جدید ۱/ ۴۰، وعلی ہامش الہندیہ ۱/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۲۳ رجب ۱۴۲۸ھ

۱۴۲۸/۷/۲۳

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۶۸)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال [۱۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں جب نمازی رکوع کرے گا، تو دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے یا گھٹنوں کو انگلیاں کشادہ کر کے پکڑے، جیسا کہ کھڑے ہونے کی حالت میں گھٹنوں کو رکوع میں پکڑا جاتا ہے یا جیسے قعدہ کی حالت میں ہاتھ رانوں پر گھٹنوں سے پیچھے رکھے جاتے ہیں، ایسے رکھے، فقہاء کا کیا قول ہے؟

المستفتی: عبدالرشید، قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو بیٹھنے کی کیفیت وہی ہونی

چاہئے جو التحیات کی ہوتی ہے اور جس طرح التحیات کی حالت میں ہاتھوں کو گھٹنوں اور زانوؤں پر رکھنے کا مسنون و مستحب طریقہ ہے کہ انگلیوں کو اپنی ہیئت پر رکھا جائے، وہی بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بیٹھنے کی حالت میں مستحب ہے اور رکوع کے وقت ہاتھوں کو اس طرح رکھا جائے گا جس طریقہ سے بیٹھنے کی حالت میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں فقہی جزئیات صراحت سے موجود نہیں ہیں، اصول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

ويقعد المتنفل جالسا كالمتشهد في المختار. (الطحاوي على

المراقبي، باب الوتر وأحكامه، فصل في صلاة النفل جالسا، أشرفي ۴۰۴)

ويقعد المتنفل جالسا كالمتشهد في المختار. (نور الإيضاح، الصلاة،

فصل في صلاة النفل جالسا، والصلاة على الدابة/ ۸۱)

ويضع يميناه على فخذة اليمنى، ويسراه على اليسرى، ويبسط

أصابعه مفرجة قليلا جاعلا أطرافها عند ركبتيه. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲۱۶، کراچی ۱/ ۵۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ العلم

الجواب صحیح:

کتبہ: بشیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۳ شعبان ۱۴۲۸ھ

۱۴/۸/۱۴۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۰۰)

شیخ فانی اشارہ سے نماز پڑھے

سوال [۱۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اتنا بوڑھا ہو گیا کہ نماز پڑھنے سے عاجز ہے، تو کیا وہ بھی فدیہ ادا کرے گا؟ برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ارقم علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بوڑھے عاجز آدمی کے لئے بھی نماز کا فدیہ زندگی میں ادا

کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ ایسے ضعیف کے لئے اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔
 لا فدية في الصلوة حالة الحياة، بخلاف الصوم -إلى- ولا يتحقق
 عجزه عن الصلاة؛ لأنه يصلي بما قدر، ولو مؤميا برأسه. (البحر الرائق، كتاب
 الصلاة، باب صلاة المريض، زكريا ۲/ ۲۰۴، ۲۰۵، كوئته ۱/ ۱۱۶، شامي، باب قضاء
 الفوات، مطلب في بطلان الوصية بالختومات والتهليل، زكريا ۲/ ۵۳۵، كراچی ۲/ ۷۴)
 فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
 ۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
 (الف فتویٰ نمبر: ۲۷۷/۲۷۷)

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں سرین کو اٹھانا کیسا ہے؟

سوال [۱۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے
 میں: نفل نماز جو بیٹھ کر پڑھتے ہیں، تو کیا بیٹھ کر پڑھنے کی حالت میں رکوع کرتے وقت سرین
 پاؤں سے اٹھانا چاہئے یا نہیں؟ اس کے بارے میں خلاصہ جواب تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔
 المستفتی: عبدالستار، مسجد کئڈاوالی پچھڑاپوں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مستحب طریقہ یہ ہے کہ بیٹھ اتنی جھکائی جائے کہ پیشانی
 گھٹنوں کے مقابل ہو جائے، سرین اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ، قدیم ۴/
 ۲۹۹، جدید، زکریا ۲۷۷)

ولو كان يصلي قاعدا ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل
 الركوع قلت، ولعله محمول على تمام الركوع، وإلا فقد علمت حصوله
 بأصل طأطأة الرأس، أي مع انحناء الظهر. (شامي، باب صفة الصلاة، بحث
 الركوع والسجود، كراچی ۱/ ۴۷۷، مصري ۱/ ۴۱۶، زكريا ۲/ ۱۳۴، نفع المفی

والسائل، ص: ۷۶، طحطاوی علی المراقی، باب شروط الصلاة، و أركانها، قديم، ص: ۱۲۵، جديد، دارالكتاب ديوبند، ص: ۲۲۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۱۰/۲۵)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع میں کتنا جھکا جائے؟

سوال [۱۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بیٹھے بیٹھے نفل نماز پڑھ رہا ہے، جب وہ رکوع کرے گا تو کتنا جھکے گا؟ کیا کمر، سر اور پیٹھ کو برابری میں رکھے گا یا صرف دو تین انچ تک منڈی جھکا لے؟

المستفتی: مولوی عبدالماجد مبارک نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: بیٹھ کر نفل پڑھتے ہوئے رکوع میں پیشانی کھٹنوں کے سامنے تک جھکایا کریں، تاکہ صحیح طریقہ سے رکوع ادا ہو جائے، اب اس کے لئے منڈی کو جتنا جھکانے کی ضرورت ہو جھکائیں۔

ولو كان يصلي قاعدا ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع.

(شامی، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، زکریا ۲/۱۳۴، کراچی ۱/۴۴۷)

فإن ركع جالساً، ينبغي أن تحاذي جبهته ركبتيه ليحصل الركوع.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب شروط الصلاة، و أركانها، دارالكتاب ديوبند

۲۲۹) فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۷۲/۳۳)

بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں سرین کو اٹھانا

سوال [۱۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نوافل بیٹھ کر پڑھنے کی حالت میں رکوع کرتے وقت سرین کو دونوں پیر کھڑے کر کے اٹھا دینا چاہئے یا کیا صورت مسنون ہے؟

المستفتی: حفظ الرحمن، قصبہ سہ ماہی، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: اس کے متعلق کوئی جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ اصول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رکوع میں سرین نہ اٹھانا بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۵/۱۱/۲۰ھ

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۵/۱۱/۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۱۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

